خطوطِ مودودی

ابوالاعلیٰ مودودی
۵-اے ذیلدار پارک - اچھرہ
لاہور-۱۲ (پاکستان)

حوالہ
مورخہ

۲

رفیع الدین ہاشمی
سلیم منصور خالد

یہ کتاب سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ایک سو پچاس غیر مطبوعہ اور غیر مدون خطوط کا مجموعہ ہے۔ اس سلسلے کی پہلی جلد ۱۹۸۳ء میں شائع ہوئی تھی، جس میں مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کے نام پچاس خط شامل تھے۔

ان خطوں میں صحتِ متن پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ مزید بر آں توضیح مطالب کے لئے ہر خط کے مکتوب الیہ کے مختصر تعارف اور خط کے متن پر ضروری حواشی و تعلیقات کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔

زیر نظر خطوط کے موضوعات و مسائل میں خاصا تنوع اور ان پر اظہارِ خیال کا دائرہ خاصا وسیع ہے۔ قرآن، حدیث، فقہ، پاکستان کی سیاسی صورت حال، جہاد، کشمیر، سقوط حیدر آباد دکن، قادیانیت، اشتراکیت، خاکسار تحریک، جماعت اسلامی کے تنظیمی امور، علامہ اقبال، قائد اعظم، علامہ مشرقی، علامہ محمد اسد اور خود مولانا کی اپنی زندگی کے بعض واقعات، محسوسات اور متفرق کوائف شامل ہیں۔ یوں ان خطوں کی علمی، تاریخی اور سوانحی اہمیت مسلمہ ہے۔

یہ خطوط سید مودودی کی مستقل تصانیف کی قیمتی توسیع ہیں اور ان کی شخصیت و علمیت کے مطالعے اور تفہیم، نیز تحریک اسلامی کے ارتقاء اور وسعت پذیری کا اندازہ لگانے کے لئے نہ صرف مفید و معاون ہیں، بلکہ اس ضمن میں ان کی حیثیت بنیادی اور کلیدی مصدر کی ہے۔ (مرتبین)

خطوطِ مودودی

مع حواشی و تعلیقات



۲

مرتبہ

رفیع الدین ہاشمی
سلیم منصور خالد

منشورات

لاہور ○ پاکستان

طبع اول، نومبر ۱۹۹۵ء

اہتمام

ادارہ معارف اسلامی، لاہور

ناشر

منشورات

منصورہ، لاہور، ۵۴۵۷۰



طابع: مکتبہ جدید پریس، لاہور

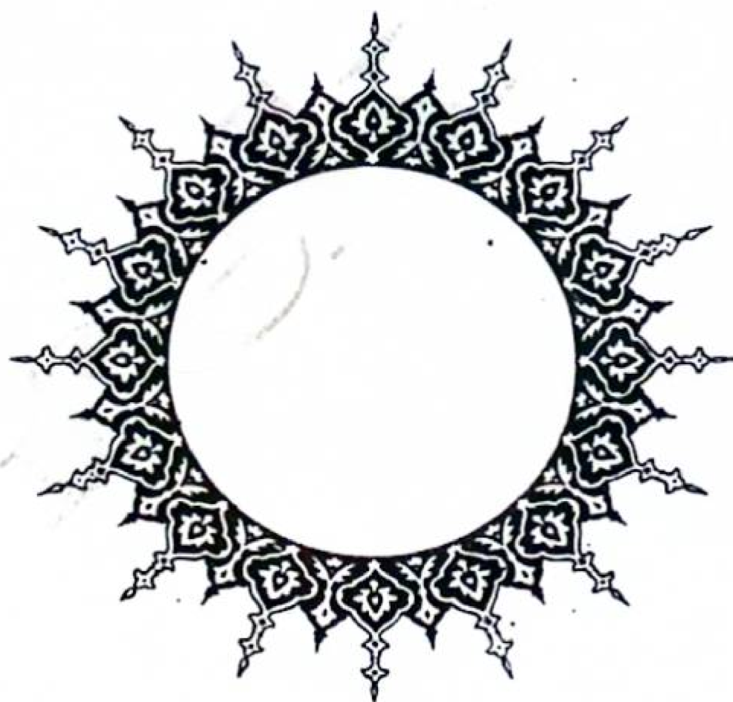
مولانا مودودی کے تلمیذِ رشید

اور

ان کے معاونِ علمی

ملک غلام علی مرحوم

کے نام



ترتیب



بنام مولانا مودودی

پیش لفظ

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے ایک سو پچاس غیر مطبوعہ اور غیر مدون بیش بہا خطوط کا ہی سرمایہ، جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، ان کے گراں قدر فیوض میں ایک قیمتی اضافہ ہے۔ بلاشبہ ہر خط، کاتب خط کی پوری شخصیت کا تر جمان ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ مجموعہ خطوط ایک بڑا دلاویز مرقع ہے، کیونکہ سید مودودیؒ کی تحریروں میں خطوط ان کی شخصیت کی بہترین تر جمانی کرتے ہیں۔ یہ ان کے علمی افکار کا مخزن ہیں، ان مقاصد اور امنگوں اور آرزوؤں کے آئینہ دار ہیں جن کے لئے وہ زندگی بھر جدوجہد کرتے رہے۔ یہ ان منازل کی نشان دہی کرتے ہیں جن سے وہ گذرتے رہے، اور کبھی کبھی ان جذبات و احساسات کی جھلک بھی دکھا دیتے ہیں جو ان کے قلب و روح میں موجزن رہے۔

ان کی ساری زندگی اس مقصد کے ساتھ وابستگی سے عبارت ہے جو خالق ارض و سما نے انسان کے لئے طے کر دیا ہے۔ وہ زندگی بھر اس پیغام الٰہی کے نقیب بنے رہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ امت مسلمہ کے سپرد کیا۔ وہ عمر بھر اسی مشن کی تکمیل کے لئے تگ و دو کرتے رہے جو کتاب الٰہی کے حوالے سے امن کا مشن ٹھہرا۔ اس لئے وہ عموماً اپنے خطوط میں صرف اسی اعلیٰ مقصد و مدعا اور اسی پیغام و مشن کی بات کرتے ہیں۔ لیکن خطوط میں ایسے مواقع آ ہی جاتے ہیں جب قاری ان کے نہاں خانہ دل میں جھانک سکتا ہے، اور ان کے جذبات کے تموج کا رازداں بن سکتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ مجموعہ کا ایک بڑا بیش قیمت ہدیہ ہے۔

سید مودودیؒ کے خطوط کا تنقیدی جائزہ تو ایک مستقل موضوع ہے، اور سلسلہ خطوط مودودیؒ کی دوسری کڑی کے بعد بھی یہ قرض مرتبین کے ذمہ باقی ہے۔ مگر ان کے خطوط کے بارے میں یہ تاثر بلا تامل دہرایا جا سکتا ہے جو ڈاکٹر سید محمد عبداللہؒ نے علامہ اقبالؒ کے خطوط کے بارے میں لکھا ہے: [ان کے] خط ہر قسم کے تکلف سے پاک ہیں۔ وہ صرف مطلب کی بات کہتے ہیں اور مطالب کو علمی عبارت میں ادا کرتے ہیں۔ زیبائش و آرائش یا ادبی تان پیدا کرنے کا کوئی

اہتمام ان کے یہاں نہیں۔ ان کے خط تنہائی اور افسردگی کے لمحات کی پیداوار نہیں، بلکہ ضرورت وقت کے تابع ہوتے ہیں۔ عموماً مختصر خط لکھتے ہیں۔ جہاں ان کا مدعا ختم ہوا، وہیں ان کا قلم رک گیا۔ ان کے خطوں سے ان کی شخصی عادات و اذواق سے زیادہ ان کے افکار و تصورات کی تشریح ہوتی ہے، اور واقعاتی سوانح سے زیادہ ان کے فکر پر روشنی پڑتی ہے"۔

ساٹھ برس کی طویل مدت پر محیط یہ خطوط نہ صرف سید مودودیؒ کی شخصیت اور فکر کے ترجمان ہیں، بلکہ خصوصاً ابتدائی دور میں ان کے کردار و افکار کے ترجمان بھی ہیں۔ ان خطوط کی روشنی میں نہ صرف اس دور کی دینی، علمی اور سیاسی و سماجی تاریخ مرتب کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ ان کی سوانح اور کردار نگاری کا کام تو ان کے بغیر ممکن ہی نہیں۔

برادرم ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اور سلیم منصور خالد نے بڑی محنت، سلیقے اور عرق ریزی سے تعلیقات و حواشی کا اضافہ کر کے اس مجموعہ کی افادیت میں بیش قیمت اضافہ کر دیا ہے۔ اردو میں علامہ اقبالؒ کے علاوہ میرے علم کی حد تک، غالباً کسی اور مکتوب نگار کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہوا ہے کہ اس کے خطوط اتنے اہتمام اور ضروری و اضافی معلومات کے ساتھ مرتب کر کے شائع کیے گئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان رفقا کی اس محنت کو قبول فرمائے اور اسے ان کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔

ادب کی جو صنف سب سے زیادہ دلچسپی سے پڑھی جاتی ہے، وہ خطوط ہیں اور وہ بھی سید مودودیؒ کے خطوط۔ مجھے یقین ہے کہ ہر باذوق قاری، جس کی شخصی و جماعتی وابستگی کچھ بھی ہو اور اسے سید مودودیؒ سے کتنا اتفاق یا کیسا ہی اختلاف ہو، وہ اس مجموعہ خطوط سے ضرور لذت اندوز ہو گا۔

۸ر نومبر ۱۹۹۵ء، لاہور

خرم مراد

دیباچہ

۱۹۸۱ء میں ہم نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (۱۹۰۳ء - ۱۹۷۹ء) کے خطوں کو صحت متن اور حواشی و تعلیقات کے ساتھ مرتب و مدون کرنے کا ایک منصوبہ تیار کیا تھا۔ اس وقت تک مکاتیب مودودی کے حسب ذیل مجموعے شائع ہو چکے تھے :

1۔ Correspondence between Maulana Maudoodi and Maryam Jameelah
مرتبہ : مریم جمیلہ' لاہور' ۱۹۶۹ء۔

۲۔ مکاتیب سید ابوالاعلیٰ مودودی (اول) مرتبہ : عاصم نعمانی۔ لاہور' ۱۹۷۰ء۔

۳۔ مکاتیب سید ابوالاعلیٰ مودودی (دوم) مرتبہ : عاصم نعمانی۔ لاہور' ۱۹۷۲ء۔

اپریل ۱۹۸۳ء میں "خطوط مودودی" کے نام سے ہم نے ایک مجموعہ پیش کیا۔ (ناشر: البدر پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔ ۳۶۴ صفحات) جو ہمارے منصوبے' سلسلہ تدوین مکاتیب کا حصہ اول تھا' زیر نظر مجموعہ اس کا دوسرا حصہ ہے۔ اس عرصے میں مکاتیب مودودی کے حسب ذیل مجموعے منظر عام پر آئے ہیں:

۱۔ یادوں کے خطوط' مرتبہ : محمد یونس۔ حیدر آباد دکن ۱۹۸۳ء۔

۲۔ مکتوبات مودودی' مرتبہ : اشرف بخاری۔ پشاور۔ ۱۹۸۳ء (عملاً" یہ ۱۹۸۵ء میں منظر عام پر آیا۔)

۳۔ مکتوبات مودودی بنام مولانا محمد چراغ' مرتبہ : عبدالغنی عثمان۔ الانصاری پبلشرز' فیصل آباد' ۱۹۸۴ء۔

۴۔ مکتوبات سید ابوالاعلیٰ مودودی' مرتبہ : حکیم محمد شریف مسلم۔ لاہور ۱۹۸۶ء۔

۵۔ مولانا مودودی کے خطوط' مرتبہ : سید امین الحسن رضوی۔ دہلی ۱۹۹۳ء۔

"خطوط مودودی" صرف غیر مطبوعہ اور غیر مدون خطوط (یعنی وہ خطوط جو متذکرہ بالا آٹھ مجموعوں میں شامل نہیں) پر مشتمل ہے۔ اس کا اندازہ اس مجموعے کے آخر میں شامل "کوائف نامہ خطوط" سے بھی ہو گا' جس میں ہر خط کی نوعیت اور ماخذ کی تفصیل دی جا رہی

ہے۔ (حصہ اول کے آخر میں شامل کوائف نامے کے حوالے سے ہمارے ایک کرم فرما نے ایسی معلومات کو "خشک" ٹھہرایا تھا۔ ہمارے خیال میں مولانا کے خطوط کی اہمیت کے پیش نظر ان "خشک معلومات" کو بھی ریکارڈ پر لانا ازبس ضروری ہے۔)

سلسلہ "خطوط مودودی" کا حصہ اول پچاس خطوں پر مشتمل تھا اور یہ سب مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کے نام تھے۔ زیر نظر دوسرے حصے میں ایک سو پچاس خط شامل ہیں اور یہ مختلف اصحاب کے نام ہیں۔ پہلا خط بہ نام مولانا عبدالباری فرنگی محل، ۱۹۲۰ء میں لکھا گیا۔ (مولانا کا قدیم ترین اور پہلا دستیاب خط ۱۰ر ستمبر ۱۹۱۸ء کا ہے، یہ حصہ سوم میں شامل ہو گا۔) آخری خط وفات سے تین ماہ پہلے کا ہے، بہ نام: سید حسین فاروق مودودی، ۱۶ جون ۱۹۷۹ء۔ اس طرح ان خطوں کا عرصہ تحریر تقریباً ساٹھ برسوں کی طویل مدت پر پھیلا ہوا ہے۔ اس لیے (حصہ اول کے خطوں کی نسبت) زیر نظر مکاتیب میں کہیں زیادہ تنوع ہے۔

چودھری نیاز علی خاں کے نام چھبیس خطوط دیے جا رہے ہیں۔ یہ اس مجموعے میں شامل کسی ایک ہی مکتوب الیہ کے نام خطوں کی سب سے بڑی تعداد ہے۔ یہ خطوط "اقبال، دارالاسلام اور مودودی" (سید اسعد گیلانی۔ لاہور، ۱۹۸۳ء) میں بھی شامل ہیں، مگر صحت متن اور حواشی و تعلیقات کے ساتھ انھیں پہلی بار شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ مکاتیب مولانا کی شخصیت اور افکار کی تفہیم کے لیے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ معلوم ہے کہ علامہ اقبال کے ایما ہی پر مولانا، حیدر آباد دکن سے پنجاب منتقل ہوئے تھے، مگر یہ سارا معاملہ کیوں کر ہوا؟ ہجرت کے لیے مولانا کس طرح آمادہ و تیار ہوئے اور پھر حیدر آباد کی سکونت بالفعل ترک کر کے، وہ کب اور کیسے دارالاسلام، پٹھان کوٹ پہنچے؟ اس موضوع سے متعلق جملہ معاملات کی تفصیل اور پس منظر، زیر نظر خطوں کے ذریعے سامنے آتا ہے۔ اگر سید نذیر نیازی کے نام خطوں کو بھی مکاتیب بہ نام نیاز علی خاں کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو "اقبال اور مودودی" کے باب میں بہت سی باتیں واضح ہو جاتی ہیں اور کئی نئے گوشے سامنے آتے ہیں۔

مولانا نے ایک بڑے مقصد کے لیے ہجرت کی تھی۔ تاریخ عالم کے بڑے آدمیوں کی طرح وہ بھی مضبوط اعصاب کے مالک تھے۔ اگرچہ انھوں نے ذہناً خود کو ہر طرح کے حالات کا سامنا کرنے کے لیے تیار کر لیا تھا، مگر بہر حال وہ ایک انسان تھے، اور ایک انسان کے بشری اور فطری محسوسات سے ماورا نہ ہو سکتے تھے۔ ایک خط میں اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک سخت مرحلہ سامنے ہے۔ اب مجھے محسوس ہونا شروع ہوا ہے کہ ہجرت کیسی سخت چیز ہے۔ باوجودیکہ حیدر آباد میرا وطن نہیں ہے اور میں یہاں سے کسی مصیبت اور بے سروسامانی کی حالت میں نہیں نکل رہا ہوں' مگر پھر بھی ایک عجیب قسم کی تکلیف اپنے قلب میں محسوس کر رہا ہوں۔ جس مکان میں برسوں رہا ہوں' جن چیزوں کو شوق سے خریدا اور بنوایا تھا' وہ سب ہر وقت سامنے کھڑی فریاد کرتی رہتی ہیں کہ تو ہمیں کہاں چھوڑے جا رہا ہے۔ اگرچہ میں نے اپنی قوت ارادی سے کام لے کر اس کیفیت کو دبا رکھا ہے اور ہجرت کے مراحل برابر طے کر رہا ہوں' مگر فطری جذبات تو اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتے۔" (۲۹ نومبر ۱۹۳۷ء)۔

تجدید دین اور تعمیر ملت کا جو منصوبہ' مولانا مودودی کے پیش نظر تھا' اسے بروئے کار لانے کے لیے وہ علامہ اقبال کو ایک بڑا سہارا سمجھتے تھے۔ دکن سے ہجرت کر کے دارالاسلام پہنچنے (مارچ ۱۹۳۸ء) کے بعد' وہ جلد ہی لاہور جا کر ان سے ملنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ حضرت علامہ' قضائے الٰہی سے چل بسے (۲۱ اپریل)۔ اس پر مولانا کو جو شدید صدمہ ہوا' اس کا اندازہ نذیر نیازی کے نام ۲۳ اپریل ۱۹۳۸ء کے خط سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہتے ہیں:

"اب سارے ہندستان پر نگاہ ڈالتا ہوں تو کوئی ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا' جس کی طرف ہدایت حاصل کرنے کے لیے رجوع کیا جا سکے۔ ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ ایک شمع' جو ٹمٹا رہی تھی' وہ بھی اٹھالی گئی۔

"مجھے جو چیز پنجاب کھینچ لائی تھی وہ دراصل اقبال ہی کی ذات تھی۔ میں اس خیال سے یہاں آیا تھا کہ ان کے قریب رہ کر ہدایت حاصل کروں گا' اور ان کی رہنمائی میں جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا' اسلام اور مسلمانوں کے لیے کروں گا۔ اب میں ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ اس طوفانی سمندر میں' میں بالکل تنہا رہ گیا ہوں۔ دل شکستگی اپنی آخری حد تک پہنچ گئی ہے۔ صرف اس خیال سے اپنے دل کو ڈھارس دے رہا ہوں کہ اقبال مر گئے تو کیا ہوا' خدا تو موجود ہے۔ سب مر جانے والے ہیں۔ زندہ رہنے والا وہی حی و قیوم ہے اور اگر وہ تجھ سے کوئی کام لینا چاہے گا' تو تیری مدد کے لیے اور کچھ سامان فراہم کرے گا۔"

مولانا نے کسی جگہ قدامت پرست علما اور تجدد پسند طبقے کے درمیان خود کو "بیچ کی راس" کا آدمی قرار دیا ہے۔ فی الحقیقت ان کی دعوت و تحریک نیز ان کے انداز فکر اور

طریق کار میں قدیم و جدید آمیزش اور ایک خاص طرح کا توازن و تناسب نظر آتا ہے۔ اس امتزاج کا عکس، ہمیں ان خطوں میں بھی نظر آتا ہے، مثلاً: نیاز علی خاں کے نام ۲۷ اپریل ۱۹۳۷ء کے خط میں لکھتے ہیں:

"جس راستے پر ہم جانا چاہتے ہیں، اس میں یہ حضرات (قدیم طرز فکر کے اسیر علما) ہماری پیشوائی اور قیادت نہ کر سکیں گے، بلکہ ہمارے ساتھ بھی نہ چل سکیں گے۔ اس لیے کہ انھوں نے اپنا دامن، ماضی سے اس درجہ باندھ لیا ہے کہ حال اور مستقبل سے عملاً بالکل بے تعلق ہو گئے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ بھی ہماری پیشوائی نہیں کر سکتے، جو تجدید کے زور میں کتاب و سنت کی صراط مستقیم اور سلف صالح کے طریقے سے ہٹ گئے ہیں، اور اس اعتدال پر قائم نہیں رہے، جو اسلام کی جان ہے۔ میری روش سے آپ نے خود اندازہ فرما لیا ہو گا کہ میں ایک سخت orthodox آدمی ہوں، مگر میری orthodoxy اس طرز کی ہے، جو ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمہم اللہ کی اپنے اپنے زمانوں میں تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ اسلامی اصول سے ہم بال برابر نہ ہٹیں، مگر زمانے کے حالات و ضروریات کے لحاظ سے ان اصولوں کے انطباق (application) میں وہی لچک اختیار کریں، جو صدر اول کے مجتہدین نے اختیار کی تھی اور جس کو چوتھی صدی کے بعد جمود سے بدل دیا گیا۔"

سید محمد نواز صاحب، مولانا کے مداح، اور ان کی دعوت و تحریک کے موید تھے۔ اس کے ساتھ وہ خاکسار تحریک سے بھی متاثر تھے۔ انھوں نے خاکساروں کے طرز پر "مجاہدین اسلام" کا جیش بنا لیا تھا اور وہ اس جیش کو ادارہ "دارالاسلام" کے تحت منظم کرنا چاہتے تھے۔ ادارے کے دستور میں اس کی گنجایش نہ تھی مگر مولانا نے جیش کی تنظیم یا تجربے کو صحیح رخ پر ڈالنے کے لیے اس کی اجازت دے دی اور ان کے لیے تفصیلی ہدایت بھی انھیں لکھ بھیجیں۔

اس طرح ان خطوں کے موضوعات و مسائل میں خاصا تنوع اور ان پر اظہار خیال کا دائرہ خاصا وسیع ہے: تفسیر قرآن، مسائل فقہ، پاکستان کی سیاسی صورت حال، جہاد کشمیر، سقوط حیدر آباد دکن، قادیانیت، اشتراکیت، خاکسار تحریک، جماعت اسلامی کے تنظیمی امور، علامہ اقبال، قائداعظم، علامہ مشرقی، اور خود مولانا کی اپنی زندگی کے بعض واقعات، محسوسات اور متفرق کوائف (صحت، بیماری، علاج معالجہ، مصروفیات، معمولات، عزائم وغیرہ)--- یوں ان

خطوں کی علمی، تاریخی اور سوانحی اہمیت مسلمہ ہے۔ مولانا مودودی کی شخصیت اور ان کی وسعت پذیر تحریک کے مطالعے اور تفہیم کے لیے، زیرِ نظر خطوط مفید و معاون ہی نہیں، ایک کلیدی مصدر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

زیرِ نظر مجموعے کی ترتیب و تدوین سے متعلق چند باتوں کی وضاحت ضروری ہے:

☆ خطوط کی کتابت کسی منصوبہ بندی اور املائی اصولوں کا تعین کیے بغیر، بہ عجلت ۱۹۸۰ء، ۱۹۸۱ء میں کرائی گئی تھی۔ خطوط کے تعارفی و تمہیدی نوٹ اور حواشی و تعلیقات کی تیاری، پھر ان میں ترامیم و اضافوں کا سلسلہ کئی برس جاری رہا۔ حتیٰ کہ ۱۹۹۰ء کے لگ بھگ انھیں حتمی صورت دے کر کمپوزنگ کرا لی گئی۔ پھر اس حصے (تعارفی و تمہیدی نوٹ اور حواشی و تعلیقات) کے پازیٹو بنوا لیے گئے۔۔۔ اب اشاعت کے موقع پر، اول: متن میں املائی تبدیلیوں، دوم: حواشی میں اضافوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ ہنگامی طور پر کاتب سے بعض الفاظ کا املا درست کرایا گیا (مگر اب بھی بہت سی درستیاں باقی ہیں) اور حواشی میں ضروری اضافے، ضمیمے میں دیے جا رہے ہیں۔

☆ متونِ خطوط کے نقل میں، حتی الامکان احتیاط برتی گئی ہے۔ اگر کتابت شدہ متن اور عکسی متن میں اختلاف نظر آئے، تو اسے سہو نظر سمجھ کر عکسی متن کو درست سمجھا جائے۔

☆ مولانا، خط کی تاریخ تحریر، پیشانی پر دائیں جانب لکھتے ہیں۔ معدودے چند خطوں میں تاریخ، اختتام پر دستخطوں کے بعد بھی ملتی ہے۔ اگر خط چھپے ہوئے پیڈ پر لکھ رہے ہوں، تو تاریخ تحریر، پیڈ پر مقررہ و مطبوعہ الفاظ "تاریخ" یا "مورخہ" کے بعد ہی لکھتے ہیں۔

☆ ابتدائی دور میں صرف قمری تاریخ لکھتے تھے۔ (ہم نے ایسے خطوں پر قلابین میں متقابل شمسی تاریخ و سنہ بھی درج کر دیا ہے۔) بعد میں قمری اور شمسی دونوں تاریخیں درج کرنے کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ آخری زمانے کے قلمی خطوط میں صرف شمسی تاریخیں ملتی ہیں۔

☆ ٹائپ شدہ خطوں میں تاریخ تحریر، صرف ہندسوں میں ملتی ہے جو عموماً مولانا کے علمی معاونین یا دفتر والے، پیڈ کے مقررہ مقام پر، خط روانہ کرتے وقت درج کرتے، یا تاریخ کی مہر لگا دیتے تھے۔ جن خطوں پر تاریخیں ہندسوں میں درج ہیں، وہ عموماً ٹائپ میں ہیں۔

☆ پیڈ پر خط لکھنے کی صورت میں مولانا، مقام تحریر نہیں لکھتے، کیونکہ بالعموم چھپے ہوئے پیڈ سے مقام تحریر کا پتا چل جاتا ہے۔ لیکن اگر مقام تحریر، پیڈ پر مطبوعہ مقام سے مختلف ہو، تو اسے کاٹ کر اصل مقام پر لکھ دیتے ہیں۔ جن خطوں پر مولانا نے مقام تحریر درج نہیں کیا، ہم نے پیڈ یا کسی اور ذریعے سے اس کا تعین کر کے، اسے قلابین میں لکھ دیا ہے۔ (گویا

قلابین میں درج مقام تحریر اصل تحریر کا حصہ نہیں ہے۔)

☆ خطوں کی تاریخ تحریر اور مقام تحریر کے بارے میں، درج بالا وضاحت کا اندازہ مولانا کے قلمی (اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے) خطوں کے ان عکسوں سے بہت اچھی طرح ہو سکے گا، جو اس مجموعے میں شامل کیے جا رہے ہیں۔ اتنی بڑی تعداد میں مکاتیب مودودی کے عکس، اس سے پہلے کہیں نہیں چھپے۔ اسے زیر نظر مجموعے کا امتیازی وصف سمجھنا چاہیے۔

☆ خطوں کی مجموعی ترتیب، مکتوب الیہم کے نام یا شخصیت سے قطع نظر، ان کی تواریخ تحریر کے مطابق ہے۔ تاہم کسی ایک مکتوب الیہ کے نام جملہ خطوط یکجا ہی دیے گئے ہیں۔

☆ قلمی خطوط کے عکس شامل کرنے کے لیے ہمیں خاصی مشقت اٹھانی پڑی۔ بعض خطوں کے کاغذ اتنے بوسیدہ اور ان کی روشنائی اتنی مدھم پڑ گئی تھی کہ کیمرے کی آنکھ کے لیے اسے فلم بند کرنا کم و بیش ناممکن ہو رہا تھا۔ ان دم توڑتے عکوس کو روشن کرنے کے لیے کئی کئی فلمیں بنوانی پڑیں۔ بعض اصل خطوط اس حالت میں دستیاب ہوئے کہ ان کے متن میں اصل خطوں کے اوپر ہی کئی مقامات پر "اصلاحات" کی گئی تھیں اور کانٹ چھانٹ بھی۔ "دست درازی" کے ان باقیات کو محو کرنے کے لیے، واقعہ یہ ہے کہ مرتبین کو سخت محنت کرنی پڑی۔ اچھا یا کمزور نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔

☆ دلچسپی اور تنوع کے لیے مجموعے میں بعض استفسار کنندگان (جیسے: چودھری نیاز علی خاں، سید نذیر نیازی، رشید الدین، محمد عصمت اللہ، شورش کاشمیری، امجد حسین اور جمیل احمد رانا کے خطوں کے عکس بھی دیے جا رہے ہیں۔

علمی کتابوں میں صحیح اور معیاری املا کا اہتمام ضروری ہے، مگر افسوس ہے کہ اس ضمن میں ہمارے بیشتر مصنفین اور اشاعتی اداروں کا رویہ بالعموم بے نیازانہ رہا ہے۔ اخبارات و رسائل اور عام ناشرین کتب کے نزدیک تو معیاری اور صحیح املا شاید کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ بعض علمی اور ادبی اداروں کی مطبوعات میں بھی صحت املا سے عموماً بے نیازی برتی جاتی ہے--- (کجا یہ کہ ان اداروں کو معیاری املا کی ترویج کا علم بردار ہونا چاہیے۔) زیر نظر مجموعے میں، ہم نے نسبتاً درست اور بہتر املا اختیار کرنے کی کوشش کی ہے۔ تعارفی شذروں اور حواشی و تعلیقات میں تو ہم خاصی حد تک کامیاب رہے ہیں، مگر متن خطوط (جیسا اوپر بتایا گیا، بالکل ابتدا میں بہ عجلت کتابت کرا لیے گئے تھے، اس لیے اس حصے) میں ہمیں پوری طرح کامیابی نہیں ہو سکی--- بہرحال، اس مجموعے میں، صحت املا کے سلسلے میں ہماری کاوش کے کچھ نہ کچھ آثار، قارئین کو ضرور نظر آئیں گے۔

متاسفانہ' اعتراف ہے کہ اس مجموعے میں اب بھی متعدد کمیاں اور نقائص موجود ہیں' مگر بعض وجوہ سے اس کی فوری اشاعت بہت ضروری ہو گئی ہے۔ اس لیے فی الوقت' مجموعے کو بہ صورت موجودہ' حوالہ اشاعت کیا جا رہا ہے۔ خدا نے چاہا تو آیندہ اشاعت میں باقی ماندہ خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

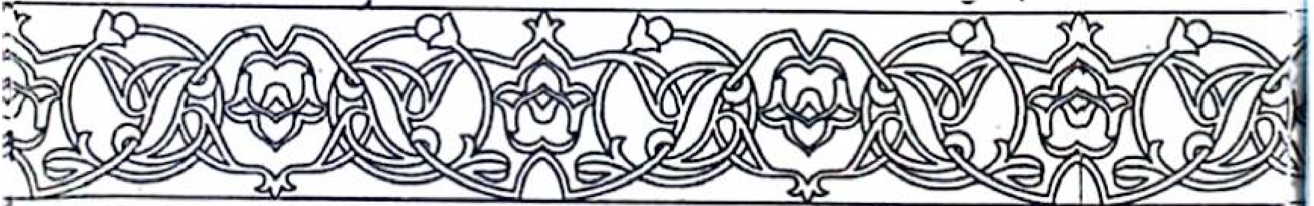
زیر نظر مجموعے کی اشاعت میں بہت تاخیر ہو گئی' اور اس سے ہمارے بعض کرم فرماؤں کو طویل اور تکلیف دہ انتظار کی زحمت سے دو چار ہونا پڑا۔ ۱۹۸۳ء کے بعد سے 'گزشتہ بارہ سالوں میں مرتبین کو بعض احباب کے خطوط موصول ہوتے رہے' جن میں حصہ دوم کی جلد اشاعت پر اصرار کیا جاتا رہا' اور غیر معمولی تاخیر و تعویق کی وجوہ دریافت کی جاتی رہی ہیں۔ بارہ برسوں کی طویل مدت پر پھیلے ہوئے اسباب و علل گوناگوں ہیں اور ایک لمبی توضیح و تاویل کا تقاضا کرتے ہیں' مگر مرتبین اس تاخیر کو سراسر اپنی کوتاہیوں اور معذوریوں کے سر لیتے ہوئے' اپنے کرم فرماؤں سے معذرت خواہ ہیں اور استدعا کرتے ہیں کہ وہ حصہ سوم کی تیاری کے ضمن میں ہمارے حق میں دعاگو رہیں۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ایک ڈیڑھ سال کے اندر قدرے مختصر حواشی کے ساتھ تیسری جلد شائع کر دی جائے۔

"خطوط مودودی" کا منصوبہ کئی جلدوں پر محیط ہے۔ ہمارے پاس مزید سیکڑوں خط جمع ہو چکے ہیں' جن سے فوری طور پر مزید دو جلدیں تو بہ آسانی تیار ہو سکتی ہیں' تاہم قارئین سے گزارش ہے کہ وہ مزید خطوں کی فراہمی میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔

زیر نظر مجموعے کے لیے خطوط' اور حواشی و تعلیقات کے ضمن میں معلومات' کی فراہمی میں سید محمد نواز مرحوم' پروفیسر سلیمان دانش' ڈاکٹر سید عبدالباری (شبنم سبحانی)' محمد کفایت اللہ' ڈاکٹر ممتاز احمد' پروفیسر محمد ایوب صابر' ڈاکٹر صابر کلوروی' محمد یوسف' خالد ہمایوں اور بہت سے دوسرے اصحاب نے تعاون کیا اور زاہد منیر عامر نے بعض قیمتی مشورے دیے۔ ہم ان سب کے ممنون ہیں۔

۱۰ جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ	رفیع الدین ہاشمی
۵ نومبر ۱۹۹۵ء	سلیم منصور خالد

مکاتیب



مولانا عبدالباری فرنگی محلی

مولانا قیام الدین محمد عبدالباری فرنگی محلی (۱۴ اپریل ۱۸۷۸ء ـــ ۱۹ جنوری ۱۹۲۶ء) ۔ ابتدائی تعلیم فرنگی محلی علماء کی نگرانی میں گھر پر ہوئی ۔ حدیث کی سند انھوں نے حجاز سے لی ۔ کچھ عرصہ علمائے شام سے بھی استفادہ کیا ۔ ۱۹۰۸ء میں وطن واپس آکر فرنگی محل میں مدرسۂ نظامیہ کی بنیاد رکھی ۔ وہ بیسویں صدی کے اوائل میں ، ملکی سیاسیات میں حصہ لینے والے اوّلیں علماء میں سے تھے ۔ مختلف حیثیتوں سے ندوۃ ، انجمن ہلالِ احمر ، مسجد کان پور ، انجمن خُدامِ کعبہ ، ترکِ موالات اور خلافت کی تحریکوں سے وابستہ رہے ۔ ۱۹۱۸ء میں علماء کی نمایندگی کرتے ہوئے ، آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں شریک ہوئے ۔ اِسی سال علی برادران نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ۔ ۱۹۱۹ء میں جمعیت العلمائے ہند کے پہلے صدر منتخب ہوئے ۔ مختصر یہ کہ مولانا عبدالباری نے جملہ معاصر ملّی اور قومی تحریکوں میں بھرپور حصہ لیا ۔ وہ مسٹر گاندھی کے فلسفۂ عدمِ تشدد کے حامی تھے ، اور ان کا شمار اپنے دور کے مقتدر علماء میں ہوتا تھا ۔ گاندھی اور دوسرے ہندو راہنماؤں سے بھی ان کے گہرے روابط استوار رہے ۔ ۱۹۲۱ء میں محمد علی جوہر کو انھوں نے اپنے مدرسۂ نظامیہ کی جانب سے "مولانا" کی اعزازی ڈگری عطا کی ۔ ۱۹۲۰ء کے بعد جب علمائے دیوبند اور مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸ء ـــ ۱۹۵۹ء) نے ہندُستانی سیاسیات میں فعال حصہ لینا شروع کیا ، تو مولانا باری کے اثرات کم ہونے لگے ۔ انھوں نے ہر قسم کی احتجاجی اور اجتماعی تحریکوں سے علاحدگی اختیار کرلی ، اور آخری علالت کے ایام میں تو وہ کچھ ایسی مایوسی کا شکار ہوئے کہ اپنے مقربین کو برطانوی حکومت سے وفادار رہنے کی نصیحت کیا کرتے تھے ۔ ان کی چھوٹی بڑی تالیفات کی تعداد سو کے لگ بھگ ہے ۔

۱

یہ خط ، مولانا مودودی کا قدیم ترین دستیاب خط ہے [محررہ : ۱۹۲۰ء]

۱۹۱۹ء میں سید ابوالاعلیٰ مودودی اور سید ابوالخیر مودودی (دیکھیے : خط ۶۷) نے تحریکِ خلافت میں حصہ لیا ، اور اسی سلسلے میں "انجمن نظر بندانِ اسلام" کے لیے بھی کام کیا ۔ اس کے روح رواں صوبہ جات متوسط (C.P) کے تاج الدین صاحب تھے ۔ انھی کے ایما پر مودودی برادران جبل پور گئے تھے ۔ انھوں نے ابوالاعلیٰ مودودی (بہ عمر سترہ سال) کو اپنے ہفت روزہ "تاج" کا مدیر مقرر کیا (لیکن پرچے پرا

بطور مدیر تاج الدین صاحب کا نام درج ہوتا تھا) ۔ تحریکِ خلافت عروج پر تھی ۔ "تاج" اپنی بساط کے مطابق رہنمائی انجام دیتا رہا ۔ مولانا دسمبر ۱۹۲۰ء تک جبل پور میں مقیم رہے ۔ اس زمانے میں جبل پور میں مقررین کی کمی تھی ، ابوالاعلیٰ مودودی اخبار نویسی کے ساتھ ساتھ ، تحریک کے جلسوں میں بطور مقرر بھی حصہ لیتے رہے ۔ یہ زمانہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے عروج کا زمانہ تھا ۔ ان کی اسی دینی و سیاسی اہمیت کے پیشِ نظر مودودی صاحب نے انھیں مخاطب کیا ، اور پیش آمدہ حالات کی طرف متوجہ کیا ۔

باسمہٖ سبحانہٗ

جبل پور

[۱۹۲۰ء]

مولانا محترم ، السلام علیکم

چونکہ مسلمانانِ ہند میں مسئلہ خلافت و مقاماتِ مقدسہ کی تبلیغ و ہدایت کا مرکز آپ قرار دیے گئے ہیں، اس لیے میں آپ کو صوبہ متوسط اور خصوصاً جبل پور کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں ۔ تمام ہندوستان میں صرف یہی ایک صوبہ تھا، جس نے ترکِ موالات کی مخالفت میں ووٹ دیے ۔

اِس صوبہ کے مسلمانوں میں خلافت کی اہمیت کو سمجھنے والے اور اُس کی حقیقت کو جاننے والے فی صدی دو بھی بہت مشکل سے ملیں گے لہٰذا عُلماء کا فرض ہے کہ جس طرح وہ اور صوبوں کی طرف متوجہ ہیں اسی طرح اس صوبہ کے مسلمانوں کی طرف بھی توجہ کریں اسی لیے میرے نزدیک جناب کو چند مبلّغین کی ایک جماعت صوبہٗ متوسط میں بھیجنی چاہیے ۔ بہر دست میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ بہت جلد فرنگی محل کے ایک ایسے عالم کو جو روشن خیال اور اچھی قوتِ گویائی رکھتے ہوں، جبل پور بھیجیے ۔ یہاں مسلمانوں کی حالت بہت خراب ہے اس لیے کہ ان پر ایک دشمنِ خلافت اور وفادارِ حکومت مولوی صاحب مسلط ہیں ۔

ابوالاعلیٰ مودودی
ایڈیٹر "تاج" ، جبل پور

---

۱ ۔ محمد شعیب کوئی صاحب نے بتایا کہ یہ : "اشارہ غالباً مولوی عبدالسلام صاحب کی طرف ہے ، جو مولانا احمد رضا خان بریلوی سے تعلقِ خاص رکھتے تھے ۔ ان دنوں جبل پور کے عوام و خواص میں ان کا اثر تھا ۔ گھریلو قسم کے حکیم تھے اور تعویز گنڈے کے حوالے سے معروف تھے ۔ ان میں عوام کو سُدھانے رکھنے کی تمام صلاحیتیں موجود تھیں ۔ چناں چہ ان کے دم سے جبل پور میں مسلمانوں کی کوئی بھی سیاسی ، اصلاحی اور دینی تحریک پنپ نہیں پاتی تھی ۔ وہ اپنے فتاویٰ کے زور پر عجب کرشمے ظہور میں لاتے تھے ۔ تحریکِ خلافت کی مخالفت میں بھی یہ حضرت پیش پیش تھے" ۔ (مکتوب محمد شعیب کوئی از شرورۃ ، سعودی عرب بنام : سلیم منصور ، ۲۳ اکتوبر ۱۹۸۸ء)

نذیر احمد قریشی

نذیر احمد قریشی (۱۸۹۶ء —— فروری ۱۹۶۲ء کراچی) ولد مولوی برکت علی ایڈووکیٹ، (وطن راہوں، ضلع جالندھر) ۔ مولانا مودودی کے نہایت قریبی اور بے تکلف دوست تھے ۔ علی گڑھ سے بی اے کے بعد ۱۹۲۰ء میں دہلی آ گئے ۔ خوش حال تاجر تھے اور ستھرا علمی ذوق رکھتے تھے ۔ تحریکِ خلافت میں شریک رہے ۔ ان کے مضامین "نگار"، "ترجمان القرآن" (مثلاً "مسلمان قوم ہیں یا فرقہ" جولائی ۱۹۳۸ء) اور دوسرے متعدد علمی جرائد میں شائع ہوتے رہے ۔ ۲۲——۱۹۲۱ء میں، دارالاشاعت سیاسیاتِ مشرقیہ، دہلی کے زیرِ اہتمام، انھوں نے مولانا مودودی کے تین کتابچے "ترکی میں عیسائیوں کی حالت" "حوادثِ سمرنا کے متعلق اتحادی کمیشن کی رپورٹ" اور "سمرنا میں یونانی مظالم" شائع کیے تھے ۔ مولانا ابوالخیر مودودی کے بقول: "نذیر قریشی صاحب سے مولانا مودودی کا تعارف انھوں نے کرایا تھا" ("آتش فشاں" مولانا مودودی نمبر، نومبر۱۹۷۹ء، ص۱۳) جماعت اسلامی کی تاسیس سے قبل مولانا مودودی نے "ادارۂ دارالاسلام" قائم کیا، جس کے تاسیسی اجلاس (۱۳-۱۴ اکتوبر ۱۹۳۸ء) میں قریشی صاحب بھی شریک تھے (ترجمان القرآن، ستمبر ۱۹۳۸ء) ۔ ان کے صاحبزادے پروفیسر خورشید احمد صاحب نے ایک خط میں بتایا: "۱۹۲۰ء سے قیام دارالاسلام تک، مولانا مودودی نے غالباً سب سے زیادہ خطوط والد صاحب ہی کو لکھے تھے، مگر تقسیمِ ہند کے موقع پر وہ سارا ذخیرہ ضائع ہو گیا" ۔

نذیر احمد قریشی کے نام صرف دو خط دستیاب ہو سکے ہیں ۔ ان میں سے پہلا اس اعتبار سے منفرد نوعیت کا ہے، کہ ایسی بے تکلفی مولانا مودودی کے دیگر خطوط میں بہت کم ملتی ہے ۔

۲

کوچہ پنڈت ۔ دہلی

۷ ۔ جون ۔ ۱۹۲۷ء

قریشی صاحب، السلام علیکم

خط ملا ۔ ماشاء اللہ خاصا طویل ہے ۔ تاہم میں نے ایک ہی نشست میں

پڑھ ڈالا۔ اور دُوسری نشست کو آپ کے لیے وقف کرتا ہوں۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ دُوسرا جواب سے "گریز" کرتا ہے، پھر بھی خط لکھنا اور جواب کی پروا کیے بغیر لکھنے پر تُلے رہنا اخلاقی "کمزوری" نہیں بلکہ بڑی زندہ دلی ہے جس کو اصطلاح و محاورہ میں "ہیکڑی" بھی کہتے ہیں۔ مگر آپ یقین کیجیے کہ میں جواب دینے سے "گریز" نہیں کرتا بلکہ جواب دینے کی فرصت مجھ سے گریز کرتی ہے۔ اگر خُدا مجھے عُمرِ نوح عطا کرتا تو یقیناً میں ایک صدی تو ضرور دوستوں سے لُطفِ گفت و شنید حاصل کرنے میں گزار دیتا۔ مگر یہاں تو حد سے حد چھلانگ ماری تو ۱۰۰ سے آگے جانے کی امید نہیں ہے۔ اِس لیے کام کرنے کی ہوس بڑھی ہوئی ہے اور بڑھتی جا رہی ہے اور اس کی بدولت اتنے جھنجٹ جان کو لگ گئے ہیں کہ اللہ ہی ان سے عہدہ برآ کر سکتا ہے۔ الجمعیت کا جنبلؐ نمبرؑ اس خط کے بعد آپ کو ملے گا۔ یہ ہماری تازہ مساعی کا نتیجہ ہے۔ جہاد پر میرا جدید رسالہ بھی عنقریب آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔

بے عقل خاں یا عاقل خاںؐ نے آپ سے جو کچھ کہا ہے، پُرلطف ہی نہیں بلکہ مفید بھی ہے۔ آپ اگر فوراً اس کی خواہش قبول کر لیں گے تو شاید وہ کھٹک جائے اس لیے بہتر یہ ہو کہ بہت ہچر مچر کے ساتھ "محض اظہارِ حق کی خاطر" اس کام کی حامی بھر لیں اور اس سے کہہ دیں کہ میرے پاس تحریر تو نہیں ہے لیکن اگر ان کی وہ تحریر دکھا کر میرا اطمینان کرا دیں کہ انہی کی ہے تو میں شہادت دے دوں گا۔ میری رائے میں اگر اس صُورت سے آپ کی گواہی ہمارے موافق ہو جائے تو یہ اس سے بدرجہا زیادہ مفید ہو گی کہ ہم آپ کو یا کسی اور کو اپنی طرف سے پیش کریں۔ کیونکہ موافق گواہ کا مخالفانہ بیان فریق مخالف کے لیے بہت مفید ہوا کرتا ہے۔

جس کام کے لیے آپ کسی کو پنچ مقرر کرنا چاہتے ہیں اس کی کچھ نوعیت معلوم ہو تو میں اُن لوگوں سے مشورہ کر کے آپ کو قطعی مشورہ دے سکوں گا۔

مولانا عرفان صاحب بہر حال بے لاگ اور حق پرست آدمی ہیں اور اُن کے پاس وقت بھی ہے مگر میں جب تک اُن سے پُوچھ نہ لُوں، یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ پنچ بننا منظور بھی کرلیں گے۔ ڈاکٹر کچلو اچھے آدمی ہیں لیکن اگر فریقِ ثانی کی کچھ رسائی ہوئی تو ممکن ہے وہ جانبداری کر جائیں۔ اُن کی حق پرستی کے متعلق میرا کوئی ذاتی تجربہ نہیں ہے، کہ پُورے اطمینان کے ساتھ رائے دے سکوں۔

ہمارا دفتر کوچہ چیلان میں نہیں بلکہ چتلی قبر پر ہے۔ مکان پر میں صبح آٹھ بجے تک اور رات کو آٹھ بجے کے بعد مِلتا ہوں یا بالفاظِ دیگر رات کے آٹھ بجے سے صُبح کے آٹھ بجے تک گھر پر رہتا ہوں۔ تاہم اگر ایک دن پہلے آپ اپنے official visit کی اطلاع دے دیں تو ممکن ہے کہ میں اپنے پروگرام میں گھنٹہ دو گھنٹہ کی ترمیم بھی کر دوں۔

ایک صاحب سے معلوم ہوا کہ آپ انگلینڈ جا رہے ہیں۔ کہنے والا اگرچہ پاگل سا آدمی ہے مگر اتنا پاگل بھی نہیں کہ ہندوستان کا "قلّابہ" انگلستان سے مِلا دے۔ اِس لیے تصدیق کی ضرورت پیش آئی۔

ابُوالاعلیٰ

---

۱ ۔ مولانا مودودی (۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء — ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء) نے ۷۶ برس عمر پائی ۔
۲ ۔ اس زمانے میں مولانا مودودی سہ روزہ "الجمعیۃ" دہلی کے ایڈیٹر تھے ۔
۳ ۔ مراد ہے : "الجہاد فی الاسلام" جو دارالمصنفین اعظم گڑھ سے پہلی بار ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی ۔
۴ ۔ مکتوب الیہ کے ایک دوست ۔
۵ ۔ ابوالمعارف محمد عرفان (ف : ۱۶ مارچ ۱۹۳۹ء بمبئی) پکھوال ، ضلع مانسہرہ ۔ تناول خاندان سے تعلق تھا ۔ ابتدائی تعلیم کے بعد بمبئی اور پھر دہلی چلے گئے ، جہاں تحصیلِ علم کے ساتھ ساتھ صحافت اور تدریس سے بھی وابستہ ہوئے ۔ تحریکِ خلافت میں بھرپور حصہ لیا ۔ وہ بہت اچھے مقرر تھے ۔ محمد علی جوہر کے قابلِ اعتماد رفقاء میں سے تھے ۔ ۲۶ اکتوبر ۱۹۲۵ء کو سلطان عبدالعزیز بن سعود نے مؤتمر اسلامی میں شرکت کے لیے جس وفد کو دعوت دی ، اس میں آپ بھی شامل تھے ۔ عالم ، فلسفی اور مستقل مزاج انسان تھے ۔ جمعیت العلماء نے "الجمعیۃ" دہلی کا اجرا کیا ، تو اس کے مدیر مولانا مودودی تھے ، لیکن آغاز

میں کچھ عرصے تک بطور ایڈیٹر محمد عرفان صاحب کا نام چھپتا رہا (دیدہ و شنیدہ، ص ۸۷) ۔ مولانا مودودی ان سے نیاز مندانہ روابط رکھتے تھے ۔

۶ ۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو (۱۵ جنوری ۱۸۸۸ء، امرت سر ——— ۹ اکتوبر ۱۹۶۳ء، دہلی) کشمیری نژاد تھے ۔ علی گڑھ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد کیمبرج یونی ورسٹی سے گریجوایشن اور جرمنی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی ۔ پھر لندن سے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا ۔ تحریکِ خلافت میں فعال حصہ لیا ۔ "رولٹ ایکٹ" کے خلاف تحریک میں بھرپور حصہ لینے پر ۹ اپریل ۱۹۱۹ء کو گرفتار ہو گئے ۔ ۱۳ اپریل کو جلیانوالہ باغ، امرتسر میں مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں کا مشترکہ احتجاجی جلسہ شروع ہوا، اور کرسیِ صدارت پر ڈاکٹر کچلو کی تصویر رکھی گئی ۔ اسی جلسے پر انگریز جنرل ڈایر (ف: ۲۳ جولائی ۱۹۲۷ء) نے اندھا دھند فایرنگ کر کے پانچ سو سے زائد حاضرینِ جلسہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا ۔ ۱۹۲۴ء میں وہ کانگریس کے جنرل سیکرٹری رہے ۔ ۱۹۳۶ء کل ہند مسلم لیگ کے اعزازی سیکرٹری منتخب ہوئے ۔ تحریکِ خلافت کی ناکامی کے بعد غلام بھیک نیرنگ کی معاونت سے سنگھٹن اور شدھی تحریکوں کا مقابلہ کرنے کے لیے "تحریکِ تنظیم" اور "تحریکِ تبلیغ" کی بنا ڈالی، اور جولائی ۱۹۲۴ء میں امرتسر سے روزنامہ "تنظیم" (مدیر: عبدالمجید قریشی) جاری کیا ۔ تحریکِ آزادی کے دوران میں وہ چودہ برس قید رہے ۔ عملاً تحریکِ پاکستان کے مخالف اور کانگریس کے ہم نوا تھے، نیز کشمیر کے بھارت سے الحاق کے حامی تھے ۔ "لینن امن انعام" حاصل کرنے والے پہلے بھارتی تھے ۔

۳

[دارالاسلام]
۲۵۔ جنوری ۱۹۴۴ء

برادرم: السلام علیکم

آپ کے تین عنایت نامے آ چکے ہیں، اور اُن پر بھی کئی دن گزر گئے ۔ لیکن میں اپنی مصروفیتوں کی وجہ سے جلدی جواب نہ دے سکا ۔ آپ نے جنوری میں آنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کاروبار کی مصروفیتوں نے اس مہینہ بھی آپ کو مہلت نہ دی ۔ خیر، بہرحال آنے کے وعدے پر تو آپ کو ثابت قدم رہنا چاہیے وقت جو بھی ممکن ہو ۔ یہ خیال رکھیے گا کہ فروری کے آخر میں ایک ہفتہ کے لیے میں پشاور جاؤں گا ۔ غالباً آخری

ہفتہ پُورا دہیں صرف ہو جائے گا۔ پھر اختتام اپریل تک میں یہیں ہوں۔

آپ کی کتاب میں نے دیکھ لی ہے۔ اچھا ہوتا کہ اشاعت سے پہلے آپ مُجھ سے مشورہ کر لیتے۔ اب دُوسرا ایڈیشن نئے طرز پر مرتب کرنے کی تیاری کیجیے۔ اصل چیز یہ ہے کہ پروپیگنڈہ کے لیے بھی یہ زیادہ موزوں اور مؤثر طریقہ نہیں ہے۔ رومیش چندر دَت کی کتاب Economic History of India. آپ کو یاد ہو گی۔ اس میں واقعات و حقائق پیش کرنے کے ساتھ اس نے جس طرح ہندوؤں کے معاشی مفاد کی طرف اپنے ناظرین کو غیر محسوس طریقہ پر دھکیلا ہے، اگر کسی کو پروپیگنڈہ ہی کرنا ہو تو وہ طریقہ زیادہ مؤثر ہے۔ رہا ہمارا مسلک تو وہ سرے سے پروپیگنڈہ کی نیت ہی کو جائز نہیں رکھتا اور کم از کم ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے تو اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ یہاں تو سچے سچے واقعات پیش کر دینا، اور بے لاگ پیش کر دینا ہی کافی ہے۔ اگر آپ کچھ محنت اور وقت صَرف کریں تو پچھلے سو ڈیڑھ سو سال کی مسلمانوں کی معاشی تاریخ کو بالکل objective study کے انداز میں مرتب کر دیں اور موجودہ حالت کا بھی اسی انداز میں جائزہ لے لیں۔ ٹھوس واقعات جمع کیجیے۔ اعداد و شمار دیجیے اور بتایئے کہ مسلمان کس طرح معاشی حیثیت سے برباد ہوتے رہے ہیں اور اس کے کیا اسباب ہیں؟ اِس سلسلہ میں جہاں دُوسروں کی زیادتیاں بیان کریں وہاں بھی پروپیگنڈسٹ کی زبان نہ اِستعمال کیجیے۔ بلکہ ایک بے لاگ واقعہ نگار کی زبان، یہ اِنشاءاللہ زیادہ کارگر ثابت ہو گی۔ تعمیری تجاویز کے سلسلہ میں آپ کو بہت سے مشورے دُوں گا۔ پہلے مجھے یہ اطمینان ہو جانا چاہیے کہ آپ ٹھنڈے دِل سے یہ محنت کرنے کے لیے تیار ہیں۔

میرے لیے یہ خبر نہایت مسرت کی موجب ہے کہ آپ اپنی زندگی کا آخری حصّہ میرے ساتھ گزارنا چاہتے ہیں۔ مگر اس میں دیر کیوں ہے؟ کیا آپ کو

اپنی تاریخِ وفات معلوم ہو چکی ہے جس کے لحاظ سے آپ نے تعین کرلیا ہے کہ آخری حصہ عمر فی الواقع کون سا ہے ؟

خاکسار

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ بقول پروفیسر خورشید احمد : "والدِ مرحوم کی یہ کتاب اردو میں تھی ، اور اس کا نام غالباً "ہندستان میں مسلمانوں کی معاشی حالت اور اس کا حل" تھا ۔ یہ کتاب کوئی ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل تھی ، جس کا سرورق ہلکے گلابی رنگ کا تھا" ۔ (مکتوب ، ۲۷ اگست ۱۹۸۷ء) ۔

مولانا عبدالماجد دریابادی

مولانا عبدالماجد دریابادی (۱۶ مارچ ۱۸۹۲ء، دریاباد — ۵ جنوری ۱۹۷۷ء) ابتدائی تعلیم دریاباد میں پائی ۔ ۱۹۱۱ء میں کیننگ کالج لکھنؤ سے بی اے کیا ۔ سینٹ اسٹیفن کالج دہلی سے ایم اے کر رہے تھے کہ والدِ گرامی کا انتقال ہوگیا، اور سلسلۂ تعلیم منقطع کرنا پڑا ۔ کچھ عرصہ تالیف و ترجمے کا متفرق کام کرتے رہے ۔ ۱۹۱۷ء میں دارالترجمہ حیدر آباد میں مترجم فلسفہ مقرر ہوئے ۔ مغربی فلسفے کے اثرات سے ایک زمانے میں وہ الحاد وارتداد تک جا پہنچے ۔ پھر طبیعت نے رخ بدلا اور اسلام کی حقّانیت پر استقامت نصیب ہوئی ۔ عمر کا بیشتر حصہ تصنیف و تالیف اور صحیفہ نگاری میں بسر ہوا ۔ ۱۹۶۵ء میں انھیں حکومتِ بھارت نے "راشٹرپتی ایوارڈ" دیا ۔ مارچ ۱۹۷۶ء میں مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ نے انھیں ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری سے نوازا ۔ طویل عرصے تک "سچ"، "صدق" اور "صدقِ جدید" ان کی ادارت میں شائع ہوتے رہے ۔ تصانیف : * تفسیرِ ماجدی * تصوفِ اسلام * بشریتِ انبیاء * حیوانیاتِ قرآنی * تحقیقاتِ قرآنی * معاصرین * آپ بیتی، وغیرہ

مولانا دریابادی کے نام مولانا مودودی کے دو خط (۴۵، ۸۴) "مکاتیبِ مودودی"، دوم میں بھی شامل ہیں ۔

۴

اس خط کا موضوع ماہنامہ "ترجمان القرآن" ہے، جسے مولوی ابو محمد مصلح، (دیکھیے : خط ۱۱، حاشیہ ۱) نے اپنی "عالمگیر تحریکِ قرآن مجید" کے سلسلے میں ستمبر ۱۹۳۲ء میں حیدر آباد دکن سے جاری کیا تھا ۔ چھ ماہ بعد یہ پرچہ مولانا مودودی نے خرید لیا اور پھر انھی کی ادارت میں مئی ۱۹۳۳ء سے "ترجمان القرآن" کے دورِ جدید کا آغاز ہوا ۔

زیرِ نظر خط لی نوعیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا مودودی نے ایک ہی مضمون کا خط، مختلف احباب اور رسائل و جرائد کے مدیران کو لکھا ہو گا ۔ مولانا عبدالماجد نے یہ مراسلہ "سچ" (۱۴ اپریل ۱۹۳۳ ۔ ص ۸) میں شائع کیا اور مراسلے کے خاتمے پر یہ نوٹ درج کیا : "مولوی ابوالاعلیٰ مودودی "الجمعیۃ" کے ایڈیٹر عرصہ تک رہ چکے ہیں، اور پرچہ ان کے زمانے میں ہر حیثیت سے قابلِ داد رہا ۔ اس کے علاوہ وہ ایک فاضلانہ تصنیف "الجہاد فی الاسلام" کے بھی مصنف ہیں ۔ امید بلکہ یقین ہے کہ ان کے قلم کے سایہ میں، رسالہ مذکور، ہر اعتبار سے معزز و بلند پایہ ہو جائے گا" ۔

رسالہ ترجمان القرآن۔ حیدر آباد دکن
۳۔ اپریل ۱۹۳۳ء

مکرمی و محترمی، السلام علیکم

انجمن تحریکِ قرآن دکن کا ماہوار رسالہ "ترجمان القرآن" غالباً آپ کی نظر سے گزرتا ہوگا۔ ۶ مہینے سے نکل رہا ہے مگر کچھ زیادہ بہتر حالت میں نہیں ہے۔ اب محرّم ۱۳۵۲ھ سے مَیں اِس کی تحریر اور نگرانی اپنے ہاتھ میں لے رہا ہوں اور محرّم کا پرچہ انشاء اللہ میرے اہتمام میں نکلے گا۔ معارف کا سائز ہوگا اور قریب قریب وُہی ضخامت اور صُوری حیثیت ہوگی۔ پرچہ کا مقصد کلیۃً قرآن مجید کی خدمت ہے۔ قرآن کی تعلیمات کی اشاعت کرنا علومِ قرآن پر اطلاع بہم پہنچانا، قرآن کے سمجھنے میں مدد دینا، اور پڑھنے والوں کی مشکلات اور ان کے شکوک و شبہات کو حل کرنا، اور ایسے ہی تمام امور جو خدمتِ قرآن سے متعلق ہیں، اِس کے دائرۂ بحث میں داخل ہوں گے۔ پتا حسبِ ذیل ہوگا:

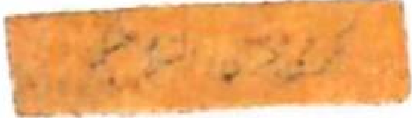
خیریت آباد، متصل نظامِ والنٹیر کلب، حیدر آباد دکن
قیمت پانچ روپیہ سالانہ ہوگی۔

نیازمند

ابوالاعلیٰ مودودی

۵

"جدید فتنۂ تاتار" کے زیرعنوان، اس خط (صدق ۲۲ ستمبر ۱۹۴۵ء) کے تعارفی نوٹ میں مولانا دریابادی نے لکھا: "صدق" نمبر ۳۲، میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے قلم سے ترکستان میں اسلام کی ہولناک بربادی کا نقشہ "ترجمان القرآن" سے لے کر شائع ہوچکا ہے۔ اب اس سلسلے میں مولانا نے مدیر "صدق" کے استفسار کے جواب میں، اپنے مکتوب میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ بھی بجنسہٖ نذرِ ناظرین ہے۔ تاتاریوں کی مشہور قدیم چنگیزیت سے یہ جدید فتنہ کیا کچھ کم ہے"۔ مطبوعہ خط میں القاب و آداب موجود نہیں۔ اسے بعینہٖ پیش کیا جارہا ہے۔



ترکستان میں اسلام اور مسلمانوں پر جو کچھ گزری، اس کے حالات کا عشرِ عشیر بھی کتابوں میں نہیں آیا ہے۔ روسی انقلاب کا دوسرا رُخ دیکھنے اور دکھانے والے اہلِ مغرب ہی ہو سکتے ہیں اور انھیں کیا پڑی تھی کہ اسلام اور مسلمانوں کے استیصال کا دردناک قصہ دنیا کو سناتے، اس لیے جو کچھ کتابوں میں ہم نے پڑھا تھا، اس سے اصل حالات کا کچھ بھی اندازہ نہ ہو سکتا تھا۔ مجھے تو اس داستانِ درد کا علم ان ترکستانی مہاجرین سے ہُوا جو بولشویکوں کے مظالم سے بھاگ کر ہندوستان میں پناہ گزین ہُوئے ہیں۔ اس ملک میں ان کی تعداد دس ہزار کے قریب ہے۔ ان میں اچھے اچھے صاحبِ علم، فہمیدہ اور سنجیدہ لوگ ہیں ترکستان کے بڑے بڑے ذی عزت اور شریف خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ کبھی خود اپنے ملک میں ذی حیثیت تھے اور وہی پوزیشن رکھتے تھے جو اس ملک میں ہماری آپ کی ہے۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جو ۴۵ سنہ میں نکلے ہیں۔ بعض وہ ہیں جنھوں نے بولشویکوں کی قائم کردہ درس گاہوں میں پڑھا بھی ہے، بعض وہ ہیں جو خود اس نظامِ حکومت کو چلا رہے تھے جو زار کے خاتمہ پر ترکستان میں قائم ہُوا تھا اور جسے بولشویکوں نے بزور ختم کیا۔ ان لوگوں کی زبانی جو حالات معلوم ہُوئے، وہ اتنے دردناک ہیں کہ اُن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ آج کل انھی میں سے ایک صاحبؒ میرے ساتھ رہتے ہیں اور میری کتابوں کا ترکی زبان میں ترجمہ کرتے ہیں۔ ان کے والد ترکستان کے اکابر علماء میں سے تھے اور بولشویکوں نے ان کو سخت عذاب دے دے کر قتل کیا۔ میں نے بارہا اُن سے باصرار کہا کہ وہ اس انقلاب کی داستان لکھیں چنانچہ میرے اصرار پر انھوں نے لکھنی شروع بھی کی لیکن چند روز بعد

انھوں نے مجبوراً یہ کام چھوڑ دیا کیوں کہ جب وہ لکھنے بیٹھتے تو رنج وغم کے جذبات کا اُن پر اتنا غلبہ ہوجاتا تھا کہ کئی کئی روز تک بھوک اور نیند غائب ہوجاتی تھی اور راتوں کو جنگل میں جا جا کر پھرتے اور رونے لگتے تھے۔ اُنھی سے معلوم ہُوا کہ یورپ اور ایشیا کا کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں ترکستان سے نکلے ہُوئے مسلمان مہاجرین موجود نہ ہوں۔ ہر جگہ ان لوگوں کی باقاعدہ انجمنیں ہیں اور رسالے نکلتے ہیں۔ مگر سب یا تو ترکی میں ہیں یا فارسی میں۔ اس لیے ان بے چاروں کی فریادوں کا کوئی اثر نہ ہُوا۔ بلکہ ہندوستان میں تو یہ ستم ہُوا کہ جب حضراتِ علمائے کرام اور مسلمان لیڈروں سے مل کر انھوں نے اپنی داستانِ مصیبت سنائی تو بڑی بڑی درگاہوں سے ان کو یہ جواب ملا کہ تم لوگ انگریز کے ایجنٹ معلوم ہوتے ہو جنھیں کمیونزم کے خلاف تبلیغ کرنے کے لیے اس نے بلایا ہے۔[2] اس سے بھی زیادہ سنگدلی کا برتاؤ ان کے قدیم ترین ہمسایہ ملک افغانستان نے کیا۔ اور ایسا ہی رویّہ ایران کا رہا۔ اس سے اندازہ ہُوا کہ اگر کبھی خدانخواستہ ہندوستان میں ہم پر کوئی آفت آئے تو ہم کو اور ہمارے دین کو اس طرح یہاں مٹایا جاسکتا ہے کہ "دنیائے اسلام" کے نام سے جو اسم بے مسمّیٰ مشہور ہے، اس کے کان پر جُوں تک نہ رینگے گی اور ایک ہلکی سی صدائے احتجاج بھی کہیں سے نہ اُٹھے گی۔

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ یہ اشارہ اعظم ہاشمی ترکستانی (ف : ۳۰ جولائی ۱۹۷۳ء) کی طرف ہے ، جنھوں نے سمرقند و بخارا پر سوویت روس کے غاصبانہ قبضے کے نتیجے میں وہاں سے ہجرت کی اور ہندستان آکر مولانا مودودی کے پاس دارالاسلام ، پٹھان کوٹ میں مقیم ہوئے ۔ ان کی رودادِ ہجرت کا ایک خلاصہ "سمرقند و بخارا کی خونیں سرگذشت" کے عنوان سے (مکتبہ اردو ڈائجسٹ لاہور ۔ ۱۹۷۰ء) شائع ہوچکا ہے ۔ قیامِ پاکستان کے بعد وہ کراچی منتقل ہوگئے اور وہاں سے جنوری ۱۹۵۱ء میں مہاجرینِ ترکستان کا ماہوار رسالہ "ترجمان" جاری کیا ۔ ریڈیو پاکستان کراچی کی ترکستانی نشریات سے برسوں متعلق رہے مزید دیکھیے : "یادِ رفتگاں" اوّل ، ص ۸۷ ۔

۲ ۔ اس پس منظر میں ہمارے بعض نامور دیوبندی علماء نے ۱۹۷۰ء میں سوشلزم کی حمایت کا جو عجیب و غریب رویہ اختیار کیا ، وہ کچھ زیادہ غیر متوقع نہ تھا ۔

دو ہفتے بعد "صدق" (۱۶ اکتوبر ۱۹۴۵ء) کے شذرات میں مندرجہ ذیل مراسلہ شائع ہوا ۔ اس کے آغاز میں "نئی بلا" کے عنوان سے یہ نوٹ درج تھا : "جدید فتنۂ تاتار پر ان صفحات میں جو کچھ نکل چکا ہے ، اب اسی سلسلے میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی تازہ عنایت نامے میں تحریر فرماتے ہیں"۔

دار الاسلام]

[اکتوبر ۱۹۴۵ء

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کوشش کر رہا ہوں کہ مہاجرین ترکستان سے ان کی پوری داستان قلم بند کراؤں اور اسے سلیس اردو میں لکھوا کر شائع کر دوں۱۔ روس کی بلا اب دوسرے مسلمان ملکوں کی طرف بڑھ رہی ہے۔ طرابلس، مصوّع اور درۂ دانیال پر اس کا دانت ہے۔ سویز اور طنجہ کے انتظام میں وہ دخیل ہو چکا ہے، فلسطین و شام میں کمیونسٹ ایجنٹ کام کر رہے ہیں، اور ایران پر اُس کی گرفت مضبوط ہو رہی ہے۔ انگریزی اور فرانسیسی امپیریلزم نے جو کسر چھوڑ دی ہے، اب یہ تازہ بلا اُسے پورا کیا چاہتی ہے۔ مَیں نہیں سمجھتا کہ مسلمان ملکوں کی قوم پرستانہ تحریکیں اس عالم گیر انقلابی تحریک کے مقابلہ میں ٹھیر سکیں گی۲۔ اگر مسلمان ملکوں میں دعوتِ اسلامی کا علم بلند کرنے والی کوئی طاقت نہ اٹھی تو یہ فتنۂ دجّال کسی کے روکے نہ رُک سکے گا۳۔

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ اعظم ہاشمی کی متذکرہ بالا آپ بیتی کے ایک خلاصے "سمرقند و بخارا کی خونیں سرگذشت" سے وسطِ ایشیا کے مسلم علاقوں پر اشتراکی قبضے کی تفصیل معلوم ہوتی ہے ۔ بعد ازاں مولانا مودودی کی ہدایت پر آباد شاہ پوری (دیکھیے : خط ۸۶) نے اس موضوع پر اپنی تحقیق تین کتابوں * روس میں مسلمان قومیں (لاہور ، ۱۹۷۶ء) * ترکستان میں مسلم مزاحمت (لاہور ، ۱۹۸۳ء) اور * مسلم اُمّہ : سوویت روس میں (اسلام آباد ، ۱۹۸۷ء) میں پیش کی ہے ۔

۲ ۔ مولانا مودودی کا اندازہ غلط نہ تھا ۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد یورپ کا بیشتر علاقہ ، اور ایشیا کے بعض ممالک اشتراکی استعمار کی لپیٹ میں آ گئے ۔ اسی طرح شرقِ اوسط میں عرب قوم پرستی کے ساتھ ساتھ مضبوط اشتراکی حلقے بھی پیدا ہو گئے ۔

۳ ۔ اس خط کے آخری دو جملے ، افغانستان پر روسی فوجوں کی جارحانہ یلغار (دسمبر ۱۹۷۹ء) کے حوالے سے قابلِ توجہ ہیں ۔ بالآخر اسلامی تحریکیں ہی تائیدِ الٰہی سے اس فتنہ کا راستہ روکنے میں کامیاب ہو سکیں ۔

چودھری نیاز علی خان

چودھری نیاز علی خاں (۲۲ جون ۱۸۸۰ء مابل پور، ضلع ہوشیار پور — ۲۴ فروری ۱۹۷۶ء جوہر آباد) ایک دردمند مسلمان جنھوں نے اپنی آبائی جایداد (واقع جمال پور، پٹھان کوٹ) کا بڑا حصہ خدمتِ دین کے لیے وقف کر دیا تھا۔ علامہ اقبال سے ان کے نیازمندانہ تعلقات تھے، اور علامہ مرحوم ہی کی تجویز پر انھوں نے مولانا مودودی کو پنجاب منتقل ہونے پر آمادہ کیا۔ اس سلسلے میں وہ تقریباً تین سال تک مولانا مودودی سے خط کتابت کرتے رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد جوہر آباد (سرگودھا) میں مقیم ہوئے اور یہاں بھی ادارہ دارالاسلام قائم کیا۔ مزید دیکھیے: خطوطِ مودودی، اوّل۔ خط ۱۴، حاشیہ ۲۔

مولانا مودودی نے چودھری صاحب سے اپنے روابط پر، ان کے صاحبزادے چودھری محمد اسلم کے نام تعزیتی خط میں مفصل روشنی ڈالی ہے، دیکھیے: مکتوب ۱۴۲۔

آیندہ صفحات میں چودھری صاحب کے نام مولانا کے مکتوبات کا جو متن پیش کیا جا رہا ہے، اس کا ماخذ مولانا کے اصل خطوط ہیں۔ "اقبال، دارالاسلام اور مودودی" میں شامل مکتوبات میں، ان کے بعض حصے محذوف ہیں، اور چند مقامات پر نقل نویسی یا کتابت کے سبب بعض اغلاط راہ پاگئی ہیں۔ اسی طرح اس مجموعے میں شامل بعض خطوط اپنے اصل مقام پر نہیں آسکے۔ ہم نے صحتِ متن اور ترتیبِ زمانی کا اہتمام کیا ہے۔

مولانا مودودی اور چودھری نیاز علی خان کے درمیان مراسلت کے آغاز کا تعین کرنا مشکل ہے، کیونکہ اس سلسلے کے تمام مکاتیب دستیاب نہیں ہو سکے۔ البتہ خطوط کے بعض اہم حصے، مولانا مودودی اپنی یادداشت کے لیے بھی محفوظ رکھتے رہے (وثائقِ مودودی، ص ۵۵——۶۰) معلوم ہوتا ہے، چودھری صاحب نے مولانا مودودی کو ایک درس گاہ قائم کرنے کی تجویز پیش کی تھی، جس کے جواب میں یہ خط لکھا گیا:

۷

بلڈنگ نظام شاہی روڈ [حیدر آباد، دکن]

۲۱ جمادی الاخریٰ ۵۴ھ

[۲۱ اگست ۱۹۳۵ء]

محترمی و مکرمی، السلامُ علیکم

عنایت نامہ ملا۔ تین چار روز سے میں آپ کی تجویز پر غور کر رہا ہوں۔ کافی غور کے بعد جو صُورت میرے ذہن میں آئی ہے، وہ عرض کیے دیتا ہوں۔

صُوفیاے اسلام نے قدیم زمانے میں ایک خاص قسم کا ادارہ قائم کیا تھا جو اصحاب الصُفّہ کے نمونہ پر تھا۔ اس کا اصطلاحی نام "خانقاہ" مشہور ہے۔ آج یہ چیز بعض لوگوں کی بے اعتدالیوں کی بدولت بگڑ کر اتنی بدنما ہو گئی ہے کہ خانقاہ کا نام سُنتے ہی طبیعت اس سے منحرف ہونے لگتی ہے، مگر حقیقت میں یہ ایک بہترین انسٹی ٹیوشن تھا جس سے اسلام میں بڑے بڑے آدمی پیدا ہوتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس قدیم انسٹی ٹیوشن میں وقت اور زمانہ کے لحاظ سے ترمیم کر کے از سرِ نَو جان ڈالی جائے اور ہندوستان میں جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی خانقاہیں ایسی قائم کی جائیں جن میں فارغ التحصیل لوگوں کو کچھ عرصہ تک رکھ کر اسلام کے متعلق نہایت صالح لِٹریچر کا مطالعہ کرایا جائے اور اس کے ساتھ وہاں ایسا ماحول ہو جس میں زندگی بسر کرنے سے ان کی سیرت خالص اسلامی رنگ میں رنگی جائے۔ اس انسٹی ٹیوشن میں کلب، لائبریری، اکیڈیمی اور آشرم کی تمام خصوصیات جمع ہونی چاہییں اور اس کا صدر ایسا شخص ہونا چاہیے جو نہ صرف ایک وسیع النظر اور روشن خیال عالِم ہو بلکہ اس کے ساتھ ہی ایک سچا اور مکمّل عملی مسلمان بھی ہو، تاکہ اُس کی صحبت سے خانقاہ کے ارکان کی زندگیاں اسلامی سانچے میں ڈھل جائیں۔ اس کے دائرے کو زیادہ وسیع کرنے کی ضرورت نہیں۔ جتنے آدمیوں کے قیام و طعام اور ضروریات کا اِنتظام بآسانی کیا جا سکتا ہو انھی کے لیے گنجایش رکھی جائے اور اس میں ایسے لوگ لیے جائیں جنھوں نے مشرقی یا مغربی علوم کی تکمیل کر لی ہو اور جن کو شخصی طور پر اچھی طرح جانچ کر دیکھ لیا جائے کہ وہ ذہانت و ذکاوت، سنجیدگی و متانت اور خوش اخلاقی کے اعتبار سے اس قابل

باسمہ سبحانہ

ترجمان القرآن
بلدہ۔ حیدرآباد دکن۔
بلڈنگ۔ نظام شاہی روڈ

Tarjaman-Al-Quraan
Hyderabad (Dn.)

مورخہ۔ ۱۴/ جمادی الاولیٰ ۵۴ھ

محترمی و مکرمی السلام علیکم

عنایت نامہ ملا۔ تین چار روز سے میں آپ کی تجویز پر غور کر رہا ہوں۔ کافی غور کے بعد جو صورت میرے ذہن میں آئی ہے وہ عرض کیے دیتا ہوں۔

صوفیائے اسلام نے قدیم زمانے میں ایک خاص قسم کا ادارہ قائم کیا تھا جو اصحاب الصفہ کے نمونہ پر تھا۔ اس کا اصطلاحی نام "خانقاہ" مشہور ہے۔ آج یہ چیز بے اعتدالیوں کی بدولت اتنی بدنام ہو گئی ہے کہ خانقاہ کا نام سنتے ہی طبیعت اس سے منحرف ہونے لگتی ہے۔ مگر حقیقت میں یہ ایک بہترین انسٹی ٹیوشن تھا جس سے اسلام میں بڑے بڑے آدمی پیدا ہوئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس قدیم انسٹی ٹیوشن میں وقت اور زمانہ کے لحاظ سے ترمیم کر کے از سر نو جان ڈالی جائے اور ہندوستان میں جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی خانقاہیں ایسی قائم کی جائیں جن میں فارغ التحصیل لوگوں کو کچھ مدت تک رکھ کر اسلام کے متعلق نہایت صالح لٹریچر کا مطالعہ کرایا جائے، اور ان کے ساتھ وہاں ایسا ماحول ہو جس میں زندگی بسر کرنے سے ان کی سیرت خالص اسلامی رنگ میں رنگ جائے۔ اس انسٹی ٹیوشن میں کالج، لائبریری، اکیڈمی، اور آشرم کی تمام خصوصیات جمع ہونی چاہییں۔ اس کا صدر ایسا شخص ہونا چاہیے جو نہ صرف ایک وسیع النظر

عالم ہو بلکہ اس کے ساتھ ہی ایک سچا اور مکمل عملی مسلمان بھی ہو تاکہ اس
کی صحبت سے خانقاہ کے ارکان کی زندگیاں اسلامی سانچے میں ڈھل جائیں۔
اس کے دائرے کو زیادہ وسیع کرنے کی ضرورت نہیں۔ جتنے آدمیوں کے
قیام و طعام اور ضروریات کا انتظام آسانی کیا جا سکتا ہو انہی کے
لیے گنجائش رکھی جائے اور ان میں ایسے لوگ لیے جائیں جنہوں نے مشرقی
یا مغربی علوم کی تکمیل کر لی ہو اور جن کو شخصی طور پر اچھی طرح
جانچ کر دیکھ لیا جائے کہ وہ ذہانت، ذکاوت، سنجیدگی، متانت
اور خوش اخلاقی کے اعتبار سے اس قابل ہیں کہ انہیں خانقاہ میں
رکھا جائے۔

لیکن اس تمام اسکیم کا انحصار "شیخ" کے انتخاب پر ہے۔
اس مسئلہ میں تین چار روز سے سوچ رہا ہوں مگر کوئی آدمی نظر نہیں آتا۔
مسلمانوں کے قحط الرجال کا یہ عالم ہے کہ سارے ہندوستان ~~میں~~ چھان ڈالیے
جائیے۔ ایک ایسا مسلمان کا مل جانا بھی مشکل ہے جو علم و عمل کی خوبی کا
حامل ہو۔ کم از کم معروف اور نمایاں لوگوں میں تو مجھے کوئی بھی ایسا
نظر نہیں آتا جس میں تمام شرائط متحقق ہوتی ہوں۔ اگر آپ اس
کام کو کرنا ہی چاہتے ہیں تو ایک مرتبہ ہندوستان کا دورہ کیجیے۔
شاید کسی گوشے میں کوئی عالم با عمل آپ کو مل جائے۔ جب عملی قدم
اٹھانے کے لیے آپ مستعد ہو جائیں گے تو ان شاء اللہ اس اسکیم کی عملی تفصیلات
خانقاہ کا "شیخ" میں متحقق ہونا ضروری ہے۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

ہیں کہ انھیں خانقاہ میں رکھا جاتے۔

لیکن اس تمام اسکیم کا انحصار "شیخ" کے انتخاب پر ہے۔ اس مسئلہ میں تین چار روز سے سرگرداں ہوں مگر کوئی آدمی نظر نہیں آتا۔ مسلمانوں کے قحط الرجال کا یہ عالم ہے کہ سارے ہندوستان پر نظر ڈال جائیے، ایک ایسے معیاری مسلمان کا مل جانا بھی مشکل ہے جو علم و عمل کے لحاظ سے کامل ہو۔ کم از کم معروف اور نمایاں لوگوں میں تو مجھے کوئی بھی ایسا نظر نہیں آتا جس میں تمام شرائط متحقق ہوتی ہوں۔ اگر آپ اس کام کو کرنا چاہتے ہیں تو ایک مرتبہ ہندوستان کا دَورہ کیجیے۔ شاید کسی گوشے میں کوئی عالمِ باعمل آپ کو مل جائے۔ جب عملی قدم اٹھانے کے لیے آپ مستعد ہو جائیں گے تو ان شاء اللہ اپنی اسکیم کی عملی تفصیلات بھی طے ہو جائیں گی۔ اصل مسئلہ ایسے مردِ کامل کی تلاش ہے جس میں وہ صفات پائی جائیں، جو ایسی خانقاہ کے "شیخ" میں متحقق ہونا ضروری ہے۔[1]

خاکسار

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ چودھری صاحب نے جواباً مولانا مودودی کو لکھا: "جناب نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں ایسے بزرگ کی تلاش میں ہندوستان کا چکر لگاؤں، بھلا ایسی جنس اس طریق پر بھی کبھی مل سکتی ہے اور میں خود تو اس معاملے میں بالکل ناواقف ہوں، ایک بے علم کو عالم کی کیا شناخت ہو سکتی ہے۔ یہ کام اگر مجھے ہی کرنا ہے تو آپ پر ہی ہاتھ بڑھاتا ہوں۔ جناب ہی اس درس گاہ یا خانقاہ کو آ کر کیوں نہیں سنبھالتے۔ اپنے رسالے "ترجمان القرآن" کو اس جگہ سے جاری رکھیے" (اقبال، دارالاسلام اور مودودی، ص۱۰۶)۔

۸

[حیدر آباد، دکن]

یکم صفر ۵۵ھ

[۱۳- اپریل ۱۹۳۶ء]

محترمی و مکرمی   السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

عنایت نامہ آئے کئی روز ہوتے مگر میں کافی غور کے بعد جواب دینا چاہتا تھا، اِس لیے فوراً جواب نہیں لکھا۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور اس کی جانب عملی اقدام بھی شروع کر دیا۔ اللہ آپ کے ارادہ میں برکت دے اور کامیابی کے اسباب فراہم کرے۔

میرے حالات یہ ہیں کہ میں نے کئی سال قبل وہی اسکیم سوچی تھی جو آپ کے سامنے پیش کر چکا ہوں۔ اس اسکیم کی ابتدا رسالہ ترجمان القرآن کے اجراء سے کی اس کے بعد مالی مسئلہ کو حل کرنے کے لیے رسالہ کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ایک تجارتی کام شروع کیا جو اب خُدا کے فضل سے کامیابی کے قریب ہے۔ جو کچھ روپیہ میرے پاس تھا وہ میں نے اس کام میں لگا دیا ہے اور کام مستقل بنیادوں پر چل رہا ہے۔ اس میں کامیاب ہونے کے بعد انشاءاللہ تعالیٰ میں اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایک مختصر جماعت کو منتخب کروں گا اور اپنی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کروں گا۔ ایسی صورت میں میرے لیے تو حیدرآباد کو چھوڑنا بہت مشکل ہے اور آپ بھی اس کو پسند نہ فرمائیں گے۔ لیکن مشوروں کی حد تک میں آپ کو ہر قسم کی مدد دینے کے لیے تیار ہوں۔ اس قسم کے بہت سے مرکز ہندوستان میں قائم ہونے کی ضرورت ہے اور ان میں اتحادِ مقصد اور اتحادِ خیال کے ساتھ باہمی معاونت بھی ہو تو اس سے بہترین نتائج پیدا ہونے کی امید کی جا سکتی ہے۔

عملی تفصیلات عرض کرنے کا ابھی وقت نہیں آیا۔ سب سے پہلے اپنی توجہ ایک مناسب اور موزوں آدمی کی تلاش پر مرتکز ہونی چاہیے۔ میں کئی روز سے اسی مسئلہ پر غور کر رہا ہوں اور جن جن حضرات سے مجھے نیاز حاصل ہے ان سب پر نظر ڈال چکا ہوں، مگر ابھی تک کسی کے انتخاب میں مجھے کامیابی نہیں ہوئی۔ جس وقت کوئی موزوں شخص مجھے مل جائے گا آپ کو اطلاع دوں گا۔ آپ خود بھی تلاش جاری رکھیے اور حسبِ ذیل اصحاب سے بھی مشورہ لیجیے۔ ممکن ہے کہ وہ

باسمہ سبحانہ

ترجمان القرآن
حیدرآباد دکن

Tarjaman-Al-Quraan
Hydrabad (Dn.)

مورخہ یکم صفر ۵۵ھ

نشان ____________

محترمی و مکرمی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ آئے کئی روز ہوئے مگر میں اس فکر میں تھا کہ جواب دینا چاہتا تھا۔ اسلیے فوراً جواب نہیں لکھا۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور اسکی جانب عملی اقدام بھی شروع کر دیا۔ اللہ آپ کے ارادہ میں برکت دے اور کامیابی کے اسباب فراہم کرے۔

میرے حالات یہ ہیں کہ میں نے کئی سال قبل وہی اسکیم سوچی تھی جو آپکے سامنے پیش کر چکا ہوں۔ اس اسکیم کی ابتدا رسالہ ترجمان القرآن کے اجراء سے کی۔ اسکے بعد مالی مسئلہ کو حل کرنے کے لیے رسالہ کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ایک تجارتی کام شروع کیا جو اب خدا کے فضل سے کامیابی کے قریب ہے۔ جو کچھ روپیہ میرے پاس تھا وہ میں نے اس کام میں لگا دیا ہے اور کام مستقل بنیادوں پر چل رہا ہے۔ اس میں کامیاب ہونے کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ میں اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایک مختصر جماعت کو منتخب کرونگا اور اپنی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرونگا۔ ایسی صورت میں میرے لیے حیدرآباد کو چھوڑنا بہت مشکل ہے اور آپ بھی اس کو پسند نہ فرمائیے۔

لیکن مشوروں کی حد تک میں آپ کو ہر قسم کی مدد دینے کے لیے حاضر ہوں۔

اس قسم کے بہت سے مرکز ہندوستان میں قائم ہونے کی ضرورت ہے اور ان میں اتحاد مقصد اور اتحاد خیال کے ساتھ باہمی معاونت بھی ہو تو اس سے بہترین نتائج پیدا ہونے کی امید کی جا سکتی ہے۔

عملی تفصیلات عرض کرنے کا ابھی وقت نہیں آیا۔ سب سے پہلے اپنی توجہ ایک مناسب اور موزوں آدمی کی تلاش پر مرتکز کرنا چاہیے۔ میں کئی روز سے اسی مسئلہ پر غور کر رہا ہوں اور جن جن حضرات سے مجھے نیاز حاصل ہے ان سب پر نظر ڈال چکا ہوں، مگر ابھی تک کسی کا انتخاب میں کچھ کامیابی نہ ہوئی۔ جس وقت کوئی موزوں شخص مجھے مل جائیگا آپ کو اطلاع دونگا۔ آپ خود بھی تلاش جاری رکھیے۔ اور حسب ذیل اصحاب سے بھی مشورہ لیجیے، ممکن ہے کہ وہ کوئی مناسب آدمی آپ کو بتا سکیں:-

(۱) مولانا عبدالماجد صاحب ایڈیٹر صدق۔ دریاباد ضلع بارہ بنکی

(۲) مولانا سید سلیمان ندوی۔ اعظم گڈھ

(۳) مولوی محفوظ علی صاحب بی۔ اے۔ بدایوں

ان تینوں حضرات کو آپ مفصلاً اپنی تجویز لکھ کر بھیجیے اور ان سے رائے طلب فرمائیے۔ مؤخرالذکر بزرگ بہترین آدمی ہیں اور خود وہی اس کام کے لیے بہت موزوں ہو سکتے ہیں، مگر مجھے معلوم نہیں کہ وہ بدایوں چھوڑ سکتے ہیں یا نہیں۔ آپ انہیں خط لکھ کر دریافت کیجیے، بلکہ اگر ممکن ہو تو ان سے شخصاً ملاقات اور تبادلۂ خیالات فرمائیے۔ کیا عجب کہ وہ پنجاب میں قیام کرنا اور اسی تجویز کو عملی جامہ پہنانا پسند فرمالیں۔ اور اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تب بھی ان سے آپ کو بہت مفید مشورے ملینگے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

کوئی مناسب آدمی آپ کو بتا سکیں۔

۱۔ مولانا عبدالماجد صاحب ایڈیٹر صدق، دریاباد ضلع بارہ بنکی۔

۲۔ مولانا سید سلیمان ندوی۔ اعظم گڑھ

۳۔ مولوی محفوظ علی صاحب بی۔اے، بدایونؒ[۲]۔

ان تینوں حضرات کو آپ مفصلاً اپنی تجویز لکھ کر بھیجیے اور ان سے رائے طلب فرمائیے۔ متوخرالذکر بزرگ بہترین آدمی ہیں اور خود وہی اس کام کے لیے بہت موزوں ہو سکتے ہیں۔ مگر مجھے معلوم نہیں کہ وہ بدایوں چھوڑ سکتے ہیں یا نہیں آپ انھیں خط لکھ کر دریافت کیجیے بلکہ اگر ممکن ہو تو ان سے شخصاً ملاقات اور تبادلۂ خیالات فرمائیے۔ کیا عجب کہ وہ پنجاب میں قیام کرنا اور اس تجویز کو عملی جامہ پہنانا پسند فرمالیں اور اگر انھوں نے ایسا نہ کیا، تب بھی ان سے آپ کو بہت مفید مشورے ملیں گے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ یہ اس کاروباری شراکت کی طرف اشارہ ہے، جو مولانا مودودی نے حیدر آباد، دکن میں حکیم محمد شعیب صاحب کے ساتھ یونانی دواسازی میں کی تھی۔

۲۔ سید محفوظ علی بدایونی (۸ مئی ۱۸۷۰ء بدایوں ——— ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۳ء بدایوں) ابتدائی تعلیم بدایوں اور بریلی میں حاصل کی۔ ۱۸۹۵ء میں علی گڑھ سے بی اے کیا۔ ریاست خیرپور، سندھ میں اسسٹنٹ جج مقرر ہوئے اور چند سال میں ترقی کرتے کرتے نائب وزیر ہو گئے۔ بعد ازاں حیدر آباد میں بطور مترجم ملازمت اختیار کی۔ ۱۹۰۴ء میں جج ہو کر صومالیہ، افریقہ میں چلے گئے۔ تین سال بعد واپس آئے۔ کچھ عرصہ محمد علی جوہر کے "کامریڈ" اور "ہمدرد" سے بھی وابستہ رہے۔ ۱۹۳۵ء میں بدایوں میں ایک اسکول قائم کیا۔ علامہ اقبال سے ان کی خط کتابت رہی۔ علامہ، ان کی علمیت اور روحانیت کے قائل تھے۔ ان کی تحریروں کا مجموعہ "طنزیات و مقالات" ۱۹۷۴ء میں کراچی سے شائع ہوا۔

چودھری صاحب نے ۱۸ ستمبر ۱۹۳۶ء کو مولانا مودودی کے نام ایک خط میں ، ان کے مضامین "سود" "پردہ" اور "اشارات" "ترجمان القرآن" جلد ۸ شمارہ ۲) کے انگریزی ترجمے کی اجازت طلب کرتے ہوئے لکھا: "انھیں یہاں کے اخبار و رسائل کے علاوہ پمفلٹ کی شکل میں پنجاب کی انگریزی خواں سوسائٹی میں تقسیم کرنا چاہتا ہوں" (اقبال ، دارالاسلام اور مودودی ، ص ۱۰۷) تو مولانا نے جواباً تحریر کیا:

[حیدر آباد . دکن]
۹ رجب ۵۵ھ
[۲۵ - ستمبر ۱۹۳۶ء]

مکرمی و محترمی ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ مورخہ ۱۸ ستمبر وصول ہوا۔ میرے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ مضامین انگریزی خواں طبقہ میں شائع ہوں۔ آپ کو کُلی اختیار دیتا ہوں کہ جس مضمون کا چاہیں ترجمہ کریں اور شائع فرمائیں۔ البتہ اگر اشاعت سے پہلے ترجمہ کو میں بھی دیکھ لوں تو زیادہ بہتر ہو۔ ترجمہ کی جو کاپی آپ میرے پاس بھیجیں وہ اگر دستی مسودے کے بجائے ٹائپ شدہ ہو اور حاشیہ ذرا زیادہ چوڑا ہو تو میرے لیے زیادہ آسانی ہو گی۔ میری عادت ہے کہ مضمون کی اشاعت کے بعد جو مزید خیالات یا معلومات ذہن میں آتی ہیں ان کو نوٹ کر لیا کرتا ہوں تاکہ اگر دوبارہ اشاعت کا موقع آئے تو ان چیزوں کا اضافہ کر دوں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اشاعت کے بعد بعض عبارتوں میں ترمیم و اصلاح کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ یہ سب چیزیں ترجمے کو دیکھتے وقت کام آئیں گی اور انشاءاللہ ترجمہ کو اصل سے کچھ زیادہ بہتر بنایا جاسکے گا۔

نمازِ جمعہ کے متعلق جس امر کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے وہ یقیناً بہت اہمیت رکھتا ہے۔ میں انشاءاللہ اس مسئلہ پر ایک مفصل مضمون لکھوں گا۔ وہ علما

سخت ظالم ہیں جو محض ایک اصطلاحی بنیاد پر دین کے اتنے بڑے اور اہم فرض کو ساقط کیے دیتے ہیں۔ لفظ "مصر" جو فقہ حنفی میں اصطلاح کے طور پر استعمال ہوا ہے، بجائے خود مبہم ہے اور آج تک اس کی کوئی قطعی تعریف نہیں کی جاسکی ہے۔ قریب قریب پچاس مختلف تعریفیں ہیں، جن کا اختلاف خود اس بات پر شاہد ہے کہ "مصر" ایک مبہم الحقیقت چیز ہے۔ ایسی غیر متعین چیز پر ایک ایسے فرض کی ادائی کو موقوف کرنا جس کے لیے قرآن اور حدیث میں سخت تاکیدی احکام وارد ہوتے ہیں، بڑی غلطی ہے، اور جو شخص خدا کا خوف رکھتا ہو، وہ اس غیر یقینی بنیاد پر مسلمانوں کو اس فرض سے رد کنے کی ذمہ داری اپنے اُوپر لینے کی جرأت نہیں کرسکتا۔

مسئلہ کی پوری تحقیق تو ان شاء اللہ ترجمان القرآن میں شائع کر دوں گا، مگر مختصراً یہاں اتنا عرض کیے دیتا ہوں کہ اقامت جُمعہ سے شارع کا اصل مقصود یہ ہے کہ ہفتہ میں ایک مرتبہ مسلمانوں کی جماعت کثیرہ لازمی طور پر اجتماعی عبادت ادا کرے۔ نماز پنجگانہ میں بھی اگرچہ جماعت کی تاکید ہے مگر ان نمازوں میں جماعت رُکن عبادت نہیں ہے۔ بغیر جماعت کے بھی فرض ادا ہو جاتا ہے۔ مگر جمعہ میں جماعت کو رُکن عبادت بنا دیا گیا ہے۔ تاکہ ہر ہفتہ مسلمانوں کے لیے اجتماعی عبادت ناگزیر ہو جائے۔ اِس مقصود کو سمجھ لینے سے یہ بات خود منکشف ہو جاتی ہے کہ چھوٹی چھوٹی آبادیوں میں علیحدہ علیحدہ جُمعہ ہونے سے شارع کا یہ مقصد پُورا نہیں ہوتا، کیونکہ اس طرح مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی جمعیتیں منتشر ہی رہتی ہیں، اور اصل مقصد اُن میں عبادتِ الٰہی کے ساتھ رشتہ اجتماعی کو مستحکم کرنا ہے، اِسی لیے جنگلوں، ویرانوں، خیام اور بہت چھوٹی بستیوں میں جمعہ کی اقامت کو روک دیا گیا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ان مقامات پر جو لوگ ہوں، ان پر سے جمعہ کا فرض ساقط ہو گیا۔ بلکہ اس سے یہ مقصود ہے کہ وہ کسی ایک بڑی بستی میں جمع ہوں اور مِل کر جُمعہ ادا کریں اور احکامِ الٰہی سُنیں اور قومی ضروریات سے

باسمہ سبحانہ

ترجمان القرآن
حیدرآباد دکن

Tarjaman-Al-Quraan
Hyderabad (Dn.)

مورخہ ۹؍رجب ۵۵ھ

نشان ________

مکرمی و محترمی   السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ مورخہ ۱۸؍ستمبر وصول ہوا — میرے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ مضامین انگریزی خواں طبقہ میں شائع ہوں — آپ کو کلی اختیار دیتا ہوں کہ جس مضمون کا چاہیں ترجمہ کریں اور شائع فرمائیں — البتہ اگر ان لفٹ سے پہلے ترجمہ مجھے بھی دکھلا دیں تو زیادہ بہتر ہو — ترجمہ کی جو کاپی آپ میرے پاس بھیجیں وہ اگر دستی مسودے کی بجائے ٹائپ شدہ ہو اور حاشیہ ذرا زیادہ چوڑا چھوڑا ہو تو میرے لیے زیادہ آسانی ہوگی — میری عادت ہے کہ مضمون کی اشاعت کے بعد جو مزید معلومات یا معلومات ذہن میں آتی ہیں ان کو نوٹ کر لیا کرتا ہوں تاکہ اگر دوبارہ اشاعت کا موقع آئے تو ان چیزوں کا اضافہ کر دوں — بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اشاعت کے بعد بعض عبارتوں میں ترمیم و اصلاح کی ضرورت محسوس کرتا ہوں — یہ سب چیزیں ترجمے کو دیکھتے وقت کام آئیں گی اور ان سے ترجمہ کو اصل سے کچھ زیادہ بہتر بنایا جا سکے گا —

نماز جمعہ کے متعلق جس امر کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے وہ یقیناً بہت اہمیت رکھتا ہے۔ میں ان شاء اللہ اس مسئلہ پر ایک مفصل مضمون لکھوں گا — وہ علماء سخت ظالم ہیں جو محض ایک اصطلاحی بنیاد پر دین کے اتنے بڑے اور اہم فرض کو ساقط کیے دیتے ہیں — لفظ "مصر" جو فقہ حنفی میں اصطلاح کے طور پر استعمال ہوا ہے، بجائے خود مبہم ہے اور آج تک اس کی کوئی قطعی تعریف نہیں کی جا سکی ہے — قریب قریب پچاس مختلف تعریفیں ہیں، ان کا اختلاف خود اس بات پر شاہد ہے کہ "مصر" ایک مبہم الحقیقت چیز ہے — ایسی غیر متعین چیز

پر ایک ایسے فرض کی ادائی کو موقوف کرنا جس کے لیے قرآن اور حدیث میں سخت تاکیدی احکام وارد ہوئے ہیں، بڑی غلطی ہے، اور جو شخص خدا کا خوف رکھتا ہو، وہ اس غیر یقینی بنیاد پر مسلمانوں کو اس فرض سے روکنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لینے کی جراءت نہیں کر سکتا۔

مسئلہ کی پوری تحقیق تو ان شاء اللہ ترجمان القرآن میں شائع کروں گا۔ مگر مختصراً یہاں اتنا عرض کیے دیتا ہوں کہ اقامت جمعہ سے شارع کا اصل مقصود یہ ہے کہ ہفتہ میں ایک مرتبہ مسلمانوں کی جماعت کثیرہ لازمی طور پر اجتماعی عبادت ادا کرے۔ نماز پنجگانہ میں بھی اگرچہ جماعت کی تاکید ہے مگر ان نمازوں میں جماعت رکن عبادت نہیں ہے۔ بغیر جماعت کے بھی فرض ادا ہو جاتا ہے۔ مگر جمعہ میں جماعت کو رکن عبادت بنا دیا گیا ہے، تاکہ ہر ہفتہ مسلمانوں کی یہ اجتماعی عبادت ناگزیر ہو جائے۔ اس مقصد کو سمجھ لینے سے یہ بات خود منکشف ہو جاتی ہے کہ چھوٹی چھوٹی آبادیوں میں علیحدہ علیحدہ جمعہ ہونے سے شارع کا مقصد پورا نہیں ہوتا، کیونکہ اس طرح مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی جمعیتیں منتشر ہی رہتی ہیں، اور اصل مقصد ان میں عبادت الٰہی کے ساتھ رشتۂ اجتماع کو مستحکم کرنا ہے۔ اسی لیے جنگلوں، ویرانوں، خیام، اور بہت چھوٹی بستیوں میں جمعہ کی اقامت کو روک دیا گیا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ان مقامات پر جو لوگ ہوں ان پر سے جمعہ کا فرض ساقط ہو گیا۔ بلکہ اس سے یہ مقصود ہے کہ وہ کسی ایک بڑی بستی میں جمع ہوں اور مل کر جمعہ ادا کریں اور احکام الٰہی سنیں اور قومی ضروریات سے باخبر ہوں۔ جمعہ کے لیے "مصر جامع" کی قید لگانے سے شارع کا یہی مقصد ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے زمانے میں کوئی بڑی بستی ایسی نہ ہوتی تھی جہاں کوئی قاضی اور حاکم اسلامی فرمانروا وقت کی طرف سے موجود نہ ہو۔ اس بنا پر انہوں نے مصر کی یہی تعریف کر دی۔ مگر اب وہ حال نہیں ہے۔

لہذا اب مصر جامع سے مراد وہ بڑا قصبہ ہوگا جو چند قریوں کے درمیان نسبتاً سب سے زیادہ اسلامی آبادی رکھتا ہو اور جہاں کوئی اسلامی احکام جاننے والا عالم موجود ہو۔ ایسے قصبہ میں آس پاس کے دیہات سے مسلمانوں کو جمعہ کے روز جمع ہو جانا اور نماز جمعہ ادا کرنا چاہیے۔ آپ نے جو صورت تحریر فرمائی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کا موضع خواہ عرفاً شہر نہ ہو مگر اغراض جمعہ کے لیے یقیناً "مصر جامع" ہے۔ لہذا وہاں اقامت جمعہ بالکل جائز ہے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

باخبر ہوں۔ جمعہ کے لیے "مصر جامع" کی قید لگانے سے شارع کا یہی مقصد ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے زمانے میں کوئی بڑی بستی ایسی نہ ہوتی تھی جہاں کوئی قاضی اور حاکم اسلامی فرمانروا کے وقت کی طرف سے موجود نہ ہو۔ اس بنا پر انھوں نے مصر کی یہی تعریف کر دی، مگر اب وہ حال نہیں ہے، لہٰذا اب مصر جامع سے مراد وہ بڑا قصبہ ہوگا جو چند قریوں کے درمیان نسبتہً سب سے زیادہ اسلامی آبادی رکھتا ہو اور جہاں کوئی اسلامی احکام جاننے والا عالم موجود ہو۔ ایسے قصبہ میں آس پاس کے دیہات سے مسلمانوں کو جمعہ کے روز جمع ہو جانا اور نمازِ جمعہ ادا کرنا چاہیے۔ آپ نے جو صورت تحریر فرمائی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کا موضع خواہ عرفاً شہر نہ ہو مگر اغراضِ جمعہ کے لیے یقیناً "مصر جامع" ہے لہٰذا وہاں اقامتِ جمعہ بالکل جائز ہے۔[1]

خاکسار

ابو الاعلیٰ

۱۔ مکتوب الیہ نے جمال پور میں نمازِ جمعہ کا اہتمام کیا، جس میں کثیر تعداد میں دیہاتی مسلمان جمع ہونے لگے۔ مگر بعض علماء کے نزدیک دیہات میں نمازِ جمعہ کا جواز نہ تھا۔ اس پس منظر میں نیاز علی خان نے مولانا مودودی کو لکھا: "جناب ایک مدلل مضمون نماز جمعہ کے متعلق ضرور شائع فرمائیں۔ جمعہ کی عظمت اور ثواب ہی کا اثر ہے، جس کے باعث لوگ آٹھویں روز نماز پڑھ لیتے ہیں اور قرآن سن لیتے ہیں ۔۔۔ مجھے فکر ہے کہ میرے مجوزہ ادارے میں اگر جمعہ کی نماز نہ ہوئی، تو دیہات کے لوگ وہاں کی تعلیم اور وعظ سے محروم رہ جائیں گے"۔ (ایضاً۔ ص ۱۰۸۔ ۱۰۹) چناں چہ مولانا مودودی نے محرم ۱۳۵۶ھ (مارچ ۱۹۳۷ء) کے "ترجمان القرآن" میں "دیہات میں نماز جمعہ" کے زیر عنوان نیاز علی خان صاحب کا متذکرہ خط نقل کرتے ہوئے اس مسئلے پر مفصل روشنی ڈالی۔ اس سلسلے کے مزید مضامین "ترجمان القرآن" صفر، ربیع الاول ۱۳۵۷ھ (اپریل۔ مئی ۱۹۳۸ء) کے شماروں میں شائع ہوئے، یہ سب مضامین "تفہیمات" حصہ دوم میں شامل ہیں۔

چودھری صاحب نے مولانا مودودی کے ایک مضمون کا انگریزی ترجمہ، ملاحظے کے لیے انھیں روانہ کیا، جواباً مولانا نے تحریر فرمایا:

[حیدر آباد، دکن]
۱۹۔ شعبان المبارک ۵۵ھ
[۳۔ نومبر ۱۹۳۶ء]

محترمی و مکرمی۔ السلامُ علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آپ کے دو عنایت نامے آچکے ہیں، سخت شرمندہ ہوں کہ بر وقت جواب عرض نہ کر سکا اور اس سے زیادہ شرمندگی اس بات سے ہوئی کہ پہلے عنایت نامے کا جواب نہ پا کر آپ نے دُوسرے عنایت نامے کے ساتھ "لفافہ" رکھ کر بھیج دیا۔ یہ میرے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ لفافہ تو اِستعمال کرنے پر مجبور ہوں کہ آپ نے اس پر پتا لکھ دیا ہے۔ البتہ اس کے بدلے میں ٹکٹ رکھ کر بھیج رہا ہوں۔

تاخیر کا سبب یہ ہُوا کہ آپ کا ترجمہ دیکھنے کے بعد میں نے مختصراً اپنی رائے لکھ کر اپنے دوست ڈاکٹر سیّد عبداللطیف کے پاس اسے بھیج دیا تھا۔ یہ صاحب عثمانیہ یونیورسٹی میں انگریزی ادب کے سینیر پروفیسر ہیں اور بہترین انگریزی لکھنے والوں میں سے ایک ہیں۔ ان کے پاس سے جواب آنے میں بہت دیر ہوگئی۔ انھوں نے پُورے ترجمہ کو پڑھ کر میری رائے سے اتفاق کیا ہے اور وُہ یہ ہے کہ مفہوم آپ نے پُورا ادا کر دیا ہے، مگر اصل کی پابندی میں زبان کی ادبیت کو قربان کر دیا۔ ترجمہ لفظ بلفظ ہونے کے بجائے اگر free ہوتا اور صرف مفہوم کو سمجھ کر انگریزی زبان میں اس کو ادا کیا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ اس کو درست کرنا نیا ترجمہ کرنے سے زیادہ مشکل ہے، اس لیے انھوں نے اسے واپس کر دیا ہے۔ یہ خیال بھی انھوں نے

ظاہر کیا ہے کہ ٹائپ شدہ الفاظ کو کاٹ کر جہاں ہاتھ سے دوسرے الفاظ لکھے گئے ہیں وہاں اکثر اصلاح درست نہیں ہے۔ اصل ٹائپ شدہ الفاظ ہی زیادہ مناسب تھے۔

درسِ قرآن کے سلسلہ میں آپ نے جو مشورہ دیا ہے میں خود بھی اس کی کمی بسا اوقات محسوس کر رہا ہوں، مگر اب تک میں نے اس کی جرأت اس لیے نہیں کی ہے کہ مجھ پر کام کا بار بہت زیادہ ہے اور تحقیق و مطالعہ اور غور و خوض کا وقت کم ملتا ہے۔ ذرا اس بار میں کچھ کمی ہو جائے اور مجھے نسبتاً کچھ اطمینان میسّر ہو تو انشاءاللہ تفسیری مضامین کا ایک سلسلہ شروع کروں گا۔ سرسری طور پر قرآن کی تفسیر لکھتے ہوئے خوف معلوم ہوتا ہے۔[۲]

مطالعۂ قرآن کے لیے جن امور کی ضرورت ہے، ان کو ایک مضمون میں جمع کرنا تو مشکل ہے۔ البتہ ایک ایک چیز پر ایک ایک مضمون لکھا جا سکتا ہے۔ بعد میں ان مضامین کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں شائع کیا جائے تو قرآن مجید کے لیے ایک مفید مقدمہ ہو جائے گا۔ میں ایک عرصہ سے ارادہ رکھتا تھا کہ اس قسم کی ایک مستقل کتاب لکھوں، مگر اب کتاب کی تصنیف تو مشکل نظر آتی ہے۔ زیادہ بہتر یہی ہے کہ الگ الگ مضامین لکھنے شروع کر دیے جائیں۔ انشاءاللہ عنقریب یہ سلسلہ شروع ہوگا۔

محمد اسد صاحب سے حیدر آباد میں ایک مرتبہ مل چکا ہوں۔ ان کی کتاب Islam at the Crossroads اور ترجمہ صحیح بخاری دونوں میری نظر سے گزری ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ دورِ جدید میں اسلام کو جتنے غنائم یورپ سے ملے ہیں ان میں یہ سب سے زیادہ قیمتی ہیرا ہے۔ اسلام کی اسپرٹ اس میں حلول کر گئی ہے۔ اور اسلام کو اس نے ان علماء سے زیادہ اچھی طرح سمجھا ہے جو پچاس پچاس برس سے درس و تدریس میں مشغول ہیں۔ اگر یہ شخص آپ کے ادارہ

کے لیے مل گیا ہے تو میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں اور نہایت خوش قسمت سمجھتا ہوں۔ اب مجھے اُمید ہے کہ یہ تخیل ضرور پھل پھول لائے گا۔

میں اپنی شدید مصروفیت کی وجہ سے مفصل یادداشت بیک وقت تو نہیں لکھ سکتا۔ البتہ یہ کر سکتا ہوں کہ خط و کتابت کے سلسلہ میں باقساط اپنے خیالات عرض کرتا رہوں۔ سردست پہلی قسط حاضر ہے:

(۱) سب سے بڑی چیز جس کی اس وقت کمی نظر آ رہی ہے صحیح اسلامی تربیت ہے۔ جدید مدارس تو خیر انگریزی اغراض کے لیے قائم ہوئے ہیں۔ مگر ہمارے قدیم عربی مدرسے اور قومی ادارے بھی اس باب میں ناقص ہیں۔ خانقاہ میں ایک ایسا ماحول پیدا کیا جائے، جہاں "شیخ" اور "مرید" (یہ لفظ میں مجبوراً استعمال کر رہا ہوں، اصطلاحی مفہوم مراد نہیں ہے) دونوں اپنی اصلاح کریں اور ایک دوسرے کی تربیت کریں، اور باہر کا جتنا زنگ ہر ایک پر کم یا زیادہ چڑھ گیا ہے، اس کو سب مل کر ایک دوسرے پر سے کھرچیں اور آپس کی معاونت سے ایک دوسرے میں خالص اسلامی سیرت پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ وہاں احتسابِ نفس پہلے ہو، پھر النصح للہ کے اصول پر عمل کیا جائے، اور مداہنت سے سخت پرہیز کیا جائے۔ صحابۂ کرام اور اکابرِ اسلام کی زندگیاں پیشِ نظر رکھی جائیں اور خصوصیت کے ساتھ ان طریقوں کی پیروی کی جائے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی تربیت فرمائی تھی۔

(۲) جو اصحاب ادارہ میں داخل ہوں ابتداءً ان کو کم از کم دو سال تک شہری زندگی میں واپس جانے سے روک دیا جائے، بلکہ ادارہ سے باہر کی دنیا سے ان کا جسمانی تعلق قریب قریب منقطع کر دیا جائے، تاکہ اس مدت میں ان پر گہرا رنگ چڑھ جائے اور وہ اتنے پختہ ہو جائیں کہ اگر دوسروں پر اپنا رنگ نہ چڑھا سکیں تو کم از کم دوسروں کا رنگ قبول بھی نہ کریں۔

(۳) زندگی میں پوری سادگی ہو۔ اپنا کام خود کرنے کی عادت ڈالی جائے ۔
جسمانی مشقت کی مشق کے لیے ایک قطعۂ زمین ایسا مقرر کیا جائے جس
میں شیخ اور مرید سب اپنے ہاتھ سے باغبانی یا ترکاریوں کی کاشت
کریں ۔صفائی اور حفظانِ صحت اور تغذیہ کے بالکل جدید ترین اصولوں
کی پابندی کی جائے ۔ خُذْ مَاصَفَا وَدَعْ مَاکَدر کے اصول پر مغربی زندگی
کی تمام وہ چیزیں لی جائیں جو مفید ہوں، اور صرف پرہیز ان چیزوں سے کیا
جائے جو زہریلی ہوں۔
سپاہیانہ خصائل پیدا کرنے کے لیے فوجی ڈسپلن کا رنگ اختیار کیا جائے،
اوقات اور باقاعدہ زندگی بسر کرنے کی عادت ڈالی جائے ۔ اس
ساتھ ورزشوں میں سے خاص طور پر گھوڑے کی سواری، تلوار کا
ستعمال، لکڑی کے فنون اور نشانہ بازی کی مشق کا صبح و شام کے اوقات
میں التزام کیا جائے ۔
نماز اور روزے کی سخت پابندی ہونی چاہیے۔ اس کے ساتھ اِنتہا ی
کوشش کی جائے کہ اَوامر کے اتباع اور نواہی سے اِجتناب کیا جائے
اور یہ پابندیٔ شریعت مجبورانہ نہ ہو بلکہ بطوع و رغبت خود اپنے نفس
کے میلان سے ہو ۔ ادارہ کی اصلی خوبی یہی ہونی چاہیے کہ وہاں کی آب و ہوا
میں اسلامیت کا اتنا غلبہ ہو جائے کہ نیکیاں خود بخود نشوونما پانے لگیں اور
شرور و عصیاں کے بیج خود بخود جل کر رہ جائیں ۔
(۶) ادارہ میں سردست صرف اتنے آدمیوں کو شریک کیا جائے جن کو آپ کی
جائداد موقوفہ بآسانی support کر سکتی ہو۔ خواہ ان کا پورا بار وقف
پر ہو یا کسی حد تک وہ اپنا بار آپ سنبھالنے والے ہوں۔ دو تین سال کی
تعلیم و تربیت کے بعد ایسا انتظام کیا جائے کہ ادارہ کے ارکان باہم

مل کر تجارتی اصول پر کوئی پریس اور دارالاشاعت چلائیں اور نہ صرف اپنا بار خود سنبھالنے کے قابل ہو جائیں بلکہ اپنے ادارہ میں دُوسرے لوگوں کو شریک کرنے اور اسی طریقہ پر ان کی تربیت کرنے کے بھی قابل ہو جائیں۔

(۷) اگر کوئی شخص برضا و رغبت ادارہ کی مالی مدد کرے تو اس کو قبول کر لیا جائے۔ لیکن کبھی خود کسی سے مدد نہ مانگی جائے اور نہ عطایا وصُول کرنے کو ادارہ کے پروگرام کا ایک شعبہ بنایا جائے۔

(۸) ادارہ کے ارکان تمام ایسے لوگ ہوں جو انگریزی یا عربی درسگاہوں کی تعلیم سے فارغ ہو چکے ہوں یا جن کی علمی استعداد اعلیٰ درجہ کی ہو۔ نیز ان میں کوئی ذہانت، کوئی اپج، کوئی جوہر مخفی پایا جاتا ہو۔ ان امور کی تحقیق کے لیے اُمیدواروں کو ادارہ کا باقاعدہ رُکن بنانے سے پہلے دو مہینہ کے لیے ادارہ میں بلا کر رکھا جائے اور غیر محسوس طریقہ پر ان کو خُوب جانچ کر دیکھا جائے۔ "مولویت" اور "فرنگیت" سے خصوصاً پرہیز ضروری ہے۔

(۹) ادارہ میں باقاعدہ درس و تدریس کی ضرورت نہیں۔ عربی جاننے والے ارکان فرداً انگریزی جاننے والوں کو عربی اور علومِ اسلامیہ پڑھائیں، اور اسی طرح انگریزی تعلیم یافتہ حضرات عربی والوں کو انگریزی زبان اور علومِ جدیدہ کی تعلیم دیں۔ ایک وقت ایسا ہو جس میں شیخ قرآن کا درس دے۔ یہ درس اس انداز میں ہونا چاہیے کہ شیخ سمیت ہر شخص معلم بھی ہو اور متعلم بھی۔ ہر شخص پہلے سے زیرِ درس آیت یا آیات کی تفسیر میں کافی غور و خوض اور تحقیق و مطالعہ کر کے شریکِ درس ہو، اور درس کے موقع پر اپنی تحقیق بیان کرے اور دُوسروں سے استفادہ کرے۔ یہ ایسا جامع درس ہونا

چاہیے کہ اس کے ضمن میں حدیث، فقہ، حکمتِ اسلامیہ، اصولِ شرع، فلسفہ، تاریخ اسلامی، غرض دنیا بھر کے مباحث و مسائل آسکتے ہیں۔

درسِ قرآن کے بعد تمام ارکان کو مطالعہ اور تحقیق میں مشغول ہو جانا چاہیے یہ کام سب سے زیادہ اہم اور نازک ہے اور شیخ کی حکمت کا سب سے بڑا مصرف یہی ہے۔ اولاً اس کو یہ طے کرنا چاہیے کہ سرِ دست کن کن شعبوں میں تحقیق کا کام شروع کیا جا سکتا ہے، ثانیاً یہ کہ کون کون سے ارکان کس کس شعبہ کے لیے موزوں ہیں۔ ثالثاً یہ کہ ان کی رہنمائی کس ڈھنگ سے کی جائے اور ہر شعبہ میں تحقیق کا نصب العین کیا ہو۔

میری رائے میں سرِ دست تین چار شعبے خاص طور پر توجہ کے محتاج ہیں
۱۔ فقہ۔ ۲۔ معاشیات۔ ۳۔ علومِ عمران۔ ۴۔ فلسفہ اور نظری سائنس۔

یہ سب علمی و تحقیقی کام اس بنیادی نظریہ کے ساتھ کیا جائے کہ قرآن اور سنّت ہی علم کا اصل منبع ہے۔ سب کچھ ہم کو اسی سے لینا ہے۔ اور اس نظامِ شمسی میں ہر چیز کو اسی آفتاب کے گرد گھومنا چاہیے۔ اس مرکز سے منحرف جو چیز ہو اس کے لیے اس نظام میں کوئی جگہ نہیں۔

(۱۰) ۔ ادارہ کی تعلیم و تربیت سے جب ایک جماعت پوری طرح تیار ہو جائے تو اشاعت کا کام شروع کیا جائے۔ اشاعت کے لیے تین زبانوں کا انتخاب میری رائے میں مناسب ہے۔ عربی، انگریزی اور اردو۔ اشاعت زیادہ تر رسالوں اور کتابوں کی شکل میں ہونی چاہیے، اس کے ساتھ مسلمانوں کے خیالات اور عملی طریقوں کی اصلاح کے لیے پمفلٹوں (tracts) کی اشاعت بھی شروع کی جائے۔ جدید نیم خود مختار کونسلوں سے مجھ کو ایک بڑا فتنہ اٹھتا نظر آتا ہے۔ بکثرت جہلاء مسلمانوں کی طرف سے نمایندے بن کر کونسلوں میں جائیں گے اور سوشل ریفارم کے نام سے سوشل ڈیفارم کریں گے اور جدید قوانین بنا کر مسلمانوں کے "پرسنل لا" کو اور زیادہ مسخ کریں گے۔

باسمہ سبحانہ

ترجمان القرآن
حیدرآباد دکن

Tarjaman-Al-Quraan
Hydarabad (Dn.)

نشان ————

مورخہ ۱۹ رمضان ۷۵ھ

محترمی و مکرمی — السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آپ کے دو عنایت نامے آ چکے ہیں، سخت شرمندہ ہوں کہ بروقت جواب عرض نہ کر سکا اور اس سے زیادہ شرمندگی اس بات سے ہوئی کہ پہلے عنایت نامے کا جواب نہ پا کر آپ نے دوسرے عنایت نامے کے ساتھ "لفافہ" رکھ کر بھیج دیا۔ یہ میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔ لفافہ تو استعمال کرنے پر مجبور ہوں کہ آپ نے اس پر پتہ لکھ دیا ہے۔ البتہ اس کا بدلہ میں ٹکٹ رکھ کر بھیج رہا ہوں۔

تاخیر کا سبب یہ ہوا کہ آپ کا ترجمہ دیکھنے کے بعد میں نے مختصراً اپنی رائے لکھ کر اپنے دوست ڈاکٹر سید عبد اللطیف کے پاس بھیج دیا تھا۔ یہ صاحب عثمانیہ یونیورسٹی میں انگریزی ادب کے سینیر پروفیسر ہیں اور بہترین انگریزی لکھنے والوں میں سے ایک ہیں۔ ان کے پاس سے جواب آنے میں بہت دیر ہوگئی۔ انہوں نے پورے ترجمہ کو پڑھ کر میری رائے سے اتفاق کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مفہوم آپ نے پورا ادا کر دیا ہے، مگر اصل کی پابندی میں زبان کی ادبیت کو قربان کر دیا۔ ترجمہ لفظ بلفظ ہونے کے بجائے اگر free ہوتا اور صرف مفہوم کو سمجھ کر انگریزی زبان میں اسے ادا کیا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ اس کو درست کرنا نئے ترجمہ کرنے سے زیادہ مشکل ہے اسلئے انہوں نے اسے واپس کر دیا ہے۔ یہ خیال بھی انہوں نے ظاہر کیا ہے کہ ٹائپ شدہ الفاظ کو کاٹ کر جہاں جہاں دوسرے الفاظ لکھ دیئے ہیں وہاں اکثر اصلاح درست نہیں ہے۔ اصل ٹائپ شدہ الفاظ ہی زیادہ مناسب تھے۔

درس قرآن کے سلسلہ میں آپ نے جو مشورہ دیا ہے میں خود بھی اسکی کمی محسوس
میں محسوس کر رہا ہوں ۔ مگر اب تک میں نے اس کی جرأت اسلیے نہیں کی ہے کہ مجھ پر کام کا
بار بہت زیادہ ہے اور تحقیق و مطالعہ اور غور و خوض کا وقت کم ملتا ہے ۔ ذرا اس بار میں
کچھ کمی ہو جائے اور مجھے نسبتہً کچھ اطمینان میسر ہو تو ان شاء اللہ تفسیری مضامین کا ایک
سلسلہ شروع کروں گا ۔ سرسری طور پر قرآن کی تفسیر لکھتے ہوئے خوف معلوم ہوتا ہے ۔
مطالعۂ قرآن کے لیے جن امور کی ضرورت ہے ان کو ایک مضمون میں جمع کرنا
تو مشکل ہے ۔ البتہ ایک ایک چیز پر ایک ایک مضمون لکھا جا سکتا ہے ۔ بعد میں ان
مضامین کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں شائع کیا جائے تو قرآن فہمی کے لیے ایک
مفید مقدمہ ہو جائیگا ۔ میں ایک عرصہ سے ارادہ رکھتا تھا کہ اس قسم کی ایک مستقل
کتاب لکھوں ۔ مگر اب کتاب کی تصنیف تو مشکل نظر آتی ہے ۔ زیادہ بہتر یہی
ہے کہ وقتاً فوقتاً مضامین لکھنے شروع کر دیے جائیں ۔ ان شاء اللہ عنقریب یہ سلسلہ
شروع ہوگا ۔

محمد اسد صاحب سے حیدرآباد میں ایک مرتبہ مل چکا ہوں ۔ ان کی کتاب
Islam on the Crossroads اور ترجمہ صحیح بخاری دونوں میری نظر سے گذری ہیں ۔ میرا خیال یہ ہے
کہ دور جدید میں اسلام کو جتنے غنائم یورپ سے ملے ہیں ان میں یہ سب سے زیادہ
قیمتی ہیرا ہے ۔ [illegible] اسلام کی اسپرٹ اس میں پوری طرح حلول کر گئی ہے ۔ انہوں نے
اسلام کو اس نے ان علماء سے زیادہ اچھی طرح سمجھا ہے جو پچاس پچاس برس سے
درس و تدریس میں مشغول ہیں ۔ اگر یہ شخص آپ کے ادارہ کے لیے مل گیا ہے تو
میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں اور نہایت خوش قسمت سمجھتا ہوں ۔ ابوالاعلیٰ

باسمہ سبحانہ

ترجمان القرآن
حیدرآباد دکن

Turjaman-Al-Quraan
Hyderabad (Dn.)

مورخہ ————

نشان ————

کر کے تمہیں ضرور بھیج دوں گا۔

میں اپنی شدید مصروفیت کی وجہ سے مفصل یادداشت بنانے کا وقت تو
نہیں نکال سکتا۔ البتہ یہ گزارش کرتا ہوں کہ خط و کتابت کے سلسلہ میں بالاقساط اپنے خیالات
عرض کرتا رہوں۔ سردست چند اقساط نذر ہے:۔

(۱) سب سے بڑی چیز جس کی اس وقت کمی نظر آ رہی ہے، صحیح اسلامی تربیت
ہے۔ جدید مدارس تو خیر انگریزی اغراض کے لیے قائم ہوئے ہیں۔ مگر ہمارے قدیم عربی
مدرسے اور قومی ادارے بھی اس باب میں ناقص ہیں۔ خانقاہ میں ایک ایسا
ماحول پیدا کیا جائے جہاں شیخ اور مرید (یہ الفاظ میں مجبوراً استعمال کر رہا ہوں، اصطلاحی
مفہوم مراد نہیں ہے) دونوں اپنی اصلاح کریں اور ایک دوسرے کی تربیت کریں، اور
باہر کا جتنا رنگ ہر ایک پر کم یا زیادہ چڑھ گیا ہے اس کو سب مل کر ایک دوسرے پر سے
کھرچیں اور آپس کی معاونت سے ایک دوسرے میں خالص اسلامی سیرت پیدا کرنے
کی کوشش کریں۔ وہاں احتساب نفس پیہم ہو، الدین النصیحۃ کے اصول پر
عمل کیا جائے، اور مداہنت سے سخت پرہیز کیا جائے۔ صحابہ کرام اور ائمہ اسلام
کی زندگیاں پیش نظر رکھی جائیں، اور حکمت کے ساتھ ان طریقوں کی پیروی
کی جائے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی تربیت فرمائی تھی۔

(۲) جو اصحاب ادارہ میں داخل ہوں ابتداءً ان کو کم از کم دو سال تک شہری زندگی
میں واپس جانے سے روک دیا جائے بلکہ ادارہ سے باہر کی دنیا سے ان کا
جسمانی تعلق قریب قریب منقطع کر دیا جائے تاکہ اس مدت میں ان پر گہرا رنگ
چڑھ جائے اور وہ اتنے پختہ ہو جائیں کہ اگر دوسروں پر اپنا رنگ نہ چڑھا سکیں تو کم از کم
دوسروں کا رنگ قبول بھی نہ کریں۔

(۳) زندگی میں پوری سادگی ہو — اپنا کام خود کرنے کی عادت ڈالی جائے جسمانی مشقت کی مشق کے لیے ایک قطعہ زمین الگ مخصوص کیا جائے جس میں شیخ اور مریدین سب اپنے ہاتھ سے باغبانی یا ترکاریوں کی کاشت کریں — صفائی اور حفظانِ صحت، اور غذا کے بالکل جدید ترین اصولوں کی پابندی کی جائے — غذا صاف و سادہ ہو [illegible] وہ چیزیں نہ کھائی جائیں جو مضر صحت ہوں، اور ہر چیز صرف [illegible] کیا جائے جو ضروری ہوں —

(۴) سپاہیانہ خصائل پیدا کرنے کے لیے فوجی ڈسپلن کا نظام اختیار کیا جائے، منضبط اوقات اور باقاعدہ زندگی بسر کرنے کی عادت ڈالی جائے — اس کے ساتھ ورزشوں میں خاص طور پر گھوڑے کی سواری، تلوار کا استعمال، لکڑی کے فنون اور نشانہ بازی کی مشق کا صبح و شام کے اوقات میں التزام کیا جائے —

(۵) نماز اور روزے کی سخت پابندی ہونی چاہیے — اس کے ساتھ انتہائی کوشش کی جائے کہ اوامر کے اتباع اور نواہی سے اجتناب کیا جائے — اور یہ پابندیٔ شریعت مجبورانہ نہ ہو بلکہ بطوع و رغبت خود اپنے نفس کے میلان سے ہو — ادارہ کی اصلی خوبی یہ ہونی چاہیے کہ وہاں کی آب و ہوا میں اسلامیت کا اتنا غلبہ ہو جائے کہ نیکیاں خود بخود نشوونما پانے لگیں اور شرور و عصیان کے بیج خود بخود جل کر رہ جائیں —

(۶) ادارہ میں سردست صرف اتنے آدمیوں کو شریک کیا جائے جن کو آپ کی جائداد موقوفہ آسانی سے support کر سکتی ہو، خواہ ان کا بار وقف پر ہو یا کسی حد تک وہ اپنا بار آپ سنبھال لینے والے ہوں — دو تین سال کی تعلیم و تربیت کے بعد اس کا انتظام کیا جائے کہ ادارہ کے ارکان باہم مل کر تجارتی اصول پر کوئی پریس اور دارالاشاعت چلائیں اور نہ صرف اپنا بار خود سنبھالنے کے قابل ہو جائیں بلکہ اپنے ادارہ میں دوسرے لوگوں کو شریک کرنے اور اسی طریقہ پر ان کی تربیت کرنے کے بھی قابل ہو جائیں —

(۷) اگر کوئی شخص بہ رضا و رغبت ادارہ کی مالی مدد کرے تو اس کو قبول کر لیا جائے لیکن کبھی خود کسی سے مدد نہ مانگی جائے اور نہ عطایا وصول کرنے کو ادارہ کے پروگرام کا ایک شعبہ بنایا جائے —

باسمہ سبحانہ

ترجمان القرآن
حیدر آباد دکن

Tarjaman-Al-Quraan
Hyderabad (Dn.)

رقم ____________ نشان ____________

(۸) ادارہ کے ارکان تمام ایسے لوگ ہوں جو انگریزی یا عربی درسگاہوں کی تعلیم سے فارغ ہو چکے ہوں یا جن کی علمی استعداد اعلیٰ درجہ کی ہو۔ نیز ان میں کوئی ذہانت، کوئی اپچ، کوئی جوہر مخفی پایا جاتا ہو ۔ ان امور کی تحقیق کے لیے امیدواروں کو ادارہ کا باقاعدہ رکن بنانے سے پہلے دو مہینے کے لیے ادارہ میں بلا کر رکھا جائے اور غیر محسوس طریقہ پر ان کو خوب جانچ کر دیکھا جائے ۔ "مولویت" اور "فرنگیت" سے قطعاً پرہیز ضروری ہے ۔

(۹) ادارہ میں باقاعدہ درس و تدریس کی ضرورت نہیں ۔ عربی جاننے والے ارکان فرداً فرداً انگریزی جاننے والوں کو عربی اور علوم اسلامیہ پڑھائیں، اور اسی طرح انگریزی تعلیم یافتہ حضرات عربی والوں کو انگریزی زبان اور علوم جدیدہ کی تعلیم دیں ۔ ایک وقت ایسا ہو جس میں شیخ قرآن کا درس دے ۔ یہ درس اس انداز میں ہونا چاہیے کہ شیخ سمیت ہر شخص معلّم بھی ہو اور متعلّم بھی ۔ ہر شخص پہلے سے زیر درس آیت یا آیات کی تفسیر میں کافی غور و خوض اور تحقیق و مطالعہ کر کے شریک درس ہو، اور درس کے موقع پر اپنی تحقیق بیان کرے اور دوسروں سے استفادہ کرے ۔ یہ ایک جامع درس ہونا چاہیے کہ اس کے ضمن میں حدیث، فقہ، حکمت اسلامیہ، اصول شرع، فلسفہ، تاریخ اسلامی، غرض دنیا بھر کے مباحث و مسائل آ سکتے ہیں ۔

درس قرآن کے بعد تمام ارکان کو مطالعہ اور تحقیق میں مشغول ہو جانا چاہیے ۔ یہ کام سب سے زیادہ اہم اور نازک ہے اور شیخ کی حکمت کا سب سے بڑا امتحان یہی ہے ۔ اولاً تو اسکو یہ طے کرنا چاہیے کہ سردست کن کن شعبوں میں تحقیق کا کام شروع کیا جا سکتا ہے ۔ ثانیاً یہ کہ کون کون سے ارکان کس کس شعبہ کے لیے موزوں ہیں ۔ ثالثاً یہ کہ ان کی رہنمائی کس ڈھنگ سے کی جائے اور ہر شعبہ میں تحقیق کا نصب العین کیا ہو ۔

میری رائے میں سردست تین چار شعبے خاص طور پر توجہ کے محتاج ہیں ۔

(۱) فقہ (۲) معاشیات (۳) علوم عمران (۴) فلسفہ اور نظری سائنس

یہ سب علمی و تحقیقی کام اس بنیادی نظریہ کے ساتھ کیا جائے کہ قرآن اور سنت ہی علم کا اصل منبع ہے، سب کچھ ہم کو اسی سے لینا ہے، اور اس نظام شمسی میں ہر چیز کو اسی آفتاب کے گرد گھومنا چاہیے۔ اس مرکز سے منحرف جو چیز ہو اس کے لیے اس نظام میں کوئی جگہ نہیں۔

(۱۰) ادارہ کی تعلیم و تربیت سے جب ایک جماعت پوری طرح تیار ہو جائے تو اشاعت کا کام شروع کیا جائے۔ اشاعت کے لیے تین زبانوں کا انتخاب میری رائے میں مناسب ہے۔ عربی، انگریزی اور اردو۔ اشاعت زیادہ تر رسالوں اور کتابوں کی شکل میں ہونی چاہیے۔ اس کے ساتھ مسلمانوں کے خیالات اور عملی طریقوں کی اصلاح کے لیے Tracts کی اشاعت بھی شروع کی جائے۔ جدید تعلیم خود مختار کونسلوں سے مجھ کو ایک بڑا فتنہ اٹھتا نظر آتا ہے۔ بکثرت جہلاء مسلمانوں کی طرف سے نمائندے بن کر کونسلوں میں جا بیٹھیں گے اور سوشل ریفارم کے نام سے سوشل ڈیفارم کریں گے اور جدید قوانین بنا کر مسلمانوں کے پرسنل لا کو اور زیادہ مسخ کریں گے۔ اس وقت علماء کے شور و غل مچانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا کیونکہ یہ لوگ ۲ سو برس پیچھے کی دنیا میں رہتے ہیں۔ ایسے موقع پر صرف Modern ulema ہی کام آ سکیں گے۔ وہ اس زمانہ کی زبان میں اسلامی قوانین کی صحیح تعبیر پیش کریں گے اور قانون سازوں کو بتائیں گے کہ سوشل ریفارم کی صحیح صورت کیا ہے اور غلط صورت کون سی ہے۔

سردست منتشر طور پر یہ چند خیالات میں نے عرض کر دیے ہیں۔ ابھی بہت سی چیزیں ذہن میں اور گھوم رہی ہیں مگر ان کو الفاظ کا جامہ پہنانے کا وقت نہیں۔ افطار کا وقت سر پر آ گیا ہے اور آج ہی کی تاریخ میں خط پوسٹ کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ والسلام

ابوالحسن

اس وقت علماء کے شور و غل مچانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ لوگ
۲ سو برس پہلے کی دُنیا میں رہتے ہیں۔ ایسے موقع پر صرف modern
ulema ہی کام آسکیں گے۔ وہ اس زمانہ کی زبان
میں اسلامی قوانین کی صحیح تعبیر پیش کریں گے اور قانون سازوں کو بتائیں گے
کہ سوشل ریفارم کی صحیح صورت کیا ہے اور غلط صورت کونسی ہے۔
سردست منتشر طور پر یہ چند خیالات میں نے عرض کر دیے ہیں۔ ابھی بہت
سی چیزیں ذہن میں اور گھوم رہی ہیں مگر ان کو الفاظ کا جامہ پہنانے کا وقت
نہیں۔ افطار کا وقت سر پہ آگیا ہے اور آج ہی کی تاریخ میں خط کو پوسٹ کرنے
کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ والسلام۔

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ ڈاکٹر سید عبداللطیف (۱۱ ستمبر ۱۸۹۱ء ــــــ ۴ نومبر ۱۹۷۱ء) عثمانیہ یونی ورسٹی سے انگریزی میں ایم اے (۱۹۱۸ء) کیا اور کنگز کالج، انگلستان سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی ۔ وطن واپسی پر عثمانیہ یونی ورسٹی میں، پروفیسر و صدر شعبۂ انگریزی اور پھر اکیڈمی آف اسلامک اسٹڈیز کے سربراہ بھی رہے ۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب Cultural Future of India میں ہندوستان کی تنظیم نو کا ابتدائی خاکہ پیش کیا تھا ۔

موصوف، مولانا مودودی کے قدردانوں میں سے تھے، اور مولانا کو بھی ان سے تعلقِ خاطر تھا ۔ چند تصانیف یہ ہیں:

* The Mind:Al-Quran Builds * Approach to Ghalib * Re-Orientation of Islamic Thought * The Influence of English Literature on Urdu Literature

۲ ۔ چودھری صاحب نے اپنے ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۶ء کے مکتوب میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ "ترجمان القرآن" میں ایک باب درس قرآن کے لیے وقف کیا جائے، تاکہ قرآن مجید کی براہ راست تعلیم اور تفسیر ہو سکے ۔

۳ ۔ علامہ محمد اسد، سابق لیوپولڈ ویلس (Leopold Velss) ۱۹۰۰ء میں آسٹریا کے ایک یہودی گھرانے میں پیدا ہوئے ۔ ایک صحافی کی حیثیت سے سفرِ حجاز کے دوران میں ۱۹۲۶ء میں اسلام قبول کیا ۔ خاصا عرصہ حیدرآباد دکن میں گزارا ــــ کچھ عرصہ مولانا مودودی کے پاس دارالاسلام میں مقیم رہے ۔ قیامِ پاکستان کے بعد ڈائریکٹر محکمہ اسلامیات ، صوبۂ پنجاب مقرر ہوئے ۔ لاہور سے ایک علمی مجلہ

Arafat جاری کیا ۔ پھر وزارتِ خارجہ میں ڈپٹی سیکرٹری کی ذمہ داری سنبھالی ۔ حکومتِ پاکستان کی زیر نگرانی "محکمہ اسلامی تعمیر نو" کی سرپرستی بھی کی ۔ علامہ اسد نے پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان سفارتی تعلقات کے قیام میں قابلِ ذکر کردار ادا کیا، اور اقوامِ متحدہ میں پاکستان کی نمایندگی بھی کی ۔ وفات فروری ۱۹۹۲ء ـــــ چند تصانیف:

* The Message of the Quran * The Road to Makka * The Principles of State and Government in Islam * Islam at the Cross—road

علامہ اسد سے مولانا مودودی کے تعلقات حیدر آباد دکن کے زمانے سے تھے، چناں چہ جب نیاز علی خان کی دعوت پر اسد صاحب نے مجوزہ ادارے میں شامل ہونے پر رضامندی ظاہر کی تو مولانا نے اس خط میں مسرّت کا اظہار فرمایا ۔ (اقبال، دارالاسلام اور مودودی، ص ۱۱۵ ـــــ ۱۱۶) اسد صاحب مولانا کے قدردان تھے ۔ وہ اپنے ایک مدّاح کو لکھتے ہیں: "میرے حامیوں میں سرِفہرست مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی تھے، جنھوں نے مجھے اور میری شہرت کو الزامات سے بچانے میں بہت مثبت کردار ادا کیا ۔ میں نہ کبھی جماعتِ اسلامی سے وابستہ رہا ہوں، اور نہ کبھی مولانا کو میرے تمام خیالات سے اتفاق ہوا تھا ۔ ان فکری اختلافات سے قطع نظر، مجھے بہ صد مسرت اعتراف ہے کہ وہ [مولانا مودودی] ایک نہایت قابلِ احترام اور بے حد انصاف پسند شخصیت کے مالک تھے (بنام صادق قریشی روزنامہ "نوائے وقت" (میگزین) لاہور ۔ ۲۸ اکتوبر ۱۹۸۲ء) اسی طرح علامہ اسد نے اپنے ایک انٹرویو میں مولانا مودودی کے بارے میں فرمایا:

Mawdudi was not only a great Islamic shcholar, but also a dear personal friend of many years standing. (Monthly 'Arabia' Oct 1981)

علامہ اسد بعد ازاں کئی امور میں نام نہاد 'روشن خیالی' کا شکار ہو گئے تھے ۔ مولانا مودودی کو اس پر افسوس ہوا ۔ دیکھیے: Correspondence، ص ۱۴، ۱۵، ۱۸ ۔

۴ ۔ چودھری صاحب نے ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۶ء کے خط میں مولانا کو لکھا تھا کہ وہ مجوزہ ادارے کے رہنما خطوط سے متعلق ایک مفصل یادداشت تحریر کریں ۔ اس ضمن میں مولانا نے یہ خیالات ظاہر کیے ۔

۱۱

چودھری نیاز علی خان نے مولانا مودودی کو مطلع کیا کہ علامہ اقبال بھی ان کے مجوزہ ادارے میں بہت دلچسپی لے رہے ہیں اسی طرح عبداللہ یوسف علی، علامہ اسد اور ابو محمد مصلح سے بالمشافہہ ملاقاتیں

حوصلہ افزا ثابت ہوئی ہیں (اقبال، دارالاسلام اور مودودی ۔ خط ۱۸ مارچ ۱۹۳۷ء ص ۱۲۲ تا ۱۳۶) جواباً مولانا نے لکھا:

[حیدر آباد، دکن]
۱۲ محرم ۵۶ھ
[۱۴ مارچ ۱۹۳۷ء]

محترمی و مکرمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

میں دہلی گیا ہوا تھا۔ تین ہفتہ کے بعد واپس آیا تو آپ کے دونوں عنایت نامے ملے۔ آپ کے ادارہ کی progress report پڑھ کر کہ میرا دل بے اختیار خوش ہوتا ہے۔ یہ وہ خواب ہے جس کو برسوں سے میں دیکھ رہا ہوں اور اب خدا نے اس کی تعبیر کے لیے آپ کو منتخب فرمایا ہے۔ محنتِ پیہم اور نیتِ خالص وہ چیز ہے جس کو حق تعالیٰ نے کبھی ضائع نہیں ہونے دیا ہے اور نہ ہونے دے گا۔ آپ خدا پر بھروسہ رکھ کر کوشش کیے جائیں۔ انشاءاللہ اسباب خود بخود فراہم ہوتے جائیں گے اور ایسے ایسے راستوں سے فراہم ہوں گے کہ آپ کا وہم و گمان بھی وہاں تک نہ پہنچے گا۔ صرف یہ خیال رکھیے کہ جس وقت جس کام کو کرنے کے اسباب فراہم ہو جائیں اس وقت اسی کام کو انجام دے دیجیے اور اس سے بڑے کام کے اسباب فراہم ہونے کے انتظار میں اس چھوٹے کام کو ملتوی نہ کیجیے جسے آپ اب کر سکتے ہوں۔ یہ کام بالکل نیا ہے۔ اور ماضی و حال دونوں میں اس کے لیے پہلے سے کوئی بنیاد موجود نہیں ہے۔ اس لیے نتیجہ کو اکثر لوگ مشکوک ہی پائیں گے اور خود آپ کو بھی اس کے لیے صحیح راستہ متعین کرنے میں دقتیں پیش آئیں گی۔ مگر چونکہ مقصود بالکل واضح طور پر ہمارے سامنے متعین ہو چکا ہے اس لیے تمام مشکلات کے باوجود سیدھا راستہ ہم کو ضرور مل جائے گا۔

ہم خالص قرآن کی بنیاد پر اسلام کی (renaissance) نشاۃ جدیدہ

چاہتے ہیں۔ قرآن کی اسپرٹ اور اسلام کے اصول ہمارے نزدیک غیر متبدل ہیں۔ مگر افکار اور معلومات کی ترتیب اور عملی زندگی کے احوال پر اس رُوح اور ان اصولوں کا اِنطباق ہمیشہ احوال کے تغیّر اور علم کی ترقی کے ساتھ ساتھ بدلنا ضروری ہے۔ متقدمینِ اسلام اس چیز کو سمجھتے تھے۔ انھوں نے اپنے زمانہ میں عملاً اس کو برتا۔ مگر متاخرین یہ سمجھے کہ اصول اور اسپرٹ کی طرح ان کا انطباق بھی غیر متبدّل ہے۔ اِسی چیز نے وہ جمود پیدا کیا جو سات سو برس سے ہمارے علوم اور ہمارے قوانینِ حیات پر طاری ہے۔ موجودہ دَور میں مسلمانوں کے ایک گروہ نے اس جمود کو توڑنا چاہا مگر انھوں نے جو نشاۃِ جدیدہ پیدا کرنی چاہی، وہ اسلام کی نشاۃِ جدیدہ نہیں ہے۔ اِس لیے کہ وُہ رُوحِ قرآنی اور اصولِ اسلامی سے بے بہرہ ہیں۔ ان کی فکر و نظر اسلامی نہیں ہے۔ اِس لیے وہ نہ مسلمان کی حیثیت سے سوچ سکتے ہیں نہ اسلامی طریق پر معلومات کو مرتب کر سکتے ہیں۔ نہ زندگی کے معاملات کو مسلمان کی نظر سے دیکھ سکتے ہیں۔

ہمارا راستہ متاخرین اور متفرنجین دونوں سے الگ ہے۔ ہمیں ایک طرف رُوحِ قرآنی کو ٹھیک ٹھیک اپنے اندر جذب کرنا اور اپنی قوتِ فکر و نظر کو اصولِ اسلامی سے پُوری طرح متحد کرنا ہے۔

دُوسری طرف علم کی ان ترقیات اور احوال کے ان تغیرات کا پُورا پُورا جائزہ لینا ہے جو گزشتہ سات آٹھ سو برس کی مُدّت میں ہُوئی ہیں اور تیسری طرف صحیح اسلامی طریق پر افکار و معلومات کو مرتب اور قوانینِ حیات کو مدّون کرنا ہے تاکہ اِسلام پھر سے بالفعل ایک dynamic force بن جائے اور دُنیا میں مقتدی بننے کے بجائے مقتدیٰ اور امام بن کر رہے۔

یہ ایک Herculean task ہے۔ اوّل تو ہم اس کو اس طرح شروع کر رہے ہیں کہ ہم سے پہلے کوئی اس کے نشاناتِ راہ چھوڑ کر نہیں گیا ہے۔ ہمیں خود ہی اپنی منزلِ مقصود کو پیشِ نظر رکھ کر راستہ بنانا اور اس پر چلنا ہے دوسرے

یہ اتنا بڑا کام ہے کہ میری اور آپ کی اور ہم جیسے سینکڑوں آدمیوں کی پوری پوری زندگیاں بھی اس کے لیے کافی نہیں ہیں۔ اگر ہم یہ اُمید کریں کہ ہماری زندگی ہی میں اس کے پورے نتائج سامنے آ جائیں گے، تو یہ غلط امید ہو گی۔ یہ کھجور کا درخت لگانا ہے جو اس کو بوتا ہے، وہ اس کے پھل نہیں توڑ سکتا۔ ہم اس درخت کو لگائیں گے اور اپنے خونِ جگر سے اس کو سینچ کر چلے جائیں گے۔ ہمارے بعد دوسری نسل آئے گی اور شاید وہ بھی اس کے پھلوں سے پوری طرح لذت آشنا نہ ہو سکے گی۔ کم از کم دو تین پشتیں اس کے پورے نتائج ظاہر ہونے کے لیے درکار ہیں۔ لہٰذا ہمیں نتائج کے لیے بے صبر نہ ہونا چاہیے۔

ہمارا کام یہ ہے کہ عمارت کا نقشہ ٹھیک ٹھیک (جیسا ٹھیک کہ ہم بنا سکتے ہیں) بنا دیں اور اس کی بنیادیں اُٹھا کر نئی آنے والی نسل کو تعمیر کا کام جاری رکھنے کے لیے تیار کر دیں۔ اس سے زیادہ غالباً ہم کچھ نہ کر سکیں گے۔

میں آپ کے خط کا جواب دینے بیٹھا تھا اور اپنے تخیلات کی رَو میں بہہ گیا۔ اب نمبروار ایک ایک بات کا جواب عرض کرتا ہوں۔

۱۔ سر دست ائمہ مساجد کی ٹریننگ کا کام شروع کر دینا بہت بہتر ہے۔ اسلام کے جتنے انسٹی ٹیوشن ہیں، ان میں سب سے اہم و اقدم مسجد ہے جس کی کامیابی امام کی قابلیت پر منحصر ہے۔ مگر شاید سب سے زیادہ degenaration اسی انسٹی ٹیوشن میں ہوا ہے۔ اب امام کا مفہوم مسلمانوں کے ذہن میں یہ رہ گیا ہے کہ جو شخص کسی کام کے قابل نہ رہے، وہ امامت کے قابل ہے اور اسی کو امامت کرنی چاہیے، حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔

امام ہی کو سب سے زیادہ قابل ہونا چاہیے۔ آپ کے پیش نظر ائمہ کی تعلیم و تربیت کے لیے جو خاکہ ہو اسے ذرا تفصیل کے ساتھ مجھے لکھیے تا کہ میں بھی اس پر غور کر دوں، سر دست مجملاً اتنا عرض کرتا ہوں کہ اچھے تعلیم یافتہ اور عمدہ کیرکٹر کے اور کافی سن رسیدہ آدمیوں کا انتخاب کیجیے۔ مجردوں سے شادی شدہ آدمی زیادہ

قابلِ ترجیح ہیں۔ سب سے زیادہ جو چیز اِن کے ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے، وہ امام کی صحیح حیثیت ہے۔ امام اپنی مسجد کے حلقۂ اثر میں اسلام کا نمایندہ ہے۔ اس کے اخلاق اور اس کی سیرت کو نہایت پاکیزہ ہونا چاہیے۔ ایک معمولی درجہ کی خیانت یا ناشایستگی بھی اگر اس سے سرزد ہو تو غیروں کی نظر ہی میں نہیں بلکہ خود مسلمانوں کی نظر میں بھی اسلام کی وقعت گر جاتی ہے، حتیٰ کہ لوگوں کے ایمان تک خطرے میں پڑ جاتے ہیں۔ اس کو اپنی زندگی ایسی بنانی چاہیے کہ گویا وہ زندہ اور چلتا پھرتا اسلام ہے۔ دِلوں میں اس کی عزت اور محبت جاگزیں ہونی چاہیے اور اس کی شخصیت میں ایسی کشش ہونی چاہیے کہ وہ اپنی بستی کا مرکز بن جائے اور اپنی مقناطیسیت سے مسجد کو بھی اسلامی آبادی کا مرکز بنا دے۔ امام کا خوش آواز ہونا بھی ضروری ہے تاکہ وہ قرآن کو دلکش طریق سے پڑھ سکے۔ اس میں خطابت کی قابلیت بھی ضروری ہے، تاکہ جمعہ کا خطبہ برجستہ دے سکے۔ اس کا مطالعہ کافی وسیع ہونا چاہیے، نہ صرف احکامِ اسلامی سے خوب واقف ہو بلکہ عام معلومات بھی اسے حاصل ہوں اور ایک حد تک لیڈرشپ کی اچھی صلاحیتیں اس کے اندر موجود ہوں۔ فرقہ بندی میں اس کو غلو نہ ہو۔ اسے وسیع الخیال اور وقت و زمانہ کا مصلحت شناس ہونا چاہیے۔ اِن سب باتوں کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ آپ کے ادارہ سے جو لوگ تربیت پا کر جائیں، وہ بعد میں بھی مرکز سے متعلق رہیں اور اپنی اپنی بستیوں کے ایسے معاملات میں مشورہ و ہدایت کے لیے مرکز کی طرف رجوع کرتے رہیں جن میں کسی قسم کی اہمیت ہو۔

۲۔ مولانا ابو محمد مصلح صاحبؒ سے آپ کی مُلاقات سَرسَری ہے اور میں اُن کو برسوں سے جانتا ہوں۔ میری عادت کسی کی بُرائی کرنے کی نہیں ہے مگر چوں کہ آپ آیندہ اُن سے عملی تعلق رکھنا چاہتے ہیں، اِس لیے مجبوراً صرف اتنا کہہ دیتا ہوں کہ وہ بھروسہ کے قابل آدمی نہیں ہیں۔ میں نے زیادہ قریب سے دیکھنے کے بعد یہ رائے قائم کی کہ اُن سے اجتناب اَولیٰ ہے۔

۳۔ جناب مولانا اشرف علی صاحبؒ کے پاس ضرور تشریف لے جائیے اور ان سے مشورہ و امداد لیجیے۔ مگر مجھے امید نہیں کہ اس ادارہ کی رہنمائی کے لیے اس حلقہ سے کوئی موزوں آدمی مل سکے گا۔ ہم جس راستہ پر جانا چاہتے ہیں اس میں علماء کا گروہ چند قدم سے زیادہ ہمارے ساتھ بھی نہیں چل سکتا۔ کجا کہ وہ ہماری رہنمائی کرے تاہم ان کا کوآپریشن حاصل کرنے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔

۴۔ کتابوں کا مسئلہ فی الواقع نہایت اہم ہے۔ ہمارے لیے محض قرآن مجید کی تفاسیر اور اس کے متعلقات ہی ضروری نہیں ہیں؛ بلکہ قدیم و جدید علوم کا ایک بہت بڑا ذخیرہ فراہم ہونے کی ضرورت ہے۔ میں جب کبھی تصور کرتا ہوں کہ قرآن کو سمجھنے کے لیے کتنے علوم اور کس قدر معلومات کی ضرورت ہے، تو میرا دماغ تھک جاتا ہے۔ اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ تمام دنیا کے کتب خانے بھی اس کے لیے کافی نہیں ہیں۔ تاہم میں ایک ناقص فہرست بنانے کی کوشش کروں گا۔ آپ علامہ سر محمد اقبال کی ہمدردی و اعانت سے ضرور فائدہ اٹھائیں اور ان سے کتابوں کے معاملہ میں بھی مشورہ لیں۔ نیز حاجی محمد اسد صاحبؒ، علامہ عبداللہ یوسف علیؒ اور مولانا عبدالماجد دریابادی وغیرہم سے بھی اس معاملہ میں مشورہ لیجیے۔

۵۔ ادارہ کے نام کا مسئلہ کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ سردست تو آپ اپنی شخصی حیثیت ہی میں مراسلت کرتے رہیے۔ بعد میں جب ادارہ باقاعدہ بن جائے تو ایک سادہ سا نام رکھ لیجیے گا۔ ایسے ناموں سے احتراز واجب ہے جن سے نمایش اور ترفع کی بُو آتی ہو۔

۶۔ درسِ قرآن کا سلسلہ شروع کرنے کا ارادہ بہت دن سے ہے۔ مگر کام اتنا اہم ہے کہ ابتدا کرتے ہوئے جھجکتا ہوں۔ توفیقِ الٰہی کا انتظار ہے۔ خیال یہی ہے کہ تفسیر شروع کرنے سے پہلے چند مباحث بطور مقدمہ لکھ دیے جائیں۔

۷۔ جمعہ کے متعلق مضمون لکھنے کا جو وعدہ میں نے کیا تھا اسے پورا کرنے کا

باسمہٖ سبحانہٗ

ترجمان القرآن
حیدرآباد دکن

Tarjaman-Al-Quraan
Hyderabad (Dn.)

نشان ـــــــ

مورخہ ـــ

مکرمی و محترمی   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حج کو چلا گیا ہوا تھا۔ تین ہفتے کے بعد واپس آیا تو آپکے دو نوں عنایت نامے ملے۔ آپکے ادارہ کی Progress report پڑھ پڑھ کر میرا دل بے اختیار خوش ہوتا ہے۔ یہ وہ خواب ہے جس کو برسوں سے میں دیکھ رہا ہوں اور اب خدا نے اسکی تعبیر دکھانے آپ کو منتخب فرمایا ہے۔ محنت پیہم اور نیت خالص وہ چیز ہے جس کو حق تعالیٰ نے کبھی ضائع نہیں ہونے دیا ہے اور نہ ہونے دیگا۔ آپ خدا پر بھروسہ رکھکر کوشش کیے جائیں۔ انشاء اللہ اسباب خود بخود فراہم ہوتے جائینگے اور ایسے ایسے راستوں سے فراہم ہونگے کہ آپکا وہم و گمان بھی وہاں تک نہ پہنچیگا۔ صرف یہ خیال رکھیے کہ جس وقت جس کام کو کرنے کے اسباب فراہم ہو جائیں اس وقت اسی کام کو انجام دے دیجیے اور اس سے بڑے کام کے اسباب فراہم ہونے کے انتظار میں اس چھوٹے کام کو ملتوی نہ کیجیے جسے آپ اب کر سکتے ہوں۔ یہ کام بالکل نیا ہے اور ماضی و حال دونوں میں اسکے لیے پہلے سے کوئی بنیاد موجود نہیں ہے اسلیے نتیجہ کو اکثر لوگ مشکوک ہی پائینگے اور خود آپ کو بھی اسکے لیے صحیح راستہ متعین کرنے میں دقتیں پیش آئینگی۔ مگر چونکہ مقصود بالکل واضح طور پر ہمارے سامنے متعین

ہو سکتا ہے۔ اسلیے تمام مشکلات کے باوجود سیدھا راستہ ہم کو ضرور مل جائیگا ۔
ہم خالص قرآن کی بنیاد پر اسلام کی نشأۃ جدیدہ (renaissance) چاہتے ہیں ۔ قرآن کی اسپرٹ
اور اسلام کے اصول ہمارے نزدیک غیر متبدل ہیں، مگر افکار اور معلومات کی ترتیب
اور عملی زندگی کے احوال پر اس روح اور ان اصولوں کا انطباق ہمیشہ احوال کے
تغیر اور علم کی ترقی کے ساتھ ساتھ بدلنا ضروری ہے ۔ متقدمین اسلام اس
چیز کو سمجھتے تھے ۔ انہوں نے اپنے زمانہ میں عملاً اس کو برتا ۔ مگر متاخرین یہ سمجھے
کہ اصول اور اسپرٹ کی طرح ان کا انطباق بھی غیر متبدل ہے ۔ اسی چیز نے
وہ جمود پیدا کیا جو سات سو برس سے ~~[illegible]~~ ہمارے علوم اور
ہمارے طرز حیات پر طاری ہے ۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کے ایک گروہ
نے اس جمود کو توڑنا چاہا مگر انہوں نے جو نشأۃ جدیدہ پیدا کرنی چاہی وہ اسلام
کی نشأۃ جدیدہ نہیں ہے، اسلیے کہ وہ روح قرآنی اور اصول اسلامی سے بے بہرہ ہیں۔
ان کی فکر و نظر اسلامی نہیں ہے اسلیے وہ نہ مسلمان کی حیثیت سے سوچ سکتے
ہیں نہ اسلامی طریق پر معلومات کو مرتب کر سکتے ہیں، نہ زندگی کے معاملات
کو مسلمان کی نظر سے دیکھ سکتے ہیں ۔ ہمارا راستہ متاخرین اور متفرنجین
دونوں سے الگ ہے ۔ ہمیں ایک طرف روح قرآنی کو ٹھیک ٹھیک اپنے اندر
جذب کرنا اور اپنی قوت فکر و نظر کو اصول اسلامی سے پوری طرح متحد کرنا ہے ۔

[redacted] دوسری طرف علم کی ان ترقیات اور احوال کے ان تغیرات کا پورا پورا
جائزہ لینا ہے جو گذشتہ سات آٹھ سو برس کی مدت میں ہوئی ہیں، اور تیسری
طرف صحیح اسلامی طریقے [redacted] پر افکار و معلومات کو مرتب اور قوانین حیات کو
مدون کرنا ہے تاکہ اسلام پھر سے بالفعل ایک Dynamic force
بن جائے اور دنیا میں مقتدی بننے کے بجائے مقتدیٰ اور امام بن کر رہے۔
یہ ایک Herculean task ہے۔ اول تو ہم اس کو اس طرح
شروع کر رہے ہیں کہ ہم سے پہلے کوئی اس کا نشانات راہ چھوڑ کر نہیں گیا ہے۔
ہمیں خود ہی اپنی منزل مقصود کو پیش نظر رکھ کر راستہ بنانا اور اس پر چلنا ہے۔
دوسرے یہ اتنا بڑا کام ہے کہ میری اور آپ کی اور ہم جیسے سینکڑوں آدمیوں
کی پوری پوری زندگیاں بھی اس کے لیے کافی نہیں ہیں۔ اگر ہم یہ امید کریں کہ
ہماری زندگی ہی میں اس کے پورے نتائج سامنے آجائیں گے تو یہ غلط امید ہوگی۔
یہ کھجور کا درخت لگانا ہے جو اس کو بوتا ہے وہ اس کے پھل نہیں توڑ سکتا۔
ہم اس درخت کو لگا دیں گے اور اپنے خون جگر سے اس کو سینچ کر چلے جائیں گے۔
ہمارے بعد دوسری نسل آئے گی اور شاید وہ بھی اس کے پھلوں سے پوری طرح
لذت آشنا نہ ہوسکے گی۔ کم از کم دو تین پشتیں اس کے پورے نتائج
ظاہر ہونے کے لیے درکار ہیں۔ لہٰذا ہمیں نتائج کے لیے بے صبر نہ ہونا چاہیے۔

ہمارا کام یہ ہے کہ عمارت کا نقشہ ٹھیک ٹھیک (جب ٹھیک ٹھیک ہم بنا سکتے ہیں) بنا دیں اور اسکی بنیادیں اٹھا کر نئی آنے والی نسل کو تعمیر کا کام جاری رکھنے کے لیے تیار کر دیں۔ اس سے زیادہ غالباً ہم کچھ نہ کر سکینگے۔

میں آپ کے خط کا جواب دینے بیٹھا تھا اور اپنے تخیلات کی رو میں بہہ گیا۔ اب نمبروار ایک ایک بات کا جواب عرض کرتا ہوں۔

(۱) سردست ائمۂ مساجد کی ٹریننگ کا کام شروع کر دینا بہت بہتر ہے۔ اسلام کے جتنے انسٹی ٹیوشن ہیں ان میں سب سے اہم و اقدم مسجد ہے جسکی کامیابی امام کی قابلیت پر منحصر ہے۔ گزشتہ سب سے زیادہ degeneration اسی انسٹی ٹیوشن میں ہوا ہے۔ اب امام کا مفہوم مسلمانوں کے ذہن میں یہ رہ گیا ہے کہ جو شخص کسی کام کے قابل نہ رہے وہ امامت کے قابل ہے اور اسی کو امامت کرنی چاہیے۔ حالانکہ معاملہ اسکے بالکل برعکس ہے۔ امام ہی کو سب سے زیادہ قابل ہونا چاہیے۔ آپ کے پیش نظر ائمہ کی تعلیم و تربیت کے لیے جو خاکہ ہو اسے ذرا تفصیل کے ساتھ مجھے لکھیے تاکہ میں بھی اس پر غور کروں۔ سردست مجملاً اتنا عرض کرتا ہوں کہ اچھے تعلیم یافتہ اور عمدہ کیرکٹر کے اور کافی سن رسیدہ آدمیوں کا انتخاب کیجیے۔ مجردوں سے شادی شدہ آدمی زیادہ قابل ترجیح ہیں۔ سب سے زیادہ جو چیز ان کے ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے وہ امام کی حیثیت ہے

ترجمان القرآن
حیدر آباد دکن

Tarjaman-Al-Quraan
Hydrabad (Dn.)

مورخہ ________ نشان ________

امام اپنی مسجد کے حلقۂ اثر میں اسلام کا نمائندہ ہے ۔ اسکا اخلاق اور اسکی سیرت کو نہایت پاکیزہ ہونا چاہیے ۔ ایک معمولی درجہ کی دنائت یا ناشائستگی بھی اگر اس سے سرزد ہو تو غیروں کی نظر ہی میں نہیں بلکہ خود مسلمانوں کی نظر میں بھی اسلام کی وقعت گر جاتی ہے حتی کہ لوگوں کے ایمان تک خطرے میں پڑ جاتے ہیں ۔ اسکو اپنی زندگی ایسی بنانی چاہیے کہ گویا وہ زندہ اور چلتا پھرتا اسلام ہے ۔ دلوں میں اسکی عزت اور محبت جاگزیں ہونی چاہیے اور اسکی شخصیت میں ایسی کشش ہونی چاہیے کہ وہ اپنی بستی کا مرکز بن جائے اور اپنی مقناطیسیت سے مسجد کو بھی اسلامی آبادی کا مرکز بنا دے ۔ امام کا خوش آواز ہونا بھی ضروری ہے تاکہ وہ قرآن کو دلکش طریق سے پڑھ سکے ۔ اس میں خطابت کی قابلیت بھی ضروری ہے تاکہ جمعہ کا خطبہ برجستہ دے سکے ۔ اس کا مطالعہ کافی وسیع ہونا چاہیے نہ صرف احکام اسلامی سے خوب واقف ہو بلکہ عام معلومات بھی اسے حاصل ہوں ۔ اور ایک حد تک لیڈر شپ کی اچھی صلاحیتیں اسکے اندر موجود ہوں ۔ فرقہ بندی میں اسکو غلو نہ ہو ۔ اسے وسیع الخیال اور وقت و زمانہ کا مصلحت شناس ہونا چاہیے ۔ ان سب باتوں کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ آپ کے ادارہ سے جو لوگ تربیت پا کر جائیں وہ بعد میں بھی مرکز سے متعلق رہیں ۔ اور اپنی اپنی بستیوں کے ایسے معاملات میں مشورہ و ہدایت کے لیے مرکز کی طرف رجوع کرتے رہیں جن میں کسی قسم کی اہمیت ہو ۔

(۲) مولانا ابو محمد مصلح صاحب سے آپ کی ملاقات بسر سری ہے اور

میں ان کو برسوں سے جانتا ہوں — میری عادت کسی کی برائی کرنے کی نہیں ہے، مگر چونکہ آپ آئندہ ان سے علمی تعلق رکھنا چاہتے ہیں اسلیے مجبوراً صرف اتنا کہہ دیتا ہوں کہ وہ بھروسے کے قابل آدمی نہیں ہیں — میں نے زیادہ قریب سے دیکھنے کے بعد یہ رائے قائم کی کہ ان سے اجتناب اولیٰ ہے —

(۳) جب سب مولانا اشرف علی صاحب کے پاس ضرور تشریف لے جائیے اور ان سے مشورہ و امداد لیجیے — مگر مجھے امید نہیں کہ اس ادارہ کی رہنمائی کے لیے اس حلقہ سے کوئی موزوں آدمی مل سکے گا — ہم جس راستہ پر جانا چاہتے ہیں اس میں علماء کا گروہ چند قدم سے زیادہ ہمارے ساتھ نہیں چل سکتا کجا کہ وہ ہماری رہنمائی کرے — تاہم ان کا آشیرباد حاصل کرنے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے —

(۴) کتابوں کا مسئلہ فی الواقع نہایت اہم ہے — ہمارے لیے محض قرآن مجید کی تفاسیر اور اسکے متعلقات ہی ضروری نہیں ہیں، بلکہ قدیم و جدید علوم کا ایک بہت بڑا ذخیرہ فراہم ہونے کی ضرورت ہے — میں جب کبھی تصور کرتا ہوں کہ قرآن کو سمجھنے کے لیے کتنے علوم اور کس قدر معلومات کی ضرورت ہے، تو میرا دماغ تھک جاتا ہے، اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ تمام دنیا کے کتب خانے بھی اسکے لیے کافی نہیں ہیں — تاہم میں ایک ناقص فہرست بنانے کی کوشش کرونگا — آپ علماء سے کہہ

اقبال کی ہمدردی و اعانت سے ضرور فائدہ اٹھائیں ۔ اور ان سے بھی کتابوں کے سلسلہ
میں بھی مشورہ لیں ۔ نیز حاجی کھواسہ صاحب ، علامہ عبد اللہ یوسف علی اور مولانا
عبد الماجد دریابادی وغیرہم سے بھی اس معاملہ میں مشورہ لیجیے ۔

(۵) ادارہ کے نام کا مسئلہ کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا ۔ سردست تو آپ
اپنی شخصی حیثیت ہی میں مراسلت کرتے رہیے ۔ بعد میں جب ادارہ باقاعدہ
بن جائے تو ایک سادہ سا نام رکھ لیجیے گا ۔ ایسے ناموں سے احتراز واجب ہے
جن سے نمائش اور ترفع کی بو آتی ہو ۔

(۶) درس قرآن کا سلسلہ شروع کرنے کا ارادہ بہت دن سے ہے ۔
مگر کام اتنا اہم ہے کہ ابتدا کرتے ہوئے جھجکتا ہوں ۔ توفیق الٰہی کا منتظر ہوں ۔
خیال یہی ہے کہ تفسیر شروع کرنے سے پہلے چند مباحث بطور مقدمہ رکھ دیے جائیں ۔

(۷) حج کے متعلق مضمون لکھنے کا جو وعدہ میں نے کیا تھا اسے پورا کرنے کا وقت
اب آگیا ہے ۔ یہ مہینہ تو میرے لیے پریشانیوں کا ہے ۔ اپنی عمر میں پہلی مرتبہ ضرورت
پیش آئی ہے کہ باقاعدہ خانگی زندگی بسر کروں اور ضروریات فراہم کروں جو ایک
settled life کے لیے ناگزیر ہیں ۔ اس مرحلے سے فارغ ہونے کے بعد اطمینان
کے ساتھ کچھ تحقیقی کام شروع کر سکوں گا ۔

(۸) قربانی کے مسئلہ میں جن امور کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا ہے وہ
میرے پیش نظر تھے ۔ مگر دین کی نمائندگی میں مخاطبین کی صلاحیت کو ملحوظ

رکھنا ضروری ہے ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا وہ قول مجھے یاد ہے کہ ایک شخص نے ان سے ایک آیت کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ تو اس کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اگر میں تجھ سے اس کا معنی بیان کروں تو تو کافر ہو جائیگا ۔ یہی بات سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی فرمائی تھی کہ کلموا الناس علی قدر عقولہم ۔ یہ حضرات جو میرے مخاطب ہیں ان کے سامنے اگر میں وہ بات بیان کروں جس کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا ہے تو مطمئن ہونے کے بجائے ان کو اعتراض کے لیے ایک اور نکتہ ہاتھ آجائے ۔
البتہ دوسرا پوائنٹ جو آپ نے لکھا ہے اس کی طرف میں نے بھی سلسلۂ اشارات نمبر ۲ میں اشارہ کر دیا ہے ۔

خاکسار

رائو احمد علی

وقت اب آگیا ہے۔ یہ مہینہ تو میرے لیے پریشانیوں کا ہے۔ اپنی عمر میں پہلی مرتبہ ضرورت پیش آئی ہے کہ باقاعدہ خانگی زندگی بسر کروں اور وہ ضروریات فراہم کروں جو ایک settled life کے لیے ناگزیر ہیں۔ اس مرحلہ سے فارغ ہونے کے بعد اطمینان کے ساتھ کچھ تحقیقی کام شروع کرسکوں گا۔

۸۔ قربانی کے مسئلہ پر جن امور کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا ہے وہ میرے پیش نظر تھے، مگر دین کی نمائندگی میں مخاطبین کی صلاحیت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا وہ قول مجھے یاد ہے کہ ایک شخص نے ان سے ایک آیت کی تفسیر پوچھی تو انھوں نے فرمایا کہ تو اُس کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اگر میں تجھ سے اس کے معنی بیان کردوں تو تو کافر ہو جائے گا۔ یہی بات سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی فرمائی تھی کہ تُكَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ۔ یہ حضرات جو میرے مخاطب ہیں ان کے سامنے اگر میں وہ بات بیان کردوں جس کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا ہے تو مطمئن ہونے کے بجائے ان کو اعتراض کے لیے ایک اور نکتہ ہاتھ آجائے گا۔ البتہ دُوسرا پوائنٹ جو آپ نے لکھا ہے اس کی طرف میں نے لسلسلۂ اشارات اشارہ کر دیا ہے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ نام وزیر علی خان (۱۸۷۸ء —— ۳۰ ستمبر ۱۹۶۸ء) تخلص: احقر اور مصلح۔ وطن: سہسرام۔ کنیت: ابو محمد مصلح، اسی نام سے معروف ہوئے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے ارادت مند تھے۔ ۱۹۰۰ء میں دیوبند آئے۔ مولانا انور شاہ کاشمیریؒ سے تلمذ حاصل ہوا۔ ۱۹۲۶ء میں سہسرام سے "الاصلاح"، پھر ماہنامہ "حسن وعشق" اور ازاں بعد ۱۹۳۲ء میں حیدر آباد دکن سے "ترجمان القرآن" جاری کیا، مگر چھ ماہ بعد پرچہ مولانا مودودی کو فروخت کر دیا۔ "بانی ادارہ عالم گیر تحریکِ قرآنی" کے طور پر مشہور ہوئے۔ قرآن پاک کا ترجمہ "توضیح القرآن" کے نام سے شائع کیا۔ تصانیف: * تاریخ سہسرام * مشاہیر شعرائے سہسرام * شہید کربلا، قرآن کی روشنی میں * قرآن اور اقبال، وغیرہ۔ ("ذکریٰ" اپریل ۱۹۸۲ء۔ ص ۵۲)۔

۲۔ چودھری صاحب نے ۸ مارچ ۱۹۳۷ء کے خط میں لکھا تھا کہ وہ مجوزہ ادارے کے معاملے میں بالمشافہ گفتگو اور مشورے کے لیے مولانا اشرف علی تھانوی (۱۹ ستمبر ۱۸۶۳ء —— ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء) سے

ملاقات کے لیے جارہے ہیں ۔

۳ ۔ چودھری صاحب نے مولانا سے درخواست کی تھی کہ وہ قرآن مجید سے متعلق ضروری کتابوں کی ایک فہرست مرتب کر دیں تاکہ انھیں مجوزہ ادارے کے کتب خانے کے لیے فراہم کیا جاسکے ۔

۴ ۔ مراد علامہ محمد اسد ہیں ۔

۵ ۔ علامہ عبداللہ یوسف علی (۱۴ اپریل ۱۸۷۲ء —— ۱۰ دسمبر ۱۹۵۳ء) وطن: سورت ۔ ابتدائی تعلیم بمبئی اور اعلیٰ تعلیم کیمبرج سے حاصل کی ۔ ۱۸۹۵ء میں انڈین سول سروس میں شامل ہوئے، کلکٹر اور برٹش انڈیا حکومت کے انڈر سیکرٹری فنانس ڈپارٹمنٹ رہے ۔ لندن یونی ورسٹی میں اردو اور ہندی کے استاد مقرر ہوئے ۔ پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور کے فرائض انجام دیے ۔ روزنامہ Eastern Times کی ادارت بھی کی ۔ متعدد علمی تصانیف اُن سے یادگار ہیں، مگر ان کی شہرت کا بنیادی سبب انگریزی کا ترجمہ و تفسیر قرآن پاک ہے (اشاعت: ۱۹۳۴ء) ۔ انھیں انگریزی زبان پر ماہرانہ دسترس حاصل تھی، مگر عربی زبان میں یہ صورت نہ تھی ۔ ان کی تفسیر کے بارے میں ڈاکٹر عبدالرحیم قدوائی لکھتے ہیں: ”موصوف کے بعض تشریحی حاشیے جمہور عقائد سے براہِ راست متصادم ہونے کے علاوہ ..... گمراہ کن بھی ہیں ۔ جنت کی نعمتوں، دوزخ کے عذاب کے بارے میں ان کا رویہ معذرت خواہانہ اور Apologetic ہے“ (”قرآن مجید کے انگریزی تراجم و تفاسیر“ در: ”تحقیقاتِ اسلامی“ اکتوبر، دسمبر ۱۹۸۵ء) ۔ ملائکہ، معجزات اور قانونِ وراثت وغیرہ کے متعلق ان کا نقطۂ نظر تجدد پسندوں سے قریب تر ہے ۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: A Discussion of the Errors of Yousuf Ali، مطبوعہ جنوبی افریقہ ۔

٦ ۔ ترجمہ: ”لوگوں سے ان کی ذہنی سطح کے مطابق گفتگو کرو“ ۔

۱۲

[حیدر آباد۔ دکن]
۱۵ صفر ۵٦ھ
[۲۷۔ اپریل ۱۹۳۷ء]

مخترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'
عنایت نامہ وصول ہوئے بہت دن گزر گئے مگر شدید مصروفیت کی وجہ

سے جواب عرض نہ کر سکا۔ یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ مولانا اشرف علی صاحب کے پاس آپ ہو آئے اور مطمئن آئے۔ ان کے علم و فضل اور تقویٰ کا میں خود بھی بہت احترام کرتا ہوں اور ہندوستان کے بہترین علماء میں انھیں شمار کرتا ہوں ان حضرات سے استفادہ کرنا اور ان کی ہدایات سے روشنی حاصل کرنا ضروری ہے۔ میں ان سے قطع تعلق کا تو وہم بھی نہیں رکھتا۔ البتہ تجربہ سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جس راستہ پر ہم جانا چاہتے ہیں اس میں یہ حضرات ہماری پیشوائی اور قیادت نہ کر سکیں گے، بلکہ ہمارے ساتھ بھی نہ چل سکیں گے۔ اس لیے کہ انھوں نے اپنا دامن ماضی سے اس درجہ باندھ لیا ہے کہ حال اور مستقبل سے عملاً بالکل بے تعلق ہو گئے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ بھی ہماری پیشوائی نہیں کر سکتے جو تجدید کے زور میں کتاب و سنت کی صراطِ مستقیم اور سلفِ صالح کے طریقہ سے ہٹ گئے ہیں اور اس اعتدال پر قائم نہیں رہے جو اسلام کی جان ہے۔ میری روش سے آپ نے خود اندازہ فرما لیا ہوگا کہ میں ایک سخت orthodox آدمی ہوں۔ مگر میری orthodoxy اس طرز کی ہے جو ابنِ تیمیہؒ اور ابنِ قیمؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ رحمہم اللہ کی اپنے اپنے زمانوں میں تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ اسلامی اصول سے ہم بال برابر نہ ہٹیں مگر زمانہ کے حالات و ضروریات کے لحاظ سے ان اصولوں کے انطباق application میں وہی لچک اختیار کریں جو صدرِ اوّل کے مجتہدین نے اختیار کی تھی اور جس کو چوتھی صدی کے بعد جمود سے بدل دیا گیا۔

میرے لیے اس سے بڑھ کر کیا خوشی ہو سکتی ہے کہ آپ کے ادارہ کی بنیاد پڑتی ہوئی اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ مگر مجھ پر کام کا اتنا ہجوم ہے کہ اپنے ذاتی معاملات کی طرف بھی کافی توجہ نہیں کر سکتا۔ کوئی ایک شخص بھی میرا رفیقِ کار نہیں۔ چھوٹے اور بڑے سب کام مجھ کو تنہا خود ہی کرنے پڑتے ہیں۔ ایک شدید خانگی ضرورت سے بیس روز کے لیے دہلی گیا تھا تو یہاں سارے کام درہم برہم ہو گئے اور اتنا کام میرے سر پر آ پڑا کہ اب تک اس سے فارغ نہیں ہو سکا ہوں۔ اب میرے سامنے ایک بڑی مہم درپیش ہے۔ جس میں مجھے ہمہ تن منہمک ہو جانا پڑے گا۔ میں نے اس مہم کی ابتدا محرم کے ترجمان القرآن سے کر دی ہے اور آئندہ چند مہینوں

باسمہ سبحانہ

ترجمان القرآن
حیدرآباد دکن

Tarjaman-Al-Quraan
Hyderabad (Dn.)

نشان ______

مورخہ ______ ۱۵ر صفر ۵۰ھ

محترمی و مکرمی   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عنایت نامہ وصول ہوئے بہت دن گذر گئے۔ مگر شدید مصروفیت کی وجہ سے جواب جلد نہ کر سکا۔
یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ مولانا اشرف علی صاحب کے پاس آپ ہو آئے اور مطمئن آئے۔
ان کے علم و فضل اور تقویٰ کا میں خود بھی بہت احترام کرتا ہوں اور ہندوستان کے بہترین علماء میں
انہیں شمار کرتا ہوں۔ ان حضرات سے استفادہ کرنا اور انکی ہدایات سے روشنی حاصل کرنا ضروری ہے
میں ان سے قطع تعلق کا تو وہم بھی نہیں رکھتا۔ البتہ تجربہ سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جس راستہ پر
ہم جانا چاہتے ہیں اس میں یہ حضرات ہماری پیشوائی اور قیادت نہ کر سکیں گے، بلکہ ہمارا ساتھ
بھی نہ دے سکیں گے، اس لیے کہ انہوں نے اپنا دامن ماضی سے اس درجہ باندھ لیا ہے کہ حال اور مستقبل
سے عملاً بالکل بے تعلق ہو گئے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ بھی ہماری پیشوائی نہیں کر سکتے جو تجدد کے زور
میں کتاب و سنت کی صراط مستقیم اور سلف صالح کے طریقہ سے ہٹ گئے ہیں اور اس اعتدال پر
قائم نہیں رہے جو اسلام کی جان ہے۔ میری روش سے آپ نے خود اندازہ فرما لیا ہوگا کہ میں ایک سخت
Orthodox آدمی ہوں۔ مگر میری Orthodoxy اس طرز کی ہے جو ابن تیمیہ اور
ابن قیم اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمہم اللہ کی اپنے اپنے زمانوں میں تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ اسلامی
اصول سے ہم بال برابر نہ ہٹیں مگر زمانہ کے حالات و ضروریات کے لحاظ سے ان اصولوں کے
application میں وہی لچک اختیار کریں جو صدر اول کے مجتہدین نے اختیار کی تھی اور
جس کو چوتھی صدی کے بعد جمود سے بدل دیا گیا۔

میرے لیے اس سے بڑھ کر کیا خوشی ہو سکتی ہے کہ آپ کے ادارہ کی بنیاد پڑتی ہوئی
اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ مگر مجھ پر کام کا اتنا ہجوم ہے کہ اپنے ذاتی معاملات کی طرف بھی کافی توجہ

نہیں کر سکتا ۔ کوئی ایک شخص بھی میرا رفیق کار نہیں ۔ چھوٹے اور بڑے سب کام مجھ کو تنہا خود ہی کرنے پڑتے ہیں ۔ ایک شدید خانگی ضرورت سے بیس روز کے لیے دہلی گیا تھا تو یہاں سارے کام درہم برہم ہو گئے اور اتنا کام میرے سر پر آ پڑا کہ اب تک اس سے فارغ نہیں ہو سکا ہوں ۔ اب میرے سامنے ایک بڑی مہم درپیش ہے جس کے لیے مجھے ہمہ تن منہمک ہو جانا پڑے گا ۔ میں نے اس مہم کی ابتدا محرم کے ترجمان القرآن سے کر دی ہے اور آئندہ چند مہینوں میں دیکھنا ہے کہ کتنے مددگار ملتے ہیں ۔ بہر حال میں یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ خواہ سارے ہندوستان میں ایک شخص بھی ساتھی نہ ملے میں تنہا اپنی ذات سے اس جنگ کو شروع کروں گا اور آخر وقت تک جاری رکھوں گا ، قطع نظر اس سے کہ کامیاب ہوں یا نہ ہوں ۔ مسلمانوں کی اس وقت جو نازک حالت ہے اور جو خطرناک مستقبل ان کے سامنے ہے اس کو دیکھ کر میں سمجھتا ہوں کہ آئندہ دس بیس سال ہندوستان میں اسلام کی قسمت کے لیے فیصلہ کن ہیں ۔ اگر اس وقت ہم مدافعت کے لیے کھڑے نہ ہوئے تو چند سال بعد ہم کو سکون کا کوئی گوشہ نہ ملے گا جہاں ہم بیٹھ کر کوئی تعمیری کام کر سکیں ۔

آپ کے لیے آغاز کار کی صورت [redacted] پر میں نے بہت غور کیا ۔ میرا خیال یہ ہے کہ اصل تعمیری کام تو اس وقت تک شروع نہیں ہو سکتا جب تک کہ کوئی شخص منصب مشیخت کے لیے نہ مل جائے ۔ سردست آپ اپنے ادارہ [redacted] کی ابتدا اشاعت کے کام سے کیجیے ۔ ترجمان القرآن کا پورا فائل غالباً آپ کے پاس ہوگا اس کے چھوٹے اور بڑے مضامین میں سے جس جس کو آپ پسند کریں پمفلٹوں کی صورت میں چھپوائیے ۔ اب جو مہم کو میں شروع کرنا چاہتا ہوں اگر اس میں آپ حصہ لینا چاہیں تو محرم ۵۶ھ کے پرچے میں جو اشارات میں نے لکھے ہیں ان کو اور اس سلسلہ کی دوسری چیزوں کو جو بعد میں آپ کو پہنچیں پمفلٹوں کی صورت میں شائع کیجیے ۔

اس کام کے سلسلہ میں پنجاب کے دوسرے مقامات پر بھی جو مخلص اور درد مند مسلمان آپ کے علم میں ہوں ان سے مدد لیجیے اور جہاں تک ہو سکے ان [illegible]

باسمہ سبحانہ

ترجمان القرآن
حیدرآباد دکن

Tarjaman-Al-Quraan
Hyderabad (Dn.)

نشان ——————

کہ کام کو ایک جال کی طرح پھیلا دیجیے۔ بہت ممکن ہے کہ اسی کام کے سلسلہ میں آپ کو ایسے لوگ بھی مل جائیں جو آپ کے ادارہ کی بنیاد بن سکیں۔ باقی رہا تحریکی کام تو جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں وہ ایک superman کے فراہم ہونے پر منحصر ہے۔ تا وقتیکہ کوئی طاقتور شخصیت ایسی نہ ہو جو اپنے تخیلات کے سانچے میں آدمیوں کو ڈھالنے کی قوت رکھتی ہو، یہ کام انجام نہیں پا سکتا۔

ادارہ کے لیے ادارہ ہی کا لفظ بہتر ہے۔ مگر تبلیغ کے بجائے معارف کا لفظ رکھنا بہتر ہوگا اس لیے کہ تبلیغ کا مفہوم عرفِ عام نے بہت بگاڑ دیا ہے۔ "ادارۂ معارف قرآنیہ" ایک مناسب نام معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے اہل الرائے حضرات سے بھی مشورہ فرما لیجیے۔

آپ نے جن جن امور کے متعلق لکھا ہے وہ سب میرے پیشِ نظر ہیں اور ان کا ان سب کی طرف جب جب فرصت ملتی توجہ کرتا رہتا ہوں۔ مگر آج کل میرے خیالات میں ایک خلل پڑا ہے جس نے مجھے پُرسکون تفکر کے قابل نہیں رکھا۔ دہلی سے ایک آگ اپنے سینہ میں لایا ہوں اور ہر لمحہ یہ فکر دامنگیر ہے کہ اب کیا کروں۔

فقط

ابوالاعلیٰ

میں دیکھنا ہے کہ کتنے مددگار مِلتے ہیں۔ بہرحال میں یہ تصفیہ کر چکا ہوں کہ خواہ سارے ہندوستان میں ایک بھی ساتھی نہ ملے، میں تنہا اپنی ذات سے اس جنگ کو شروع کروں گا اور آخر وقت تک جاری رکھوں گا۔ قطع نظر اس سے کہ کامیابی ہو یا نہ ہو مسلمانوں کی اس وقت جو نازک حالت ہے اور جو خطرناک مستقبل ان کے سامنے ہے اس کو دیکھ کر میں سمجھتا ہوں کہ آیندہ دس بیس سال ہندوستان میں اسلام کی قسمت کے لیے فیصلہ کن ہیں۔ اگر اس وقت ہم مدافعت کے لیے کھڑے نہ ہوتے تو چند سال بعد ہم کو سکون کا کوئی گوشہ نہ ملے گا۔ جہاں بیٹھ کر ہم کوئی تعمیری کام کر سکیں۔

آپ کے لیے آغازِ کار کی صورت پر میں نے بہت غور کیا۔ میرا خیال یہ ہے کہ اصل تعمیری کام تو اس وقت تک شروع نہیں ہو سکتا جب تک کہ کوئی شخص منصبِ شیخت کے لیے نہ مِل جاتے۔ سرِدست آپ اپنے اِدارہ کی ابتدا اشاعت کے کام سے کیجیے۔ ترجمان القرآن کا پُورا فائل غالباً آپ کے پاس ہوگا۔ اس کے چھوٹے اور بڑے مضامین میں سے جس جس کو آپ پسند کریں پمفلٹوں کی صورت میں چھپوائیے۔ اب جس مہم کو میں شروع کرنا چاہتا ہوں۔ اگر اس میں آپ حصّہ لینا چاہیں تو محرم ۵٦ھ کے پرچہ میں جو اشارات میں نے لکھے ہیں ان کو اور اس سلسلہ کی دُوسری چیزوں کو جو بعد میں آپ کو ملیں گی پمفلٹوں کی صورت میں شائع کیجیے۔ اِس کام کے سِلسلہ میں پنجاب کے دُوسرے مقامات پر بھی جو مخلص اور دردمند مسلمان آپ کے علم میں ہوں ان سے مدد لیجیے اور جہاں تک ہو سکے اشاعت کے کام کو ایک جال کی طرح پھیلا دیجیے۔ بہت ممکن ہے کہ اس کام کے سِلسلہ میں آپ کو ایسے لوگ بھی مِل جائیں جو آپ کے ادارہ کی بنیاد بن سکیں۔ باقی رہا تعمیری کام تو جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں وہ ایک superman کے فراہم ہونے پر منحصر ہے تا وقتیکہ کوئی طاقت ور شخصیت ایسی نہ ہو جو اپنے تخیلات کے سانچے میں آدمیوں کو ڈھالنے کی قوت رکھتی ہو، یہ کام انجام نہیں پا سکتا۔

ادارہ کے لیے ادارہ ہی کا لفظ بہتر ہے۔ مگر تبلیغ کے بجائے معارف کا لفظ رکھنا بہتر ہوگا۔ اِس لیے کہ تبلیغ کا مفہوم عرفِ عام نے بہت بگاڑ دیا ہے "ادارۂ معارفِ قرآنیہ" ایک مناسب نام معلوم ہوتا ہے۔ دُوسرے اہلِ الرائے حضرات سے بھی مشورہ فرمالیجیے۔

آپ نے جن جن امُور کے متعلق لکھا ہے وہ سب میرے پیشِ نظر ہیں، اور ان شاءاللہ ان سب کی طرف جیسے جیسے فرصت ملے گی توجہ کرتا رہوں گا مگر آج کل میرے خیالات میں ایک ہلچل برپا ہے جس نے مجھے پُرسکون تفکر کے قابل نہیں رکھا۔ دہلی سے ایک آگ اپنے سینہ میں لایا ہوں اور ہر لمحہ یہ فکر دامن گیر ہے کہ اب کیا کروں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ چودھری نیاز علی نے مولانا مودودی کو لکھا تھا: "۲ اپریل کو مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کی خدمت میں گیا تھا ۔ تین روز ان کی خانقاہ میں رہا ۔ مجھے ان کی طبیعت کے متعلق بہت وہم تھے ، مگر الحمدللہ کہ انھیں بہت ہی اچھا ، اور اپنے ساتھ شگفتہ مزاج دیکھا" (اقبال ، دارالاسلام اور مودودی ، ص ۱۲۴) ۔

۲ ۔ امام ابن تیمیہ (۱۲۶۳ء ——— ۱۳۲۸ء) امام احمد بن حنبل کے پیرو تھے ، کورانہ تقلید کے قائل نہ تھے ۔ بدعات اور رسم پرستی کے سخت دشمن تھے ۔ نیز اولیاء پرستی اور مزارات کی پرستش کے شدید مخالف تھے ۔ قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہوئے اور قید خانے ہی میں انتقال ہوا ۔ پانچ سو کتابوں کے مصنف ہیں ۔ مزید دیکھیے "تجدید و احیائے دین" ، ص ۷۳ تا ۸۰ ۔

۳ ۔ حافظ ابن القیم (۱۰۹۸ء دمشق ——— ۱۶ اگست ۱۱۵۰ء دمشق) عالمِ اسلام کی معروف دینی شخصیت ، متکلم ، فلسفی اور فقیہ ۔ ابن تیمیہ کے خاص الخاص شاگرد اور ان کے صحیح جانشین ۔ وفات تک متواتر ان کے پاس رہے اور ایک لمحے کے لیے بھی ان کی مفارقت گوارا نہ کی ۔ تقلیدِ شخصی کے خلاف تھے ۔ اپنے استاد کی طرح وہ بھی فلسفیوں ، معتزلیوں ، جہمیوں ، حشویوں اور وحدت الوجودیوں کے سخت مخالف تھے ۔ اور کلام ، عقائد اور تصوف کے مسائل میں سلف صالحین کے نقطۂ نظر کے حامی تھے ۔ وہ بدعات و محدثات کو ناپسند کرتے تھے اور مسلمانوں کو ابتدائی دور کے سادہ اسلام کی طرف لے جانا چاہتے تھے"۔ (اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ ، ج ۱ ۔ ص ۶۵۲) پچاس سے زائد کتابوں کے مصنف تھے ۔

۴ ۔ حضرت شاہ ولی اللہ (۱۷۰۳ء ——— ۱۷۶۳ء) برعظیم کے معروف عالم دین ، مفسر ، محدث ، مفکر

اور مجدّد ۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن پاک کا فارسی زبان میں ترجمہ ہے ۔ آپ نے فقہ ، اجتہاد اور تصوف پر متعدد کتب لکھیں ۔ چند تصانیف: * حجۃ اللہ البالغہ * ازالۃ الخفا * الفوز الکبیر ۔۔۔۔۔ بقول مولانا مودودی: "شاہ صاحب تاریخِ انسانی کے ان لیڈروں میں سے ہیں ، جو خیالات کے الجھے ہوئے جنگل کو صاف کر کے فکر و نظر کی ایک صاف سیدھی شاہراہ بنا تے ہیں"۔ مزید دیکھیے: تجدید و احیائے دین ،ص ۸۹ تا ۱۱۲ ۔

۵ ۔ اپنے ایک خطاب میں اس صورتِ حال کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا مودودی نے فرمایا: "۱۹۳۷ء میں مجھ کو حیدر آباد [دکن] سے دہلی آنے کا اتفاق ہوا ۔ اس سفر کے دوران میں، میں نے محسوس کیا کہ ہندستان کے چھ صوبوں میں کانگریس کی حکومت قائم ہو جانے کے بعد، مسلمانوں پر کھلی کھلی شکست خوردگی کے آثار طاری ہو چکے ہیں ۔۔۔ حیدر آباد پہنچا تو یقین کیجیے کہ میری راتوں کی نیند اڑ گئی ۔ سوچتا رہا کہ یا اللہ! اب اس سرزمین میں مسلمانوں کا کیا انجام ہونا ہے؟ آخر کار میں نے وہ سلسلۂ مضامین لکھا، جو "مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش" حصہ اول کے نام سے شائع ہوا" (جماعت اسلامی کے ۲۹ سال ،ص ۳۳) ۔

٦ ۔ محرم ۱۳۵٦ھ کے اشارات بعد ازاں "مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش" حصہ اول (فروری ۱۹۳۸ء) میں "آنے والا انقلاب اور مسلمان" کے زیرِ عنوان شامل ہوئے ۔ اب "تحریکِ آزادیِ ہند اور مسلمان" حصہ اول میں شامل ہیں ،(ص ۳۹ تا ۵۲)

۱۳

[حیدر آباد. دکن]
۲ ربیع الاول ۵٦ ھ
[۱۳۔ مئی ۱۹۳۷ء]

محترمی و مکرمی ۔ السلامُ علیکم
ایک مفصّل خط اس سے پہلے لکھ چکا ہوں ۔ اس کے بعد آپ کے دو عنایت نامے یکے بعد دیگرے ملے جن میں سے ایک میرا خط پہنچنے سے پہلے کا لکھا ہوا تھا ۔
شیخ مصطفےٰ المراغی سے مراسلت کرنا بہرحال مفید ہوگا ۔ ممکن ہے کہ وہ کوئی بہتر آدمی دے سکیں ۔ میں صفر کا رسالہ تیار کرنے میں مشغول ہوں ۔ اس سے فارغ

ہوتے ہی انشاءاللہ خط لکھوں گا اور آپ کے پاس مع ترجمہ بھیج دوں گا۔[1]

محترم کے پرچے میں جو اشارات میں نے لکھے ہیں ان میں اصلی اسکیم ابھی ظاہر نہیں کی ہے بلکہ وہ دماغوں کو اس کام کے لیے تیار کرنے کی غرض سے لکھے گئے ہیں جو آئندہ میں کرنا چاہتا ہوں۔ انشاءاللہ اصل مقصد کی توضیح صفر یا ربیع الاوّل کے پرچے میں کی جائے گی۔ آپ سردست اتنی تکلیف فرمائیں کہ ترجمان القرآن کے پچھلے تمام پرچوں پر ایک نظر ڈال لیں اور ان میں جو مضامین آپ کو قابلِ اشاعت نظر آئیں، ان کی ایک فہرست مرتب کرکے ان کی ایک نقل مجھے بھیج دیں۔ پھر میں بھی غور کرکے ان میں کچھ اضافہ کردوں گا اور یہ بھی لکھ دوں گا کہ کس ترتیب سے ان کو شائع کیا جانا چاہیے۔ تمام خرابیاں جو اس وقت مسلمانوں میں نظر آرہی ہیں، ان کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان میں اسلام کی تعلیمات کا صحیح علم نہیں ہے اور ان کی ذہنیتیں اسلامی ذہنیتیں نہیں رہیں۔ اسی وجہ سے ان کے عقائد اور اعمال بگڑ رہے ہیں، اور ان کی سیرتوں میں وہ مضبوطی باقی نہیں رہی جس سے وہ زمانے کے انقلابات کے مقابلہ میں ٹھیر سکیں۔ اب سب سے بڑی اسلامی خدمت یہی ہے کہ صحیح اسلامی تعلیمات کو کثرت سے پھیلایا جائے اور اُس ذہنی بغاوت کا اِستیصال کیا جائے جو عام طور پر مسلمانوں میں رُونما ہے۔

اس وقت کام کی بہت کثرت ہے لہٰذا اِسی مختصر نیاز نامہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ علامہ اقبال، پٹھان کوٹ کے مجوزہ اسلامی علمی مرکز کے لیے کسی روشن خیال مصری عالمِ دین کو بلانا چاہتے تھے، اس سلسلے میں انھوں نے چودھری نیاز علی سے کہا کہ وہ الازہر یونی ورسٹی کے شیخ الجامعہ علامہ مصطفیٰ المراغی کے نام ایک خط کا ڈرافٹ تیار کر کے بھجوائیں۔ نیاز علی صاحب نے اس کے لیے مولانا مودودی سے درخواست کی (اقبال، دارالاسلام اور مودودی ۔ ص ۱۳۹ ۔ ۱۴۰) جواباً مولانا لکھ رہے ہیں کہ وہ خط مع ترجمہ جلد بھیج دیں گے ۔ (بعد ازاں مولانا نے خط مع عربی ترجمہ، نیاز علی صاحب کو بھجوایا، اور

ترجمان القرآن
حیدرآباد دکن

Tarjaman-Al-Quraan
Hydrabad (Dn.)

مورخہ ۔۔۔ ۲۰ ربیع الاول ۵۳ھ

نشان ـــــــــــــــ

مخدومی و مکرمی   السلام علیکم

ایک مضمون خود اس سے پہلے لکھ چکا ہوں ۔ اس کے بعد آپ کے دو عنایت نامے یکے بعد دیگرے ملے جن میں سے ایک میرا خط پہنچنے سے پہلے کا لکھا ہوا تھا ۔ شیخ مصطفیٰ المراغی سے مراسلت کرنا بہرحال مفید ہوگا ۔ ممکن ہے کہ وہ کوئی بہتر آدمی دے سکیں ۔ میں صفر کا رسالہ تیار کرنے میں مشغول ہوں ۔ اس سے فارغ ہوتے ہی ان شاء اللہ خط لکھوں گا اور آپ کے پاس مع ترجمہ بھیج دوں گا ۔

محرم کے پرچے میں جو ارشادات میں نے لکھے ہیں ان میں اصل اسکیم ابھی ظاہر نہیں کی ہے بلکہ وہ دراصل لوگوں کو اس کام کے لیے تیار کرنے کی غرض سے لکھے گئے ہیں جو آئندہ میں کرنا چاہتا ہوں ۔ ان شاء اللہ اصل مقصد کی توضیح صفر یا ربیع الاول کے پرچے میں کی جائے گی ۔ آپ سردست اتنی تکلیف فرمائیں کہ ترجمان القرآن کے پچھلے تمام پرچوں پر ایک نظر ڈال لیں اور ان میں جو مضامین آپ کو قابل اشاعت نظر آئیں ان کی ایک فہرست مرتب کر کے اس کی ایک نقل مجھے بھیج دیں ۔ پھر میں بھی غور کر کے ان میں کچھ اضافہ کر دوں گا اور یہ بھی لکھ دوں گا کہ کس ترتیب سے ان کو شائع کیا جانا چاہیے ۔ تمام خرابیاں جو اس وقت مسلمانوں میں نظر آ رہی ہیں ان کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان میں اسلام کی تعلیمات کا صحیح علم نہیں ہے اور ان کی ذہنیتیں اسلامی ذہنیتیں نہیں رہی ہیں ۔ اسی وجہ سے ان کے عقائد اور

اعمال بگڑ گئے ہیں اور انکی سیرتوں میں وہ مضبوطی باقی نہیں رہی جس سے پہلے
زمانے کے اعتقادات کے مقابلہ میں ٹھہر سکیں تھے ۔ اب سب سے بڑی ضرورت
یہی ہے کہ صحیح اسلامی تعلیمات کو کثرت سے پھیلایا جائے اور اس ذہنی انتشار
کا استیصال کیا جائے جو عام طور پر مسلمانوں میں رونما ہے ۔

اس وقت کام کی بہت کثرت ہے، لہٰذا اسی مختصر سے بیان پر
اکتفا کرتا ہوں ۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

من جانب ڈاکٹر سر محمد اقبال بخدمت جناب صاحب الفضیلہ علامہ مصطفیٰ المراغی شیخ جامع ازہر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ جامعۂ ازہر کو اللہ تعالیٰ نے دنیائے اسلام میں جو علمی مرکزیت عطا فرمائی ہے اس کا
پیاسا اسی سرچشمہ کی طرف دوڑتا ہے، اور ہر دینی و علمی ضرورت کے موقع پر نگاہیں اسی کی طرف اٹھتی
ہیں۔ ایسی ہی ایک ضرورت مجھے بھی پیش آئی ہے جس کے لیے آپ کو تکلیف دے رہا ہوں ۔ میرے ایک
جو ہندوستان میں ایک معزز عہدہ پر رہ چکے ہیں، اور اب وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہو کر
کی خدمت کرنا چاہتے ہیں، پنجاب کے ایک قریہ میں ایک نئی قسم کا ادارہ قائم کرنے کا ارادہ
جو اپنے مقاصد میں مسلمانوں کے عام تعلیمی اور دینی معاہد سے بالکل مختلف ہے، اور جتنا مختلف ہے اتنا ہی اہم
ان کی تجویز یہ ہے کہ چند آدمی علوم جدیدہ کے فارغ التحصیل اور چند علوم دینیہ کے فارغ التحصیل
لیے جائیں جن میں [illegible] اعلیٰ درجہ کی ذہنی صلاحیتیں پائی جاتی ہوں، اور
ان صلاحیتوں کو اسلام کی خدمت کے لیے وقف کرنے پر آمادہ ہوں ۔ ان نوجوانوں کو جدید تمدن
کے ہنگاموں سے دور ایک دیہی مقام پر رکھا جائے اور وہاں ان کے گرد و پیش خالص اسلامی ماحول پیدا کیا جائے [illegible]
[illegible] جس میں تقویٰ اور عمل صالح اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا دور دورہ
ہو، شرور دب جائیں، خیر و صلاح کو نشوونما حاصل ہو، اور اسی قسم کی سیرت ان کے اندر

[illegible] ۔ اس ادارے میں ان کے لیے ایک
کتب خانہ فراہم کیا جائے جس میں علوم جدیدہ اور علوم دینیہ کے تحقیقی مطالعہ کے لیے ہر قسم کا مواد
ہو، اور جدید ترین [illegible] علمی ترقیات سے باخبر رہنے کا انتظام کیا جائے ۔ [illegible]
قرآن مجید
[illegible] اور درس کے ساتھ ہی انکو ایک ایسا کامل اور جامع الصفات رہنما دیا جائے جو [illegible]
بصیرت رکھتا ہو، علوم دینیہ پر اچھی طرح حاوی ہو، علوم جدیدہ اور حالات حاضرہ سے بھی خوب
اور اعلیٰ درجہ کے تفکر و تدبر اور قوت اجتہادیہ سے بہرہ ور ہو ۔ یہ شخص ان لوگوں کو کتاب اللہ
سنت رسول اللہ کی روح اور دین کے اصول، اور شریعت کے کلیات سے باخبر کرے، پھر مختلف
شعبوں میں انکو محققانہ مطالعہ اور مجتہدانہ تحقیق کی راہیں دکھائے، اور انکو اس طرح تیار کرے کہ وہ
وحکمت
فلسفہ، اقتصادیات، قانون، سیاسیات، اجتماعیات اور دوسرے علوم کو روح قرآنی اور
اصول شریعت اسلامی کے مطابق از سر نو مرتب کریں، اور اپنے قلم کی طاقت سے دنیا کے علوم
روح قرآنی اور اصول شریعت اسلامی کے مطابق از سر نو مرتب کریں، اور اپنے قلم کی طاقت سے دنیا کے علوم
حق سبیل
اُن مناہج ضلالت سے [illegible] جن پر وہ اس وقت چل رہے ہیں، منہج اور [illegible] صدق اور
صراط مستقیم کی طرف پھیرنے کی کوشش کریں ۔

[illegible]

انھوں نے اسے علامہ اقبال کی خدمت میں بھیج دیا ۔ شیخ الجامعہ الازہر کے نام علامہ کا یہ خط "خطوطِ اقبال" (ص ۲۸۴ تا ۲۸۷) میں شامل ہے ۔ مولانا مودودی کے تیار کردہ اردو ڈرافٹ (کے کچھ حصے کا عکس) یہاں دیا جارہا ہے ۔

۱۴

[حیدر آباد، دکن]
۲۲ ربیع الاول ۵۶ھ
[۳۔ جون ۱۹۳۷ء]

محترمی و مکرمی، السلامُ علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آپ کے دو عنایت نامے وصول ہوئے۔ آپ کے ارشادات کی تعمیل کے لیے دماغ کو حاضر کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ لیکن آج کل دماغ پوری طرح اپنی آئندہ جنگ کے نقشے سوچنے میں منہمک ہے۔ میں آپ سے عرض نہیں کر سکتا کہ میں کس قدر گہری فکر میں مبتلا ہوں۔ تاہم کوشش کروں گا کہ اسی ہفتہ دونوں تحریریں مکمل کر کے آپ کی خدمت میں روانہ کر دوں۔

میں خود اب یہ محسوس کر رہا ہوں کہ اصل میدان بمقابلہ شمالی ہندوستان ہے۔ مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ وہیں ہوگا اور اسی فیصلہ کے اثرات سارے ہندوستان میں پھیلیں گے۔ لہٰذا اب میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ یہاں سے ہجرت کروں اور شمالی ہند میں کسی جگہ قیام کروں، لیکن دارالہجرت کے انتخاب میں ابھی متردد ہوں۔ محترم کے اشارات شائع ہونے کے بعد سے بکثرت خطوط آرہے ہیں۔ جن میں مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ راہِ عمل تجویز کرو۔ میں بے صبری کے ساتھ کام کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ پورے غور و خوض کے ساتھ ایک نقشۂ جنگ بنا رہا ہوں۔ ان شاء اللہ دو تین مہینہ میں یہ نقشہ مکمل ہو جائے گا۔ اس کو شائع کرنے کے بعد مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ کی آواز بلند کروں گا اور صرف ایسے

باسمہ سبحانہ

مان القرآن
در آباد دکن

Tarjaman-Al-Quraan
Hydarabad (Dn.)

۲۲ ربیع الاول ٦٦ھ
نشان ______

محترمی و مکرمی السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کے دو عنایت نامے وصول ہوئے۔ آپ کے ارشادات کی تعمیل کے لیے دماغ کو حاضر کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ لیکن آج کل دماغ پوری طرح اپنی آئندہ حیثیت کا نقشہ سوچنے میں منہمک ہے۔ میں آپ سے عرض نہیں کر سکتا کہ کس قدر گہری فکر میں مبتلا ہوں۔ تاہم کوشش کروں گا کہ اسی ہفتہ دونوں تحریریں مکمل کر کے آپ کی خدمت میں روانہ کر دوں۔

میں خود اب یہ محسوس کر رہا ہوں کہ اصل میدان مقابلہ شمالی ہندوستان ہے۔ مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ وہیں ہوگا اور اسی فیصلہ کے اثرات سارے ہندوستان میں پھیلیں گے۔ لہٰذا اب میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ یہاں سے ہجرت کروں اور شمالی ہند میں کسی قصبہ میں قیام کروں۔ لیکن دارالہجرت کے انتخاب میں ابھی متردد ہوں۔ محرم کے اشارات شائع ہونے کے بعد سے کثرت سے خطوط آ رہے ہیں جن میں مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ کوئی راہ عمل تجویز کروں۔ میں بے صبری کے ساتھ کام کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ پورے غور و فکر کے ساتھ ایک نقشہ مرتب کر رہا ہوں۔ ان شاء اللہ دو تین مہینے میں یہ نقشہ مکمل ہو جائے گا۔ اس کو شائع کرنے کے بعد من انصاری الی اللہ کی آواز بلند کروں گا اور صرف ایسے لوگوں کو دعوت دوں گا جو وقت آنے پر یہ نہ کہہ سکیں کہ اذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون۔

سر دست ہندوستان کے مختلف حصوں میں جو لوگ ہم خیال ہیں اور بعض اعزہ بھی ہیں ان سے خط و کتابت کر رہا ہوں۔ غالباً آئندہ ماہ ستمبر میں

ان حضرات کو ایک مرکزی مقام پر (غالباً دہلی ہو گا) اجتماع کی دعوت دی جا سکتی ۔ وہاں باہمی مشورہ سے ایک لائحۂ عمل طے ہو گا اور وہیں یہ بھی ہو جاتا کہ مجھے آئندہ کہاں قیام کرنا چاہیے ۔

آئندہ اجتماع کے لیے ابھی کوئی تاریخ طے نہیں ہوئی ہے ۔ میں نے مجلس کمیٹی کا مسئلہ کو دیا ہے ۔ جب تاریخ کا تعین ہو جائیگا تو آپ کو لکھوں گا ۔ کیا آپ اس میں شریک ہونے کے لیے تشریف لا سکتے ہیں ؟

خاکسار

ابوالاعلیٰ

لوگوں کو دعوت دوں گا جو وقت آنے پر یہ نہ کہہ دیں کہ اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ[۴]۔

سردست ہندوستان کے مختلف حصّوں میں جو لوگ ہم خیال ہیں اور پیدا ہو رہے ہیں ان سے خط و کتابت کر رہا ہوں۔ غالباً آیندہ ماہ ستمبر میں ان حضرات کو ایک مرکزی مقام پر (غالباً وہ دہلی ہوگا) اجتماع کی دعوت دی جائے گی۔ وہاں باہمی مشورہ سے ایک لائحۂ عمل طے ہوگا۔ اور وہیں یہ بھی طے ہو جائے گا کہ مجھے آیندہ کہاں قیام کرنا چاہیے۔

آیندہ اجتماع کے لیے ابھی کوئی تاریخ طے نہیں ہوئی ہے۔ میں نے محض تخمیناً ستمبر کا مہینہ لکھ دیا ہے۔ جب تاریخ کا تعیّن ہو جائے گا تو آپ کو لکھوں گا۔ کیا آپ اس میں شریک ہونے کے لیے تشریف لا سکتے ہیں؟

خاکسار

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ مولانا مودودی، مستقبل میں جس تحریک کا آغاز کرنے والے تھے، اس میں بعض حلقوں کی مخالفت کا بھی خدشہ تھا ۔ یہاں مراد یہ ہے کہ ان مخالفین کے مقابلے میں ہماری حکمتِ عملی کیا ہوگی ۔

۲ ۔ من انصاری اِلی اللہ (سورۃ الصف: ۱۴) "کون ہے اللہ کی طرف (بلانے) میں میرا مددگار؟" یہ الفاظ حضرت عیسیٰ نے اپنے حواریوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمائے تھے ۔

۳ ۔ چنانچہ علامہ اقبال کی تجویز اور نیاز علی خان صاحب کے اصرار پر مولانا مودودی دکن سے ہجرت کر کے ۱۹ مارچ ۱۹۳۸ء پٹھان کوٹ (پنجاب) پہنچے ۔ کچھ عرصہ بعد یہاں ادارۂ دارالاسلام کا قیام اس تحریک کی پہلی عملی صورت تھی، جس کا نقشہ وہ ایک عرصے سے تیار کر رہے تھے ۔

۴ ۔ بنی اسرائیل جب فرعون کی غلامی سے آزاد ہو کر مصر سے نکل کر دشتِ فاران میں خیمہ زن تھے، تو اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا: فلسطین جا کر اسے فتح کر لو ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انھیں فلسطین کی طرف بڑھنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی ۔ لیکن بنی اسرائیل کے بارہ سردار فلسطین کا دورہ کرنے کے بعد واپس آئے، تو وہاں کے لوگوں کے قد کاٹھ، قوت، ہیبت اور شان و شوکت سے اس قدر مرعوب اور خوف زدہ ہوئے کہ انھوں نے حکمِ خداوندی ماننے سے صاف انکار کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: "بس تم اور تمھارا رب، دونوں جاؤ اور لڑو، ہم یہاں بیٹھے ہیں" (سورۃ المائدہ: ۲۴) ۔

15

[حیدر آباد، دکن]
۲۷ ربیع الثانی ۵۶ھ
[۶ جولائی ۱۹۳۷ء]

مخدومی و مکرمی، السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ،

اس سے پہلے ایک کارڈ لکھ چکا ہوں جس میں آپ کے مفصل خط کی رسید دی تھی۔ آج آپ کا کارڈ مؤرخہ ۳ جولائی وصول ہوا۔

چودھری رحمت علی صاحب (شیخوپورہ) کے نام پرچہ جاری ہے۔ ملک محمد رشید خاں صاحب کے نام سلانوالی ضلع شاہ پور کے پتے پر بھی رسالہ جارہا تھا، اب آپ کے کارڈ سے معلوم ہوا کہ اُن کا پتہ شاہ جیونہ ضلع جھنگ ہو گیا ہے۔ انھوں نے تبدیلِ مقام کی کوئی اطلاع نہیں دی۔ ممکن ہے کہ اسی وجہ سے اُن کو پرچہ نہ پہنچا ہو۔ شیخ فضل رحمٰن صاحب دھاری وال کے نام بھی پرچہ برابر جارہا ہے۔ چودھری نذیر احمد خاں صاحب گورداس پور کا نام ہمارے رجسٹر میں نہیں ہے۔ وی پی کے رجسٹر میں اُن کا پتہ نہیں ملا۔ آپ کے پرانے خطوط بھی میں نے دیکھے مگر اُن کا نام نہیں ملا۔ آپ اُن سے دریافت فرمائیں کہ آیا اُن کے نام وی پی گیا تھا یا نہیں۔ اگر نہیں گیا تو اطلاع دیجیے، اب روانہ کر دیا جائے گا۔

شیخ ازہر کے نام میں نے خط لکھ دیا ہے۔ ایک دوست مجھ سے بہتر عربی لکھ سکتے ہیں، اُن کو دیا ہے کہ اپنی زبان میں لکھ دیں۔ ان شاء اللہ دو تین روز میں ان کے پاس سے آجائے گا اور اسی وقت آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔

اسی خط کے ساتھ کتابوں کی ایک فہرست بھی بھیج دوں گا۔ آپ کے لیے فہرستوں پر نشانات لگا رہا ہوں۔ تھوڑی تھوڑی کر کے بھیجتا رہوں گا۔ سرِ دست میرا خیال یہ ہے کہ عربی کتابوں کی فہرست مکمل کر لی جائے اس کے بعد انگریزی کی طرف توجّہ کی جائے گی۔

ادارہ کے لیے اعلان کو سرِ دست ملتوی رکھیے۔ میں ستمبر یا اکتوبر میں دہلی حاضر ہوں گا اور پھر وہاں سے لاہور جاؤں گا۔ اگر وقت ملا تو قلعہ جالپور کی زیارت بھی کروں گا۔ اس موقع پر اِن شاء اللہ باہمی مشورہ سے ایک طریقِ کار تجویز کیا جائے گا۔

میں آپ کے مشوروں کا بہت شکر گزار ہوں۔ وہ سب باتیں جو آپ نے تحریر فرمائی ہیں، میرے پیشِ نظر ہیں۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے پہلے میری اسکیم یہی تھی کہ خاموشی کے ساتھ ایک گوشہ میں بیٹھ کر کام کے آدمی تیار کیے جائیں اور پھر ان سے کوئی بڑا کام لیا جائے۔ لیکن یہ کام دیر طلب ہے اور یہاں حال یہ ہے کہ انقلاب سر پر آ گیا ہے۔ اگر اس وقت مسلمانوں میں کوئی زندگی پیدا نہ کی گئی تو پوری جماعت ڈوب جائے گی اور جب پوری جماعت ڈوب گئی تو ہمارا اور آپ کا کہیں ٹھکانا ہی نہ ہوگا کہ کوئی تعمیری کام کر سکیں۔ ایک طرف تو یہ پہلو ہے، دوسری طرف یہ حقیقت بجائے خود قائم ہے کہ محض سطحی تحریک سے کوئی پائیدار فائدہ نہ ہوگا۔ تعمیری کام بہر حال ضروری ہے اور تعمیری کام یہی ہے کہ ایک باایمان اور فعّال جماعت تیار کی جائے جو پوری قوم کو بنانے کی قابلیت رکھتی ہو۔ اب مشکل یہ آ پڑی ہے کہ وقت پہلے کام کا مطالبہ کر رہا ہے جس کے لیے فوری عمل کی ضرورت ہے اور حکمت دوسرے کام کی متقاضی ہے جو تدریجی تعمیر چاہتا ہے۔ میں کئی مہینے سے اسی فکر میں مبتلا ہوں کہ کیا کروں۔ بالآخر اب اس نتیجہ پر پہنچا ہوں (اگرچہ حتمی طور پر نہیں) کہ مجھ کو یہ دونوں کام ساتھ ساتھ کرنے چاہئیں۔ پہلے کام کے لیے میں مخلص، پُرجوش اور باعمل نوجوانوں کی ایک ایسی جماعت تیار کرنا چاہتا ہوں جو ہماری قوم کے عوام میں جائے اور ان کے اندر بیداری پیدا کرے۔ اس کا مرکز لاہور یا شمالی ہند کا کوئی مناسب مقام ہوگا۔ رہا دوسرا کام تو

اس کے لیے آپ کے ادارہ کو مرکز بنایا جائے گا اور یہاں ایک نہایت گہری اور پائیدار بنیاد پر تعمیری کام کرنے کے لیے اہلِ علم کی ایک جماعت تیار کی جائے میں ان دونوں کاموں سے اپنا تعلق رکھوں اور کسی ایسی جگہ ہجرت کر جاؤں جہاں سے یہ دونوں تحریکیں بآسانی چلائی جا سکیں۔ طبیعت کا میلان لاہور کی طرف ہے کیونکہ زندگی وہیں پائی جاتی ہے، مگر مجھے ابھی تک کوئی اندازہ نہیں کہ وہاں مجھے کتنی support حاصل ہو سکے گی۔ میں تمام پارٹیوں سے الگ تھلگ رہ کر کام کرنا چاہتا ہوں۔ پنجاب کی Party politics اس قدر خراب ہو چکی ہے کہ اس میں پڑ کر آدمی سوائے تخریب اور نزاعِ باہمی کے اور کسی مطلب کا نہیں رہ سکتا۔ اب میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا وہاں کسی ایسے شخص کو اجتماعی مدد حاصل ہونے کی امید ہے جو تمام فرقوں اور گروہوں سے الگ رہ کر خالص اسلامی مفاد کے لیے کام کرنا چاہے۔ یہ بالکل ظاہر ہے کہ اجتماعی مدد کے بغیر ایک بالکل اجنبی شہر میں جا کر کام کرنا میرے لیے سخت مصیبتوں کا باعث بن جائے گا۔ یہاں سے منتقل ہوتے ہی میں مالی مشکلات میں گھر جاؤں گا، کیونکہ ریاست سے ۲۷۵ پرچے جو خریدے جاتے ہیں وہ میرے ہٹتے ہی بند ہو جائیں گے۔ اس کے بعد میرے پاس صرف ۳۵۰ خریدار رہ جاتے ہیں جن سے پرچہ کو زندہ رکھنا تقریباً محال ہے، تا وقتیکہ پنجاب سے مجھ کو ۵۰۰ خریدار نہ مل جائیں۔ میں وہاں رہ کر اپنے کام کو جاری نہیں رکھ سکتا۔ یہاں جو تجارتی کاروبار میں کرتا تھا اس کو بھی مجھے بند کر دینا پڑے گا اور پنجاب میں دو دو، تین تین کام کرنے کے ساتھ تجارت کو نباہنا قطعی ناممکن ہو گا۔

یہی تمام باتیں ہیں جن کے متعلق رائے قائم کرنے کے لیے میں سفرِ لاہور کا قصد رکھتا ہوں۔ پہلے دہلی کے اجتماع میں یہ اندازہ کروں گا کہ جو حضرات کام کا عزم ظاہر کر رہے ہیں، وہ درحقیقت کہاں تک اس کام کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اس کے بعد لاہور جا کر دیکھوں گا کہ آیا وہاں سازگار فضا بہم پہنچ سکتی

ان القرآن
ر آباد دکن

Tarjaman-Al-Quraan
Hyderabad (Dn.)

نشان ____________ ۲۷ ربیع الثانی ۵۶ھ

محترمی و مکرمی   السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

اس سے پہلے ایک کارڈ لکھ چکا ہوں جس میں آپ کے مفصل خط کی رسید دی تھی۔ آج آپ کا کارڈ مورخہ ۳ ربیع الثانی وصول ہوا۔ چودھری رحمت علی صاحب (شیخوپورہ) کا نام پرچہ جاری ہے۔ ملک محمد رشید خاں صاحب کے نام سلانوالی ضلع شاہپور کے پتہ پر رسالہ جارہا تھا۔ اب آپ کے کارڈ سے معلوم ہوا کہ ان کا پتہ شاہ جیونہ ضلع جھنگ ہوگیا ہے۔ انہوں نے تبدیل مقام کی کوئی اطلاع نہیں دی۔ ممکن ہے کہ اسی وجہ سے ان کو پرچہ نہ پہنچا ہو۔ شیخ فضل رحمن صاحب (دھاریوال) کے نام بھی پرچہ برابر جارہا ہے۔ چودھری نذیر احمد خاں صاحب (گورداسپور) کا نام ہمارے رجسٹر میں نہیں ہے۔ وی پی کے رجسٹر میں بھی ان کا پتہ نہیں چلتا۔ آپ کے ان کے خطوط بھی میں نے دیکھے مگر ان کا نام نہیں ملا۔ آپ ان سے دریافت فرمائیں کہ آیا ان کے نام وی پی گیا تھا یا نہیں۔ اگر نہیں گیا تو اطلاع دیجیے۔ اب روانہ کردیا جائیگا۔

شیخ الازہر کے نام میں نے خط لکھوا دیا ہے۔ ایک دوست مجھ سے بہتر عربی لکھ سکتے ہیں، انکو دیا ہے کہ اپنی زبان میں لکھ دیں۔ ان شاء اللہ دو تین روز میں انکے پاس سے آجائیگا اور اسی وقت آپ کی خدمت میں

بھیج دونگا ۔ اس خط کے ساتھ کتابوں کی ایک فہرست بھی بھیج دونگا ۔ آپ کے لیے فہرستوں میں درج شدہ ہوں ۔ تھوڑی تھوڑی کر کے بھیجتا رہونگا ۔ سردست میرا خیال یہ ہے کہ عربی کتابوں کی فہرست مکمل کر لی جائے ۔ اسکے بعد انگریزی کی طرف توجہ کی جائیگی ۔

ادارہ کے لیے اعلان کو سردست ملتوی کر دیجیے ۔ میں ستمبر یا اکتوبر میں دہلی جا رہا ہونگا اور پھر وہاں سے لاہور جاؤنگا ۔ اگر وقت ملا تو پھر قطعہ جمال پور کی زیارت بھی کرونگا ۔ اس موقع پر ان دونوں باہمی مشورہ سے ایک طریق کار تجویز کیا جائیگا ۔

ہمیں آپ کے مشوروں کا بہت شکر گذار ہوں ۔ وہ سب باتیں جو آپ نے تحریر فرمائی ہیں میرے پیش نظر ہیں ۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ، پہلے میری اسکیم یہی تھی کہ خاص شخص کے ساتھ ایک گوشہ میں بیٹھ کر کام کا آدمی تیار کیے جائیں اور پھر ان سے کوئی بڑا کام لیا جائے ۔ لیکن یہ کام دیر طلب ہے ۔ اور ادھر یہ حال ہے کہ انقلاب سر پر آ گیا ہے ۔ اگر اس وقت مسلمانوں میں کوئی زندگی پیدا نہ کی گئی تو پوری جماعت ڈوب جائیگی اور جب پوری جماعت ڈوب گئی تو ہم را اور آپ کا کیسے ٹھکانا ہوگا کہ کوئی تعمیری کام کر سکیں ۔ ایک طرف تو یہ پہلو ہے ، دوسری طرف یہ حقیقت بجائے خود قائم ہے کہ محض سیاسی تحریک سے کوئی پائدار فائدہ نہ ہوگا ۔ تعمیری کام بہرحال ضروری ہے اور تعمیری کام یہی ہے کہ ایک باایمان اور فعال جماعت تیار کی جائے جو پوری قوم کو بنانے کی قابلیت رکھتی ہو ۔ اب مشکل یہ آ پڑی ہے کہ

سبحانہ

ترجمان القرآن
حیدرآباد دکن

Tarjaman-Al-Quraan
Hyderabad (Dn.)

نشان ________

وقت پہلے کام کا مطالبہ کر رہا ہے جس کے لیے فوری عمل کی ضرورت ہے، اور حکمت دوسرے کام کی متقاضی ہے جو تدریجی تعمیر چاہتا ہے۔ میں کئی مہینے سے اسی فکر میں مبتلا ہوں کہ کیا کروں۔ بالآخر اب اس نتیجہ پر پہنچا ہوں (اگرچہ حتمی طور پر نہیں) کہ مجھ کو یہ دونوں کام ساتھ کرنے چاہییں۔ پہلے کام کے لیے میں مخلص، پرجوش اور باعمل نوجوانوں کی ایک ایسی جماعت تیار کرنا چاہتا ہوں جو ہماری قوم کے عوام میں جائے اور ان کے اندر بیداری پیدا کرے۔ اس کا مرکز لاہور یا شمالی ہند کا کوئی مناسب مقام ہوگا۔ رہا دوسرا کام تو اس کے لیے آپ کے ادارہ کو مرکز بنانا چاہیے جہاں ایک نہایت گہری اور پائدار بنیاد پر تعمیری کام کرنے کے لیے اہل علم کی ایک جماعت تیار کی جائے گی۔ میں ان دونوں کاموں سے اپنا تعلق رکھوں گا اور کسی ایسی جگہ ہجرت کر جاؤں گا جہاں سے یہ دونوں تحریکیں باآسانی چلائی جا سکیں۔ طبیعت کا میلان لاہور کی طرف ہے کیونکہ زندگی وہیں پائی جاتی ہے۔ مگر مجھے ابھی تک کوئی اندازہ نہیں کہ وہاں مجھے کتنی Support حاصل ہو سکے گی۔ میں تمام پارٹیوں سے الگ تھلگ رہ کر کام کرنا چاہتا ہوں۔ پنجاب کی Party politics اس قدر خراب ہو چکی ہے کہ اس میں پڑ کر تو دین سوائے تخریب اور نزاع باہمی کے اور کسی مطلب کا نہیں ہو سکتا۔ اب میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا وہاں کسی ایسے شخص کو اجتماعی مدد حاصل ہونے کی امید ہے جو تمام فرقوں اور گروہوں سے

الگ رہ کر خالص اسلامی مقاصد کے لیے کام کرنا چاہتا ہے ۔ یہ بالکل ظاہر ہے کہ احباب کی
مدد کے بغیر ایک بالکل اجنبی شہر میں جا کر کام کرنا میرے لیے سخت مصیبتوں کا باعث
بن جائے گا ۔ یہاں سے منتقل ہوتے ہی میں مالی مشکلات میں گھر جاؤں گا، کیونکہ
ریاست سے ۲۷۵ پرچے جو خریدے جاتے ہیں وہ میرے ہٹتے ہی بند ہو جائیں گے۔
اس کے بعد میرے پاس صرف ۳۰۰ خریدار رہ جاتے ہیں جن سے پرچہ کو زندہ
رکھنا تقریباً محال ہے ۔ تاوقتیکہ پنجاب سے مجھ کو ۵۰۰ خریدار نہ مل جائیں
میں وہاں رہ کر اپنے کام کو جاری نہیں رکھ سکتا ۔ یہاں جو تجارتی کاروبار میں کرتا تھا اس کو
بھی مجھے بند کر دینا پڑے گا اور پنجاب میں دو دو تین تین آدمی کام کرنے کے ساتھ تجارت کو نباہنا قطعی ناممکن ہوگا ۔
یہی تمام باتیں ہیں جن کے متعلق رائے قائم کرنے کے لیے میں سفر کا
قصد رکھتا ہوں ۔ پہلے دہلی کے اجتماع میں یہ اندازہ کروں گا کہ جو حضرات
کام کا عزم ظاہر کر رہے ہیں وہ درحقیقت کہاں تک اس کام کی اہلیت
رکھتے ہیں ۔ اس کے بعد لاہور جا کر دیکھوں گا کہ آیا وہاں سازگار فضا بہم
پہنچ سکتی ہے یا نہیں ۔ ان دونوں مرحلوں سے فارغ ہو کر آپ کے ہاں حاضری دوں گا

خدا سے دعا فرمائیے کہ کامیابی کی توفیق بخشی جائے ۔ میں کوئی
قوت نہیں رکھتا ۔ تنہا اپنی طاقت سے ایک ایسی گری ہوئی قوم کو سنبھالنے
کا خیال کروں تو مجھ سے زیادہ بے عقل کوئی نہ ہوگا ۔ مجھے امید جو کچھ بھی ہے
صرف یہ ہے کہ اگر میں نے خلوص نیت اور بے غرضی اور للہیت کے
ساتھ اپنی قوم کی خدمت کی تو اللہ کی طاقت میرے ساتھ ہوگی اور اسی کی
طاقت اصلی طاقت ہے ۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ

حاجی محمد اسعد صاحب کو میری طرف سے سلام لکھ دیجیے اور
نئی دعوت کا شکریہ ادا کیجیے اور جو کچھ میں نے ادھر لکھا ہے
اسے خود ہی انہیں بھیج دیجیے ۔ علیحدہ خط لکھنا چاہتا تھا مگر
ان کا پتہ معلوم نہیں اس لیے یہ کام آپ پر چھوڑتا ہوں ۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

ہے یا نہیں۔ ان دونوں مرحلوں سے فارغ ہو کہ آپ کے ہاں حاضری دوں گا۔
خدا سے دُعا فرمایئے کہ کامیابی کی توفیق بخشی جائے۔ میں کوئی قوت نہیں رکھتا۔ تنہا اپنی طاقت سے ایک ایسی گری ہوئی قوم کو سنبھالنے کا خیال کرلوں تو مجھ سے زیادہ بے عقل کوئی نہ ہوگا۔ مجھے اُمید جو کچھ بھی ہے صرف یہ ہے کہ اگر میں نے خلوصِ نیت اور بے غرضی اور للّٰہیت کے ساتھ اپنی قوم کی خدمت کی تو اللہ کی طاقت میرے ساتھ ہوگی اور اسی کی طاقت اصلی طاقت ہے۔
لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔
الحاج محمد اسد صاحب کو میری طرف سے سلام لکھ دیجیے اور ان کی دعوت کا شکریہ ادا کیجیے اور جو کچھ میں نے اُوپر لکھا ہے، اس کا خلاصہ انہیں بھیج دیجیے۔ علیحدہ خط لکھنا چاہتا تھا مگر ان کا پتہ معلوم نہیں، اس لیے یہ کام آپ پر چھوڑتا ہوں۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۔ ترجمان القرآن کے خریداروں کا ذکر ہے ۔
۔ شیخ مصطفیٰ المراغی کے نام علامہ اقبال کے اس خط کا ذکر خط نمبر ۱۳ میں آچکا ہے ۔
۔ ایک یونانی دواخانے میں شراکت، دیکھیے: خط ۸، حاشیہ ۱

۱۶

[حیدر آباد، دکن]
[یکم ستمبر ۱۹۳۷ء]

محترمی و مکرمی، السلامُ علیکم و رحمۃ اللہ
آپ کے دو عنایت ناموں کا ایک ساتھ جواب دے رہا ہوں اور وہ بھی

Turjaman-Al-Quraan
Hyderabad (Dn.)

ترجمان القرآن
حیدرآباد دکن

مورخہ ____________

نشان ____________

مکرمی و محترمی   السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کے دو عنایت ناموں کا ایک ساتھ جواب دے رہا ہوں اور وہ بھی اس قدر دیر سے
وجہ تاخیر یہ ہے کہ ان دنوں میری صحت بھی خراب تھی اور اس پر کام کی کثرت بھی۔ رسالہ کا کام تو
اس پر مزید اضافہ یہ ہو گیا کہ خطوط کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے اور اکثر خطوط
ہوتے ہیں جن کا مجمل جواب نہیں دیا جا سکتا۔

میں ان شاء اللہ تین اکتوبر کو یہاں سے چلوں گا۔ پانچ اکتوبر کو دہلی میں مجلس
مشاورت ہے۔ غالباً چار پانچ روز وہاں ٹھیرنا ہوگا۔ اس کے بعد لاہور جاؤں گا اور تین چار روز
وہاں ٹھیروں گا۔ پھر دو روز کے لیے جالندھر جانا ضرور ہوگا۔ اگر آپ دہلی میں مجھ سے مل لیں تو
مجلس مشاورت میں بھی شریک ہو جائیں گے۔ پھر بقیہ سفر آپ ہی کے ساتھ ہوگا۔ اس دوران
میں تمام مسائل پر بالمشافہ تبادلہ خیال ہو سکے گا۔

بادشاہی مسجد کی امامت کے لیے غور کر رہا ہوں کہ کس شخص کو تجویز کیا جائے۔
میرا حلقۂ معلومات بہت ہی تنگ ہے۔ جن لوگوں سے میرے تعلقات ہیں ان میں کوئی
موزوں آدمی نظر نہیں آتا۔ اور جن لوگوں سے واسطہ ہے ان کے متعلق میں ایسی
رائے قائم نہیں کر سکتا کہ ایسی ذمہ داری کی جگہ کے لیے ان میں سے کسی کو تجویز کر دوں۔
جگہ کے لیے جامع الصفات آدمی کی ضرورت ہے۔ عالم بھی ہو، خوش الحان قاری بھی ہو،
اچھا خطیب بھی ہو، بلند خیال اور حکیم بھی ہو، متقی اور صالح بھی ہو، اور اس کے
دل میں اتنا درد بھی ہو کہ وہ اپنی پوزیشن سے صحیح کام لینے کے لیے خود بے چین رہے۔

میں اسی مقصد کی غرض سے ہر طرف نظر دوڑا رہا ہوں۔ مگر اس قوم کا [illegible]

دیکھ کر ایک شخص بھی نظر نہیں آتا۔ بہرحال میں کوشش کر رہا تھا کہ دسمبر سے

[redacted] سے پہلے کوئی مناسب شخص مل جائے۔ اس موقع پر [redacted]

کی کوشش مزید کرنی چاہیے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

☆ اگلے صفحات پر مولانا مودودی کے نام چودھری نیاز علی خان کے ایک خط کا عکس دیا جارہا ہے۔ جس میں ان کی جانب سے علامہ محمد اقبال کے ہاں منعقدہ ایک مجلس مشاورت کا ذکر ہے۔ نیاز علی صاحب نے بتایا ہے کہ اس سلسلے میں مزید پیش رفت مولانا مودودی کی آمد پر منحصر ہے۔

قلعہ جمال الدین - دستی [illegible]

8/8/37

مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب۔ السلام علیکم۔ 3 تاریخ کو حضرت علامہ سر محمد اقبال صاحب
کے مکان پر انکی صدارت میں یہاں کے ادارے کے متعلق مجلس مشاورت منعقد ہوئی۔ چوہدری
[illegible] سید محمد شاہ کا [illegible] اور احباب بھی [illegible]۔ تفصیل کاروائی سید محمد شاہ صاحب
آپ کو [illegible]۔ [illegible] اور حوصلہ افزا [illegible]۔ سید محمد شاہ
ندوی صاحب کو ادارہ کا [illegible] ہوگیا ہے۔ اور دراصل علامہ صاحب کی
تشریف آوری میرے لئے [illegible] ہے۔
جناب [illegible] مجلس مشاورت کے انعقاد کا [illegible]
[illegible] احباب [illegible] حضور [illegible]۔ [illegible]

علامہ سر محمد اقبال صاحب کی ذات سے بھی استفادہ ہو گیا۔ مسٹر [illegible] کے متعلق جناب [illegible]
کہ پنجاب [illegible] جناب کو بھی [illegible] مایوسی ہوگی۔ [illegible] کے صحیح اصول پر [illegible]
کام کرنا [illegible] ضرورت ہے۔ [illegible]
کرنا ضروری ہے۔ [illegible] جناب کے اور دیگر احباب کے قیام [illegible]
معذور تصور کریں۔

جناب نے ترجمان القرآن کے فوری مضامین کی بصورت اداریات [illegible] کی جو تجویز فرمائی
ہے۔ [illegible] ادارہ کا نام معلوم [illegible] ادارہ کے حقوق [illegible]
[illegible]
ادارہ کا نام بھی ابھی مجھے نہیں [illegible]۔ [illegible] ادارہ معارف قرآنیہ [illegible]
مجھے بھی یہ پسند ہے۔ [illegible]

خاکسار نیاز علی خاں

اِس قدر دیر سے۔ وجہ تاخیر یہ ہے کہ اِن دنوں میری صحت بھی خراب تھی اور اس پر کام کی کثرت بھی۔ رسالہ کا کام تو تھا ہی۔ اس پر مزید اضافہ یہ ہوگیا کہ خطوط کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے اور اکثر خطوط ایسے ہوتے ہیں جن کا مجمل جواب نہیں دیا جا سکتا۔

میں انشاءاللہ تین اکتوبر کو یہاں سے چلوں گا۔ پانچ اکتوبر کو دہلی میں مجلسِ مشاورت ہے۔ غالباً چار پانچ روز وہاں ٹھیرنا ہوگا۔ اس کے بعد لاہور جاؤں گا اور تین چار روز وہاں ٹھیروں گا۔ پھر دو روز کے لیے جمال پور حاضر ہوں گا۔ اگر آپ دہلی میں مجھ سے مِل لیں تو بہتر ہے۔ مجلسِ مشاورت میں بھی شریک ہو جائیے گا۔ پھر بقیہ سفر آپ ہی کے ساتھ ہوگا، اِس دوران میں تمام مسائل پر بالمشافہ تبادلۂ خیال ہو سکے گا۔

بادشاہی مسجد کی امامت کے لیے غور کر رہا ہوں کہ کس شخص کو تجویز کیا جائے میرا حلقۂ ملاقات بہت ہی تنگ ہے۔ جن لوگوں سے میرے تعلقات ہیں ان میں کوئی موزوں آدمی نظر نہیں آتا اور جن لوگوں سے مراسلت ہے ان کے متعلق میں ایسی تفصیلی رائے قائم نہیں کر سکتا کہ ایسی ذمہ داری کی جگہ کے لیے ان میں سے کسی کو تجویز کردوں۔ اِس جگہ کے لیے جامع الصفات آدمی کی ضرورت ہے عالم بھی ہو، خوش الحان قاری بھی ہو، اچھا خطیب بھی ہو، بلند خیال اور حکیم بھی ہو، متقی اور صالح بھی ہو اور اس کے ساتھ اس کے دِل میں اتنا درد بھی ہو کہ وہ اپنی پوزیشن سے صحیح کام لینے کے لیے خود بے چین رہے۔

میں اسی معیار کے لحاظ سے ہر طرف نظر دوڑا رہا ہوں۔ مگر اس قوم کا قحط الرجال دیکھیے کہ ایک شخص بھی نظر نہیں آتا۔ بہر حال میں کوشش کروں گا کہ ۱۵ ستمبر سے پہلے کوئی مناسب شخص مِل جائے۔ اِس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

١ ۔ سید نذیر نیازی کے نام مولانا مودودی کے ایک خط ۲۶ جولائی ۱۹۳۷ء (دیکھیے: خط ۳۳) سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کے ایما پر مولانا مودودی کو بادشاہی مسجد لاہور کی امامت کی پیش کش ہوئی تھی ، مگر مولانا نے اسے ملازمت کے طور پر قبول کرنے سے معذوری ظاہر کی ۔ چنانچہ انھیں کوئی متبادل نام تجویز کرنے کو کہا گیا تھا ۔

۱۷

[دارالاسلام]
۱۲ رجب ۵٦ھ
[۱۸ ر ستمبر ۱۹۳۷ء]

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا ۔ میرے دہلی حاضر ہونے کی تاریخ بدل گئی ہے ۔ جن حضرات کو دہلی میں مشورہ کے لیے بلایا تھا انھوں نے لکھا کہ ہمیں پانچ کے بجائے ۱۰ ر اکتوبر کو دہلی آنے میں آسانی ہوگی ، اس لیے اب میں ۱۰ ر اکتوبر ہی کی صبح کو دہلی پہنچوں گا ۔

اگر جناب کی رائے یہ ہے کہ دہلی سے پہلے جالپور جانا زیادہ بہتر ہے تو میں بھی اس میں خوش ہوں ، میرے لیے دونوں صورتیں یکساں ہیں ۔

آپ نے جن جن حضرات کے اسماء گرامی تحریر فرمائے ہیں ، میں ان سب سے ملنا چاہتا ہوں کہ قریشی صاحب کو تو میں نے خود بھی لکھ دیا ہے کہ اس زمانہ میں وہ لاہور تشریف لائیں ۔ ان کے علاوہ میں چاہتا ہوں کہ پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے چند ارکان کو ، جو مخلص ہوں اور فی الواقع مسلمانوں کی خدمت کرنا چاہتے ہوں ، جمع کر لیا جائے ۔ میں نے پراونشل آٹانومی سے کام لینے کے لیے ایک مسودۂ قانون کا خاکہ تیار کیا ہے ، حیدرآباد بھی چوں کہ فیڈریشن کا ایک صوبہ بننے کی تیاری کر رہا ہے اور یہاں کی حکومت نے اپنی

محترمی و مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا ۔ میرے دہلی حاضر ہونے کی تاریخ بدل گئی ہے ۔ جن حضرات کو دہلی میں
کے لیے بلایا تھا انہوں نے لکھا کہ ہمیں پانچ کی بجائے ۸ اکتوبر کو دہلی آنے میں آسانی ہوگی
اسلئے اب میں ۸ اکتوبر ہی کی صبح کو دہلی پہنچونگا ۔

اگر جناب کی رائے یہ ہو کہ دہلی سے پہلے جالندھر جانا زیادہ بہتر ہے تو میں بھی
اس میں خوش ہوں ۔ میرے لیے دونوں صورتیں یکساں ہیں ۔

آپ نے جن جن حضرات کے اسماء گرامی تحریر فرمائے ہیں میں ان سب سے ملنا چاہتا ہوں
قریشی صاحب کو تو میں نے خود بھی لکھ دیا ہے کہ اس زمانہ میں وہ ضرور تشریف لائیں ۔ ان کے
علاوہ میں چاہتا ہوں کہ پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے جن ارکان کو جو مخلص ہوں اور فی الواقع
مسلمانوں کی خدمت کرنا چاہتے ہوں، جمع کرلیا جائے ۔ میں نے پراونشل آٹانومی سے کام لینے
کے لیے ایک مسودۂ قانون کا خاکہ تیار کیا ہے ۔ حیدرآباد بھی چونکہ فیڈریشن کا ایک ممبر بننے
کی تیاری کر رہا ہے اور یہاں کی حکومت نے اپنی اسلامیت کے آخری نشانات کو بھی محو کردینے کا
قریب قریب فیصلہ کرلیا ہے، اسلئے میں نے یہاں کے سربرآوردہ مسلمانوں کو آمادہ کیا کہ
اب مسلمانوں کی فکر کریں اور حکومت سے مطالبہ کریں کہ مسلمانوں کے خرچ پر انکی معاشی
فلاح کے لیے ایک ادارہ (بطور ایک جزو حکومت کے) قائم کرنے کی اجازت دے ۔ اس
چیز کو بالکل قانونی اصول پر مرتب کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ حکومت اور ہندو پبلک
کے لیے کسی اعتراض کی گنجائش نہ رہے ۔ میں چاہتا ہوں کہ دوسرے صوبوں کے مسلمانوں
کو بھی ایسا ہی مطالبہ کرنے پر آمادہ کیا جائے، لیکن قبل از وقت اسے شائع کرنا

مناسب نہیں سمجھتا ۔ زیادہ بہتر صورت یہ ہے کہ صوبوں میں جو سربرآوردہ
مسلمان فی الحقیقت کوئی کام کرنا چاہتے ہیں ان سے شخصی طور پر گفتگو کی جائے اور
انہیں متحدہ کوشش پر آمادہ کیا جائے ۔ اس غرض کے لیے آپ مخلص
اور سنجیدہ آدمیوں کو جمع کرنے کی کوشش کیجیے ۔ ہنگامہ برپا کرنے والے
بیکار ہیں ۔ سنجیدہ قانون داں لوگوں کی ضرورت ہے ۔ میں نے جس مسودہ کا خاکہ
تیار کیا ہے اس پر پہلے علامہ اقبال سے گفتگو کی جائیگی اور پھر اسے دوسرے
لوگوں کے سامنے پیش کیا جائیگا ۔

میں پانچ روز دہلی ٹھہر جاتا ہوں اس لیے کہ میری بیوی وہاں ہیں اور
خرابی صحت میں مبتلا ہیں ۔ غالباً دہلی کے سفر میں بھی پانچ دن سے کم کافی
نہ ہونگے ۔ اس کے بعد جالندھر میں دو روز رہونگا اور پھر آپ کے ساتھ لاہور
چلا جاؤں گا ۔ اب آپ جب جاکر قیام لاہور کی تاریخیں معین کریں اور
انہی تاریخوں میں جن جن حضرات کو بلانا ہو بلالیں

خاکسار

ابوالاعلیٰ

اسلامیت کے آخری نشانات کو بھی محو کر دینے کا قریب قریب فیصلہ کر لیا ہے۔
اِس سِلسلے میں مَیں نے یہاں کے سربرآوردہ مُسلمانوں کو آمادہ کیا کہ اب مُسلمانوں کی فکر کریں اور حکومت سے مطالبہ کریں کہ مُسلمانوں کے خرچ پر ان کی معاشی فلاح کے لیے ایک ادارہ (بطورِ ایک جزوِ حکومت کے) قائم کرنے کی اجازت دے۔ اِس چیز کو بالکل قانونی اصُول پر مرتب کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ حکومت اور ہندو پبلک کے لیے کسی اعتراض کی گنجایش نہ رہے۔ میں چاہتا ہوں کہ دُوسرے صُوبوں کے مسلمانوں کو بھی ایسا ہی مطالبہ کرنے پر آمادہ کیا جائے لیکن قبل از وقت اسے شائع کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ زیادہ بہتر صُورت یہ ہے کہ صُوبوں میں جو سربرآوردہ مسلمان حقیقتاً کوئی کام کرنا چاہتے ہیں، ان سے شخصی طور پر گفتگو کی جائے اور انھیں متحدہ کوشش پر آمادہ کیا جائے۔ اس غرض کے لیے آپ مخلص اور سنجیدہ آدمیوں کو جمع کرنے کی کوشش کیجیے۔ ہنگامہ برپا کرنے والے بیکار ہیں۔ سنجیدہ قانونی دماغوں کی ضرورت ہے۔ میں نے جس مسودہ کا خاکہ تیار کیا ہے اس پر پہلے علامہ اقبال سے گفتگو کی جائے گی اور پھر اسے دُوسرے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

میں پانچ روز دہلی ٹھیرنا چاہتا ہوں، اِس لیے کہ میری بیوی وہاں ہیں اور خرابیِ صحت میں مُبتلا ہیں۔ غالباً دہلی کے مشوروں میں بھی پانچ دن سے کم کافی نہ ہوں گے۔ اس کے بعد جمال پور میں دو روز رہوں گا اور پھر آپ کے ساتھ لاہور جاؤں گا۔ اب آپ حساب لگا کر قیامِ لاہور کی تاریخیں معیّن کر لیں، اور انھی تاریخوں میں جن جن حضرات کو بلانا ہے بُلا لیں۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۱۔ نذیر احمد قریشی، دیکھیے: خط ۲۔
۲۔ اس مسودۂ قانون کے متن کا علم نہیں ہو سکا اور نہ اس پر عمل درآمد کے کوششوں ہی کا پتہ چل سکا۔

۱۸

[حیدر آباد۔ دکن]

۲۱ رجب ۵۶ھ

[۲۷ ستمبر ۱۹۳۷ء]

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ مؤرخہ ۲۳ر ؎ وصول ہوا۔ آپ کا بہت ہی شکر گزار ہوں کہ آپ نے معاملہ کے دُوسرے پہلو کی طرف مجھے توجہ دلائی۔ میں اپنی دُھن میں ایسا گم ہو گیا تھا کہ میرے ذہن میں یہ خیال ہی نہیں آیا کہ جو تجاویز میں نے مرتب کی ہیں ان کو وہاں کے لوگ کس نظر سے دیکھیں گے۔ اب آپ کسی کو بلانے یا جمع کرنے کی کوشش ہی نہ کیجیے۔ حیدرآباد میں اس اسکیم کو آگے بڑھانے کے لیے ایک باقاعدہ کمیٹی بن گئی ہے۔ مسودۂ قانون مرتب کر لیا گیا ہے اور حکومت کے سامنے اس کو ایک قومی مطالبہ کی حیثیت سے پیش کرنے کے لیے مناسب تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں۔ یہاں جب اس تحریک کا کوئی نتیجہ نکل آئے گا تب لوگوں کے سامنے عالم واقعہ میں ایک نمونہ موجود ہو گا۔ اور اس وقت لوگ زیادہ سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور کر سکیں گے۔ سرِدست یہی مناسب ہے کہ پنجاب میں اس کا کوئی تذکرہ نہ کیا جائے۔

اس کے ساتھ ہی اب چونکہ دُوسرا پہلو بھی میرے سامنے روشن ہو گیا ہے، اس لیے اِنشاءاللہ اب میں سخت احتیاط سے کام لُوں گا، تاکہ اہلِ پنجاب جو بے چارے دُودھ کے جلے ہُوتے ہیں اور چھاچھ کو بھی پھونک پھونک کر پینے پر مجبور ہیں، خواہ مخواہ میرے متعلق کسی شک میں نہ پڑ جائیں۔

آپ نے جو پروگرام تجویز فرمایا ہے اس کے مطابق عمل کرنا اب مشکل ہے میں جمادی الآخر اور رجب کے پرچے ایک ساتھ مِلا کر شائع کر رہا ہوں۔ یہ

باسمہ سبحانہ

ترجمان القرآن
حیدرآباد دکن

Tarjaman-Al-Quraan
Hyderabad (Dn.)

نشان ——————

مورخہ ۱۲ رجب ۵۶

محترمی و مکرمی   السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ مورخہ ۳۰ اکتوبر وصول ہوا ۔ آپ کا بہت ہی شکر گزار ہوں کہ آپ نے معاملہ کے دوسرے پہلو کی طرف مجھے توجہ دلائی ۔ میں اپنی دُھن میں ایسا گم ہو گیا تھا کہ میرے ذہن میں یہ خیال ہی نہیں آیا کہ جو تجاویز میں نے مرتب کی ہیں ان کو وہاں کے لوگ کس نظر سے دیکھیں گے ۔ اب آپ کسی کو بلانے یا جمع کرنے کی کوشش ہی نہ کیجیے ۔ حیدرآباد میں اس اسکیم کو آگے بڑھانے کے لیے ایک باقاعدہ کمیٹی بن گئی ہے ، مسودۂ قانون مرتب کر لیا گیا ہے ، اور حکومت کے سامنے اس کو ایک قومی مطالبہ کی حیثیت سے پیش کرنے کے لیے مناسب تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں ۔ یہاں جب اس تحریک کا کوئی نتیجہ نکل آئے گا ، تب لوگوں کے سامنے عالم واقعہ میں ایک نمونہ موجود ہوگا ، اور اس وقت لوگ زیادہ سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور کر سکیں گے ۔ سر دست یہی مناسب ہے کہ پنجاب میں اس کا کوئی تذکرہ نہ کیا جائے ۔

اس کے ساتھ ہی اب چونکہ دوسرا پہلو بھی میرے سامنے روشن ہو گیا ہے اس لیے ان شاء اللہ اب میں سخت احتیاط سے کام لوں گا تاکہ اہل پنجاب ـــ جو بیچارے دودھ کے جلے ہوئے ہیں اور چھاچھ کو بھی پھونک پھونک کر پینے پر مجبور رہتے ہیں ـــ خواہ مخواہ میرے متعلق کسی شک میں نہ پڑ جائیں ۔

آپ نے جو پروگرام تجویز فرمایا ہے اسکے مطابق عمل کرنا اب

مشکل ہے۔ میں جمادی الآخر اور رجب کا پرچہ ایک ساتھ ملا کر شائع کر رہا ہوں
یہ ڈبل نمبر شائد ۱۵ اکتوبر تک تیار ہوگا۔ چونکہ رجب سے پرچہ کی نئی
ششماہی شروع ہو رہی ہے اسلیے قریب قریب نصف خریداروں کو
وی پی اس مہینے میں روانہ کرنے ہیں۔ یہ کام میرے سامنے اگر نہ ہوا کرے تو
بہت بدنظمی واقع ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں چاہتا ہوں کہ
شعبان کا پرچہ بھی رمضان کا بڑا حصہ مرتب کر کے نکلوں تاکہ میری
طویل غیر حاضری کی وجہ سے پرچہ لیٹ نہ ہو جائے۔ ان وجوہ سے
میرے لیے ۸ اکتوبر سے پہلے حیدرآباد چھوڑنا مشکل ہے۔ اور
۱۰ اکتوبر کو میں [illegible] مجلس مشاورت کے شرکا کو دہلی آنے کی دعوت
دے چکا ہوں۔ لہذا اب تو مجبوراً اسی پروگرام پر عمل کرنا پڑے گا
جو میں نے پہلے آپ کو لکھا تھا۔ اگر آپ اپنی صاحبزادی کی تقریب
شادی کی وجہ سے ۱۰ کو دہلی نہ پہنچ سکیں تو ۱۰ اور ۱۵ کے
درمیان کسی تاریخ کو تشریف لے آئیے تو پھر میں آپ ہی کے ساتھ
جمال پور جاؤں گا اور وہیں قریشی صاحب وغیرہ حضرات کو بھی
بلا لیجیے گا۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

ڈبل نمبر شاید ۴ر اکتوبر تک تیار ہوگا۔ چونکہ رجب سے پرچہ کی نئی ششماہی شروع ہورہی ہے اِس لیے قریب قریب نصف خریداروں کے وی پی اس مہینہ میں روانہ کرنے ہیں۔ یہ کام میرے سامنے اگر نہ ہُوا تو بہت بدنظمی واقع ہوجائے گی۔ اس کے ساتھ ہی میں چاہتا ہوں کہ شعبان کے پرچے کا بھی ایک بڑا حصّہ مرتّب کرکے نکلوں تاکہ میری طویل غیر حاضری کی وجہ سے پرچہ لیٹ نہ ہوجائے۔[۲] ان وجوہ سے میرے لیے ۸ر اکتوبر سے پہلے حیدر آباد چھوڑنا مشکل ہے اور ۱۰ر اکتوبر کو میں مجلسِ مشاورت کے شرکا کو دہلی آنے کی دعوت دے چکا ہوں۔ لہٰذا اب تو مجبوراً اس پروگرام پر عمل کرنا پڑے گا جو میں نے پہلے آپ کو لکھا تھا۔ اگر آپ اپنی صاحبزادی کی تقریبِ شادی کی وجہ سے ۱۰ر کو دہلی نہ پہنچ سکیں تو ۱۰ر اور ۱۵ر کے درمیان کسی تاریخ کو تشریف لے آئیں۔ تو پھر میں آپ ہی کے ساتھ جمال پور جاؤں گا اور وہیں قرشی صاحب وغیرہ حضرات کو بھی بُلا لیجیے گا۔

خاکسار

ابُوالاعلیٰ

۱ ۔ نیاز علی خان کا متذکرہ خط ۲۳ ستمبر کا ہے، نہ کہ ۲۳ اکتوبر کا (اقبال، دارالاسلام اور مودودی ص ۱۷۲ ۔۔۔ ۱۷۳) ۔۔۔ مولانا مودودی سہواً ستمبر کے بجائے اکتوبر لکھ گئے ۔ تصدیق انہی خط کی تاریخِ تحریر، ۲۱ رجب ۱۳۵۶ھ [۲۷ ستمبر ۱۹۳۷ء] سے بھی ہو جاتی ہے ۔

۲ ۔ شعبان ، رجب ۱۳۵۶ھ کا "ترجمان القرآن" مالی مشکلات کے باعث تاخیر سے شائع ہوا ۔

۱۹

مولانا مودودی نے اکتوبر ۱۹۳۷ء میں حسبِ پروگرام شمالی ہند کا دورہ کیا اور دہلی ، جمال پور ، لاہور اور جالندھر گئے ۔ اسی سفر میں علامہ محمد اقبال سے بھی ملاقات ہوئی اور اس کے نتیجے میں انھوں نے دکن سے جمال پور منتقل ہونے کا حتمی فیصلہ کر لیا ۔۔۔ اس خط میں دکن سے ہجرت کی کسی قدر تفصیل بیان کی گئی ہے:

[حیدر آباد۔ دکن]
۲۹ شعبان ۵۶ھ
[۴۔ نومبر ۱۹۳۷ء]

مخترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

جالندھر سے دہلی واپس ہو کر پانچ روز ٹھیرا اور اس کے بعد حیدر آباد واپس آ گیا۔ آج یہاں سے آئے ہوئے دس دن ہو چکے ہیں۔ یہ تمام زمانہ کچھ اس قدر مصروفیت اور گہری فکر میں بسر ہوا کہ میں اپنے وعدے کے مطابق آپ کو خط نہ لکھ سکا۔ اس وقت بھی میرے پاس کام کا انبار لگا ہوا ہے مگر خیال آیا کہ آپ بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہے ہوں گے اس لیے سب کام چھوڑ کر یہ خط آپ کو لکھ رہا ہوں۔

وقف نامہ میں مقاصدِ وقف کے لیے صرف اتنا لکھنا کافی ہو گا:

۱۔ معارفِ قرآنی کو تمام ممکن ذرائع سے پھیلانا۔

۲۔ قرآنی ہدایت کے مطابق تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا۔

ان دو عنوانات کے تحت تمام وہ کام آ جاتے ہیں، جو ہم جمال پور میں کرنا چاہتے ہیں۔

برادرم سید محمد شاہ صاحب غالباً جمال پور منتقل ہو چکے ہوں گے۔ ان کے نام الگ خط لکھ رہا ہوں وہ ان کو دے دیجیے گا۔

میں نے یہاں پہنچتے ہی ہجرت کے انتظامات شروع کر دیے ہیں۔ جو جو چیزیں فروخت کرنی ہیں ان کے لیے لوگوں سے کہہ دیا ہے۔ دوا خانہ میں میرا جو حصہ ہے اسے بھی فروخت کر دینا چاہتا ہوں۔ اگرچہ حکیم محمد شعیب صاحب اپنے خلوص کی بنا پر کہہ رہے ہیں کہ میں بھی تمھارے ساتھ چلوں گا۔ لیکن سر دست ان کے لیے یہاں سے منتقل ہونے میں بہت مشکلات ہیں۔ اس لیے میں نے ان سے کہہ دیا

باسمہ سبحانہ

ترجمان القرآن
حیدرآباد دکن

Tarjaman-Al-Quraan
Hyderabad (Dn.)

مورخہ ۲۶ شعبان ۷۶

نشان ———

محترمی و مکرمی السلام علیکم و رحمۃ اللہ

جالندھر سے دہلی واپس ہو کر پانچ روز ٹھہرا اور اس کے بعد حیدرآباد واپس آگیا - آج یہاں پہنچے ہوئے دس دن ہو چکے ہیں - یہ تمام زمانہ کچھ اس قدر مصروفیت اور گہری فکر میں بسر ہوا کہ میں اپنے وعدے کے مطابق آپ کو خط نہ لکھ سکا - اس وقت بھی میرے پاس کام کا انبار لگا ہوا ہے، مگر خیال آیا کہ آپ بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہے ہوں گے، اسلیے سب کام چھوڑ کر یہ خط آپ کو لکھ رہا ہوں -

وقف نامہ میں مقاصد وقف کے لیے صرف اتنا لکھنا کافی ہوگا :

(۱) معارف قرآنی کو تمام ممکن ذرائع سے پھیلانا

(۲) قرآنی ہدایت کے مطابق تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا -

ان دو عنوانات کے تحت تمام وہ کام آجاتے ہیں جو ہم جمال پور میں کرنا چاہتے ہیں -

برادرم سعید محمد شاہ صاحب غالباً جمال پور منتقل ہو چکے ہوں گے - ان کے نام ایک خط لکھ رہا ہوں وہ ان کو دے دیجیے گا -

میں نے یہاں پہنچتے ہی ہجرت کے انتظامات شروع کر دیے ہیں - جو جو چیزیں فروخت کرنی ہیں ان کے لیے لوگوں سے کہہ دیا ہے - دواخانہ میں میرا جو حصہ تھا اسے بھی فروخت کر دینا چاہتا ہوں - اگرچہ حکیم محمد شعیب صاحب اپنے خلوص کی بنا پر کہہ رہے ہیں کہ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا، لیکن سردست ان کے لیے یہاں سے منتقل ہونے میں بہت مشکلات ہیں، اسلیے میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ دواخانہ بالکلیہ آپ اپنا کر لیں اور کچھ مدت تک یہیں اس کو چلاتے رہیں - بعد میں جب حالات بہتر ہو جائیں تو آپ میرے پاس آ سکتے ہیں -

آپ ابھی سے میرے لیے زمین کی فکر شروع کر دیجیے۔ میں چاہتا ہوں کہ زمین وقف سے بالکل متصل کم از کم تین چار ایکڑ زمین مجھے مل جائے۔ چونکہ خیال ہے کہ اب میرا آئندہ وطن ہوگا اسلیے میری خواہش ہے کہ اپنے اہل وعیال کے لیے کم از کم ایک مکان اور ایک چھوٹی سی زمین چھوڑ جاؤں تاکہ یہاں انکے لیے ایک ٹھکانا رہے جسے وہ اپنا کہہ سکیں۔ اگر نہر اور ادارے کے درمیان قطعہ مل سکا تو بہتر ہے، ورنہ ادارے سے بالکل متصل کوئی دوسری جگہ تجویز فرمائیے، خواہ وہ ریلوے لائن کے دوسری جانب ہی ہو۔ جو زمین آپ میرے لیے تجویز فرمائیں اسکی قیمت مجھے لکھ دیں اور اس کا نقشہ بھی بھیج دیں، تاکہ میں اپنی مرضی کے مطابق مکان کا نقشہ یہاں بنوا لوں اور پھر آپ کے مشورے سے یہ اندازہ کر سکوں گا کہ زمین کی قیمت، مکان کی لاگت، اور اس زمین کو استعمال کرنے کا خرچ، سب ملا کر جملہ کس قدر روپے کی ضرورت ہوگی۔

یہاں میں نے اپنے چند مخلص احباب سے خیال پور کی اسکیم کا ذکر کیا ان سب نے اسے بیحد پسند کیا بلکہ دو تین حضرات تو میرے ساتھ ہی ہجرت کرنے کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔ اسکے علاوہ متعدد آدمیوں نے بلا شرط ہمارے ادارے کی مالی مدد کرنے پر بھی آمادگی ظاہر کی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ہماری توقع سے بہت زیادہ مدد مل جائے۔ دل گواہی دے رہا ہے کہ خداوند تعالیٰ ضرور کچھ کام لینا چاہتا ہے، اسی لیے روز بروز امید افزا آثار نمایاں ہوتے جا رہے ہیں۔

ابھی دہلی سے خط آیا جس سے معلوم ہوا کہ شہید وہاں پہنچ گیا ہے۔ آپ کی عنایت و محبت کا میں بہت شکر گزار ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے خلوص اور جذبۂ صادق نے مجھے خرید لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عقد مواخاۃ کو نہ صرف میرے اور آپ کے درمیان بلکہ ہماری اولاد کے درمیان بھی قائم رکھے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

☆ چودھری نیاز علی خان کے مکتوب بنام مولانا مودودی کا عکس، جس میں علامہ محمد اقبال سے مجوزہ ملاقات اور مشورہ کا ذکر ہے۔

ہیں۔ اور آپ کی خیریت سے " " " آپ بھی ہیں۔ اس کا جواب مہربانی اس پر درگزر

میں تبدیلی نہ کریں۔ میں نے اپنی طرف کا خط جو کی تاریخ 25 اکتوبر بھیجا ہے۔ ارادہ

چونکہ آپ کی ترتیب اپنا تو یہی تھا کہ میں جا رہی تھا مگر اب یہ سفر جامعات منسوخ

کر دیا ہے۔ یہ خط جو اس کا جواب ہے۔ اب یہ بات یہ ہے کہ تاریخ لکھا ہے

قبل اس کے دعا کی خوشیت اور تحریک جاری ہے یا تھا۔ وہ اس کی اطلاع کر دیا جا

اور جواب اور عمل اس کا موقع پر تشریف لے جائیں انشاء اللہ آپ کو مطلع کر دیا جائے گا۔

براہ مہربانی بحوالہ تحریک دستخطوں پروگرام ہوا ہی مجھے بھی کا

پہنچ ادا سعید محمد صاحب کو تا ج بود۔ مجبور کیا ہے پر مطلع فرمائیں۔

تاکید۔ تاکہ رکھا جائے۔ والسلام

خیراندیش

نیاز علی خان

ہے کہ دواخانہ بالکلیہ آپ اپنا کرلیں، اور کچھ مدّت تک یہیں اس کو چلاتے رہیں، بعد میں جب حالات بہتر ہو جائیں تو آپ میرے پاس آسکتے ہیں۔

آپ ابھی سے میرے لیے زمین کی فکر شروع کر دیجیے۔ میں چاہتا ہوں کہ زمین وقف سے بالکل متصل کم از کم تین چار ایکڑ زمین مجھے مِل جائے۔ چونکہ جمال پور ہی اب میرا آئندہ وطن ہوگا اس لیے میری خواہش ہے کہ اپنے اہل و عیال کے لیے کم از کم ایک مکان اور ایک چھوٹی سی زمین چھوڑ جاؤں، تاکہ یہاں ان کے لیے ایک ٹھکانا رہے جسے وہ اپنا کہ سکیں۔ اگر نہر اور ادارے کے درمیان جگہ مِل سکے تو بہتر ہے، ورنہ ادارے سے بالکل متصل کوئی دوسری جگہ تجویز فرمائیے، خواہ وہ ریلوے لائن کے دُوسری جانب ہی ہو۔ جو زمین آپ میرے لیے تجویز فرمائیں، اس کی قیمت مجھے لکھ دیں اور اس کا نقشہ بھی بھیج دیں تاکہ میں اپنی مرضی کے مطابق مکان کا نقشہ یہاں بنوالوں اور پھر آپ کے مشورے سے یہ اندازہ کرسکوں کہ زمین کی قیمت، مکان کی لاگت اور اس زمین کو استعمال کرنے کا خرچ سب مِلا کر جملہ کس قدر روپے کی ضرورت ہوگی۔

یہاں میں نے اپنے جن مُخلص احباب سے جمال پور کی اسکیم کا ذکر کیا ان سب نے اسے بے حد پسند کیا بلکہ دو تین حضرات تو میرے ساتھ ہی ہجرت کرنے کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔ اس کے ساتھ متعدد آدمیوں نے بلا شرط ہمارے ادارے کی مالی مدد کرنے پر بھی آمادگی ظاہر کی ہے۔ بہت ممکن ہے، کہ ہماری توقع سے بہت زیادہ مدد مِل جائے۔ دِل گواہی دے رہا ہے، کہ خداوند تعالیٰ ضرور کچھ کام لینا چاہتا ہے اسی لیے روز بروز اُمید افزا آثار نمایاں ہوتے جا رہے ہیں

ابھی دہلی سے خط آیا جس سے معلوم ہُوا کہ شہد وہاں پہنچ گیا ہے۔ آپ کی عنایت و محبت کا میں بہت شکر گزار ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے خلوص اور جذبۂ صادق نے مجھے خرید لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عقدِ مواخاۃ کو نہ صرف میرے اور آپ کے درمیان بلکہ ہماری اولاد کے درمیان

بھی قائم رکھے گا۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۔ سید محمد شاہ صاحب، علامہ اقبال کے عقیدت مند تھے۔ انھوں نے تعلیماتِ اقبال کے فروغ کے لیے جولائی ۱۹۳۶ء میں ماہنامہ "پیغامِ حق" جاری کیا، اور ۱۹۳۹ء میں "اقبال اکیڈمی لاہور" قائم کی۔ "ادارہ دارالاسلام" کے تاسیسی رکن تھے۔ (مزید تفصیلات دیکھیے: خطوطِ مودودی، اوّل۔ خط ۱۵، حاشیہ ۳)

— ۰۶ —

[حیدر آباد۔ دکن]
۷ رمضان ۵۶ھ
[۱۱ نومبر ۱۹۳۷ء]

محترمی و مکرمی! السلامُ علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

عنایت نامہ مورخہ ۸ نومبر آج ہی ملا۔ پرسوں آپ کا وہ خط بھی مل چکا تھا **جو آپ** نے میرا خط پہنچنے سے پہلے لکھا تھا، مگر میں نے اس خیال سے جواب **نہیں دیا کہ میرے** خط کا جواب بھی آجائے تو اکٹھا جواب لکھوں گا۔

میرے متعلق تو اب آپ پورا اطمینان رکھیے کہ جو فیصلہ کر چکا ہوں خدا کے فضل پر بھروسہ ہے کہ اس کو یقیناً عمل میں لاؤں گا۔ دیر جو کچھ بھی ہے اپنے یہاں کے معاملات کو صاف کرنے کی ہے۔ جس وقت بھی میں اس میں کامیاب ہو گیا اسی وقت اُٹھ کر چلا آؤں گا۔ خدا کرے کہ آپ کے سفرِ حج سے پہلے ہی یہ کام ہو جائے۔ تاہم اگر اس وقت تک ممکن نہ ہوا تو آپ کی غیر موجودگی میں بھی میں وہاں جا کر رہ سکتا ہوں اور خدا کی ذات سے اُمید ہے کہ مجھے اس میں کوئی خاص زحمت

نہ ہوگی۔

اب آپ جن جن حضرات کو میرے فیصلہ سے مطلع فرمانا چاہیں، فرمادیں، اور رسالہ کی اشاعت کے لیے عملی جدّ و جہد شروع کر دیں۔ ہمارے لیے اپنی دعوت کو پھیلانے کا اس وقت یہی ایک ذریعہ ہے اور اس کو جتنی قوت دی جائے گی اتنا ہی مفید ہوگا۔

"دارالاسلام" ادارہ اور مقام دونوں کا نام ہوگا۔ یہ نام Muslim State کے معنی میں نہیں بلکہ Muslim Cultural home کے معنی میں ہے۔ خدا کرے کہ پہلے معنی کا مسمّٰی بھی ہو جائے۔ مگر سرِدست دُوسرے معنی ہی میں ہم اس کو "دارالاسلام" کہہ رہے ہیں اور اِس لحاظ سے اس کا اطلاق ادارہ پر بھی اسی طرح ہوتا ہے جس طرح مقامِ ادارہ پر۔ لیٹر ہیڈس جو چھپوائے جائیں ان کی پیشانی پر "ان الدین عند اللہ الاسلام" لکھوائیے۔ اس کے نیچے نستعلیق خط میں جلی حروف میں دارالاسلام لکھوائیے اور نیچے ذرا خفی مگر نمایاں ٹائپ میں اس نام کی انگریزی تشریح لکھوا دیجیے۔ محکمہ ڈاک سے یہ طے کر لیجیے کہ یہاں ایک سب پوسٹ آفس دارالاسلام ہی کے نام سے قائم کر دیا جائے۔ جب انھیں معلوم ہوگا کہ یہاں سے دو رسالے جاری ہوں گے اور بہت کافی کام مِل سکے گا تو انھیں "سب پوسٹ آفس" قائم کرنے میں تامّل نہ ہوگا۔ اِس صُورت میں لیٹر ہیڈس پر اُردو اور انگریزی حروف میں دونوں جانب صرف اتنا پتہ لکھنا کافی ہوگا ــــ "دارالاسلام ضلع گورداسپور۔"

جمادی الاولیٰ کا پرچہ آپ کو بھیج چکا ہوں۔ اب آپ محرّم، صفر، ربیع الاوّل اور ربیع الثانی کے پرچے مجھ کو رجسٹرڈ پارسل کے ذریعہ سے بھیج دیجیے۔ میں ان کی تصحیح کر کے اور عنوانات لکھ کر آپ کو واپس کر دوں گا، اور ساتھ ہی ہدایات لکھ دوں گا کہ کس ترتیب کے ساتھ ان کو لکھوایا جائے (میرے پاس ان چار دِن

مہینوں کے پرچے ختم ہو چکے ہیں، صرف آفس کاپیاں باقی ہیں؛ اِس لیے آپ کو مجبوراً پرچے بھیجنے کی تکلیف دے رہا ہوں[۱]۔

مکان کے متعلق مجھے جلدی نہیں ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ کے جانے سے پہلے زمین کا اِنتظام ہو جاتے۔ مکان کا ایک خاکہ میں یہاں اپنے ایک دوست سے بنواؤں گا جو تعمیر کا کام برسوں سے کرتے ہیں۔ اس کے بعد اپنی بیوی کے پاس بھیج کر ان کی مرضی بھی دریافت کر لوں گا، اور پھر ایک آخری نقشہ بنوا کر اپنے ساتھ لیتا آؤں گا۔ پھر آہستہ آہستہ تعمیر کا کام ہوتا رہے گا۔ سرِدست میں صرف یہ اندازہ کرنا چاہتا ہوں کہ ان سب کاموں کے لیے مجھے کس قدر روپیہ فراہم کرنے کی ضرورت ہو گی۔

جو اصحاب میرے ساتھ دارالاسلام میں رہنے کا خیال کر رہے ہیں ان میں سے ایک صاحب تو عالِم ہیں اور علومِ دینیہ پر اچھی نظر رکھتے ہیں۔ سرکاری ملازمت میں تھے، اب پنشن ہو چکی ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ اپنے اہل و عیال کو یہیں چھوڑ دیں اور پنشن کا ایک حصہ ان کے نفقہ کے لیے مختص کر دیں۔ بقیہ پنشن اپنے لیے مخصوص کر کے تنہا دارالاسلام میں چل کر رہیں۔ ان کے لیے صرف ایک کمرہ کافی ہو گا۔ تاہم میں اُن سے کہ دوں گا کہ آپ میرے وہاں جانے کے ایک دو مہینہ بعد تشریف لائیں۔ دُوسرے صاحب نواب نثار یار جنگ[۲] ہیں۔ یہ حیدر آباد اور اس کے مضافات کے تعلّق دار ہیں۔ تعلّق دار کا عہدہ یہاں ڈپٹی کمشنر کے موازی ہے۔ ان کا خیال بھی یہ ہے کہ پنشن لے کر اپنے اہل و عیال کو یہیں چھوڑ دیں اور خُود تنہا وہاں چل کر رہیں۔ مگر یہ جلدی نہیں ہو سکتا غالباً ۶ مہینہ یا اُس سے زیادہ مدّت میں اُن کا ارادہ پُورا ہو سکے گا۔ تیسرے صاحب علی گڑھ کے تعلیم یافتہ ہیں اور یہاں قانون پڑھ رہے ہیں۔ ذہین اور پُرجوش آدمی ہیں۔ اُن سے میں نے کہ دیا ہے کہ تعلیم مکمّل کریں، اس کے بعد ہاں

آسکتے ہیں۔ ان کے والد یہاں اکاؤنٹنٹ جنرل تھے۔ گھر کے کھاتے پیتے آدمی ہیں اور ادارہ میں اپنے خرچ پر رہیں گے۔

مینیجری کے لیے جن صاحب کا انتخاب آپ نے کیا ہے، جب وہ آپ کے نزدیک قابلِ اطمینان ہیں تو میرے نزدیک بھی ہیں۔ ان سے معاملہ طے کر لیجیے۔ ۲۵ روپے تنخواہ بالکل مناسب ہے، بلکہ اگر خدا نے پرچے کو ترقی دی تو میں انھیں اس سے زیادہ دوں گا۔ کاتب کا انتظام بھی اگر قابلِ اطمینان ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ نسخ و نستعلیق دونوں خط اچھے ہوں اور صحیح لکھنے والا آدمی ہو۔ اس کے ساتھ دیندار ہو کہ ادارہ میں اس کو رکھا جا سکے۔ میں چاہتا ہوں کہ ادارہ کے جتنے متعلقین ہوں، حتیٰ کہ ملازم اور خدمت گار تک دیندار ہوں اور ایک ہی رنگ میں رنگے ہوتے ہوں، غیر جنس کا آدمی اس ماحول میں کسی حیثیت سے بھی نہ رکھا جائے۔

یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ شیخ محمد نصیب[۳] صاحب سے آپ کے پہلے کے مراسم ہیں۔ خدا کی شان کہ آپ کے ذکر کرنے سے پہلے ہی وہ خود ادھر رجوع ہو گئے۔ یہ باتیں پتہ دیتی ہیں کہ ہندوستان میں جہاں جہاں بھی اسلامی دل رکھنے والے موجود ہیں، وہ رفتہ رفتہ اس مرکز کی طرف خود بخود رجوع کرتے جائیں گے۔ ان سے مل کر طے کر لیجیے کہ وہ ان مضامین کی اشاعت میں کتنی مدد کر سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور جو لوگ اس میں مدد کرنے والے مل سکیں انھیں بھی اشتراکِ عمل پر آمادہ کیجیے۔ "پیغامِ حق" کا وہ نمبر جس میں ان مضامین کا مجموعہ شائع ہو کم از کم دس ہزار تو چھپے۔ اب میں نے ایک دوسرا سلسلہ شروع کیا ہے جسے بالکل اتمامِ حجت کے طور پر لکھ رہا ہوں۔ یہ انشاءاللہ تین پرچوں میں مکمل ہو گا اور اس کو بھی کثیر تعداد میں شائع کرنے کی ضرورت ہو گی۔[۴]

میرے لیے آپ وہ مکان مخصوص کر دیجیے جو مسجد کے مشرقی جانب نئی

باسمہ سبحانہ

ترجمان القرآن
حیدرآباد دکن

Tarjaman-Al-Quraan
Hyderabad (Dn.)

مورخہ ۷ رمضان ۵۶ھ

نشان نمبر ۱۲

مکرمی و محترمی   السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

عنایت نامہ مورخہ ۱۹ نومبر آج ہی ملا۔ پرسوں آپ کا وہ خط بھی مل گیا تھا جو آپ نے میرا خط پہنچنے سے پہلے لکھا تھا۔ مگر میں نے اس خیال سے جواب نہیں دیا کہ میرے خط کا جواب بھی آجائے تو اکٹھا جواب لکھوں گا۔

میرے متعلق تو اب آپ اپنا اطمینان رکھیے کہ جو فیصلہ کر چکا ہوں خدا کے فضل پر بھروسہ ہے کہ اس کو یقیناً عمل میں لاؤں گا۔ دیر جو کچھ بھی ہے اپنے یہاں کے معاملات کو صاف کرنے کی ہے۔ جس وقت بھی میں اس میں کامیاب ہو گیا اسی وقت ان شاء اللہ چلا آؤں گا۔ خدا کرے کہ آپ کا سفر حج سے پہلے ہی یہ کام ہو جائے۔ تاہم اگر اس وقت تک ممکن نہ ہوا تو آپ کی غیر موجودگی میں بھی میں وہاں جا کر رہ سکتا ہوں اور خدا کی ذات سے امید ہے کہ مجھے اس میں کوئی خاص زحمت نہ ہوگی۔

اب آپ جن جن حضرات کو میرے فیصلہ سے مطلع فرمانا چاہیں فرما دیں۔ اور رسالہ کی اشاعت کے لیے عملی جد و جہد شروع کر دیں۔ ہمارے لیے اپنی دعوت کو پھیلانے کا اس وقت یہی ایک ذریعہ ہے اور اسکو جتنی ترقی دی جائیگی اتنا ہی مفید ہوگا۔

"دار الاسلام" ادارہ اور مقام دونوں کا نام ہوگا۔ یہ نام Muslim state کے معنی میں نہیں بلکہ Muslim cultural home کے معنی میں ہے۔ خدا کرے کہ پہلے معنی کا مستحق بھی ہو جائے۔ مگر سردست دوسرے معنی ہی میں ہم اسکو "دار الاسلام" کہہ رہے ہیں اور اسی لحاظ سے اس کا اطلاق ادارہ پر بھی اسی طرح ہوتا ہے جسطرح مقام اور ادارہ پر۔

سٹیشنری جو چھپوائے جائیں ان کی پیشانی پر ان الدین عند اللہ الاسلام لکھوائیے، اس کے نیچے نستعلیق خط میں جلی حروف میں دار الاسلام لکھوائیے اور نیچے ذرا خفی مگر نمایاں ٹائپ میں اس نام کی انگریزی تشریح لکھوا دیجیے۔ ~~[illegible]~~ مکرم دا

سے یہ طے کر لیجیے کہ یہاں ایک سب پوسٹ آفس دار السلام ہی کے نام سے قائم کر دیا جائے

جب انہیں معلوم ہوگا کہ یہاں سے دو رسالے جاری ہو رہے ہیں اور بہت ڈاک آ سکتی ہے تو انہیں سب
پوسٹ آفس قائم کرنے میں تامل نہ ہوگا ۔ اس صورت میں لیٹر ہیڈ پیپر اردو اور
انگریزی حروف میں دونوں جانب صرف اتنا پتہ لکھنا کافی ہوگا : " دار السلام ضلع
گورداسپور " ۔

جمادی الاولیٰ کا پرچہ آپ کو بھیج چکا ہوں ۔ ابھی آپ محرم، صفر، ربیع الاول
اور ربیع الثانی کے پرچے کہہ کر رجسٹرڈ پارسل کے ذریعہ سے بھیج دیجیے ۔ میں ان کی تقسیم کر کے اوپر
عنوانات لکھ کر آپ کو واپس کر دوں گا اور ساتھ ہی ہدایات لکھ دوں گا کہ کس ترتیب
کے ساتھ ان کو لکھوایا جائے ۔ میرے پاس ان چاروں مہینوں کے پرچے ختم ہو چکے ہیں
صرف آفس کا یہاں باقی ہیں ۔ اسلیے آپ کو مجبوراً پرچے بھیجنے کی تکلیف دے رہا ہوں ۔
مکان کے متعلق کچھ جلدی نہیں ہے ۔ گرمیں چاہتا ہوں کہ آپ کے جانے سے پہلے زمین
کا انتظام ہو جائے ۔ مکان کا ایک خاکہ میں یہاں اپنے ایک دوست سے بنواؤں گا جو تعمیر
کا کام برسوں سے کرتے ہیں ۔ اسکے بعد اپنی بیوی کے پاس بھیج کر انکی مرضی بھی دریافت کروں گا
اور پھر ایک آخری نقشہ بنوا کر اپنے ساتھ لیتا آؤں گا ۔ پھر آہستہ آہستہ تعمیر کا کام ہوتا
رہے گا ۔ سر دست میں صرف یہ اندازہ کرنا چاہتا ہوں کہ ان سب کاموں کے لیے کچھ کس
قدر روپیہ فراہم کرنے کی ضرورت ہوگی ۔

جو احباب میرے ساتھ دار السلام میں رہنے کا خیال کر رہے ہیں ان میں سے
ایک صاحب تو عالم ہیں اور علوم دینیہ پر اچھی نظر رکھتے ہیں ۔ سرکاری ملازمت
میں تھے ۔ اب پنشن ہو چکی ہے ۔ ان کا خیال یہ ہے کہ اپنے اہل و عیال کو یہیں چھوڑ دیں اور
پنشن کا ایک حصہ انکے نفقہ کے لیے مختص کر دیں ۔ بقیہ پنشن اپنے لیے مخصوص کر کے تنہا
دار السلام میں چلے آئیں ۔ انکے لیے صرف ایک کمرہ کافی ہوگا ۔ تاہم میں ان سے

Tarjaman-Al-Quraan
Hyderabad (Dn.)

ترجمان القرآن
حیدرآباد دکن

نشان ــــــ   مورخہ ــــــ

[illegible] کہ آپ میرے وہاں جانے کا ایک دو مہینہ بعد تشریف لائیں گے۔ دوسرے صاحب نواب نثار یار جنگ ہیں۔ یہ حیدرآباد اور اس کے مضافات کے تعلقہ دار ہیں، تعلقہ دار کا عہدہ یہاں ڈپٹی کمشنر کے متوازی ہے۔ ان کا خیال بھی یہ ہے کہ پنشن لیکر اپنے اہل و عیال کو یہیں چھوڑ دیں اور خود تنہا وہاں جاکر رہیں۔ مگر یہ جلدی نہیں ہو سکتا۔ غالباً ۶ مہینہ یا اس سے زیادہ مدت میں ان کا ارادہ پورا ہو سکے گا۔ تیسرے صاحب علیگڈھ کے تعلیم یافتہ ہیں اور یہاں قانون پڑھ رہے ہیں۔ ذہین اور پرجوش آدمی ہیں۔ ان سے میں نے کہہ دیا ہے کہ تعلیم مکمل کریں۔ اسکے بعد وہاں آ سکتے ہیں۔ ان کے والد یہاں اکاؤنٹنٹ جنرل تھے۔ کھاتے پیتے آدمی ہیں اور ادارہ میں اپنے خرچ پر رہیں گے۔

مینیجری کے لیے جن صاحب کا انتخاب آپ نے کیا ہے، جب وہ آپ کے نزدیک قابل اطمینان ہیں تو میرے نزدیک بھی ہیں۔ ان سے معاملہ طے کر لیجیے۔ ۲۵ روپے تنخواہ بالکل مناسب ہے۔ بلکہ اگر خدا نے ہم کو ترقی دی تو میں انہیں اس سے زیادہ دونگا۔ کاتب کا انتظام بھی اگر قابل اطمینان ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ نسخ و نستعلیق دونوں خط اچھے ہوں اور صحیح لکھنے والا آدمی ہو۔ اسکے ساتھ دیندار ہو کہ ادارہ میں اس کو رکھا جا سکے۔ میں چاہتا ہوں کہ ادارہ کے جتنے متعلقین ہوں، حتی کہ ملازم اور خدمتگار تک دیندار ہوں اور ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہوں۔ غیر جنس کا آدمی اس ماحول میں کسی حیثیت سے بھی نہ رکھا جائے۔

یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ شیخ محمد [illegible] صاحب سے آپکا پہلے کا مراسم ہیں۔ خدا کی شان کہ آپ کے ذکر کرنے سے پہلے ہی وہ خود ادھر رجوع ہو گئے۔ یہ باتیں بشارت دیتی ہیں کہ ہندوستان میں جہاں جہاں بھی اسلامی دل رکھنے والے موجود ہیں، وہ رفتہ رفتہ اس مرکز کی طرف خود بخود رجوع کرتے جائیں گے۔ ان سے ضرور طے کر لیجیے کہ وہ ان مضامین کی اشاعت میں کتنی مدد کر سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور جو لوگ اس میں مدد کرنے والے

لوگ بھی اپنی اپنی اشتراک عمل پر آمادہ کیجیے - بینام حق کا دوسرا نمبر جس میں ان مضامین کا مجموعہ شائع ہو کم از کم دس ہزار تو چھپے - اب میں نے ایک دوسرا سلسلہ شروع کیا ہے جسے بالکل اتمام حجت کے طور پر لکھ رہا ہوں - یہ ان ۱۱ اسلامی پرچوں میں مکمل ہوگا لہٰذا اس کو کثیر تعداد میں شائع کرنے کی ضرورت ہوگی -

میرے لیے آپ وہ مکان مخصوص کر دیجیے جو مسجد کے مشرقی جانب زرعی زمین کے کنارے پر ہے - دو غسل خانے آپ شاہ صاحب کو دے سکتے ہیں - سردست میں تنہا آؤں گا - میری بیوی غالباً دو تین مہینے بعد آئیں گی کیونکہ ان کے یہاں زچگی ہونے والی ہے - اس کے بعد دو مہینے یا اس سے زیادہ مدت ان کو دہلی میں ٹھہرنا پڑے گا - اس وقت تک آہستہ آہستہ ضروریات خانہ داری فراہم کرلی جائیں گی - میرے ساتھ میرا ایک ملازم آئے گا جو ہمیشہ میرے پاس رہتا ہے - بال بچوں والا آدمی ہے اور اس کے لیے وہ کوٹھری کافی ہوگی جو آپ نے اصطبل کے برابر بنوائی ہے - فی الحال میرے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہوگی وہ میں آپ کو بعد میں لکھ دوں گا -

پرویز صاحب ہمارے ادارے کی نسبت
پرجوش خیال ہیں - آج ہی ان کا خط
آیا ہے اس میں لکھتے ہیں کہ "جمال پور کی
اسکیم کے سلسلہ میں جو قدم آپ اٹھائیں اس سے
مجھے مطلع کرتے رہیے - اب تو تمام توجہات
سمٹ سمٹا کر اسی نقطہ پر مرکوز ہو گئی ہیں"

والسلام
خاکسار
ابوالاعلیٰ

اس سے آپ اندازہ کر لیجیے کہ ان کے کیا خیالات ہیں - دہلی میں جو گفتگو ہوئی تھی اس میں انہوں نے کہا تھا کہ میں روز بروز یہ محسوس کر رہا ہوں کہ سیکرٹریٹ کی ملازمت مجھ سے نہ نبھ سکے گی - اب تک کوئی ٹھکانہ نظر نہ آتا تھا اس وجہ سے یہ احساس دبا ہوا تھا - لیکن اب تم نے جمال پور کا ذکر کر کے اس دبی ہوئی چنگاری کو بھڑکا دیا - تم آکر بیٹھ جاؤ اور کام شروع کر دو - جب اس کام کو فروغ ہونے لگے گا تو یک لخت تم مجھے جمال پور میں پاؤ گے -

زمین کے کنارے پر ہے۔ دُوسرا مکان آپ شاہ صاحب کو دے سکتے ہیں۔ سرِ دست میں تنہا آؤں گا۔ میری بیوی غالباً دو تین مہینہ بعد آئیں گی۔ کیونکہ ذی الحجہ میں زچگی ہونے والی ہے، اس کے بعد دو مہینہ یا اس سے زیادہ مدت ان کو دہلی میں ٹھیرنا پڑے گا۔ اس وقت تک آہستہ آہستہ ضروریاتِ خانہ داری فراہم کر لی جائیں گی۔

میرے ساتھ میرا ایک ملازم آئے گا جو وہیں میرے پاس رہنا چاہتا ہے۔ بال بچوں والا آدمی ہے اور اس کے لیے وہ کوٹھڑی کافی ہوگی جو آپ نے اصطبل کے برابر بنوائی ہے۔ فی الحال میرے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہوگی وہ میں آپ کو بعد میں لکھ دوں گا۔ والسلام!

خاکسار

ابوالاعلیٰ

[مکرر]

پرویز صاحب ہمارے[1] دارے کے بہت پُرجوش حامی ہیں آج ہی اُن کا جو خط آیا، اُس میں لکھتے ہیں کہ "جمال پور کی اسکیم کے سلسلہ میں جو قدم آپ اُٹھائیں، اُس سے مجھے مطلع کرتے رہیے۔ اب تو تمام توجہات سمٹ سمٹا کر اسی نقطہ پر مرکوز ہو گئی ہیں"۔ اس سے آپ اندازہ کر لیجیے کہ اُن کے کیا خیالات ہیں۔ دہلی میں جو گفتگو ہوئی تھی اس میں انھوں نے کہا تھا کہ میں روز بروز یہ محسوس کرتا جا رہا ہوں کہ سکرٹریٹ کی ملازمت مجھ سے نہ نبھ سکے گی۔ اب تک کوئی ٹھکانہ نظر نہ آتا تھا اس وجہ سے یہ احساس دبا ہوا تھا۔ لیکن اب تم نے جمال پور کا ذکر کر کے اس دبی ہوئی چنگاری کو بھڑکا دیا۔ تم آ کر بیٹھ جاؤ اور کام شروع کر دو۔ جب اس کام کو فروغ ہونے لگے گا تو ایک روز تم مجھے جمال پور میں پاؤ گے۔

۱ ۔ ان چاروں شماروں کے مقالات "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصہ اوّل کے زیرِ عنوان شائع کرنے کی تجویز تھی ۔ چناں چہ یہ فروری ۱۹۳۸ء میں پہلی مرتبہ کتابی شکل میں شائع ہوئے ۔ اب یہ مقالات "تحریکِ آزادیِ ہند اور مسلمان" جلد اوّل (ص ۳۹ تا ۸۵) میں شامل ہیں ۔

۲ ۔ نثار یار جنگ نثار احمد مزاج (ف: ۱۹۵۱ء کراچی ، وطن: علی گڑھ) جوانی میں تلاشِ معاش کے سلسلے میں بمبئی گئے ، وہاں سے حیدر آباد دکن پہنچے ۔ اپنی محنت اور قابلیت کی بنا پر 'دولتِ آصفیہ' میں اہم عہدوں پر فائز رہے ۔ بقول ماہر القادری: "خوددار ، غیرت مند اور بلند حوصلہ انسان تھے ۔ سقوطِ حیدر آباد کے بعد کراچی آ گئے ، مولانا مودودی سے دلی تعلق اور گہرا ربط تھا ، اور ان کے بڑے مدّاح تھے"۔ (یادِ رفتگاں: دوم ۔ ص ۲۹۹)

۳ ۔ شیخ محمد نصیب بیرسٹر ، گورداس پور کے معروف وکیل تھے ۔ جسٹس (ریٹائرڈ) ملک غلام علی نے بتایا: شیخ صاحب کا مولانا مودودی سے تعارف چودھری نیاز علی خاں کے ذریعے ہوا ۔ وہ خان صاحب کے نہایت گہرے دوست ، قابلِ اعتماد ساتھی اور آل انڈیا مسلم لیگ کے رکن تھے ۔ شیخ نصیب مرحوم بڑے نیک ، دین دار ، صاحبِ علم اور باوقار شخصیت کے حامل انسان تھے ۔ دار الاسلام ٹرسٹ میں وہ نیاز علی صاحب کی طرف سے بڑے اہم فرد تھے ۔ اسی تعلق سے وہ 'دار الاسلام' آیا کرتے تھے ۔ مولانا مودودی سے بڑی محبت اور احترام سے پیش آیا کرتے تھے ۔ انھیں مسلم لیگ میں دینی شعائر کے عدمِ احترام کا شدید قلق تھا ، اور اس حوالے سے وہ مولانا کو تفصیلات بھی بتایا کرتے ، اور اپنی شکایات بھی سنایا کرتے تھے ۔ یہی صورتِ حال نیاز علی خان صاحب کی بھی تھی ۔

۴ ۔ یہ وہی مضمون ہیں ، جن کا ذکر اوپر حاشیہ ۱ میں آ چکا ہے ۔ انھیں "ترجمان القرآن" کی خصوصی اشاعت ذیقعد ۱۳۵۶ھ میں شائع کیا گیا ، بعد ازاں "پیغامِ حق" پٹھان کوٹ کے خصوصی شمارے فروری ۱۹۳۸ء میں بھی شائع ہوئے ۔

۵ ۔ یہ مضامین ابتداءً "ترجمان القرآن" کے مختلف شماروں میں شائع ہوئے ، انھیں دسمبر ۱۹۳۸ء میں "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصہ دوم کے نام سے کتابی صورت میں یک جا کیا گیا ۔ اب یہ "تحریکِ آزادیِ ہند اور مسلمان" حصہ اوّل میں شامل ہیں ۔

۶ ۔ یہ ذکر ہے چودھری غلام احمد پرویز (۱۹۰۳ء —— فروری ۱۹۸۵ء لاہور) کا ، انھوں نے بی اے کرنے کے بعد امپیریل سیکرٹریٹ میں ملازمت اختیار کی اور اسسٹنٹ سیکرٹری کے عہدے تک ترقی کی ۔ دورانِ ملازمت سیّد نذیر نیازی سے رسالہ "طلوعِ اسلام" خرید کر اس کی ادارت سنبھالی ۔ ۱۹۳۷ء میں انگریزی نوکری جاری رکھنا انھیں مشکل نظر آ رہا تھا ، مگر پھر ان کے خیالات میں کچھ ایسا تغیّر واقع ہوا کہ ان کے لیے اس نوکری میں کوئی قباحت باقی نہ رہی ۔ ۱۹۵۵ء میں ملازمت سے سبک دوشی کے بعد ، وہ اپنے "ادارہ طلوعِ اسلام" کی تنظیم کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو گئے ۔ گو کہ مخصوص عقائد خصوصاً انکارِ حدیث کی بنا پر تمام مکاتبِ فکر کے علماء نے انھیں دائرۂ اسلام سے خارج قرار دے دیا ، تاہم وہ اپنی مخصوص "قرآنی فکر"

سے وابستگان کا ایک حلقہ بنانے میں کامیاب ہو گئے ۔ پاکستان کے ایک گورنر جنرل (ملک غلام محمد) اور ایک صدر (جنرل محمد ایوب خان) ان کے مدّاحوں میں سے تھے ۔ اہم تصانیف: * معارف القرآن * مفہوم القرآن * لغات القرآن * فردوسِ گم گشتہ * نظامِ ربوبیّت * شاہکارِ رسالت * سلیم کے نام * طاہرہ کے نام ، وغیرہ ـــــ یہاں پرویز صاحب کے بارے میں مولانا مودودی کے ایک خط سے ایک اقتباس درج کرنا بے محل نہ ہو گا ۔ وہ پروفیسر اشرف بخاری کے نام لکھتے ہیں: "غلام احمد پرویز صاحب سے حیدر آباد (دکن) کے زمانۂ قیام میں میری مراسلت بھی رہی ، اور ان کے مضامین بھی "ترجمان القرآن" میں شائع ہوتے رہے ۔ بعد میں دہلی میں دو چار مرتبہ ان سے ملاقاتیں بھی ہوئیں ۔ اس وقت تک ان کے خیالات وہ نہ تھے ، جو بعد میں شدت کے ساتھ ظاہر ہوئے ۔ اس زمانے میں مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کے رسالہ "معارف" میں بھی ان کے مضامین شائع ہوتے رہے ۔ بعد میں جب ان کی گمراہی کھل کر سامنے آئی تو تعلقات ختم ہو گئے" (مکتوباتِ مودودی ، ص ۹۸) مزید دیکھیے: مکاتیب مودودی ، اوّل ۔ خط ۴۶ ، ص ۷۱ ـــ مکاتیب مودودی ، دوم ۔ خط ۲۲۹ ، ص ۳۲۱

۲۱

[حیدر آباد. دکن]
۲۵ رمضان ۵۶ ھ
۲۹ نومبر ۱۹۳۷ء]

اخی الکریم، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ مؤرخہ ۲۳ نومبر وصول ہوا ۔ محمد حسین[1] صاحب سے آپ نے جو کچھ طے کر لیا ہے بالکل مناسب ہے ۔ ان کو لکھ دیجیے کہ یکم جنوری سے جمالپور آ جائیں ۔ بعد میں ان کو لکھتا رہوں گا کہ انھیں کیا کیا کام انجام دینے چاہئیں تاکہ میرے وہاں منتقل ہونے سے پہلے ہی ابتدائی امور انجام پا جائیں ۔

ڈیکلریشن کی درخواست کے لیے جہاں تک مجھے یاد ہے ایک مطبوعہ فارم ہوتا ہے ۔ براہِ کرم ڈپٹی کمشنر گورداس پور کے دفتر سے وہ فارم منگا کر

بھجوا دیجیے۔ نیز یہ بھی دریافت کر لیجیے کہ امرتسر میں پرچہ طبع ہونے کی صورت میں کیا پرنٹر کی حیثیت سے الگ ایک ڈیکلریشن امرتسر میں داخل کیا جائے گا؟

شوال کے پرچہ میں اعلان کر رہا ہوں کہ پرچہ حیدر آباد سے جمال پور منتقل ہو رہا ہے۔ اب آپ مجھے اطلاع دیں کہ آیا دارالاسلام ضلع گورداسپور پتہ لکھا جائے یا جمال پور، براہ پٹھان کوٹ۔

سید محمد شاہ صاحب نے کاتب کا ابھی تک کوئی انتظام نہیں فرمایا۔ ان کو ذرا جلدی کرنی چاہیے نستعلیق اور نسخ دونوں عمدہ لکھنے والے کاتب کم ملتے ہیں اور انتخاب میں کافی دیر لگے گی۔ نیز یہ خیال رہے کہ ایک کاتب اور ہونا چاہیے جو "پیغامِ حق" کی کتابت کرے اور وہ بھی جمال پور ہی میں رہے تو بہتر ہے۔ ان دونوں کاتبوں کے پاس جو زائد وقت بچے گا اس میں ہم ان رسالوں اور کتابوں کی کتابت کراتے رہیں گے، جنھیں شائع کرنے کا ترجمان القرآن میں اعلان کیا جاچکا ہے۔

آپ نے بہت ہی اچھا کیا کہ ان مضامین کو میرے پاس نظرِ ثانی کے لیے بھیج دیا۔ ہمارے بھائی سید محمد شاہ صاحب نے ابھی تک اس پالیسی کو نہیں سمجھا ہے جس پر میں چل رہا ہوں۔ اِس لیے انھوں نے متعدد مقامات پر ایسے عنوانات لگا دیے تھے جن سے مضامین کا trends of thought ہی بدلا جا رہا تھا۔ میں اس مسئلہ کو ہندو مُسلم مسئلہ کی حیثیت سے پیش نہیں کرنا چاہتا۔ اور نہ اس خیال کا شائبہ آنے دینا چاہتا ہوں کہ ہماری کوئی لڑائی ہندوؤں سے بحیثیت قوم یا کسی دُوسری جماعت سے من حیث القوم ہے۔ برعکس اس کے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس وقت دو قوتیں برسرِ پیکار ہوگئی ہیں۔ ایک طرف نیشنلزم کی تحریک ہے جس کی بنیاد مغربی تہذیب اور تخیلات پر ہے۔ اور دُوسری جانب اسلام ہے جو خُود اپنی ایک تہذیب رکھتا ہے۔ لہٰذا یہاں فرقہ وارانہ سوال کا کوئی دخل ہی نہیں

ہے۔ یہ زندگی کے دو مختلف اصولوں کی جنگ ہے اگر تم انگریزوں سے نمٹنا چاہتے ہو تو ایسی پالیسی اختیار کرو کہ ان اصولوں میں تصادم نہ ہونے پائے اور اگر تم اس تصادم سے باز نہیں آتے تو انگریز سے لڑائی بعد میں ہوگی، پہلے اس میدان میں ہمارا اور تمہارا مقابلہ ہو جائے گا۔ اس صورت میں تمہیں ہم پر یہ الزام رکھنے کا کوئی حق نہیں کہ ہم اپنے اِس طرزِ عمل سے انگریزوں کے لیے مددگار بنے جا رہے ہیں۔ اِس لیے کہ بالکل اسی طرح ہم بھی تم پر یہی الزام رکھ سکتے ہیں، بلکہ ہمیں تم کو ملزم قرار دینے کا زیادہ حق ہے، کیوں کہ جارحانہ پالیسی تمہاری ہے نہ کہ ہماری ——— میں ان مضامین پر جو مقدمہ لکھ رہا ہوں، اس میں اسی پالیسی کی توضیح کر رہا ہوں۔ اس کے علاوہ اور چند چیزیں ہیں جو مجھے اپنے مقدمہ میں بڑھانی ہیں تاکہ یہ سلسلہ ہر معقول آدمی کے لیے نہایت convincing ہو جائے۔ اصل مضامین کی اصلاح و ترمیم تو مکمل ہو چکی ہے اب صرف مقدمہ میں دیر لگ رہی ہے ——— ان شاءاللہ عید سے پہلے ہی مکمل کر دوں گا۔ سیّد محمد شاہ صاحب سے کہہ دیجیے گا کہ کاپیاں اور پروف بہت احتیاط کے ساتھ دیکھیں۔

پوسٹ ماسٹر جنرل پنجاب کے دفتر سے رجسٹر نمبر لینے کی کارروائی بھی کرنی ہے۔ یہ دریافت فرمالیجیے کہ ایک پوسٹل سرکل سے دوسرے پوسٹل سرکل کی طرف منتقل ہوتے وقت کیا پہلے سرکل کے پی ایم جی کی عطا کردہ سندِ رعایت کافی نہیں سمجھی جائے گی؟ اور بالفرض اگر وہ کافی نہیں ہے تو کیا ہم ابھی سے حیدر آباد کا طبع شدہ پرچہ مع پچاس خریداروں کی فہرست کے بھیج سکتے ہیں یا ہماری درخواست صرف اسی وقت قبول کی جا سکتی ہے جب کہ پرچہ پنجاب میں طبع ہو جائے؟

اس مرتبہ رمضان میں اتنی غیر معمولی محنت کرنی پڑی ہے کہ بالکل خستہ ہو گیا ہوں اور اب مزید ایک سخت مرحلہ سامنے ہے۔ اب مجھے محسوس ہوتا

باسمہ سبحانہ

ترجمان القرآن
حیدرآباد دکن

Turjaman-Al-Quraan
Hyderabad (Dn.)

مورخہ ۵ رمضان ۵۶ھ

نشان نمبر ۱۵

اخی الکریم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ مورخہ ۲۳ نومبر وصول ہوا ۔ محمد حسین صاحب سے آپ نے جو کچھ طے کر لیا ہے بالکل مناسب ہے ۔ ان کو محمود دیجیے کہ یکم جنوری سے جمال پور آ جائیں ۔ بعد میں ان کو لکھتا رہوں گا مگر ابھی کیا کیا کام انجام دینے چاہییں تاکہ میرے وہاں منتقل ہونے سے پہلے ہی ابتدائی امور انجام پا جائیں ۔

ڈیکلریشن کی درخواست کے لیے جہاں تک مجھے یاد ہے ایک مطبوعہ فارم ہوتا ہے ۔ براہ کرم ڈپٹی کمشنر گورداسپور کے دفتر سے وہ فارم منگا کر بھجوا دیجیے ۔ نیز یہ بھی دریافت کر لیجیے کہ امرتسر میں پرچہ طبع ہونے کی صورت میں کیا پبلشر کی حیثیت سے ایک ڈیکلریشن امرتسر میں داخل کیا جائے گا؟

شوال کے پرچہ میں اعلان کر رہا ہوں کہ پرچہ حیدرآباد سے جمال پور منتقل ہو رہا ہے ۔ اب آپ مجھے اطلاع دیجیے کہ آیا دارالاسلام ضلع گورداسپور پتہ لکھا جائے یا جمال پور، براہ پٹھان کوٹ ۔

سید محمد شاہ صاحب نے کاتب کا ابھی تک کوئی انتظام نہیں فرمایا ۔ اس کو ذرا جلدی کرنی چاہیے ۔ نستعلیق اور نسخ دونوں عمدہ لکھنے والے کاتب کم ملتے ہیں، اور انتخاب میں کافی دیر لگے گی ۔ نیز یہ خیال رہے کہ ایک کاتب ایسا ہونا چاہیے جو پیغام حق کی کتابت کرے اور وہ بھی جمال پور ہی میں رہے تو بہتر ہے ۔ ان دونوں

کاتبوں کے پاس جو زائد وقت بچے گا اس میں ہم ان رسالوں اور کتابوں کی کتابت
کراتے رہیں گے جنہیں شائع کرنے کا ترجمان القرآن میں اعلان کیا جا چکا ہے ۔

آپ نے بہت ہی اچھا کیا کہ ان مضامین کو میرے پاس نظر ثانی کے لیے بھیج دیا ۔

ہمارے بھائی سید محمد شاہ صاحب نے ابھی تک اس پالیسی کو نہیں سمجھا جس پر میں
چل رہا ہوں ، اسی لیے انہوں نے متعدد مقامات پر ایسے عنوانات لگا دیے تھے جن سے مضامین
کا Trend of thought ہی بدلا جا رہا تھا ۔ میں اس مسئلہ کو ہندو مسلم
مسئلہ کی حیثیت سے پیش نہیں کرنا چاہتا اور نہ اس خیال کا شائبہ آنے دینا چاہتا ہوں
کہ ہماری کوئی لڑائی ہندوؤں سے بحیثیت قوم یا کسی دوسری جماعت سے من حیث القوم
ہے ۔ برعکس اس کے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس وقت دو قوتیں بر سر پیکار
ہوئی ہیں ۔ ایک نیشنلزم کی تحریک جس کی بنیاد مغربی تہذیب اور تخیلات پر ہے ۔
اور دوسری جانب اسلام ہے جو اپنی خود ایک تہذیب رکھتا ہے ۔ لہذا یہاں فرقہ وارانہ
سوال کا کوئی دخل ہی نہیں ہے ۔ یہ زندگی کے دو مختلف اصولوں کی جنگ ہے ۔ اگر
تم انگریزوں سے نمٹنا چاہتے ہو تو ایسی پالیسی اختیار کرو کہ ان اصولوں میں
تصادم نہ ہونے پائے ۔ اور اگر تم اس تصادم سے باز نہیں آتے تو انگریز سے
لڑائی بعد میں ہوگی ۔ پہلے اس میدان میں ہمارا اور تمہارا مقابلہ ہو جائے گا ۔ اس
صورت میں تمہیں ہم پر یہ الزام رکھنے کا کوئی حق نہیں کہ ہم اپنے اس طرز عمل سے انگریزوں کے لیے مددگار
بنے جا رہے ہیں ۔ اسلیے کہ بالکل اسی طرح ہم بھی تم پر یہی الزام رکھ سکتے ہیں ، بلکہ
ہمیں تم کو ملزم قرار دینے کا زیادہ حق ہے ، کیونکہ جارحانہ پالیسی تمہاری ہے نہ کہ
ہماری ——— میں ان مضامین پر جو مقدمہ لکھ رہا ہوں اس میں اسی
پالیسی کی توضیح کر رہا ہوں ۔ اس کے علاوہ اور چند چیزیں ہیں جو مجھے
اپنے مقدمہ میں بڑھانی ہیں ، تاکہ یہ سلسلہ ہر معقول آدمی [...]

نہایت convenient ہو جائے۔ اصل مضامین کی اصلاح و ترمیم تو مکمل ہو چکی ہے۔ اب صرف مقدمہ میں دیر لگ رہی ہے۔ ان شاء اللہ عید سے پہلے ہی مکمل کر دوں گا۔ سید محمد شاہ صاحب سے کہہ دیجئے گا کہ کاپیاں اور پروف بہت احتیاط کے ساتھ دیکھیں۔

پوسٹ ماسٹر جنرل پنجاب کے دفتر سے رجسٹر نمبر لینے کی کارروائی مکمل کر رہا ہے۔ یہ دریافت فرمائیے کہ ایک پوسٹل سرکل سے دوسرے پوسٹل سرکل کی طرف منتقل ہوتے وقت کیا پنجاب سرکل کے پی ایم جی کی عطا کردہ سند رعایت کافی نہیں سمجھی جائے گی؟ اور بالفرض اگر وہ کافی نہیں ہے تو کیا ہم ابھی سے حیدرآباد کا طبع شدہ پرچہ مع پچاس خریداروں کی فہرست کے بھیج سکتے ہیں، یا درخواست صرف اسی وقت قبول کی جا سکتی ہے جبکہ پرچہ پنجاب میں طبع ہو جائے؟

اس مرتبہ رمضان میں اتنی غیر معمولی محنت کرنی پڑی ہے کہ بالکل خستہ ہو گیا ہوں۔ اور اب مزید ایک سخت مرحلہ سامنے ہے۔ اب مجھے محسوس ہونا شروع ہوا ہے کہ ہجرت کیسی سخت چیز ہے۔ باوجودیکہ حیدرآباد میرا وطن نہیں ہے، اور میں یہاں سے کسی مصیبت اور بے سروسامانی کی حالت میں نہیں نکل رہا ہوں، مگر پھر بھی ایک عجیب قسم کی تکلیف اپنے قلب میں محسوس کر رہا ہوں۔ جس مکان میں برسوں رہا ہوں، جن چیزوں کو شوق سے خریدا اور برتا تھا، وہ سب ہر وقت سامنے کھڑی فریاد کرتی رہتی ہیں کہ تم ہمیں کہاں چھوڑے جا رہے ہو۔ اگرچہ میں نے اپنی قوت ارادی سے کام لے کر اس کیفیت کو دبا رکھا ہے اور ہجرت کے مراحل سہولت سے طے کر رہا ہوں، مگر فطری جذبات تو اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتے۔

آپ حج کے لیے کب روانہ ہو رہے ہیں اور کس بندرگاہ سے تشریف لے جا رہے ہیں؟

خاکسار

ابوالاعلیٰ

شروع ہوا ہے کہ ہجرت کیسی سخت چیز ہے۔ باوجودیکہ حیدر آباد میرا وطن نہیں ہے اور میں یہاں سے کسی مصیبت اور بے سروسامانی کی حالت میں نہیں نکل رہا ہوں، مگر پھر بھی ایک عجیب قسم کی تکلیف اپنے قلب میں محسوس کر رہا ہوں۔ جس مکان میں برسوں رہا ہوں، جن چیزوں کو شوق سے خریدا اور بنوایا تھا، وہ سب ہر وقت سامنے کھڑی فریاد کرتی رہتی ہیں کہ تو ہمیں کہاں چھوڑے جا رہا ہے۔ اگرچہ میں نے اپنی قوتِ ارادی سے کام لے کر اس کیفیت کو دبا رکھا ہے اور ہجرت کے مراحل برابر طے کر رہا ہوں، مگر فطری جذبات تو اپنا اثر دکھاتے بغیر نہیں رہتے۔

آپ حج کے لیے کب روانہ ہو رہے ہیں اور کس بندرگاہ سے تشریف لے جائیں گے؟

خاکسار

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ محمد حسین صاحب کے بارے میں معلومات نہیں مل سکیں ۔

۲ ۔ "ترجمان القرآن" حیدر آباد دکن سے شائع ہوتا تھا ۔ اب وہاں سے مولانا مودودی کی ہجرت اور پنجاب میں متوقع آمد کے بعد قانونی طور پر از سر نو ترجمان کا ڈیکلریشن حاصل کرنا ضروری تھا ، اسی جانب اشارہ ہے ۔

۳ ۔ مراد ہے: "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصہ اوّل کا مقدمہ ۔ اب یہ مضمون "تحریکِ آزادیِ ہند اور مسلمان" حصہ اوّل میں "آنے والا انقلاب اور مسلمان" کے زیرِ عنوان شامل ہے ۔

[حیدر آباد، دکن]

۴ شوال ۵۶ھ

[۸ر دسمبر ۱۹۳۷ء]

برادرِ مکرم، السلامُ علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

کل ہی مضامین کے مجموعہ کو مکمل کر کے بذریعہ رجسٹری روانہ کر چکا ہوں۔ اس کے بعد آپ کا عنایت نامہ ملا۔ جن لوگوں کے نام میں نے آپ کو اس سے پہلے لکھے ہیں، ان میں چند ناموں کا اور اضافہ کر لیجیے۔ فہرست علیحدہ ارسال کر رہا ہوں۔

میرے والد کا نام سیّد احمد حسن صاحب مرحوم ہے۔ میں اورنگ آباد علاقہ سرکار نظام میں پیدا ہوا ہوں اور عمر کا بڑا حصّہ یہیں گزرا ہے۔ اس لیے بجائے دہلی کے وطن حیدر آباد ہی لکھوا دیجیے۔ اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ اگر میری موجودگی میں دریافتِ حال کے لیے یہاں مراسلہ آیا تو میں کوشش کر کے بہت جلدی یہاں سے جواب بھجوا دوں گا۔ برخلاف اس کے اگر دہلی میں تحقیقات کی گئی تو بہت دیر لگ جاتی ہے کیونکہ اب مجھے دہلی چھوڑے ہوئے دس سال ہو چکے ہیں۔ وہاں کی پولیس میں اب کوئی میرا جاننے والا بھی نہیں ان لوگوں کو دریافتِ حال میں زیادہ دیر لگے گی۔ آپ گورداسپور میں درخواست دینے کے بعد فوراً ہی مراسلہ لکھوا دیجیے اور جس روز مراسلہ روانہ ہو اسی روز مجھے اس کی تاریخ اور نشان سے مطلع کر دیجیے تاکہ میں یہاں کوشش کر کے جواب جلدی بھجوا دوں۔

کتابت کا بندوبست جمال پور ہی میں ہونا چاہیے۔ کیونکہ لاہور یا امرتسر کتابت کے لیے مضامین بھیجنے، پھر کاپیاں منگوانے، اور تصحیح کے لیے دوبارہ بھیجنے اور اس کے بعد پریس بھیجنے میں بڑی زحمت ہوگی،

میرے پاس چونکہ مضمون نگار بہت کم ہیں اس لیے میں پورے رسالہ کے مضامین بیک وقت کتابت کے لیے نہیں دے سکتا۔ لکھتا جاتا ہوں اور کاتب کے حوالہ کرتا جاتا ہوں۔ ایسی صورت میں لاہور یا امرتسر بار بار مضامین کا بھیجنا اور کاپیوں کا منگوانا بہت زحمت کا موجب ہوگا۔ آپ ثنائی برقی پریس والوں سے فرمائیں کہ کسی اچھے کاتب کا انتظام کردیں۔ معاوضہ کی فکر نہ کیجیے۔ اگر کچھ عام شرح سے زیادہ بھی ہو تو پروا نہیں۔ میں روپے کی بچت کا خیال نہیں کرتا، کام بہتر چاہتا ہوں۔

میں نے ان مضامین کے انگریزی ترجمہ کا انتظام کر لیا ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب کو لکھ چکا ہوں کہ جتنے فارم چھپتے جائیں، ایک ایک کاپی مترجم صاحب کے پاس بھیجتے چلے جائیں تاکہ میری موجودگی ہی میں ترجمہ مکمل ہو جائے۔ ڈاکٹر لطیف ان پر نظر ثانی کر لیں گے۔ آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ ان مضامین کا ترجمہ عربی میں بھی شائع ہو رہا ہے۔ مالی بار سے ایک پرچہ نکلتا ہے، جو نصف ملیالم (بخطِ نسخ) اور نصف عربی میں ہوتا ہے۔ وہ بالاقساط ان کا ترجمہ عربی میں شائع کر رہا ہے۔

میں نے حیدر آباد سے روانہ ہونے کے لیے ۱؍ ذی القعدہ کی تاریخ مقرر کی ہے۔ رمضان کے پرچہ میں ابتدائی اعلان بھی کر دیا ہے۔ اصل اعلان شوال کے پرچہ میں کروں گا۔ اور اسی میں دارالاسلام کے مقاصد پر بھی مضمون لکھوں گا۔ ممکن ہے کہ ۱؍ کے بجائے کسی بعد کی تاریخ کو نکلنا ہو، مگر بہرحال خدا کی عنایت سے امید ہے کہ ماہ آئندہ کے وسط تک یہ ارادہ ضرور تکمیل کو پہنچ جائے گا۔

پرنٹر و پبلشر اگر برٹش انڈیا کے حدود سے باہر چلا جاتے تو کیا اس کی ذمہ داری پر رسالہ طبع ہو سکتا ہے؟ مجھے یاد پڑتا ہے کہ جب میں الجمعیۃ میں تھا اس زمانہ میں مولانا عرفان صاحب جن کے نام کا ڈیکلریشن تھا، حج کو

باسمہ سبحانہ

ترجمان القرآن
حیدرآباد دکن

Tarjaman-Al-Quraan
Hyderabad (Dn.)

۱۳ر شوال ۵۶ھ

نشان نمبر ۱۲

برادر مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل ہی مضامین کے مجموعہ کو مکمل کر کے بذریعہ رجسٹری روانہ کر چکا ہوں ۔ اسکے لیے آپ کی منت کش ملاحظہ - جن لوگوں کے نام ہیں ان آپ کو اس سے پہلے لکھے ہیں ان میں چند ناموں کا اور اضافہ کر لیجیے - فہرست علحدہ ارسال کر رہا ہوں -

میرے والد کا نام سید احمد حسن صاحب مرحوم ہے - میں اورنگ آباد علاقہ سرکار نظام میں پیدا ہوا ہوں اور عمر کا بڑا حصہ یہیں گذرا ہے اسلیے بجائے دہلی کے وطن حیدرآباد ہی لکھوائیے - اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ اگر میری موجودگی میں دریافت حال کے لیے یہاں مراسلہ آیا تو میں کوشش کر کے بہت جلدی یہاں سے جواب بھجوا دوں گا - بخلاف اس کے اگر دہلی میں تحقیقات کی گئی تو بہت دیر لگ جائیگی کیونکہ اب مجھے دہلی چھوڑے ہوئے دس سال ہو چکے ہیں - وہاں کی پولیس میں اب کوئی میرا جاننے والا بھی نہیں - ان لوگوں کو اس وقت حال میں زیادہ دیر لگے گی - آپ گورداسپور میں درخواست دینے کے بعد فوراً ہی مراسلہ لکھوا دیجیے اور جس روز مراسلہ روانہ ہو اسی روز مجھے اسکی تاریخ اور نشان سے مطلع کر دیجیے تاکہ میں یہاں کوشش کر کے جواب جلدی بھجوا دوں -

ماہنامہ کی کتابت جمال پور ہی میں ہونا چاہیے کیونکہ لاہور یا امرتسر کتابت کے لیے مضامین بھیجنے، پھر کا یہاں منگوانے اور تصحیح کے لیے دوبارہ بھیجنے اور اسکے بعد پریس بھیجنے میں بڑی زحمت ہوگی - میرے پاس چونکہ مضمون تھے، بمشکل ہیں اسلیے میں اپنے رسالہ کے مضامین بیک وقت

[illegible]

[illegible]

کر سکتا ہے یہ نہیں دے سکتا ۔ لکھتا جاتا ہوں اور کاتب کے حوالے کرتا جاتا ہوں ۔ البتہ وقت میں لاہور یا امرتسر ہے ۔ بار رمضان میں کا کھینا اور کاتبوں کا ملنا نا ممکن ۔ بسا اوقات ہوگی ۔ آپ نذائی برقی پریس والوں سے فرمائیں کہ کسی اچھے کاتب کا انتظام کردیں ۔ معاوضہ کی فکر نہ کیجیے ۔ اگر کچھ عام شرح سے زیادہ بھی ہو تو پرواہ نہیں میں روپے کی بچت کا خیال نہیں کرتا ۔ کام بہتر چاہتا ہوں ۔

میں نے ان مضامین کے انگریزی ترجمے کا انتظام کر لیا ہے ۔ چنانچہ شاہ صاحب کو لکھ دیتا ہوں کہ چھپے فارم چھپتے جائیں ایک ایک کاپی مترجم صاحب کے پاس بھیجتے جائیں تاکہ میری موجودگی ہی میں ترجمہ مکمل ہو جائے ۔ ڈاکٹر لطیف ان پر نظر ثانی کریں گے ۔ آپ کو یہ سن کر بھی خوشی ہوگی کہ ان مضامین کا ترجمہ عربی میں بھی شائع ہو رہا ہے ۔ ملیبار سے ایک پرچہ نکلتا ہے جو نصف ملایالم (مجلہ نیخ(؟)) اور نصف عربی میں ہوتا ہے ۔ وہ باوثوق(؟) ان کا ترجمہ عربی میں شائع کر رہا ہے ۔

میں نے حیدرآباد سے روانہ ہونے کے لیے ۱۰ ذی القعدہ کی تاریخ مقرر کی ہے ۔ رمضان کے پرچہ میں ابتدائی اعلان بھی کر دیا ہے ۔ اصل اعلان شوال کے پرچہ میں کروں گا اور اسی میں دارالاسلام کے مقاصد پر بھی مضمون لکھوں گا ۔ ممکن ہے کہ ... تاریخ کو لکھنا ہو، مگر بہرحال خدا کی عنایت سے امید ہے کہ ۱۰ آئندہ کے وسط تک یہ ارادہ ضرور تکمیل کو پہنچ جائے گا ۔

آپ کی صاحبزادی کے انتقال کی خبر سن کر سخت صدمہ ہوا ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے ۔ اولاد کا رنج والدین کے لیے اشد المصائب ہے اور اس پر صبر کرنا عزائم امور میں سے ہے ۔

اگر آپ کے سفر حج سے پہلے میں حجاز نہ پہنچ سکوں تو میری یہ درخواست یاد رکھیے کہ حرم الٰہی اور حرم نبوی دونوں جگہ میرے لیے خلوص نیت اور نور ہدایت عطا فرمائے جانے کی دعا کریں ۔ میں ایک کمزور انسان ہوں اور محض خدا کے فضل پر بھروسہ کر کے ایک بہت بڑے کام کی ذمہ داری اپنے اوپر لے رہا ہوں ۔ اگر خدا کا فضل شامل حال نہ ہوا تو کوئی چیز مجھے دین و دنیا کی رسوائی سے نہ بچا سکے گی ۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

تشریف لے گئے تھے اور دریافت کرنے پر معلوم ہوا تھا کہ اس صورت میں پرچہ ان کی ذمہ داری پر شائع نہیں ہوسکتا۔ اسی بنا پر ڈیکلریشن میری جانب سے داخل کیا گیا تھا۔

آپ کی صاحبزادی کے انتقال کی خبر سن کر سخت صدمہ ہوا۔ اللہ تعالےٰ آپ کو اور متعلقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ اولاد کا رنج والدین کے لیے اشدّ المصائب ہے اور اس پر صبر کرنا عزائمِ امور میں سے ہے۔

اگر آپ کے سفرِ حج سے پہلے میں جمال پور نہ پہنچ سکوں تو میری یہ درخواست یاد رکھیے کہ حرمِ الٰہی اور حرمِ نبوی دونوں جگہ میرے لیے خلوصِ نیت اور نورِ ہدایت عطا فرمائے جانے کی دعا کریں۔ میں ایک کمزور انسان ہوں اور محض خدا کے فضل پر بھروسا کر کے ایک بہت بڑے کام کی ذمہ داری اپنے اوپر لے رہا ہوں۔ اگر خدا کا فضل شاملِ حال نہ ہوا تو کوئی چیز مجھے دین و دنیا کی رسوائی سے نہ بچا سکے گی۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" اوّل کے ترتیب شدہ لوازمے کی جانب اشارہ ہے۔

۲۔ سید احمد حسن مودودیؒ (۱۸۵۵ء براس، کرنال ——۱۹۱۸ء) وطن دہلی۔ سر سید احمد خاں قریبی رشتے سے ان کے ماموں تھے۔ اسی تعلق کے سبب وہ مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں داخل ہونے والے ابتدائی طلبہ میں شامل تھے۔ مولانا مودودی کے دادا سیّد حسن کو انگریزوں سے سخت نفرت تھی، اس لیے انٹرمیڈیٹ کے بعد احمد حسن کو علی گڑھ سے جلد واپس بلا لیا گیا۔ پھر انھوں نے الٰہ آباد سے وکالت کی سند حاصل کی۔ کچھ مدت تک راجپوتانہ کی ریاست دیوگڑھ میں ولی عہد کے اتالیق رہے۔ پھر کئی سال تک انھوں نے میرٹھ، غازی آباد، اور بلند شہر میں وکالت کی۔ ۱۸۹۶ء میں اورنگ آباد میں منتقل ہو گئے۔ وہاں کے سیشن جج اور صوفی منش بزرگ مولوی محی الدین خاںؒ کے حلقۂ تصوف میں داخل ہو کر اُن سے بیعت کی، جس کے نتیجے میں ان پر مذہبی رنگ ایسا غالب ہوا کہ وہ پیشۂ وکالت سے یکسر دست

کش ہو گئے ۔ مولوی صاحب نے انہیں شاہ احمد کا خطاب اور خرقۂ خلافت عطا کیا ۔ انھوں نے مولانا نذیر حسین دہلوی سے "مشکوٰۃ" پڑھی ۔ اسی زمانے میں مولانا رشید احمد گنگوہی کے شاگرد مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مدرّس مدرسۂ اسلامیہ ، اورنگ آباد ، سے علمِ حدیث کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ۔ اسی دوران میں ترکِ سکونت کر کے مقبرۂ ہمایوں دہلی کے قریب واقع ایک گاؤں عرب سرائے میں آبسے اور فقیرانہ زندگی بسر کرنے لگے (وثائقِ مودودی ، ص ۹۷) ۔ مولوی محی الدین صاحب کی ہدایت پر پھر اورنگ آباد گئے ، اور وہاں دوبارہ وکالت شروع کی ۔ کچھ عرصے بعد ان پر فالج کا حملہ ہوا اور چار سال بعد انتقال کر گئے ۔ ان کی پہلی اہلیہ سے ابو محمد ، ابوالقاسم اور عصمت خاتون پیدا ہوئیں ۔ پہلی بیوی کے انتقال کے بعد محترمہ رقیہ صاحبہ (دیکھیے: خط ۱۴۱) سے شادی کی ، جن سے ابوالخیر اور ابوالاعلیٰ تولّد ہوئے ۔

۳ ۔ "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" اوّل کے انگریزی اور بعد ازاں عربی تراجم کی طرف اشارہ ہے، لیکن یہ ترجمے غالباً کتابی صورت میں شائع نہ ہو سکے ۔

۲۳

[حیدر آباد . دکن]
۱۲ شوال ۵۶ ھ
[۱۶ دسمبر ۱۹۳۷ء]

اخی الکریم ، السّلامُ علیکم

عنایت نامہ ملا۔ دقف کے کاغذات دستخط کر کے واپس کرتا ہوں ۔ آپ کے خط سے یہ معلوم کر کے تعجب ہُوا کہ " ترجمان القرآن" کے مضامین جن کو مرتب کر کے میں نے آج سے ۱۲ روز پہلے رجسٹری شدہ لفافے کے ذریعہ سے بھیجا تھا ، وہ آپ کو ۱۳ ر دسمبر تک نہیں ملے ۔ میں تو عید سے دو روز پہلے انھیں روانہ کر چکا ہوں ۔

پیغامِ حق کے مجموعہ کو اپنی جگہ الگ ہی شائع ہونے دیجیے ۔ اس کے لیے ترجمان القرآن کی ایک اشاعت کو ملتوی کرنا مناسب نہیں ۔ اب جو سلسلہ میں

باسمہ سبحانہ

ترجمان القرآن

حیدرآباد دکن

Tarjaman-Al-Quraan

Hydrabad (Dn.)

مورخہ ۔ ۱۵ شوال ۵۶ھ

نشان ۔ نمبر ۱۲

اخی الکریم السلام علیکم

عنایت نامہ ملا ۔ وقف کے کاغذات دستخط کرکے واپس کرتا ہوں ۔ آپ کے خط سے یہ معلوم کرکے تعجب ہوا کہ ترجمان القرآن کے مضامین جن کو مرتب کرکے میں نے آج سے ۱۵ روز پہلے رجسٹرڈ شدہ لفافے کے ذریعہ سے بھیجا تھا وہ آپ کو ۱۳ دسمبر تک نہیں ملے ۔ میں تو عید سے دو روز پہلے انہیں روانہ کر چکا ہوں ۔

پیغام حق کے مجموعہ کو اپنی جگہ الگ ہی شائع ہونا چاہیے ۔ اس کے لیے ترجمان القرآن کی اشاعت کو ملتوی کرنا مناسب نہیں ۔ اب جو سلسلہ میں نے شروع کیا ہے اس کا لوگوں پر بہت ہی اثر ہوا ہے اور بے چینی کے ساتھ ہر نمبر کا انتظار کر رہے ہیں ۔ نیز میں چاہتا ہوں کہ یہ سلسلہ بھی جلد سے جلد مکمل ہو جائے تاکہ فروری کے یا مارچ کے پیغام حق میں اس کا بھی ایک مجموعہ نکال دیا جائے ۔

اس سے پہلے ایک نیاز نامہ مفصل بھیج چکا ہوں ۔ اس میں ڈکلریشن کے متعلق جو باتیں میں نے دریافت کی ہیں ان کا جواب جلدی عنایت فرمائیں ۔ آپ کے نام کا ڈکلریشن اگر ہو تو خطرہ یہ ہے کہ آپ کے برٹش انڈیا سے باہر جانے پر کہیں وہ منسوخ یا معطل نہ قرار دیا جائے اور آپ کی واپسی تک پرچہ کی اشاعت ملتوی نہ کرنی پڑے ۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ کے بجائے آپ کے بھائی صاحب کو پرنٹر و پبلشر قرار دیا جائے ؟

رات ہی کو میں نے اسے بغور سب میں دیکھا ہے۔ اسکے بعد ہی میرے ذہن میں یہ خیال آیا۔

نیز یہ بھی دریافت طلب ہے کہ ایڈیٹر کی حیثیت سے مجھے اسکے ڈکلریشن پر دستخط نہیں کرنا پڑیگا؟

آج رات سے دارالاسلام کے اغراض ومقاصد اور اصول وطریق کار پر ایک مفصل مضمون لکھ رہا ہوں۔ ان شاء اللہ شوال کے پرچے میں پورا مضمون شائع ہو جائیگا اور آپ کے تشریف لے جانے سے پہلے آپ کو مل جائیگا۔

میں نے ۱۰ ذی القعدہ کو حیدرآباد سے روانہ ہو جانے کا تہیہ کر لیا ہے اور رسالہ میں اعلان بھی کر دیا ہے۔ امید ہے کہ اسی مہینہ میں میرے یہاں کے معاملات صاف ہو جائینگے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

نے شروع کیا ہے اس کا لوگوں پر بہت اچھا اثر ہو رہا ہے، اور بے چینی کے ساتھ ہر نمبر کا انتظار کر رہے ہیں۔ نیز میں چاہتا ہوں کہ یہ سلسلہ بھی جلد سے جلد مکمل ہو جائے تاکہ فروری کے بعد مارچ کے پیغامِ حق میں اس کا بھی ایک مجموعہ نکال دیا جائے۔

اس سے پہلے ایک نیاز نامہ مفصل بھیج چکا ہوں۔ اس میں ڈیکلریشن کے متعلق جو باتیں میں نے دریافت کی ہیں ان کا جواب جلدی عنایت فرمائیں۔ آپ کے نام کا ڈیکلریشن اگر ہوا تو خطرہ یہ ہے کہ آپ کے برٹش انڈیا سے باہر جانے پر کہیں وہ منسوخ یا معطل نہ قرار دیا جائے، اور آپ کی واپسی تک پرچہ کی اشاعت ملتوی نہ کرنی پڑے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ کے بجائے آپ کے بھائی صاحب کو پرنٹر و پبلشر قرار دیا جائے؟ رات ہی کو میں نے انھیں خواب میں دیکھا ہے، اس کے بعد ہی میرے ذہن میں یہ خیال آیا۔ نیز یہ بھی دریافت طلب ہے کہ ایڈیٹر کی حیثیت سے مجھے الگ ڈیکلریشن تو داخل نہیں کرنا پڑے گا؟

آج رات سے دارالاسلام کے اغراض و مقاصد اور اصول و طریق کار پر ایک مفصل مضمون لکھ رہا ہوں۔ انشاءاللہ شوال کے پرچے میں پورا مضمون شائع ہو جائے گا[1]۔ اور آپ کے تشریف[2] لے جانے سے پہلے آپ کو مل جائے گا۔ میں نے ۱۰ ذی القعدہ کو حیدر آباد سے روانہ ہو جانے کا تہیہ کر لیا ہے۔ اور رسالہ میں اعلان بھی کر دیا ہے۔ اُمید ہے کہ اسی مہینہ میں میرے یہاں کے معاملات صاف ہو جائیں گے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ چناں چہ یہ مضمون شوال ۱۳۵۶ھ (دسمبر ۱۹۳۷ء) کے شمارے میں "دارالاسلام" کے زیر عنوان شائع

ہوا، جب کہ "ادارۂ دارالاسلام" کے سلسلے میں مزید مضامین، "ترجمان القرآن" جولائی، ستمبر ۱۹۳۸ء کے شماروں میں اشاعت پذیر ہوئے ۔

۲ ۔ اشارہ ہے، نیاز علی صاحب کے مجوزہ سفرِ حج کی طرف ۔

۲۴

[حیدر آباد، دکن]

۲۴ شوال ۵۶ ھ

[۲۸ دسمبر ۱۹۳۷ء]

اخی الکریم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ایک خط پہلے لکھ چکا ہوں۔ آج ایک ضرورت پیش آگئی جس کی وجہ سے یہ دُوسرا خط لکھنا پڑا۔ ابھی پشاور سے عبدالحمید صاحب پارؔس کا جو خط میرے پاس آیا ہے وہ بجنسہٖ آپ کو بھیجتا ہوں۔ اس کو ملاحظہ فرما لیں اور سیّد محمد شاہ صاحب کو بھی دکھا دیں۔ سید صاحب کو میں نے براہِ راست اس لیے نہیں بھیجا کہ کہیں وہ جوش میں نہ آجائیں اور پارؔس صاحب سے اس کے متعلق مراسلت نہ شروع کر دیں۔ آپ کے پاس بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ انھیں نشیب و فراز سمجھائیں۔

پارؔس صاحب کو میں نے خط لکھ دیا ہے اور ان کی بدگمانیاں رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ یا سید صاحب اگر ان کو کچھ لکھیں تو صرف ان کے خیرخواہانہ مشورہ کا شکریہ ادا کریں۔

یہ وقت ہمارے کام کی ابتدا کا ہے۔ ابتدا میں اگر کوئی بُرا Impression لوگوں کے ذہن میں قائم ہوگیا تو پھر اس کو دُور کرنا بہت مشکل ہوگا، اور لوگ ہم کو بھی انہی لوگوں میں شمار کرنے لگیں گے جن کے پیشِ نظر قومی

کام سے محض تجارت ہوتی ہے۔ ایک مدّت سے ہمارے عوام کو ایسے ہی لوگوں سے سابقہ پیش آ رہا ہے، جس کی وجہ سے سب نہ صرف نالاں ہیں بلکہ نہایت بدگمان ہو چکے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص کام کرنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے، تو اس کی ذرا ذرا سی باتوں پر لوگ شبہ کی نگاہ ڈالتے ہیں اور اگر ذرا سی بھی کوئی لغزش اس سے ہوتی ہے تو فوراً انھیں بدگمانی ہو جاتی ہے کہ یہ بھی اسی قبیل کا آدمی ہے، اس وجہ سے آپ دیکھ رہے ہیں کہ کتنے قومی کام خراب ہو رہے ہیں اور کس قدر سرد مہری ہماری پبلک میں پیدا ہوگئی ہے۔ ایسی حالت میں جب ہم اصلاحِ حال کے لیے اُٹھ رہے ہیں تو ہمیں پھُونک پھُونک کر قدم رکھنا چاہیے اور کوئی ایسا طریقِ کار اختیار نہ کرنا چاہیے جس سے ہمارے متعلق بھی بدگمانیاں پیدا ہو جائیں۔ ہماری نیتوں کا اندازہ تو لوگ بہرحال ہمارے طرزِ عمل ہی سے کریں گے۔ اگر ہم اپنی نیک نیتی کا سکّہ نہ جما سکے تو کوئی کام نہ کر سکیں گے اور نیک نیتی کا سکّہ جمانا، بغیر اس کے ممکن نہیں کہ ہمارا طرزِ عمل above suspicion ہو۔

سید صاحب[۲] کے متعلق میں جانتا ہوں کہ وہ نیک نیت آدمی ہیں۔ انھوں نے اگر "پیغامِ حق" کی اشاعت کے لیے کوشش کی تو کچھ بُرا نہ کیا، بلکہ وہ بھی ہمارے کام ہی کا ایک شعبہ ہے۔ لیکن اس معاملہ میں جو قدم انھوں نے اٹھایا ہے، اسے مَیں بے صبری سے تعبیر کروں گا۔ ایسی بے صبری جو زمانے کے بگڑے ہُوئے حالات میں بہت مُضر ہو سکتی ہے۔ عام طور پر رسالے اور اخبارات کے مالک محض اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لیے جو تدبیریں کر رہے ہیں، خصوصاً پنجاب میں، ان کی وجہ سے لوگوں کی نگاہوں میں ان کی کوئی وقعت باقی نہیں رہی ہے اور ہر نیا رسالہ جب میدان میں آتا ہے تو اس کی نسبت بھی وہی شبہات دلوں میں پیدا ہوتے ہیں جو اُس برادری کے اکثر افراد کی غلطیوں کا نتیجہ ہیں۔ اب آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ پہلے ان مضامین

کی اشاعت کے لیے اپیل کرنا اور اس کے بعد فوراً ہی "پیغامِ حق" کی خریداری کے لیے توجہ دلانا کس قدر بدگمانیاں پیدا کرنے کا موجب ہوسکتا ہے —— سیّد صاحب چونکہ پنجاب کی آب و ہوا میں رہتے ہیں اس لیے رسالوں کی توسیعِ اشاعت کے جو طریقے وہاں رائج ہیں، ان سے مانوس ہونے کے باعث وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر ہمیں اپنے مشن کو پھیلانا ہے تو ایسے ہی طریقے اختیار کرنے ہوں گے۔ لیکن انھیں اب ذرا اس ماحول سے اپنے آپ کو آزاد کرنا چاہیے۔ ہمیں اپنے مشن کو پھیلانے کی یقیناً ضرورت ہے، مگر توسیع سے بڑھ کر ہمیں جس چیز کی ضرورت ہے وہ وقعت اور احترام ہے۔ احترام قائم کیے بغیر اگر ہمارا مشن پھیلے تو خواہ وہ کتنا ہی پھیل جائے، ہمارے مقاصد پورے نہیں ہوسکیں گے۔

"پیغامِ حق" کی اشاعت جس طرح سیّد صاحب کے پیشِ نظر ہے اسی طرح میرے بھی پیشِ نظر ہے۔ میں ہر ممکن اعانت کے لیے دل و جان سے حاضر ہوں، مگر سیّد صاحب کو سمجھایئے کہ بے صبری سے کام نہ لیں۔ فی الحال صرف ان مضامین کی اشاعت پر اپنی قوت صرف کریں، ان کی اشاعت کا اثر خود بخود "پیغامِ حق" کی اشاعت پر خاطر خواہ مترتب ہوگا۔

اب احتیاطاً میں درخواست کروں گا کہ ترجمان القرآن کا جو اشتہار لکھا گیا ہے وہ شائع ہونے سے پہلے مجھے دکھا لیا جائے۔ اگر عام اشتہاری زبان میں وہ لکھا گیا ہو تو اس کے شائع ہونے سے فائدے کے بجائے الٹا نقصان ہوگا۔ میں نے دوستوں اور خیر خواہوں کے اصرار کے باوجود آج تک رسالے کا اشتہار دینے میں جو تساہل برتا ہے اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ میں لوگوں کو شبہات کا موقع نہیں دینا چاہتا۔ "ترجمان القرآن" کی اشاعت خواہ کم ہی رہ جائے، مگر میرے نزدیک اس کی وقعت، بہ نسبت توسیعِ اشاعت

باسمہ سبحانہ

Tarjaman-Al-Quraan Hyderabad (Dn.)	ترجمان القرآن حیدرآباد دکن
نشان ۱۸	مورخہ ۲۲ شوال ۵۶

اخی الکریم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک خط پہلے لکھ چکا ہوں - آج ایک ضرورت پیش آگئی جس کی وجہ سے یہ دوسرا خط لکھنا پڑا۔ ابھی ابھی ندوہ سے عبد الحمید صاحب پارس کا جو خط میرے پاس آیا ہے وہ بجنسہٖ آپ کو بھیجتا ہوں - اسکو ملاحظہ فرمالیں اور سید محمد شاہ صاحب کو بھی دکھا دیں - سید صاحب کو میں نے براہ راست اسلیے نہیں بھیجا کہ کہیں وہ جوش میں نہ آجائیں اور پارس صاحب سے انکے متعلق مراسلت نہ شروع کردیں - آپ کے پاس بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ انہیں نشیب و فراز سمجھا دیں -

پارس صاحب کو میں نے خط لکھ دیا ہے اور انکی بدگمانیاں رفع کرنے کی کوشش کی ہے - آپ یا سید صاحب اگر ان کو کچھ لکھیں تو صرف انکے خیر خواہانہ مشورہ کا شکریہ ادا کردیں بس۔

یہ وقت ہمارے کام کی ابتدا کا ہے - ابتدا میں اگر کوئی برا impression لوگوں کے ذہن میں قائم ہوگیا تو پھر اس کو دور کرنا بہت مشکل ہوگا اور لوگ ہم کو بھی انہی لوگوں میں شمار کرنے لگیں گے جن کے پیش نظر قومی کام سے محض نفع تجارت ہوتی ہے - ایک مدت سے ہمارے عوام کو ایسے ہی لوگوں سے سابقہ پیش آرہا ہے جس کی وجہ سے سب نہ صرف نالاں ہیں بلکہ نہایت بدگمان ہوچکے ہیں - اب اگر کوئی شخص کام کرنے کیلیے کھڑا ہوتا ہے تو اسکی ذرا ذرا سی باتوں پر لوگ شبہ کی نگاہ ڈالتے ہیں اور اگر ذرا سی بھی کوئی لغزش اس سے ہوتی ہے تو فوراً انہیں بدگمانی ہوجاتی ہے کہ یہ بھی اسی قبیل کا آدمی ہے - اسی وجہ سے آپ دیکھ رہے ہیں کہ کتنے قومی کام خراب ہورہے ہیں اور کس قدر سرد مہری ہماری پبلک میں پیدا ہوگئی ہے - ایسی حالت میں جب ہم اصلاح حال کے لیے اٹھ رہے ہیں تو ہم کو پھونک پھونک کر قدم رکھنا چاہیے اور کوئی ایسا طریق کار

اختیار نہ کرنا چاہیے جس سے ہمارے متعلق بھی بدگمانیاں پیدا ہو جائیں ۔ ہماری نیتوں کا اندازہ تو لوگ بہر حال ہمارے طرزِ عمل ہی سے کریں گے ۔ اگر ہم اپنی نیک نیتی کا سکہ نہ جما سکے تو کوئی کام نہ کر سکیں گے ، اور نیک نیتی کا سکہ جمانا بغیر اسکے ممکن نہیں کہ ہمارا طرز عمل Above suspicion ہو ۔

سید صاحب کے متعلق میں جانتا ہوں کہ وہ نیک نیت آدمی ہیں ۔ انہوں نے "پیغام حق" کی اشاعت کے لیے کوشش کی تو کچھ برا نہ کیا بلکہ وہ بھی ہمارے کام ہی کا ایک شعبہ ہے ۔ لیکن اس معاملہ میں جو قدم انہوں نے اٹھایا ہے اس میں بے صبری سے تعبیر کروں گا ، ایسی بے صبری جو زمانے کے بگڑے ہوئے حالات میں بہت مضر ہو سکتی ہے ۔ عام طور پر رسالے اور اخبارات کے مالک محض اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لیے جو تدبیریں کر رہے ہیں ، خصوصاً پنجاب میں ، ان کی وجہ سے لوگوں کی نگاہوں میں انکی کوئی وقعت باقی نہیں رہی ہے ، اور ہر نیا رسالہ جب میدان میں آتا ہے تو اس کی نسبت بھی وہی شبہات دلوں میں پیدا ہوتے ہیں جو اس برادری کے اکثر افراد کی غلطیوں کا نتیجہ ہیں ۔ اب آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ پہلے ان مضامین کی اشاعت کے لیے اپیل کرنا اور اسکے بعد فوراً ہی پیغام حق کی خریداری کے لیے توجہ دلانا کس قدر بدگمانیاں پیدا کرنے کا موجب ہو سکتا ہے ــــــ سید صاحب چونکہ پنجاب کی آب و ہوا میں رہے ہیں اسلیے رسالوں کی توسیع اشاعت کے جو طریقے وہاں رائج ہیں ان سے مانوس ہونے کے باعث وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر ہمیں اپنے مشن کو پھیلانا ہے تو ایسے ہی طریقے اختیار کرنے ہونگے ۔ لیکن انہیں اب ذرا اس ماحول سے اپنے آپ کو آزاد کرنا چاہیے ۔ ہمیں اپنے مشن کو پھیلانے کی یقیناً ضرورت ہے ، مگر توسیع سے بڑھکر ہمیں جس چیز کی ضرورت ہے وہ وقعت اور احترام ہے ۔ احترام قائم کیے بغیر اگر ہمارا مشن پھیلے ، تو خواہ وہ کتنا ہی پھیل جائے ہمارے مقاصد پورے نہیں ہو سکیں گے ۔

"پیغام حق" کی اشاعت جس طرح سید صاحب کے پیش نظر ہے اسی طرح میرے بھی پیش نظر ہے - میں ہر ممکن اعانت کے لیے دل و جان سے حاضر ہوں ، مگر سید صاحب کو سمجھا دیجیے کہ بے صبری سے کام نہ لیں - فی الحال صرف ان مضامین کی اشاعت پر اپنی قوت صرف کریں - انکی اشاعت کا اثر خود بخود "پیغام حق" کی اشاعت پر خاطر خواہ مترتب ہوگا -

اب احتیاطاً میں درخواست کرونگا کہ ترجمان القرآن [redacted] اخبار کیلئے جب وہ شائع ہونے سے پہلے مجھے دکھا لیا جائے - اگر عام اشتہاری زبان میں وہ لکھا گیا ہو تو اسکا شائع ہونا بے فائدہ ہی نہیں بلکہ الٹا نقصان ہوگا - میں نے دوستوں اور خیر خواہوں کے اصرار کے باوجود جو کبھی رسالے کا اشتہار دینے میں جو تامل برتا ہے [redacted] اسکی اصلی وجہ یہی ہے کہ میں لوگوں کو شبہات کا موقع نہیں دینا چاہتا - "ترجمان القرآن" کی اشاعت خواہ کم ہی رہ جائے ، مگر میرے نزدیک اسکی وقعت ، بہ نسبت وسیع اشاعت کے زیادہ اہم ہے -

خاکسار
ابوالاعلیٰ

کے زیادہ اہم ہے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ عبدالحمید پارس صاحب کے بارے میں معلومات فراہم نہیں ہو سکیں ۔

۲ ۔ سیّد محمد شاہ ، دیکھیے : خط ۱۹ ۔

۲۵

باسمہٖ سبحانہٗ

[لاہور]

۱۵ نومبر ۱۹۶۱ء

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عنایت نامہ ملا۔ مجھے خود شادی میں حاضر نہ ہو سکنے کا افسوس ہے۔ مزید افسوس یہ سُن کر ہوا کہ آپ کی موتیا بند کی تکلیف بڑھ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے اور آپ کو شفا عطا فرمائے۔ میں تو اس خیال میں تھا کہ آپ کی آنکھ کا آپریشن کامیاب ہو گیا ہو گا۔

ٹرسٹ کے متعلق جو کچھ بھی مشورہ میں دے سکتا ہوں اس کے لیے ہر وقت حاضر ہوں۔ آپ کے لیے جب بھی ممکن ہو تشریف لائیں۔

اللہ سے دُعا ہے کہ وہ آپ کو مع متعلقین عافیت میں رکھے۔

والسلام

خاکسار

ابوالاعلیٰ

ابوالاعلیٰ مودودیؒ

باسمہٖ سبحانہٗ

فون : ۲۵۰۰۷

۵ -اے ذیلدار پارک اچھرہ
لاہور (پاکستان)

مورخہ ۱۵ نومبر ۱۹۶۱ء حوالہ ________

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ ،

عنایت نامہ ملا ۔ مجھے خود شادی میں حاضر نہ ہو سکنے کا افسوس ہے ۔ مزید افسوس یہ سن کر ہوا کہ آپ کی موتیا بند کی تکلیف بڑھ گئی ہے ۔ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے اور آپ کو شفا عطا فرمائے ۔ میں تو اس خیال میں تھا کہ آپ کی آنکھ کا آپریشن کامیاب ہو گیا ہوگا ۔

ٹرسٹ کے متعلق جو کچھ بھی مشورہ میں دے سکتا ہوں اسکے لیے ہر وقت حاضر ہوں ۔ آپ کے لیے جب بھی ممکن ہو تشریف لائیں ۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو مع متعلقین عافیت میں رکھے ۔

والسلام ،

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱ ۔ نیاز علی صاحب کے چھوٹے بیٹے محمد اعظم خان (پ: اپریل ۱۹۳۴ء) کی شادی کی دعوت مراد ہے ۔ محمد اعظم خان اِن دنوں اقوامِ متحدہ کے علاقائی دفتر واقع بغداد کی شاخ ایف اے او میں سینیر اکانومسٹ ہیں ۔
۲ ۔ نیاز علی صاحب نے قیامِ پاکستان کے آٹھ دس سال بعد، جوہر آباد (سرگودھا) میں "دارالاسلام ٹرسٹ" قائم کیا، جہاں ہائی اسکول، کتب خانہ اور بچوں کے لیے ہاسٹل تعمیر کیا گیا ۔ (یہ ٹرسٹ اب بھی قائم ہے اور نیاز علی خاں مرحوم کے صاحبزادے چودھری محمد اسلم صاحب کی نگرانی میں ٹرسٹ کے ادارے بھی چل رہے ہیں)

۲۶

[لاہور]

۱۹ جون ۶۲ء

محترمی و مکرمی ۔ السلامُ علیکم و رحمۃُ اللہ و برکاتہٗ

عنایت نامہ مورخہ ۵ جون بر وقت مل گیا تھا مگر آتے ہی مصروفیتوں نے اس طرح گھیرا کہ جلدی جواب عرض نہ کر سکا ۔ آپ کی مخلصانہ اور محبت آمیز مبارکباد کے لیے بہت بہت شکر گزار ہوں ۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے دوبارہ حج کا موقع عنایت فرمایا، اور اس سے بھی بڑا فضل یہ ہے کہ اب ان شاء اللہ موتمر عالم اسلامی اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی بدولت ہر سال ہی حج کا شرف نصیب ہوگا ۔ دعا فرمائیں کہ اللہ زیادہ سے زیادہ خدمتِ دین کی توفیق بخشے ۔

آپ کی موتیا بند کی تکلیف کا حال معلوم کر کے بہت تشویش ہوئی ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپریشن کو کامیاب فرمائے اور آپ کو اس معذوری سے نجات دے ۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

CamScanner

فون : ۲۵۰۷

۵-اے ذیلدار پارک اچھرہ
لاہور (پاکستان)

ابوالاعلیٰ مودودی

مورخہ ۱۹ر جولائی ۶۲ء حوالہ

محترمی و مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ مورخہ ۵ر جون بروقت مل گیا تھا مگر ایسی مصروفیتوں نے اس طرح گھیرا کہ اب تک جواب عرض نہ کر سکا۔ آپ کی مخلصانہ اور محبت آمیز مبارکباد کا بہت بہت شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے دوبارہ حج کا موقع عنایت فرمایا، اور اس سے بھی بڑا فضل یہ ہے کہ اب ان شاءاللہ مؤتمر عالم اسلامی اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی بدولت ہر سال ہی حج کا شرف نصیب ہوگا۔ دعا فرمائیں کہ اللہ زیادہ سے زیادہ خدمت دین کی توفیق بخشے۔

آپ کی موتیا بند کی تکلیف کا حال معلوم کر کے بہت تشویش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپریشن کو کامیاب فرمائے اور آپ کو اس معذوری سے نجات دے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱ ۔ مئی ۱۹۶۲ء میں تینتالیس ممالک کے ممتاز علماء مکّہ معظمہ میں جمع ہوئے اور "رابطہ عالمِ اسلامی" (Islamic World League) کی بنیاد رکھی ۔ مولانا مودودی مرحوم رابطہ کے تاسیسی رکن تھے ۔ (تاسیسی ارکان کی فہرست دیکھیے: خط ۹۹ ، حاشیہ ۲) رابطہ کی سرگرمیوں کا دائرہ خاصا وسیع ہے ، مثلاً: مسلم اقلیتی ممالک میں مساجد کی تعمیر، دینی مدارس کا قیام، ہسپتالوں اور دیگر رفاہی اداروں کی تشکیل، آئمہ کرام کی تربیت ، ہونہار مسلم طلبہ کے لیے وظائف اور دنیا کی مختلف زبانوں میں اسلامی لٹریچر کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ، دنیا کے مختلف خِطّوں میں آفاتِ سماوی و ارضی کا شکار ہونے والے مسلمانوں کی اعانت و دست گیری کے سلسلے میں رابطہ نے مؤثر کردار ادا کیا ہے ۔ اس تاسیسی اجلاس میں یہ طے ہوا تھا کہ رابطے کی سالانہ کانفرنس (مؤتمر) ہر سال حج کے موقع پر ہوا کرے گی ۔

۲ ۔ مدینہ یونی ورسٹی، دسمبر ۱۹۶۱ء میں قائم ہوئی ۔

۲۷

[لاہور]

۱۱ شوال ۸۲ھ

[۸ مارچ ۱۹۶۳ء]

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃُ اللہ

آپ کا عنایت نامہ مؤرخہ ۷ ار فروری بر وقت مل گیا تھا مگر معذرت خواہ ہوں کہ صحت کی خرابی اور کام کی کثرت کے باعث بر وقت جواب نہ دے سکا۔

چشتی صاحب، جن کا خط آپ نے اپنے عنایت نامے کے ساتھ بھیجا تھا، ان کے حالات کو دیکھتے ہوئے ان کو مناسب مشورہ میں نے دے دیا ہے ۔ مدینہ یونیورسٹی کے انتظامات ابھی ابتدائی مراحل میں ہیں اور وہاں تعلیم کی حالت ابھی تک ایسی نہیں ہے کہ یہاں کے ایک ایم اے کو مطمئن کر سکے ۔ اندیشہ یہ ہے کہ وہاں جانے کے بعد کہیں ان کو مایوسی نہ ہو ۔ اس لیے میں نے یہیں علومِ دینیہ کی تحصیل کے لیے ایک مناسب صورت ان کو بتا دی ہے ۔ ان کے خط کا جواب براہِ راست

Phone : ..07

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فون ۲۵۰۰۷

ماہنامہ "ترجمان القرآن"

اچھرہ، لاہور

حوالہ 1343/

مورخہ ۱۱ر شوال ۸۲ھ
۱۸ر مارچ ۶۳ء

محترمی و مکرمی   السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۷ر فروری بروقت مل گیا تھا مگر معذرت خواہ ہوں کہ صحت کی خرابی اور کام کی کثرت کے باعث بروقت جواب نہ دے سکا۔

چشتی صاحب اُن کا خط آپ نے اپنے عنایت نامے کے ساتھ بھیجا تھا، ان کے حالات کو دیکھتے ہوئے ان کو مناسب مشورہ میں نے دیدیا ہے۔ مدینہ یونیورسٹی کے انتظامات ابھی ابتدائی مراحل میں ہیں اور وہاں تعلیم کی حالت ابھی تک ایسی نہیں ہے کہ یہاں کے کسی ایم اے کو مطمئن کر سکے۔ اندیشہ یہ ہے کہ وہاں جانے کے بعد کہیں ان کو مایوسی نہ ہو۔ اسلیے میں نے یہیں علوم دینیہ کی تحصیل کے لیے ایک مناسب صورت ان کو بتا دی ہے۔ ان کے خط کا جواب براہ راست یہاں سے بھیجا جا رہا ہے۔

آپ کے اور سب متعلقین کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو بخیریت اور خوش و خرم رکھے۔ آپ کے اندر بڑھاپے کا احساس پیدا ہو جانا موجب تشویش ہے۔ اصل بڑھاپا عمر کا نہیں بلکہ بوڑھے ہونے کے احساس کا ہے۔ اس احساس کو آپ نہ پیدا ہونے دیں اور جس مستعدی کے ساتھ آج تک کام کرتے رہے ہیں اسی مستعدی کے ساتھ کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے عزم اور قوت کو برقرار رکھے۔

میں اور میرے سب متعلقین بفضل خدا بخیریت ہیں۔ سب کی طرف سے آپ کی خدمت میں سلام عرض ہے۔ کبھی موقع ملے تو ادھر تشریف لائیے۔ اب کے تو بہت مدت سے آپ نے ادھر کا رخ نہیں فرمایا ہے۔

خاکسار،
ابوالاعلیٰ

یہاں سے بھیجا جا رہا ہے۔

آپ کے اور سب متعلقین کے حق میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو بخیریت اور خوش و خرم رکھے۔ آپ کے اندر بڑھاپے کا احساس پیدا ہو جانا موجبِ تشویش ہے۔ اصل بڑھاپا عُمر کا نہیں بلکہ بوڑھے ہونے کے احساس کا ہے۔ اِس احساس کو آپ نہ پیدا ہونے دیں اور جس مستعدی کے ساتھ آج تک کام کرتے رہے ہیں، اسی مستعدی کے ساتھ کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے عزم اور قوت کو برقرار رکھے۔

میں اور میرے سب متعلقین بفضلِ خُدا بخیریت ہیں۔ سب کی طرف سے آپ کی خِدمت میں سلام عرض ہے۔ کبھی موقع مِلے تو لاہور تشریف لائیے۔ اب کے تو بہت مدت سے آپ نے اِدھر کا رُخ نہیں فرمایا ہے۔

خاکسار

ابُوالاعلیٰ

۲۸

[لاہور]

۲۲ اپریل ۶۳ء

مُحترمی و مکرمی، السلامُ علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کے دو عنایت نامے کئی روز سے جواب طلب رکھے ہیں، مگر سفرِ حجاز کے سبب میرے اوپر کاموں کا اتنا ہجوم رہا کہ جواب لکھنے کے لیے وقت نہ نکل سکا۔ اب رَوانگی میں صرف تین گھنٹے باقی ہیں اور جلدی میں یہ چند سطور لکھ رہا ہوں۔

یہ معلوم کر کے بہت خُوشی ہُوئی کہ آپ نے اپنے دیرینہ خواب کے مطابق پھر سے دارالاسلام کی تعمیر کا سِلسلہ شروع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی تکمیل کے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فون نمبر : ۲۵۰۰۷

ابوالاعلیٰ مودودی

۵-اے ذیلدار پارک - اچھرہ
لاہور (پاکستان)

حوالہ ________

مورخہ ۲۳ اپریل ۶۳ء

محترمی و مکرمی   السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کے دو عنایت نامے کئی روز سے جواب طلب رکھے ہیں۔ مگر سفرِ حجاز سے پہلے میرے اوپر کاموں کا اتنا ہجوم رہا کہ جواب لکھنے کے لیے وقت نہ نکل سکا۔ اب روانگی میں صرف تین گھنٹے باقی ہیں اور جلدی میں یہ چند سطور لکھ رہا ہوں۔

یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنے دیرینہ خواب کے مطابق پھر سے دارالاسلام کی تعمیر کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی تکمیل کے لیے صحت اور طاقت عطا فرمائے اور بہتر سے بہتر سامان کر دے۔ میں ان شاء اللہ حرم میں اس کے لیے دعا کروں گا۔ آپ سے بھی درخواست ہے کہ میرے حق میں بھی دعائے خیر فرمائیں۔

اس مرتبہ میری اہلیہ بھی میرے ساتھ حج کو جا رہی ہیں۔ خدا کے فضل سے ان کی صحت ٹھیک ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ یہ سفر بخیریت گزرے اور واپس آ کر ہم پھر اللہ کے دین کی خدمت میں لگ جائیں۔ اہلیہ آپ کو سلام کہتی ہیں اور سب متعلقین کو بھی سلام و دعا کہہ رہی ہیں۔

بچے خدا کے فضل سے سب بخیر ہیں۔ بڑا لڑکا ایم اے کر چکا ہے اور اب کراچی یونیورسٹی میں لکچرر شپ کے لیے انٹرویو میں گیا ہوا ہے۔ اس سے چھوٹا احمد فاروق جسے آپ اسی کے نام سے جانتے ہوں گے اب ایم بی بی ایس کے آخری سال میں داخل ہو رہا ہے۔ اس سے چھوٹی حمیرا اس سال ایم اے فائنل کا امتحان دینے والی ہے۔ اور اس سے چھوٹی اسماء بی اے کر چکی ہے۔ باقی بچے ابھی تعلیم پا رہے ہیں۔ دعا فرمائیے کہ اللہ ان سب کو نیک توفیقِ عمل فرمائے۔

بھائی ابوالخیر صاحب آج کل کراچی میں ہیں اور بخیر ہیں۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

لیے صحت اور [ہمت] عطا فرمائے اور بہتر سے بہتر سامان کر دے۔ میں ان شاء اللہ حرم میں اس کے لیے دعا کروں گا۔ آپ سے بھی درخواست ہے کہ میرے حق میں بھی دعائے خیر فرمائیں۔

اس مرتبہ میری اہلیہ بھی میرے ساتھ حج کو جا رہی ہیں۔ خدا کے فضل سے ان کی صحت ٹھیک ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ یہ سفر بخیریت گزرے اور واپس آ کر ہم پھر اللہ کے دین کی خدمت میں لگ جائیں۔ اہلیہ آپ کو سلام کہتی ہیں اور سب متعلقین کو بھی سلام و دعا۔

بچے خدا کے فضل سے سب بخیر ہیں۔ بڑا لڑکا[1] ایم اے کر چکا ہے اور اب کراچی یونیورسٹی میں لیکچرر شپ کے لیے انٹرویو میں گیا ہوا ہے۔ اس سے چھوٹا احمد فاروق[2] جسے آپ امن کے نام سے جانتے ہوں گے، اب ایم بی بی ایس کے آخری سال میں پڑھ رہا ہے۔ اس سے چھوٹی حمیرا[3] اس سال ایم اے فائنل کا امتحان دینے والی ہے اور اس سے چھوٹی اسما[4] بی اے کر چکی ہے۔ باقی بچے ابھی تعلیم پا رہے ہیں۔ دعا فرمائیے کہ اللہ ان سب کو نیک توفیق عطا فرمائے۔

بھائی ابو الخیر[5] صاحب آج کل کراچی میں ہیں اور بخیر ہیں۔

خاکسار

ابو الاعلیٰ

---

۱ ۔ سید عمر فاروق، عرف جگو (پ: ۱۲ اپریل ۱۹۳۸ء) تعلیم ایم اے عربی، پنجاب یونی ورسٹی ۔ درس نظامی، جامعہ اشرفیہ، لاہور ۔ بہ سلسلہ ملازمت طویل عرصے سے سعودی عرب میں مقیم ہیں ۔

۲ ۔ سید احمد فاروق، عرف امن (پ: ۱۱ مئی ۱۹۳۹ء) ایم بی بی ایس، ڈاؤ میڈیکل کالج کراچی ۔ ایم ڈی، امریکا اور سائکاٹرسٹ ۔ آج کل بہ سلسلۂ ملازمت امریکا میں مقیم ہیں ۔

۳ ۔ سیدہ حمیرا خاتون (پ: ۲۲ جولائی ۱۹۴۰ء) ایم اے انگریزی، شعبۂ تعلیم سے وابستہ ہیں ۔

۴ ۔ سیدہ اسماء خاتون (پ: ۲۳ دسمبر ۱۹۴۱ء)

۵ ۔ سید ابو الخیر مودودی، تعارف دیکھیے، خط ٦٧ ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابوالاعلیٰ مودودی

۵-اے ذیلدار پارک- اچھرہ
لاہور (پاکستان)

فون نمبر : ۲۰۰۷

حوالہ 3653/7.2.65

مورخہ ۳ شوال المکرم ۱۳۸۴ھ

محترمی ومکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا ۔ یہ معلوم کر کے دلی مسرت ہوئی کہ آپ بدستور اپنی دھن میں لگے ہوئے ہیں اور ایک ہوسٹل تعمیر کر کے کام شروع کر دیا ہے۔ ہوسٹل کی تجویز بہت اچھی ہے۔ تعلیم کے جو نقائص ہماری تعلیم گاہوں میں پائے جاتے ہیں ان کی بہت کچھ تلافی اس قسم کے ہوسٹلوں سے کی جا سکتی ہے۔ بس اس امر کی خاص طور پر کوشش کیجیے کہ طلبہ کو محض قواعد دارالاقامہ کی وجہ سے دینی زندگی بسر کرنے کی عادت نہ ہو، بلکہ ان کے خیالات میں تبدیلی پیدا ہو جائے اور وہ خود اس طرز زندگی اور عبادات کی پابندی اور اخلاقی حدود کی نگہداشت کو پسند کرنے لگیں۔ اس کے لیے صحیح قسم کے ذی علم اور پاکیزہ اخلاق رکھنے والے مربیوں کی ضرورت ہے ۔

میرے ہاں سب بخیر ہیں اور آپ کو سلام کہتے ہیں ۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

[لاہور]

۴ شوال ۸۴ھ

[۷ر فروری ۱۹۶۵ء]

محترمی و مکرّمی ۔ السلامُ علیکم و رحمۃُ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا ۔ یہ معلوم کر کے دلی مسرت ہوئی کہ آپ بدستور اپنی دُھن میں لگے ہوئے ہیں اور ایک ہوسٹل تعمیر کر کے کام شروع کر دیا ہے ۔ ہوسٹل کی تجویز بہت اچھی ہے تعلیم کے جو نقائص ہماری تعلیم گاہوں میں پائے جاتے ہیں ان کی بہت کچھ تلافی اس قسم کے ہوسٹلوں سے کی جا سکتی ہے ۔ بس اس اَمر کی خاص طور پر کوشش کیجیے کہ طلبہ کو محض قواعدِ دارالاقامہ کی وجہ سے دینی زندگی بسر کرنے کی عادت نہ ہو' بلکہ ان کے خیالات میں تبدیلی پیدا ہو جائے اور وہ خود اِس طرزِ زندگی اور عبادات کی پابندی اور اخلاقی حدود کی نگہداشت کو پسند کرنے لگیں ۔ اس کے لیے صحیح قسم کے ذی علم اور پاکیزہ اخلاق رکھنے والے مُربّیوں کی ضرورت ہے ۔

میرے ہاں سب بخیر ہیں اور آپ کو سلام کہتے ہیں ۔

خاکسار

ابُوالاعلیٰ

[لاہور]

۱۹ مارچ ۶۵ء

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا ایک رجسٹری شدہ عنایت نامہ پہلے مل چکا تھا، مگر میں پچھلے دنوں اس قدر مصروف رہا کہ خطوط کے جوابات نہ لکھ سکا اور ڈاک کا ایک ڈھیر فرصت کے انتظار میں پڑا رہا۔ اب آپ کا دوسرا عنایت نامہ بھی مل گیا جس سے اپنی تاخیر پر بڑی شرمندگی محسوس ہوئی۔ اُمید ہے کہ میری مجبوریوں کو ملحوظ رکھ کر درگزر فرمائیں گے۔

آپ نے اپنے پہلے عنایت نامہ میں جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے ان کے خلوص اور خیر اندیشی کو میں پوری طرح محسوس کرتا ہوں اور بڑی حد تک ان کی صحت کا بھی مجھے احساس ہے۔ مگر کچھ دوسرے پہلو بھی اس معاملہ کے ہیں جنھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ میں جماعت کی تنظیم سے پہلے اپنی انفرادی حیثیت میں جو تھوڑی بہت خدمت کر رہا تھا اس کا اثر ایک خاص طبقے تک محدود تھا اور وہ بھی محض فکری و ذہنی نوعیت کا تھا۔ کوئی ذریعہ ایسا موجود نہ تھا جو ان خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے کام آ سکتا۔ آج تک اسی پوزیشن میں اگر میں کام کرتا رہتا تو آج بھی صورتِ حال کچھ اس سے مختلف نہ ہوتی۔ صرف اتنا ہوتا کہ میرا ایک خیالی "بُت" لوگوں کے ذہنوں میں ذرا پہلے سے بڑا بن جاتا۔ اور زبانی داد دینے والے زیادہ ہو جاتے۔ عملاً حالات پر اثر انداز ہونے کی کوئی امکان نہ تھا۔ آخر علامہ اقبال مرحوم نے اسی نوعیت کا جو کام کیا ہے اس کا کیا حاصل آپ دیکھتے ہیں؟ اس میں شک نہیں کہ وہ گالیاں کھانے سے محفوظ رہے اور میں اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک تحریک اُٹھا کر اور

ایک تنظیم قائم کر کے اِس خطرے میں مبتلا ہو گیا۔ لیکن جس طرح آج لاکھوں آدمیوں کی زندگیوں اور ان کے خیالات پر میں بالواسطہ یا بلاواسطہ اثر ڈال سکا ہوں یہ بات ایک تنظیم اور ایک تحریک کے بغیر کبھی حاصل نہ ہو سکتی۔ اب اگر حکومت کی دُشمنی اور کچھ سیاسی و مذہبی گروہوں کی مخالفت سے دل برداشتہ ہو کر یا ان لوگوں کے حملوں سے اپنی عزت بچانے کی خاطر میں اس بنے بنائے نظامِ جماعت کو لپیٹ کر رکھ دُوں تو اس کا نقصان، اس کو چلاتے رہنے کے نقصان سے بدرجہا زیادہ ہو گا اور ریٹائر ہو کر سابق حالات کی طرف پلٹنے کا اب اتنا فائدہ کبھی نہ ہو گا جتنا کوئی جماعت بنائے بغیر سابق طریقے پر ہی کام کرتے رہنے سے ہو سکتا تھا۔

سیاسی جماعتوں کے ساتھ مِل کر کام کرنے[2] کی قباحتیں میں خُود بھی محسوس کرتا ہوں۔ یہ صُورتِ حال ہماری نظر بندی کے زمانے میں کچھ اِس طرح رُونما ہُوئی کہ رہائی کے بعد اس کی فوری اصلاح کرنا میرے بس میں نہ تھا۔ اب میں اسے بدلنے کی پُوری کوشش کر رہا ہُوں اور اِن شاء اللہ اس میں بتدریج، مگر بہت جلدی ایسا تغیر ہو جائے گا جس سے یہ قباحتیں باقی نہ رہیں گی۔

کوثر صاحب[3] نے جو تازہ ہنگامہ برپا کیا ہے یہ کچھ ایسی گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ اِس طرح کے لوگ دراصل میری اور جماعت اسلامی کی اخلاقی پوزیشن پر ضرب لگا کر خُود کچھ فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن خدا کے فضل سے نہ ان کی ضرب کارگر ہوگی، نہ وہ خُود کوئی قابلِ ذکر فائدہ اُٹھا سکیں گے۔ کچھ مُدت کے بعد انھیں آپ ہی معلوم ہو جائے گا کہ انھوں نے کیا فائدہ حاصل کیا۔ مجھے دراصل جس بات کا افسوس ہوتا ہے وہ صِرف یہ ہے کہ یہ لوگ اِسلام کے مفاد کو بھُول کر صرف اپنے نفس کے کچھ تقاضے پُورے کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ اگر اسلام کا مفاد ان کی نگاہ میں کوئی اہمیت رکھتا تو وہ اپنے نفس کی خاطر ایک ایسی دینی خدمت کو مجروح کرنے کی کوشش نہ کرتے جس کا بدل فراہم کرنے پر وہ قادر نہیں ہیں اور جسے اگر نقصان پہنچ جائے تو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فون نمبر: ۲۵۰۷

ابوالاعلیٰ مودودیؒ

۵-اے ذیلدار پارک۔ اچھرہ
لاہور (پاکستان)

حوالہ 3152/—

مورخہ ۹ مارچ ۶۵ء

محترمی و مکرمی السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا ایک رجسٹرڈ شدہ عنایت نامہ پہلے مل چکا تھا، مگر میں پچھلے دنوں اس قدر معروف رہا کہ خطوط کے جوابات نہ لکھ سکا اور ڈاک کا ایک ڈھیر فرصت کے انتظار میں پڑا رہا۔ اب آپ کا دوسرا عنایت نامہ بھی مل گیا جس سے اپنی تاخیر پر بڑی شرمندگی محسوس ہوئی۔ امید ہے میری مجبوریوں کو ملحوظ رکھ کر درگزر فرمائیے۔

آپ نے اپنے پہلے عنایت نامہ میں جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے ان کے خلوص اور خیر اندیشی کو میں پوری طرح محسوس کرتا ہوں اور بڑی حد تک ان کی صحت کا بھی مجھے احساس ہے۔ مگر کچھ دوسرے پہلو بھی اس معاملہ کے ہیں جنہیں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ میں جماعت کی تنظیم سے پہلے اپنی انفرادی حیثیت میں جو تھوڑی بہت خدمت کر رہا تھا اس کا اثر ایک خاص طبقے تک محدود تھا اور وہ بھی محض فکری و ذہنی نوعیت کا تھا۔ کوئی ذریعہ ایسا موجود نہ تھا جو ان خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے کام آ سکتا۔ آج تک اسی پوزیشن میں اگر میں کام کرتا رہتا تو آج بھی صورت حال کچھ اس سے مختلف نہ ہوتی۔ صرف اتنا ہوتا کہ میرا ایک "خیالی بت" لوگوں کے ذہنوں میں ذرا پہلے سے بڑا بن جاتا، اور زبانی داد دینے والے زیادہ ہو جاتے۔ عملاً حالات پر اثرانداز ہونے کا کوئی امکان نہ تھا۔ آخر علامہ اقبال مرحوم نے اسی نوعیت کا جو کام کیا ہے اس کا کیا حاصل آپ دیکھ رہے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ گالیاں کھانے سے محفوظ رہے اور میں اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک تحریک اٹھا کر اور ایک تنظیم قائم کر کے اس خطرے میں مبتلا ہو گیا۔ لیکن جس طرح آج لاکھوں آدمیوں کی زندگیوں اور ان کے خیالات پر میں بالواسطہ یا بلاواسطہ اثر ڈال سکا ہوں یہ بات ایک تنظیم اور ایک تحریک کے بغیر کبھی حاصل نہ ہو سکتی۔ اب اگر حکومت کی دشمنی اور کچھ سیاسی و مذہبی گروہوں کی مخالفت سے دل برداشتہ ہو کر، یا ان لوگوں کے

پہلوؤں سے اپنی محنت بچانے کی خاطر میں اس نئے بنائے نظامِ جماعت کو لپیٹ کر رکھ دوں تو اس کا نقصان، اس کو جلوت دینے کے نقصان سے بدرجہا زیادہ ہوگا اور ریلیف ہو کر سابق حالت پر واپس پلٹنے کا اب اتنا فائدہ بھی نہ ہوگا جتنا کوئی جماعت بنائے بغیر سابق طریقے پر ہی کام کرتے رہنے سے ہو سکتا تھا ۔

سیاسی جماعتوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کی قباحتیں میں خود بھی محسوس کرتا ہوں ۔ یہ صورت ان ہماری نظربندی کے زمانے میں کچھ اس طرح رونما ہوئی کہ رہائی کے بعد اس کی فوری اصلاح ہونا میرے بس میں نہ تھا ۔ اب میں اسے بدلنے کی پوری کوشش کر رہا ہوں اور [illegible] اللہ اس میں بتدریج، مگر بہت جلدی اب تغیر ہو جائے گا جس سے یہ قباحتیں باقی نہ رہیں گی ۔

کوثر صاحب نے جو تازہ ہنگامہ برپا کیا ہے یہ کچھ ایسی گھبرانے کی بات نہیں ہے ۔ اس طرح کے لوگ دراصل میری اور جماعت اسلامی کی اخلاقی پوزیشن پر ضرب لگا کر خود کچھ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن خدا کے فضل سے نہ ان کی ضرب کارگر ہوگی، نہ وہ خود کوئی قابلِ ذکر فائدہ اٹھا سکیں گے ۔ کچھ مدت کے بعد آپ ہی معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے کیا فائدہ حاصل کیا ۔ مجھے دراصل جس بات کا افسوس ہوتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ یہ لوگ اسلام کے مفاد کو بھول کر صرف اپنے نفس کے کچھ تقاضے پورے کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں ۔ اگر اسلام کا مفاد ان کی نگاہ میں کوئی اہمیت رکھتا تو وہ اپنے نفس کی خاطر ایک ایسی دینی خدمت کو مجروح کرنے کی کوشش نہ کرتے جس کا بدل فراہم کرنے پر وہ قادر نہیں ہیں اور جسے اگر نقصان پہنچ جائے تو اس کی تلافی کا دور دور کوئی امکان نظر نہیں آتا ۔ ان حضرات نے جماعت سے الگ ہو کر میری اور جماعت اسلامی کی عداوت میں جو کچھ کیا ہے اس سے ان کے نفس کی تسکین خواہ کتنی ہی ہوگئی ہو، آخر دین کی کیا خدمت انجام پائی ہے، اور مثبت طور پر انہوں نے وہ کیا کام کیا جو لادینی کی حامی طاقتوں کے اٹھائے ہوئے سیلاب کے مقابلے میں کوئی ادنیٰ سی مزاحم قوت بھی فراہم کرتا ہو؟

خاکسار

ابوالاعلیٰ

اس کی تلافی کا دُور دُور کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ ان حضرات نے جماعت سے الگ ہوکر میری اور جماعت اسلامی کی عداوت میں جو کچھ کیا ہے اس سے ان کے نفس کی تسکین خواہ کتنی ہی ہوگئی ہو، آخر دین کی کیا خدمت انجام پائی ہے اور مثبت طور پر انھوں نے وُہ کیا کام کیا ہے جو لادینی کی حامی طاقتوں کے اُٹھائے ہُوئے سیلاب کے مقابلے میں کوئی اَدنیٰ سی مزاحم قوت بھی فراہم کرتا ہو؟

خاکسار

ابوالاعلیٰ[1]

---

۱ ۔ یہاں مولانا مودودی کی مراد یہ ہے کہ علامہ محمد اقبالؒ کی شاعری سے عامۃ الناس کی تطہیر افکار اور تعمیر سیرت کا مطلوبہ کام اس خاطر خواہ طریقے سے انجام نہیں پاسکا، جو کسی تنظیم کے تحت منظم اور مربوط طریقے سے اور نسبتاً زیادہ نتیجہ خیز صورت میں سامنے آتا ہے ۔ یوں مولانا مودودی نے علامہ اقبال کی ملّی خدمات کا کئی جگہ اعتراف کیا ہے ۔ دراصل تجدید و احیائے دین کے لیے علامہ اقبال اور مولانا مودودی نے اپنے اپنے دائرے میں ، اور اپنے اپنے طریقِ کار کے مطابق خدمات انجام دیں ۔ طریقِ کار کے اس فرق کو ہمارے بعض اکابرین نے بھی محسوس کیا ۔ نامور ادیب اور شاعر حضرتِ احسان دانش (ف: ۲۲ مارچ ۱۹۸۲ء) نے ایک جگہ لکھا ہے : ”علامہ اقبال نے اپنے لٹریچر میں جو کچھ دیا ، وہ کرسی نشینوں اور صوفوں پر اینڈنے والی مخلوق کو دیا تھا ۔ اور ان لوگوں میں یہ سوجھ بوجھ نہیں تھی کہ اسے آسان زبان میں عوام تک پہنچائیں ۔ چناں چہ کوئی شاعر یا ادیب علامہ اقبال کی تقلید بھی نہیں کرسکا ۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ کام بھی مولانا مودودی ہی کا ہے کہ اقبال کے خیالات و نظریات کو عوام کے سینے میں انڈیل ہی نہیں دیا ، بلکہ خدا کے احکام، رسول اللہ کی شریعت اور اقبال کی تعلیمات گھر گھر تقسیم کر کے ایک نئی فضا تیار کر دی“ (سیارہ ڈائجسٹ سید مودودی نمبر، دسمبر ۱۹۷۹ء ص ۹۵)

اسی طرح ڈاکٹر سید محمد عبداللہ (ف :۱۴ اگست ۱۹۸۶ء) لکھتے ہیں: ”سید مودودی کے مخاطَب ملک کے اوسط درجے کے پڑھے لکھے لوگ تھے ۔ جن کی اکثریت کو توضیح واستدلال کے ذریعے مطمئن کرنا تھا، لہٰذا ان کا دائرۂ تخاطُب وسیع تر اور ایک منظم تحریک کے حوالے سے تھا ۔۔۔ نیز سید مودودی کا طریقِ مدافعتِ دین ، اقبال کے طریقے سے جدا تھا ۔۔۔ علامہ اقبال کے مخاطب زیادہ تر علمائے مغرب تھے ۔۔۔ ان کے خطبے عوام کے لیے کم اور خواص کے لیے زیادہ ہیں“ اردو ڈائجسٹ ، ستمبر ۱۹۸۱ء ، ص ۷۰ ۔

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں مولانا مودودی کا زور اس نکتے پر ہے کہ متعین اور منظم طریقِ کار اختیار

کیے بغیر بہترین تعلیمات بھی مؤثر نہیں ہو سکتیں، اور خاطر خواہ نتائج بر آمد نہیں ہوتے ۔

۲ ۔ اس زمانے میں صدر جنرل محمد ایوب خان کی آمریت کے خلاف مشترکہ جدوجہد کے لیے "متحدہ حزبِ اختلاف" (Combined Opposition Parties) قائم ہوئی اس میں جماعتِ اسلامی پاکستان بھی شامل تھی ۔ یہ اسی جانب اشارہ ہے ۔

۳ ۔ یعنی کوثر نیازی (پ : ۲۱ اپریل ۱۹۳۴ء) پہلے جماعتِ اسلامی سے وابستہ تھے ، لیکن ۱۹۶۵ء میں علاحدہ ہو گئے ۔ چند برس تک صدر ایوب کے حامی رہے، پھر پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے ۔ ۱۹۷۰ء میں پسرور کے حلقے سے (جہاں ووٹروں کی ایک بڑی تعداد قادیانیوں کی ہے) ۔ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے ۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ حکومت میں پہلے ، مشیرِ اطلاعات، حج واوقاف اور بعد ازاں وزیرِ اطلاعات و نشریات رہے ۔ مسٹر بھٹو کے اقتدار کے خاتمے پر پیپلز پارٹی چھوڑ دی اور پروگریسو پیپلز پارٹی بنائی، اسے بھی تین سال بعد توڑ دیا۔ پھر مارشل لا کے تحت غیر جماعتی بنیادوں پر سینٹ کے ممبر (۱۹۸۵ء تا ۱۹۸۸ء) بنے ۔ ہفت روزہ "شہاب" کے مدیر رہے ۔ جہادِ افغانستان میں مجاہدین کے مخالف اور اشتراکی روس کے وکیلِ صفائی کا رول ادا کیا ۔ تصانیف: * دیدہ ور * اندازِ بیاں * کوہ قاف کے دیس میں وغیرہ ۔ وفات ۲۹ ۔ مارچ ۹۴ء

۳۱

[لاہور]
۲۶ مارچ ۶۵ء

مخترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آپ کے پہلے عنایت نامہ کا جواب دینے بیٹھا تھا کہ دوسرا عنایت نامہ مل گیا اور اِس سے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ جماعت کے تازہ پنج سالہ منصوبے کو دیکھ کر آپ مطمئن ہو گئے ہیں۔ دراصل میں اب جماعت کی ساری قوتوں کو تعمیری کاموں پر لگا دینا چاہتا ہوں، کیونکہ پچھلے چھ سال کے حالات میں اِن کاموں کو بڑا نقصان پہنچا ہے، اور پورے ملک میں فکری و اخلاقی انحطاط کی رفتار ایسی خوفناک ہے کہ اس کے تدارک کی کوشش ہر دوسرے کام پر مقدم ہو گئی ہے۔

"تفہیم القرآن" کی تکمیل کے لیے بھی اب میں بہت فکر مند ہوں۔ میری جسمانی

طاقت بڑی تیزی سے کم ہو رہی ہے اور اب میں چاہتا ہوں کہ جو بچی کھچی قوت موجود ہے اسے اِس کام پر لگا دوں۔ اپنے رُفقاء کو اِس بات پر راضی کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ وہ اپنا کام خود سنبھالیں اور مجھے سکون کے ساتھ یہ کام مکمّل کرنے کے لیے چھوڑ دیں۔ خدا کرے کہ مجھے یہ کتاب اپنی زندگی میں مکمّل کر دینے کی مُہلت نصیب ہو جائے۔

"دارالاسلام" کے جدید اِنتظامات کا حال سُن کر خوشی ہوئی۔ اِنشاءاللہ اس کے متعلق ضرور لکھوں گا۔ کتابوں کے متعلق آپ اِسلامک پبلیکیشنز[2] کو براہِ راست آرڈر بھیج دیں اور بہتر یہ ہو کہ اکٹھا آرڈر دیں۔ اِس صورت میں زیادہ سے زیادہ تخفیفِ قیمت کے لیے میری سفارش زیادہ کارگر ہو گی۔ میں ان سے کہہ رہا ہوں کہ آپ کے منشاء کے مطابق جلدیں تیار کرائیں اور مجھ سے دستخط کرا کے بھیجیں۔ میری صحت نے اگر اجازت دی تو میں خود بھی کبھی حاضر ہوں گا۔ فی الحال تو صحت روز بروز گرتی جا رہی ہے، اگرچہ بظاہر کوئی خاص بیماری نہیں ہے بلکہ پچھلے عوارض ہی اپنا اثر دکھا رہے ہیں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ "ترجمان القرآن" میں "تفہیم القرآن" کی قسط وار اشاعت فروری ۱۹۴۲ء میں شروع ہوئی، اور مولانا مودودی نے اسے جون ۱۹۷۲ء میں مکمل کیا ۔ محمد انور خاں نیازی بتاتے ہیں: "یہ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ (۷ جون ۱۹۷۲ء) کا دن تھا ۔ جب مولانا نے تفہیم کی تکمیل کا ذکر فرمایا، اس وقت دن کا ایک بج رہا تھا ۔ اس عظیم کام سے فراغت کے بعد مولانا نے جو اوّلیں کام کیا وہ نمازِ ظہر کی ادائیگی تھا" ("آئین"، ۱۵ جون ۱۹۷۲ء)

۲ ۔ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور کا قیام جولائی ۱۹۵۹ء میں عمل میں آیا ۔ میاں طفیل محمد صاحب اس کے پہلے مینیجنگ ڈائریکٹر تھے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابوالاعلیٰ مودودیؒ

۵ - اے ذیلدار پارک - اچھرہ
لاہور (پاکستان)

فون نمبر : ۲۵۰۷

حوالہ ______

مورخہ ۲۶ مارچ ۶۵ء

محترمی و مکرمی   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے پہلے عنایت نامہ کا جواب دینے بیٹھا تھا کہ دوسرا عنایت نامہ مل گیا اور اس سے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ جماعت کے تازہ پنج سالہ منصوبے کو دیکھ کر آپ مطمئن ہو گئے ہیں ۔ دراصل میں اب جماعت کی ساری قوتوں کو تعمیری کاموں پر لگا دینا چاہتا ہوں، کیونکہ پچھلے چھ سال کے حالات میں ان کاموں کو بڑا نقصان پہنچا ہے، اور پورے ملک میں فکری و اخلاقی انحطاط کی رفتار ایسی خوفناک ہے کہ اس کے تدارک کی کوشش ہر دوسرے کام پر مقدم ہو گئی ہے ۔

تفہیم القرآن کی تکمیل کے لیے بھی اب میں بہت فکرمند ہوں ۔ میری جسمانی طاقت بڑی تیزی سے کم ہو رہی ہے اور اب میں چاہتا ہوں کہ جو بچی کھچی طاقت موجود ہے اسے اسی کام پر لگا دوں ۔ اپنے رفقاء کو اس بات پر راضی کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ وہ دوسرا کام خود سنبھالیں اور مجھے سکون کے ساتھ یہ کام مکمل کرنے کے لیے چھوڑ دیں ۔ خدا کرے کہ مجھے یہ کتاب اپنی زندگی میں مکمل کر دینے کی مہلت نصیب ہو جائے ۔

"دارالاسلام" کے جدید انتظامات کا حال سن کر خوشی ہوئی ۔ ان شاء اللہ اس کے متعلق ضرور لکھوں گا ۔ کتابوں کے متعلق آپ اسلامک پبلیکیشنز کو براہ راست آرڈر بھیج دیں اور بہتر یہ ہو کہ اکٹھا آرڈر دیں ۔ اس صورت میں زیادہ سے زیادہ تخفیفِ قیمت کے لیے میری سفارش زیادہ کارگر ہو گی ۔ میں ان سے کہہ رہا ہوں کہ آپ کی منشا کے مطابق جلدیں تیار کرائیں اور مجھ سے دستخط کرا کے بھیجیں ۔ میری صحت نے اگر اجازت دی تو خود بھی کبھی حاضر ہوں گا ۔ فی الحال تو صحت روز بروز گرتی جا رہی ہے، اگرچہ بظاہر کوئی خاص بیماری نہیں ہے لیکن پچھلے عوارض ہی اپنا اثر دکھا رہے ہیں ۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۳۲

اس خط میں مولانا مودودی نے مضاربت کے بارے میں نیاز علی خاں صاحب کے بعض اِشکالات دور کرنے کی کوشش کی ہے ۔اس مسئلے پر مولانا نے اپنی تصانیف "سود" "معاشیاتِ اسلام" اور "اسلام اور جدید معاشی نظریات" کے علاوہ "تفہیم القرآن" میں بھی مختلف مقامات پر بحث کی ہے ۔

[لاہور]

[۱۱ مارچ ۱۹۶۶ء]

محترمی و مکرمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

خط ملا۔ آپ کے خیریت نامے کی آمد باعث مسرت ہے۔ مضاربت کے متعلق آپ کا مختصر ارشاد پوری طرح سمجھ میں نہیں آسکا۔ فقہا نے مضاربت کا مشروع طریق یہ مقرر کیا ہے کہ منافع میں سرمایہ دار اور محنت کار باہمی طے شدہ تناسب کے ساتھ حصہ دار ہوں، وہ تناسب مساوی یعنی نصفا نصف بھی ہو سکتا ہے اور کم و بیش بھی۔ (مثلاً ۲ : ۳ کی نسبت ہو یا اس کے برعکس یا مختلف ہو) اور نقصان کی صورت میں سرمایے دار سرمایے کا نقصان برداشت کرے اور محنت والا محنت کا نقصان برداشت کرے۔ اس کے علاوہ مضاربت کے کسی دوسرے طریق کا جواز نگاہ سے نہیں گزرا۔

آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "حساب کتاب کی مشقت اور غلطیوں سے بچنے کے لیے شرح منافع مقرر کر لی جائے۔" اگر اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ صاحب سرمایہ کے لیے نفع کی کوئی متعین مقدار یا فی صد شرح مقرر کر لی جائے، خواہ کاروبار میں نفع ہو یا نقصان یا نفع کم ہو یا زیادہ تو یہ صورت صحیح نہ ہو گی۔ حسابی دقت یا غلطی سے بچنے کا عذر درنی معلوم نہیں ہوتا۔ ہر کاروبار بالخصوص جس میں ایک سے زائد شرکا ہوں، اس میں حساب کسی نہ کسی شکل میں رکھنا ناگزیر ہوتا ہے۔ ایک خاص

مالیت کی حد تک پہنچ کر انکم ٹیکس کے لیے بھی حساب رکھنا لازم ہو جاتا ہے۔ اس طرح منافع کا اندازہ کسی نہ کسی صورت میں ہو ہی جاتا ہے اور اس کی متناسب تقسیم میں کوئی دشواری پیش نہیں آسکتی۔

تاہم آپ نے فقہاء کے جس قول کا ذکر کیا ہے، اگر آپ اس کا حوالہ دے سکیں کہ آپ نے کس کتاب یا رسالے میں یہ بات دیکھی تھی تو اس مسئلے پر مزید غور کیا جا سکتا ہے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

سید نذیر نیازی

سید نذیر نیازی (مارچ ۱۹۰۰ء سیالکوٹ ——— ۲۴ جنوری ۱۹۸۱ء لاہور) ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں حاصل کی ۔ جامعہ ملّیہ اسلامیہ ، علی گڑھ سے ۱۹۲۱ء میں بی اے کیا، ازاں بعد پنجاب یونی ورسٹی سے ۱۹۶۵ء میں ایم اے فارسی کی سندلی ۔ کئی برس جامعۂ ملّیہ میں تدریسی فرائض انجام دیے ۔ ۱۹۳۵ء میں رسالہ "طلوعِ اسلام" جاری کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ ، پنجاب یونی ورسٹی سے وابستہ رہے ۔ آپ کی تصانیف و تالیفات اور تراجم کی تعداد پندرہ ہے۔ اہم تصانیف و تالیفات * علامہ اقبال کے انگریزی خطبات کا ترجمہ "تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ" * مکتوباتِ اقبال * اقبال کے حضور * دانائے راز ۔

۳۳

نذیر نیازی ان خطوط کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے بتاتے ہیں: "چودھری نیاز علی خان نے قلعہ جمال پور، پٹھان کوٹ میں [ایک] ... "وقف" بنایا ۔۔۔ وہاں تعلیم و تربیت کے لیے حضرت علامہ نے چودھری صاحب سے فرمایا: "سرِدست ایک نام میرے ذہن میں آتا ہے، حیدر آباد سے "ترجمان القرآن" کے نام سے ایک بڑا اچھا رسالہ نکل رہا ہے ۔ مودودی صاحب اس کے ایڈیٹر ہیں، میں نے ان کے مضامین پڑھے ہیں ۔ دین کے ساتھ ساتھ وہ مسائلِ حاضرہ پر بھی نظر رکھتے ہیں ۔ ان کی کتاب "الجہاد فی الاسلام" مجھے بہت پسند آئی ہے ۔ آپ کیوں نہ انھیں [اپنے ہاں] آنے کی دعوت دیں، میرا خیال ہے کہ وہ دعوت قبول کر لیں گے"۔ اس گفت گو کے حوالے سے میں نے علامہ کی طرف سے ایک مفصل خط مولانا مودودی کو لکھا، جس کے جواب میں انھوں نے [دار الاسلام] آنے پر آمادگی ظاہر کی ۔۔۔ اس کی تفصیل چودھری نیاز علی صاحب کو پہنچادی گئی ۔ ان کے ارشادات کے مطابق میں نے مولانا مودودی کو پھر ایک مفصل خط لکھا ۔ اس طرح کئی خطوں کا تبادلہ ہوا، اور مولانا مودودی اپریل ۱۹۳۸ء میں سیدھے [دار الاسلام] پہنچے ۔۔۔ میری زیرِ طبع کتاب "اقبال کے حضور" جلد دوم میں یہ تمام واقعات بہ تفصیل درج ہیں ۔ نیز اس تاریخی خط کتابت کا پورا ریکارڈ میرے پاس بہ حفاظت موجود ہے" ("ایشیا" ، ۱۷ اپریل ۱۹۶۹ء بہ حوالہ "اوراقِ گم گشتہ" ص ۸۳) نیازی صاحب نے دار الاسلام پٹھان کوٹ میں مولانا کی آمد کو اپریل ۱۹۳۸ء کا واقعہ قرار دیا ہے ۔ یہاں ان سے تسامح ہوا ہے ۔ ۳۲ برس بعد روایت بیان میں یہ تسامح باعثِ تعجب نہیں ۔ مولانا ۱۶ مارچ کو یہاں پہنچے تھے ("وثائقِ مودودی" ص ۹۸)

"آخری عمر میں علامہ اقبال کی بصارت تقریباً جواب دے گئی تھی، اس لیے ان کی طرف سے خط کتابت عموماً سیّد نذیر نیازی کرتے تھے۔ مولانا مودودی کو علامہ اقبال کی طرف سے نیازی صاحب ہی نے پنجاب منتقل ہونے کے لیے خطوط لکھے، اور ان کا جواب مولانا نے نذیر نیازی ہی کے نام دیا۔ ان میں سے تین خطوط مجھے نذیر نیازی صاحب کی عنایت سے ۵ جنوری ۱۹۵۷ء کو ملے" (روایت: محمد یوسف بُھٹّہ مصنّف: "مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں") اس روایت میں اتنا اضافہ ضروری ہے کہ نیازی صاحب کے علاوہ علامہ کی جانب سے جوابِ خط لکھنے کا فرض کبھی میاں محمد شفیع (م، ش) ڈورس احمد اور جاوید اقبال بھی انجام دیا کرتے تھے۔

[حیدر آباد، دکن]
۱۷ جمادی الاول ۵٦ھ
[۲٦ جولائی ۱۹۳۷ء]

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ مَیں بہت شکرگزار ہوں کہ آپ نے بہت صفائی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار فرما دیا۔ مَیں بھی چند باتیں اسی بے تکلفی کے ساتھ عرض کیے دیتا ہوں۔

مَیں نے اپنی زندگی کے لیے چند اصول ایک خاص نصب العین کے ساتھ مقرر کر لیے ہیں اور خدا کے فضل سے میرے اندر اتنی استقامت موجود ہے کہ مَیں سخت سے سخت مشکلات میں بھی اپنے نصب العین سے ہٹنا اور اپنے اصولوں میں ترمیم کرنا گوارا نہیں کرتا۔ اِس وقت مَیں جن مشکلات میں مبتلا ہوں وہ تمام تر میری اپنی عائد کی ہُوئی پابندیوں کی وجہ سے ہیں، ورنہ یہ طوفانِ مصائب آج دُور ہو سکتا ہے۔ مَیں نے اپنے اوپر جو پابندیاں عائد کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مَیں کسی سے اپنی ذات کے لیے کوئی مالی مدد نہ لوں گا۔ دوسری یہ ہے کہ قومی اور مذہبی خدمت کے سلسلے میں کوئی معاوضہ لینے کا خیال بھی نہ کروں گا، اور تیسری یہ ہے کہ ایسی منفعت کے لالچ میں اپنے آپ کو گرفتار نہ ہونے دوں گا جو مجھ کو دین و ملّت کے مفاد کے لیے اپنی صوابدید کے مطابق آزادانہ کام کرنے سے روکتی ہو۔

(چند پابندیاں اور بھی ہیں، مگر وہ زیرِ بحث معاملات سے غیر متعلق ہیں)۔ اب آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ جو صورتیں آپ نے بیان فرمائی ہیں، انھیں قبول کرنا میرے لیے کس قدر مشکل ہے۔ مَیں اپنی ذات کے لیے سو روپے کیا معنی، ایک پیسے کی بھی مدد نہیں چاہتا۔ اپنے ذاتی مصارف کے لیے مَیں نے ایک تجارتی کام شروع کر رکھا ہے، اسی کو مَیں لاہور میں بھی کر سکتا ہوں[۱]۔ شاہی مسجد کی امامت میرے لیے ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے[۲]۔ اس سے بہتر موقع کام کرنے کا اور کیا ہو سکتا ہے، مگر معاوضہ لے کر امامت کرنا میرے نزدیک ناجائز نہیں تو سخت مکروہ ضرور ہے۔ مسلمانوں میں چار سو برس سے یہ مسئلہ متفق علیہ رہا ہے کہ نماز کی امامت اور قرآن کی تعلیم کا معاوضہ لینا جائز نہیں۔ بعد میں حالات کی خرابی نے اس کو جائز کرا دیا، اور اسی وقت سے یہ دونوں منصب ذلیل اور بے رُوح ہو گئے ہیں۔ مَیں اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتا ہوں اس لیے معاوضہ لے کر امامت کرنے کا تو خیال بھی نہیں کر سکتا، ہاں اگر بلا معاوضہ یہ خدمت میرے سپرد کی جائے تو دل و جان سے اس کے لیے حاضر ہوں۔ رہی سیاست سے کنارہ کشی تو اس کے لیے مَیں قطعاً تیار نہیں ہوں۔ مَیں نے کسی فوری جذبے کے تحت سیاسیات کی طرف قدم نہیں بڑھایا ہے بلکہ خوب سوچ سمجھ کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اب مجھے گوشۂ عزلت سے نکل کر کچھ کرنا چاہیے۔ مُسلمان اس وقت سخت خطرے میں مبتلا ہیں۔ جن سے صحیح رہنمائی کی اُمید نہ تھی انھیں چھوڑ دیجیے، جن سے تمام تر اُمیدیں وابستہ تھیں آج وہ بھی غلط رہنمائی کر رہے ہیں۔ کانگریسی تحریک کے فروغ نے مسلمانوں کے کیمپ میں عام بھگدڑ برپا کر دی ہے۔ روزانہ desertion کی خبریں دھڑا دھڑ چلی آ رہی ہیں۔ جواہر لال کی امت عوام میں تیزی کے ساتھ اپنا اثر پھیلا رہی ہے۔ جھانسی کے انتخابات نے ظاہر کر دیا کہ مُسلمانوں کی رائے عام کسی حد تک متاثر ہو چکی ہے، اور اب کانگریسی اور غیر کانگریسی کے درمیان کتنا تھوڑا margin رہ گیا ہے[۳]۔ مسلمان لیڈروں کے بیانات اور اسلامی جرائد کے مضامین پڑھنے سے

اندازہ ہو رہا ہے کہ کس قدر کم آدمی ہیں جو اسلامی ہند کی صحیح پوزیشن کو سمجھتے ہیں اور جن کے سامنے راہِ راست بالکل واضح ہے۔ ایسی حالت میں آپ غور کیجیے کہ جو چند گنے چنے آدمی ایسے باقی رہ گئے ہیں ان میں سے بھی ایک شخص کا اپنے اوپر پابندی عائد کر لینا اور وہ بھی ڈیڑھ دو سو کی آمدنی کے لیے کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ اگر میں اس کو جائز سمجھ لوں تو مجھے لاہور جانے کی کیا ضرورت ہے؟ جامعہ عثمانیہ میں چار سو روپے کی جگہ مجھے اس وقت مل رہی ہے، اس کو کیوں نہ قبول کر لوں؟

میں جس غرض کے لیے لاہور کا رخ کرنا چاہتا ہوں وہ صرف یہ ہے کہ میرے نزدیک اسلامی ہند کا فیصلہ (جواب قریب ہی آ گیا ہے) شمال کے تینوں صوبوں کی طاقت پر منحصر ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس "دارالاسلام" کے قلب میں جا کر بیٹھوں اور دیکھوں کہ وہاں اسلام کی قوت کو بڑھانے اور اس سے کام لینے کے کون سے مواقع حاصل ہو سکتے ہیں۔ یہاں سے میں کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ وہاں پہنچ کر مواقع تلاش کروں گا اور جو موقع بھی مجھ کو ملے گا اس سے فائدہ اٹھاؤں گا۔ میں اس قسم کے استفادہ کے لیے اپنے دل و دماغ اور دست و پا کو بالکل آزاد رکھنا چاہتا ہوں اور کسی قیمت پر بھی ایسی کوئی پابندی قبول نہیں کر سکتا جو دین و ملت کی خدمت کے کسی موقع سے فائدہ اٹھانے میں مانع ہو۔

اُمید ہے کہ اب آپ میرے نقطۂ نظر کو اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے۔ میں نے جن مشکلات کا اپنے پچھلے خط میں ذکر کیا تھا اُن کی تفصیل یہ ہے کہ "ترجمان القرآن" کا ماہوار خرچ تقریباً تین سو روپیہ ہے۔ پبلک میں اتنے خریدار نہیں کہ رسالہ کے مصارف ان کے چندہ سے چلائے جا سکیں۔ نظام گورنمنٹ ۲۷۰ پرچے خریدتی ہے۔ اسی کی بدولت پرچہ چل رہا ہے۔ اگر میں لاہور منتقل ہو جاؤں تو اغلب ہے کہ نظام گورنمنٹ کی خریداری بند ہو جائے گی۔ اس صورت میں مجھ پر اپنے ذاتی مصارف کے ساتھ پرچے کے مالی نقصان کا بار بھی بڑھ جائے گا اور اس کو سنبھالنا میرے لیے تقریباً محال ہوگا۔ اس مشکل کا حل صرف یہ ہو سکتا ہے کہ پنجاب میں آپ

حضرات اپنے ذرائع سے کام لے کر "ترجمان القرآن" کی توسیعِ اشاعت کے لیے کوشش فرمائیں۔ اگر مجھے یہ توقع ہو کہ پانچ سو تک خریدار مہیّا ہو سکتے ہیں تو میں رسالہ کی طرف سے مطمئن ہو جاؤں گا۔ میں رسالہ سے کچھ لینا نہیں چاہتا مگر مجھ میں اتنی استطاعت بھی نہیں کہ اس کو کچھ دے سکوں۔

علّامہ اقبال کے ساتھ "عمرانیاتِ اسلامی کی تشکیلِ جدید" میں حصّہ لینا میرے لیے موجبِ سعادت ہے۔[5] میں ہر ممکن خدمت کے لیے حاضر ہوں، مگر اس سلسلے میں کسی مالی معاوضے کی مجھے ضرورت نہیں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ حیدر آباد میں دواسازی کے کاروبار میں شراکت (دیکھیے: خط ۱۸۔ حاشیہ ۱)

۲۔ علامہ اقبال کی تجویز پر نذیر نیازی نے مولانا مودودی کو بادشاہی مسجد لاہور میں امامت کی پیش کش کی تھی۔ (مزید دیکھیے: خط ۱۶، حاشیہ ۱)

۳۔ اس صورتِ حال پر روشنی ڈالتے ہوئے، سیّد حسن ریاض لکھتے ہیں: "۔۔۔۔ یو پی میں بڑا با اثر پارلیمینٹری بورڈ بنا، الیکشن مہم کے دوران میں مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان کوئی اختلاف نہ تھا، یونینسٹ پارٹی اور جمعیت العلماء کے مسلمانوں کو بھی مسلم لیگ نے ٹکٹ دیے اور کامیاب ہوئے۔ الیکشن کے دوران میں مسلم لیگ کے مسلمان حامیوں نے کانگریس کے ہندو امیدواروں کی مدد کی، لیکن ہندو اکثریت کے تمام صوبوں میں کانگریس کو توقع کے خلاف عظیم کامیابی ہوئی۔ اس غرور سے کانگریس کے لیڈروں کا سَر پھر گیا۔۔۔۔ مسلم لیگ کا زیادہ زور صوبۂ متحد (یو پی) میں تھا۔ یہاں سوال پیدا ہوا کہ وزارت میں مسلم لیگ کے نمایندے لیے جائیں اور مخلوط وزارت بنے۔ کانگریس نے نخوت کے ساتھ مخلوط وزارت بنانے سے انکار کر دیا اور اُلٹا مسلم لیگ کو شرم ناک شرائط پیش کر دیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے متکبّرانہ دعوے شروع کر دیے۔ کانگریس کی وزارتیں قائم ہوتے ہی، یو پی، بہار اور ہندو اکثریت کے دوسرے صوبوں میں ہندوؤں نے رام راج کی آمد سمجھ کر اذان، نماز، قُربانی، محرم کے جلوسوں پر بلا روک ٹوک حملے شروع کر دیے۔ پولیس نے لاپروائی اختیار کی۔ اگر دبایا تو مسلمانوں کو۔ کانگریسی جھنڈے لہرا دیے گئے، بندے ماترم کو قومی ترانہ قرار دے دیا۔ مسلمانوں کو محسوس کرایا کہ ان کی رائے اور مرضی کو ہندوؤں کے تابع رہنا ہو گا۔ بعد ازاں "پیر پور رپورٹ" نے ہندو اور کانگریسی

حکومتوں پر عائد کردہ الزامات کو صحیح قرار دے دیا" ("پاکستان ناگزیر تھا" ص ۱۸۴ تا ۱۹۳)

۴ ۔ ماہنامہ "ترجمان القرآن" کے مالی حالات خاصے دگرگوں ، بلکہ تشویش ناک تھے۔ اس کے باوجود مولانا مودودی نے عثمانیہ یونی ورسٹی حیدر آباد دکن میں انتہائی گریڈ کے ساتھ اسلامیات کی پروفیسر شپ کی پیش کش قبول نہ کی (خطوطِ مودودی اول، خط ۱۲ حاشیہ ۵) اس صورتِ حال کا ذکر ایک جگہ یوں ہوا ہے: مولانا مودودی کے "برادرِ بزرگ (ابوالخیر صاحب) سمجھاتے اور قوم کی پست ہمتی کا حال بتاتے رہے، لیکن اس ساری افہام و تفہیم کے جواب میں مولانا مودودی نے صرف یہ کہا: "اب وقت ضائع کرنے کا موقع نہیں رہا ۔ حالات بہت نازک ہو چکے ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ جو سیلاب آنے والا ہے، وہ ۱۸۵۷ء کے انگریزی اقتدار کے سیلاب سے بھی زیادہ مہلک اور تباہ کن ہو گا۔ مسلمانوں کو اس خطرے سے آگاہ کرنا میرا فرض ہے ۔ اپنی ہمت کے مطابق میں ان کی کچھ خدمت کرنے کی کوشش کروں گا" (فتنہ مودودیت پر ایک اور بے لاگ تبصرہ ، ص ۷—۸)

۵ ۔ "عمرانیات اسلامی کی تشکیلِ جدید" کے اس منصوبے کی جانب اشارہ ہے، جس پر علامہ اقبال کام کرنا چاہتے تھے۔ اس کے نوٹس (اشارات) ماہنامہ "ہمایوں" دسمبر ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئے اب "اوراقِ گم گشتہ" (ص ۳۵۰ تا ۴۶۶) میں شامل ہیں ۔

۳۴

[حیدر آباد ۔ دکن]

۲ جمادی الاخریٰ ۵۶ھ

[۱۰ اگست ۱۹۳۷ء]

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ۲ راگست کو وصول ہوا۔ جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے میں عزیمت اور توکل ہی سے کام لے کر ہجرت کروں گا۔ لاہور کو اپنا آئندہ مستقر بنانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ محض چند عملی مشکلات ہیں جن کو حل کرنے کی تدبیر میں کچھ مدت صرف ہو گی۔ یہاں سے اپنا سامان منتقل کرنے اور اپنے مالی واجبات ادا کرنے کے لیے مجھے کافی روپے کی ضرورت ہے۔ ایک ہزار سے زیادہ

باسمہ سبحانہ

ترجمان القرآن
حیدرآباد دکن

Turjaman-Al-Quraan
Hyderabad (Dn.)

مورخہ ۲ جمادی الاخری ۵۶ھ   نشان ----------------

مکرمی و محترمی   السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ مورخہ ۲۸ اگست وصول ہوا۔ جب کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے میں
عزیمت اور توکل ہی سے کام لیکر ہجرت کروں گا۔ لاہور کو اپنا آئندہ مستقر بنانے
کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ محض چند عملی مشکلات ہیں جن کو حل کرنے کی تدبیر میں کچھ مدت
صرف ہوگی۔ یہاں سے اپنا سامان منتقل کرنے اور اپنے مالی واجبات ادا کرنے
کے لیے مجھے کافی روپے کی ضرورت ہے۔ ایک ہزار سے زیادہ کا قرض ترجمان القرآن
پر ہے۔ اسکو ادا کرنا ہے۔ پھر اپنا سامان منتقل کرنے اور اپنے تجارتی کاروبار کو
یہاں ختم کر کے لاہور میں از سر نو جاری کرنے کے لیے بھی تقریباً ایک ہزار روپے کی ضرورت
ہے۔ اس غرض کے لیے میں اپنی ایک زمین اور اپنا ناقابل انتقال اثاث البیت
فروخت کرنا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ تین چار مہینے میں یہ سب مراحل طے ہو جائینگے۔
اس دوران میں ایک مرتبہ لاہور حاضر ہو کر دیکھونگا کہ مجھے وہاں قیام کرنے کے
لیے کیا بندوبست کرنا ہے۔ آئندہ رجب کے آخر میں سفر کا ارادہ ہے۔
چار پانچ روز دہلی ٹھیر کر غالباً ختم رجب یا آغاز شعبان میں لاہور پہنچونگا۔

اس موقع پر ان شاء اللہ یہ بھی طے ہو جائیگا کہ قادیانیت کے متعلق مجھے کیا لکھنا چاہیے۔ میں نے اب تک درحقیقت اس موضوع پر زیادہ مطالعہ بھی نہیں کیا ہے۔ جو کچھ معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کا ماخذ محض برنی صاحب کی کتاب ہے۔ ثمرہ کوئی تحقیقی چیز لکھنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ لاہور میں جو حضرات قادیانیت پر وسیع معلومات رکھتے ہوں ان سے مشورہ کر کے مواد فراہم کرلونگا

خاکسار

ابوالاعلیٰ

کا قرض ترجمان القرآن پر ہے۔ اس کو ادا کرنا ہے۔ پھر اپنا سامان منتقل کرنے اور اپنے تجارتی کاروبار کو یہاں ختم کرکے لاہور میں از سرِ نو جاری کرنے کے لیے بھی تقریباً ایک ہزار روپے کی ضرورت ہے۔ اِس غرض کے لیے میں اپنی ایک زمین اور اپنا ناقابلِ انتقال اثاث البیت فروخت کرنا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ تین چار مہینہ میں یہ سب مراحل طے ہو جائیں گے۔ اِس دوران میں ایک مرتبہ لاہور حاضر ہو کر دیکھ لوں گا کہ مجھے وہاں قیام کرنے کے لیے کیا بندوبست کرنا چاہیے۔ آئندہ رجب کے آخر میں سفر کا ارادہ ہے۔ چار پانچ روز دہلی ٹھہر کر غالباً ختمِ رجب یا آغازِ شعبان میں لاہور پہنچوں گا۔ اِسی موقع پر ان شا۔ اللہ یہ بھی طے ہو جاتے گا کہ قادیانیت کے متعلق کیا لکھنا چاہیے۔ میں نے اب تک درحقیقت اِس موضوع پر زیادہ مطالعہ بھی نہیں کیا ہے۔ جو کچھ معلومات حاصل ہوئی ہیں، ان کا ماخذ محض برنی صاحب کی کتاب ہے۔ مگر وُہ کوئی تحقیقی چیز لکھنے کے لیے کافی نہیں ہے[1]۔ لاہور میں جو حضرات قادیانیت پر وسیع معلومات رکھتے ہوں اُن سے مشورہ کرکے مواد فراہم کر لوں گا۔[2]

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ پروفیسر سلاح الدین محمد الیاس برنی (۱۹ اپریل ۱۸۹۰ء خورجہ ضلع بلند شہر —— ۲۵ جنوری ۱۹۵۸ بلند شہر) نے علی گڑھ سے ایم اے معاشیات اور ایل ایل بی کیا، اور وہیں لیکچرر ہو گئے۔ بعد ازاں حیدر آباد چلے گئے اور جامعہ عثمانیہ سے وابستہ ہوئے۔ دارالترجمہ کے ناظم رہے۔ کچھ عرصہ نظامِ دکن کے پوتوں کے اتالیق بھی رہے۔ یہاں ان کی تصنیف "قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ" کی طرف اشارہ ہے، جو ۱۹۳۷ء میں حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی تھی۔ یہ کتاب بانیِ قادیانیت (آں جہانی مرزا غلام احمد) کی تحریروں کے اقتباسات پر مبنی ہے۔ قادیانیت کے موضوع پر ۱۱۷۲ صفحات کی یہ ضخیم کتاب، مصنف کی ایک قابلِ قدر تصنیف ہے۔ علامہ اقبال نے اس کے بارے میں رائے دیتے ہوئے لکھا: "یہ کتاب بے شمار لوگوں کے لیے چراغِ ہدایت کا کام کرے گی"۔ تاہم اس موضوع پر تحقیقی کام کے لیے، اس کی حیثیت بنیادی ماخذ کی نہیں، بلکہ ثانوی ماخذ کی تھی۔ اس لیے یہاں مولانا مودودی نے اسے ناکافی قرار دیا ہے۔

پروفیسر برنی کی تصنیفات و تالیف اور تراجم کی تعداد ۳۳ ہے ۔ تفصیل دیکھیے : کلیات مکاتیب اقبال ، اوّل ، ص ۸۵۲ ۔

۲ ۔ اس موضوع پر مولانا مودودی کی مستقل تحریر "قادیانی مسئلہ" ۱۹۵۳ء میں شائع ہوئی ، جس کی پاداش میں لاہور مارشل لا کی فوجی عدالت نے انھیں پھانسی کی سزا سنائی (عوامی اور عالمی ردّعمل پر ازاں بعد یہ سزا عمر قید میں تبدیل ہو گئی) قادیانیت اور ختمِ نبوت کے مسئلے پر مولانا مودودی کی تحریروں پر مبنی ایک مفصل کتاب "قادیانی مسئلہ اور اس کے مذہبی ، سیاسی اور معاشرتی پہلو" پہلی بار ۱۹۶۳ء میں شائع ہوئی ۔ (ناشر : اسلامک پبلی کیشنز لاہور ، ۴۳۲ ص)

۳۵

[دار الاسلام]

۲۲ صفر ۵۷ھ

[۲۳ر اپریل ۱۹۳۸ء]

محترمی ۔ السّلامُ علیکم

میں اپنے وعدے کے مطابق آنے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ یکایک علامہ کے انتقال کی خبر پہنچی ۔ دفعتہً دل بیٹھ گیا ۔ سب سے زیادہ رنج مجھے اِس بنا پر ہوا کہ کتنا قیمتی موقع میں نے کھو دیا ۔ آپ کے عنایت نامے سے مجھے صحیح اندازہ نہ ہو سکا تھا کہ وقت اِس قدر قریب آ گیا ہے ۔ اگر معلوم ہوتا تو سب کام چھوڑ کر فوراً پہنچتا ۔ میں اس کو اپنی انتہائی بدنصیبی سمجھتا ہوں کہ اس شخص کی آخری زیارت سے محروم رہ گیا ، جس کا مثل شاید اب ہماری آنکھیں نہ دیکھ سکیں گی ۔

محمد علی کے بعد یہ دُوسرا نقصانِ عظیم مسلمانوں کو پہنچا ہے ، اور یہ نقصان میری نگاہ میں پہلے نقصان سے عظیم تر ہے ۔ کچھ خبر نہیں کہ اللہ کو کیا منظور ہے بظاہر تو ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ مسلمان قوم کو اس کی ناقدری و نااہلی کی سزا دی جا

کتاب خانہ طلوع اسلام

ادارۂ ادبیات ملیہ

(نشر و اشاعت و تالیف کتب)

۲۵ میکلوڈ روڈ لاہور

مورخہ ۸ اپریل ۳۸ء

شمارہ

مکرمی - السلام علیکم

عرصہ ہوا آپ کا [illegible] عنایت نامہ [illegible] - کچھ روز ہوئے سید [illegible] شاہ صاحب

سے معلوم ہوا تھا کہ آپ بھوپال تشریف لے آئے ہیں اور عنقریب [illegible]

بھی آئیں گے - اس وقت سے برابر آپ کا انتظار ہے - ڈاکٹر صاحب فرماتے

ہیں کہ اگر آپ نے [illegible] آنے کا [illegible] ہے تو جلدی تشریف لے آئیے

تاکہ ملاقات ہو جائے - اپنی طرف سے یہ گزارش ہے کہ ڈاکٹر صاحب

کی حالت نازک ہے [illegible] - ایک لمحہ کا بھی بھروسا نہیں [illegible]

[illegible] تک محدود رہ گئی ہیں [illegible]

بہتر یہی ہے کہ آپ جس قدر جلد ممکن ہو تشریف لے آئیں - ڈاکٹر صاحب

کی صحت کے لئے دعا فرمائیے -

خیر اندیش

نیازمند

رہی ہے کہ اس کے بہترین آدمی عین اُس وقت پر اُٹھا لیے جاتے ہیں جب اُن کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ اب سارے ہندوستان پر نگاہ ڈالتا ہوں تو کوئی ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جس کی طرف ہدایت حاصل کرنے کے لیے رجوع کیا جا سکے۔ ہر طرف تاریکی چھائی ہوتی ہے۔ ایک شمع جو ٹمٹما رہی تھی وُہ بھی اُٹھا لی گئی۔

مجھے جو چیز پنجاب کھینچ کر لائی تھی وُہ دراصل اقبال ہی کی ذات تھی۔ میں اس خیال سے یہاں آیا تھا کہ ان سے قریب رہ کر ہدایت حاصل کر دوں گا، اور ان کی رہنمائی میں جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا اسلام اور مسلمانوں کے لیے کر دوں گا۔ اب میں ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ اس طوفانی سمندر میں، مَیں بالکل تنہا رہ گیا ہوں۔ دل شکستگی اپنی آخری حد کو پہنچ گئی ہے۔ صرف اس خیال سے اپنے دل کو ڈھارس دے رہا ہوں کہ اقبال مر گئے تو کیا ہُوا، خُدا تو موجُود ہے۔ سب مرجانے والے ہیں زندہ رہنے والا وہی حیّ و قیّوم ہے، اور اگر وُہ تجھ سے کوئی کام لینا چاہے گا تو تیری مدد کے لیے اور کچھ سامان کرے گا۔

برادرم، آپ آخر وقت تک علّامہ کے ساتھ رہے ہیں۔ اگر میری ہدایت کے لیے انھوں نے کچھ فرمایا ہو تو مجھے ضرور اس سے مطلع کریں۔

خاکسار

ابُوالاعلیٰ

مکرّر: میں چاہتا تھا کہ ان کے پسماندوں کو تعزیت کا خط لکھوں۔ مگر پھر خیال آیا کہ ان کے پسماندے تو ہم سب ہیں، اور ہم سب تعزیت کے مستحق ہیں۔

۱۔ سید نذیر نیازی کے متذکرہ خط کا عکس یہاں دیا جارہا ہے۔ مولانا مودودی نے نیازی صاحب کے اسی خط کے جواب میں یہ تعزیتی مراسلہ تحریر کیا:

۲۔ مولانا محمد علی جوہر (۱۰ دسمبر ۱۸۷۸ء — ۴ جنوری ۱۹۳۱ء لندن) وطن: رام پور۔ آکسفورڈ کے گریجوایٹ۔ "ہمدرد" اور ہفت روزہ Comrade (آغاز جنوری ۱۹۱۱ء) کے مدیر۔ تحریکِ خلافت

کے سرگرم راہنما ۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے بانی ۔ تحریکِ آزادیِ ہند کے مُسلم لیڈر ۔ برسوں جیل کاٹی ۔ وہ بہ یک وقت سیاسی راہنما، ادیب ، صحافی ، شاعر ، مؤرخ اور اردو اور انگریزی کے زبردست انشا پرداز تھے ۔ جامع مسجد دہلی میں مولانا جوہر کی ایک دردمندانہ تقریر ہی سے مولانا مودودی کو "الجہاد فی الاسلام" لکھنے کا خیال پیدا ہوا (دیباچہ : الجہاد فی الاسلام) مولانا مودودی کے نزدیک وہ اس دور میں: "ہندُستانی مسلمانوں کے بڑے ہی متحرک دل تھے" (ترجمان القرآن ۔ جولائی ۱۹۴۰ء) ان کے متعلق مولانا مودودی کا مضمون "علی برادران" میں شامل ہے ۔

۳ ۔ علامہ اقبالؒ کی رحلت پر مولانا مودودی کا تعزیتی شذرہ "ترجمان القرآن" مئی ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا ۔ نیز جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے میگزین "جوہر" کے اقبال نمبر (۱۹۳۸ء) میں مولانا کا مضمون "حیاتِ اقبال کا سبق" بھی دیکھیے ۔ یہ مضمون "اقبال نے کیا چاہا" (از مولانا مودودی ، لاہور ، ۱۹۷۷ء) کے علاوہ "اقبال اور مودودی" (مرتبہ : ابوراشد فاروقی ۔ لاہور ، ۱۹۷۷ء) میں بھی شامل ہے ۔

نامعلوم

۳۶

اس خط کے مکتوب الیہ کا نام معلوم نہیں ہو سکا ۔ یہ مئی ۱۹۳۸ء کے ماہنامہ "طلوعِ اسلام" میں شائع ہوا تھا ۔ مکتوب الیہ نے مولانا مودودی سے دریافت کیا تھا : "ایل ایل بی کے بعد میں نے ہائی کورٹ میں انڈی پینڈنٹ پریکٹس کی اجازت لے لی ہے ، لیکن میں نے جس قدر مطالعہ کیا ہے، اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جو فرد احکامِ قرآنی کے قریب قریب زندگی گزارنا چاہے ، اس کے لیے ناممکن ہے کہ ایک دن بھی ان عدالتوں میں جا کر روزی کا سامان پیدا کر سکے ۔۔۔۔۔ مقدمہ کی ہر سٹیج پر جھوٹ کی اتنی آمیزش ہے کہ کِذب و افترا کا مرض عام ہے ۔ سوال یہ ہے کہ محض مقدمے کی خاطر اتنا گناہِ عظیم اپنے سر لینا کس صورت میں قابلِ معافی ہو سکتا ہے ، جب کہ وکیل کے لیے اور کوئی چارۂ کار نہ ہو"۔ (طلوعِ اسلام ۔ مئی ۱۹۳۸ء)

مولانا مودودی نے جواباً تحریر فرمایا:

[دار الاسلام]

[اپریل ۱۹۳۸ء]

محترمی، السلامُ علیکم

عنایت نامہ مورخہ ۲۸ / مارچ وصول ہُوا ۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں جو کسبِ معیشت کے طریقوں میں حرام اور حلال کی تمیز کرنا چاہتے ہیں ورنہ مادہ پرستی جس طرح ذہنیتوں پر چھائی ہوئی ہے اُس کا اثر تو میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ کیا جدید تعلیمیافتہ اور کیا قدیم تعلیمیافتہ سب کے پیشِ نظر جلبِ منفعت اور کسبِ زر ہے اور جو طریقہ زیادہ پُرمنفعت نظر آتا ہے، اُس میں حرام و حلال کی تمیز کرنے کو حماقت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وکالت کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ حقیقت سے کچھ کم ہی ہے زیادہ نہیں ہے وکیل اگر اِس نیت سے اور اِس شرط کے ساتھ کام کرے کہ حق دار کو اس کا حق دلوانے میں قانونی مدد کرے گا تو اس کا پیشہ جائز ہے اور اگر اُس نیت سے بیٹھے کہ جو شخص اُس کو پیسہ دے گا، خواہ وہ برسرِحق ہو یا برسرِظلم بہرحال یہ اُس کی مقصد برآری میں مدد دے گا، تو یہ اُس کے پیشے کو اصولاً حرام کر دے گا۔ لیکن "تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" وہ اصل الاصول ہے جو تمام دُنیاوی معاملات میں قرآن نے پیش کیا ہے اور اس کی خلاف ورزی بہرحال ایک معصیت ہے۔ اب اِس معصیت کی راہ اختیار کر کے آدمی جس جس درجہ کے مرتکبینِ حرام کے ساتھ تعاون کرے گا، اُسی درجہ کے حرام کا گویا وہ خُود مرتکب ہوگا۔ اگر آپ نے سُود خوار کو سُود دِلوایا تو گویا خُود سود خواری کے مُجرم ہُوئے اگر زانی کو سزا سے بچایا تو خُود زنا میں مُعین ہوتے۔ اگر غاصب کو کسی جائز ملکیت پر قبضہ دلایا تو خُود غصب میں شریک ہوتے وقس علیٰ ہٰذا۔

آپ کی رُوح مجھے سعید معلوم ہُوئی ہے۔ اِس لیے میں آپ کو ایک نصیحت کرتا ہوں۔ اِس پر آپ غور کریں گے تو آپ کو اپنی آیندہ زندگی کے بارے میں فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی۔

اِنسان کے لیے دُنیا میں دو راستے ہیں۔ اگر وہ آخرت پر اعتقاد نہیں رکھتا اور خُدا کے سامنے حاضر ہونے اور اپنی دُنیوی زندگی کے اعمال کی جواب دہی کرنے کا اس کو کوئی خیال نہیں اور کامیابی اور ناکامی کا معیار اُس کی نگاہ میں صرف اِس دُنیا کی خُوش حالی و بدحالی ہے تو اس کو حرام و حلال اور جائز و ناجائز کی اخلاقی و مذہبی قیود کو بالکل نظر انداز کر دینا چاہیے اور پوری تندہی کے ساتھ دولتِ دُنیا سمیٹنے اور اس سے لذت و عیش کے سامان فراہم کرنے میں لگ جانا چاہیئے اُس کے لیے حرام وُہ ہے جو حصُولِ منفعت اور طلبِ لذات میں مانع ہو اور حلال وُہ ہے جو اِس میں معاون ہو اور اگر وہ آخرت پر یقین رکھتا

ہے اور خدا کے سامنے اپنے آپ کو جواب دہ سمجھتا ہے اور اُس کے نزدیک کامیابی یہ ہے کہ خدا کی آخری عدالت میں وُہ کم از کم من حیث المجموع نیکوکار ٹھیرے اور ناکامی یہ ہے کہ آخری balance sheet میں وُہ خائب و خاسر (bankrupt) نکلے، تو پھر دُنیوی زندگی میں اُسے اپنے نقطۂ نظر میں بُنیادی تغیر کرنا پڑے گا۔ اس کو پھر اپنی کامیابی و ناکامی کا اندازہ اس لحاظ سے نہ کرنا چاہیے کہ اُس نے کس قدر خوش حالی حاصل کی، کیسے کپڑے پہنے، کیسے مکان میں رہا، کیسا کھانا کھایا اور کس قدر اسبابِ تعیّش فراہم کیے۔ بلکہ اِس لحاظ سے اندازہ کرنا چاہیے کہ اپنے واجبات کے ادا کرنے میں کس حد تک کامیاب ہُوا، لوگوں کے حقوق اور خُدا کے حقوق سے کہاں تک سبکدوش ہُوا، اَور افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال کی بال سے زیادہ باریک راہ پر قائم رہنے میں کہاں تک کامیابی اس نے حاصل کی۔ زندگی کا یہ نقطۂ نظر جب وُہ اختیار کرے گا تو پیوند لگے ہُوئے کپڑوں اور سُوکھے ٹکڑوں میں اس کو وُہ اطمینانِ قلب نصیب ہوگا جو حرام کھانے والوں کو حریر و دیبا پہننے اور اَلوانِ نعمت کھانے کے بعد بھی نصیب نہیں ہوتا۔

برادرم دُنیا میں خُدا کا رِزق فراواں ہے۔ رِزق بجائے خُود طیّب و طاہر ہی ہے۔ اب یہ انسان کی اپنی پسند پر موقوف ہے کہ حرام طریقہ سے اُس کو حاصل کرے یا حلال طریقہ سے، یہ چور کی اپنی دُوں ہمتی ہے کہ جو پاک روٹی اس کو پاک ذریعہ سے مِل سکتی تھی، اُس نے ناپاک ذریعہ سے اُس کو نجس کر کے کھایا۔ دُنیا میں پاک ذرائع بھی اِس کثرت سے موجُود ہیں جس کثرت سے ناپاک ذرائع موجُود ہیں۔ اگر آپ اپنی نیّت کو پاک کرلیں، اور اتنا عزم اپنے اندر پیدا کرلیں کہ اپنے ضمیر کے خلاف کوئی temptation آپ کے قدم میں لغزش پیدا نہ کر سکتا ہو، تو آپ دیکھیں گے کہ یہ ناپاک ذرائع زیادہ مشکل اور پاک ذرائع زیادہ آسان ہیں۔ اور اگر نیّت میں ناپاکی موجود ہو یا عزم موجود نہ ہو، تو پھر ناپاک ذریعہ آسان، اور ہر پاک ذریعہ مشکل نظر آتے گا،

نیک نیت اور سچے عزم والے آدمی کے لیے سڑک پر بیٹھ کر جوتی گانٹھنا آسان اور لوگوں کے حقوق مار کر کروڑپتی بننا دشوار ہے۔ بخلاف اس کے بدنیت اور کم حوصلہ آدمی کو رزقِ حرام کے دریا بہتے ہوئے نظر آتے ہیں اور رزقِ حلال تلاش کرنا اُسے جوئے شیر سے زیادہ مشکل نظر آتا ہے۔

یہ ہے اصلی صورتِ حالات، اب آپ لوگوں سے مشورہ کرنے اور ان کی مختلف آوازوں پر کان دھرنے کے بجائے صرف اپنے دل کی طرف نگاہ کیجیے، اور اس کو ٹٹول کر دیکھیے کہ اس کا میلان کس طرف ہے اور پھر اگر وہ اسلامی نقطۂ نظر کی طرف مائل ہو تو یہ دیکھیے کہ آیا اس میں اتنا عزم بھی موجود ہے کہ وُہ رزقِ حلال کی ایک نانِ جویں کو رزقِ حرام کے خزانوں سے زیادہ قیمتی سمجھے گا۔ اِس امتحان میں اگر آپ کا قلب پُورا اُترے تو مسلمان کی زندگی اختیار کیجیے۔ اللہ تعالیٰ یقیناً آپ کی زندگی میں برکت عطا فرماتے گا۔ اور اگر اس اِمتحان میں آپ کو محسوس ہو کہ آپ کا قلب بودا ہے تو پھر ٹھیٹھ مادہ پرست بن جائیے اور خدا و آخرت کا خیال دِل سے قطعی نکال دیجیے۔ تاکہ کم از کم دُوسرے ہی راستے میں آپ انتہا کو پہنچ سکیں۔ بیچ کے مقام پر ٹھیرنے کا میں آپ کو کبھی مشورہ نہ دُوں گا کیونکہ جو شخص آدھا اِدھر اور آدھا اُدھر ہوتا ہے وُہ دوہرے نقصان میں ہے، نہ مسلمان ہی کی حیثیت سے کامیاب اور نہ مادّہ پرست ہی کی حیثیت سے کامیاب۔

"دارالاسلام" کا پراسپکٹس آپ نے طلب فرمایا ہے۔ اگر شوال ۱۳۵۶ھ کا "ترجمان القرآن" آپ دیکھ چکے ہیں یا مارچ ۱۹۳۸ء کا "پیغامِ حق" ملاحظہ سے گزرا ہے تو اِسی کو پراسپکٹس سمجھیے اور اگر ان میں سے کوئی پرچہ آپ کو نہیں مِلا ہے تو لکھیے تاکہ یہاں سے بھیج دیا جائے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ "جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں، ان میں سب سے تعاون کرو، اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں، ان میں کسی سے تعاون نہ کرو" (سورۃ المائدہ: ۲)

ڈاکٹر سید ظفر الحسن

پروفیسر ڈاکٹر سید ظفر الحسن (۱۴ فروری ۱۸۷۹ء ——۱۹ جون ۱۹۴۹ء) مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ سے ایم اے کیا۔ جرمنی سے فلسفے میں ڈاکٹریٹ کی۔ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ میں صدر شعبۂ فلسفہ مقرر ہوئے۔ مولانا مودودی نے ان کے بارے یہ رائے ظاہر کی: "یہ دیکھ کر نہایت مسرّت ہوئی کہ ہماری یونی ورسٹی میں جو شخص فلسفے کا پروفیسر ہے، وہ ایک سچا اور صحیح العقیدہ مسلمان ہے۔ اپنے علم کو دہریت اور الحاد کے بجائے ایمان باللہ و ایمان بالرّسُول کی خدمت میں استعمال کرتا ہے"۔ (ترجمان القرآن، جمادی الاخریٰ ۱۳۵۶ھ /اگست ۱۹۳۷ء)۔ تقسیم ہند کی مشہور "علی گڑھ اسکیم" ڈاکٹر سید ظفر الحسن اور ڈاکٹر افضال حسین قادری نے مرتب کی تھی، جس میں "مسلم ہندُستان" اور "ہندو ہندُستان" کا خاکہ پیش کیا گیا تھا۔ اس اصول کی بنیاد پر برِ عظیم ہند کو تین مکمل خُود مُختار اور آزاد ریاستوں میں تقسیم کرنے کی تجویز تھی۔

۳۷

[دارالاسلام]

۱۳ ربیع الثانی ۵۷ھ

[۲۲ جون ۱۹۳۸ء]

مُحترمی و مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ مورخہ ۱۷ جون وصُول ہُوا۔ شوریٰ کی رُکنیت قبول فرما کر آپ نے ہماری معنوی قوت میں بہت کچھ اضافہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ مُسلمانوں کے تمام کارفرما اور کارکن دماغوں کو اِسی طرح ایک دُوسرے سے مربُوط کر دے کہ یہی اس کی رحمتوں کا پیش خیمہ ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ طوفان بالکل سر پر آگیا ہے اور مہلت بہت کم ہے اگر جنگِ عظیم چھڑ گئی تو مہلت اور بھی کم ہو جائے گی۔ اتنی کم کہ شاید اس وقت اپنی منتشر فوج کو جمع کرنا ہمارے لیے مشکل ہو گا۔ لیکن دوسری طرف اپنے حالات کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کارواں کے دِل میں احساسِ زیاں اب بھی مفقود ہے۔ ایک پراگندہ اور بر سرِ زوال قوم میں جو خودسری و خودرائی کا مرض ہوتا ہے، وہ پوری شدت کے ساتھ ہمارے سوچنے والے اور کام کی طاقت رکھنے والے افراد میں پھیلا ہوا ہے۔ سرِدست یہ قریب قریب ناممکن نظر آتا ہے کہ ان حضرات کو یکجا جمع کر کے کوئی مفید نتیجہ حاصل کیا جا سکے۔ یہ ظاہر بات ہے کہ کوئی چیز اس وقت تک وجود میں نہیں آسکتی جب تک اس کے لوازمِ وجود بہم نہ ہو جائیں اور ہم یہاں دیکھ رہے ہیں کہ مسلمانوں کی ایک اجتماعی ہیئت پیدا کرنے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے، وہ مفقود ہیں، اِس لیے متنافر عنصروں کو بتکلف جمع کر دینے سے شے مطلوب کا حاصل ہو جانا غیر ممکن ہے۔ علامہ مشرقیؒ، مولانا حسین احمد صاحبؒ، ڈاکٹر خیریؒ، مولانا آزاد سبحانیؒ، مسٹر درانیؒ اور ایسے ہی دوسرے اصحاب، اپنے نظریات اور اپنے اندازِ فکر میں ایک دوسرے سے اس قدر بعید ہیں کہ ان کو جمع کر کے کوئی معتدل معجون بنانے کے لیے معجزانہ قوت درکار ہے، اور وہ نہ مجھے حاصل ہے نہ آپ کو۔

اکتوبر ۱۹۳۷ء میں خاص طور پر انہی مسائل پر بحث کرنے کے لیے میں علامہ اقبالؒ سے لاہور میں مِلا تھا اور ان تمام پہلوؤں پر اُن سے مفصل گفتگو ہوئی تھی۔ خوب غور و خوض کے بعد ہم جس نتیجہ پر پہنچے وہ مختصراً میں یہاں عرض کرتا ہوں:

"حالات کی رفتار نے خودبخود مسلمانوں کو گھیر گھیر کر ایک اجتماعی ہیئت کی طرف لانا شروع کر دیا ہے۔ ہندوستان کے مختلف حصوں میں ان کو جو پیہم ضربات لگ رہی ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ ہر طرف سے بھاگ بھاگ کر مسلم

لیگ کی طرف آ رہے ہیں۔ اگرچہ ابھی تک ان میں ایک تنظیمی ہیئت پیدا نہیں ہوئی ہے جو وحدتِ فکر اور وحدتِ عمل کا نتیجہ ہوتی ہے، بلکہ درحقیقت ان کے سامنے اپنا نصب العین بھی واضح نہیں ہے۔ مختلف خیالات، مختلف مقاصد، مختلف مفادات اور مختلف خصائص رکھنے والے لوگ اس طرح جمع ہو گئے ہیں جیسے جنگل میں آگ لگنے پر مختلف گلّے ہر طرف سے بھاگ کر ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ تاہم یہ تنظیمی ہیئت پیدا ہونے کا ابتدائی مرحلہ ہے اور اس وقت کوئی الگ جھنڈا بلند کرنا بجائے مفید ہونے کے اس تالیفی عمل میں مانع ہو جائے گا، جو کسی طرح مناسب نہیں۔

مُسلم لیگ کے مرکز پر جو طاقتیں جمع ہو رہی ہیں، ان کے بنیادی نقائص کو دُور کرنے کی صورت یہ ہے کہ ان کے تصورات میں جو ابہام اس وقت پایا جاتا ہے اس کو دُور کیا جائے تاکہ وہ واضح طور پر اس موجودہ پوزیشن کو سمجھ لیں اور اپنی ایک قومی غایت متعیّن کر لیں۔ یہ چیز جتنی زیادہ واضح ہوتی جائے گی اتنی ہی تیز رفتاری کے ساتھ عامۃ المسلمین کا ترقی پسند اور اقدام پیشہ عنصر مُسلم لیگ کی صفوں میں آگے بڑھتا جائے گا اور خود غرض، نمایشی اور آرام طلب عناصر پیچھے رہ جائیں گے۔ اس کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ مُسلمانوں کے وُہ تمام بے چین عناصر جو محض مُسلم لیگ کی بے عملی سے بیزار ہو کر مختلف راستوں پر بھٹک گئے ہیں، رفتہ رفتہ پلٹنے شروع ہو جائیں گے، اور تھوڑی مُدت بھی نہ گزرے گی کہ یہ جماعت جمہورِ مُسلمین کی ایک مرکزی جماعت بن جائے گی۔

"سرِدست ہم مُسلم لیگ سے اس سے بڑھ کر کوئی توقع نہیں کر سکتے کہ وُہ موجودہ غیر اسلامی نظامِ سیاست میں مسلمانوں کی قومی پوزیشن کو بیش از بیش محفوظ کرنے کی کوشش کرے گی۔ یہ چیز ہمارے اصلی نصب العین "دارالاسلام" سے بہت فروتر ہے۔ اِس لیے ہم اپنے آپ کو مُسلم لیگ کے ساتھ Identify نہیں کر سکتے۔ ہمارے لیے صحیح پالیسی یہ ہے کہ rear-guard

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

اِدارۂ دارُ الاسلام
DAR-UL-ISLAM INSTITUTE
AN ISLAMIC CULTURAL CENTRE

Dar-ul-Islam (Pathankot, Panjab)
India

Rly. Station Sarna

دارالاسلام (پٹھان کوٹ ۔ پنجاب)

ریلوے سٹیشن سرنا

Dated..............................

Ref. No................

مؤرخہ.....۲۳ ربیع الثانی [illegible]......

نشان..............

مکرمی و محترمی   السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ مورخہ ۶ ارجون وصول ہوا ۔ سفر ربوہ کی رپورٹ قبول فرما کر آپ نے ہماری معنوی قوت میں بہت کچھ اضافہ کر دیا ۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے تمام طبقوں اور تمام دماغوں کو اسی طرح ایک دوسرے سے مربوط کر دے ، کہ یہی اسکی رحمتوں کا پیش خیمہ ہے ۔

اسمیں کوئی شک نہیں کہ طوفان بالکل سر پر آگیا ہے اور مہلت بہت کم ہے ۔ اگر جنگ عظیم چھڑ گئی تو مہلت اور بھی کم ہو جائیگی ، [illegible] اتنی کم کہ شاید اس وقت اپنی منتشر فوج کو جمع کرنا ہمارے لیے مشکل ہو گا ۔ لیکن دوسری طرف اگر حالات کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ

علاوہ ان کے دل میں صحیح احساس زیاں اب بھی مفقود ہے۔ ایک بے آئندہ اور بے سر زوال قوم میں جو خود سری و خود رائی کا مرض ہوتا ہے وہ ابتدائی شعور

کے ساتھ ہمارے سوچنے والے اور کام کی طاقت رکھنے والے افراد میں پیدا ہوا ہے۔ سرسری سے قریب قریب ناممکن نظر آتا ہے کہ ان حضرات

کو یکجا جمع کر کے کوئی مفید نتیجہ حاصل کیا جا سکے۔ یہ ظاہر بات ہے کہ کوئی چیز اس وقت تک وجود میں نہیں آ سکتی جب تک اس کے لوازم وجود

بہم نہ ہو جائیں۔ اعدیاں ہم دیکھ رہے ہیں کہ مسلمانوں کی ایک اجتماعی حیثیت پیدا کرنے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ مفقود ہیں۔ اسلیے

متنفر عنصروں کو بتکلف جمع کر دینے سے شے مطلوب کا حاصل ہو جانا غیر ممکن ہے۔ علامہ مشرقی، مولانا حسین احمد صاحب، ڈاکٹر خیری،

مولانا آزاد سبحانی، مسٹر درانی، اور ایسے ہی دوسرے اصحاب اپنے نظریات اور اپنے انداز فکر میں ایک دوسرے سے اس

قدر بعید ہیں کہ ان کو جمع کر کے کوئی معتدل معجون بنانے کے لیے معجزانہ قوت درکار ہے، اور وہ نہ مجھے حاصل ہے نہ آپ کو۔

اکتوبر ۱۹۳۷ء میں خاص طور پر انہی مسائل پر بحث کرنے کے لیے میں علامہ اقبال مرحوم سے لاہور میں ملا تھا اور ان تمام پہلوؤں پر

ان سے مفصل گفتگو ہوئی تھی۔ خوب غور و خوض کے بعد ہم جس نتیجہ پر پہنچے وہ مختصراً میں یہاں عرض کرتا ہوں:

"حالات کی رفتار نے خود بخود مسلمانوں کو گھیر گھیر کر ایک اجتماعی حیثیت کی طرف لانا شروع کر دیا ہے۔ ہندوستان کے مختلف حصوں میں

ان کو جو پیہم ضربات لگ رہی ہیں، ان کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ ہر طرف سے بھاگ بھاگ کر مسلم لیگ کی طرف آ رہے ہیں۔ اگرچہ ابھی تک ان میں ایک تنظیمی حیثیت

پیدا نہیں ہوئی ہے جو وحدتِ فکر اور وحدتِ عمل کا نتیجہ ہوتی ہے، بلکہ درحقیقت ان کا ساخت ابھی اسی حال پر ہے کہ مختلف خیالات،

مختلف مقاصد، مختلف مفادات، اور مختلف خصائص رکھنے والے لوگ اس طرح جمع ہو گئے ہیں جیسے جنگل میں آگ لگنے پر مختلف گلے ہر طرف سے

بھاگ کر ایک جگہ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ تاہم یہ تنظیمی حیثیت پیدا ہونے کا ابتدائی مرحلہ ہے، اور اس وقت کوئی الگ جتھا الگ کرنا بجائے مفید ہونے

کے اس تالیفی عمل میں مانع ہو جائیگا، جو کسی طرح مناسب نہیں۔

مسلم لیگ کے مرکز پر جو طاقتیں جمع ہوئی ہیں، ان کے بنیادی نقائص کو دور کرنے کی صورت یہ ہے کہ ان کے تصورات میں جو ابہام اس وقت پایا جاتا ہے اسے کو دور کیا جائے تاکہ وہ واضح طور پر اس موجودہ پوزیشن کو سمجھ لیں اور اپنی ایک قومی غایت متعین کر لیں۔ یہ چیز جتنی زیادہ واضح ہوتی جائیگی اتنی ہی تیز رفتاری کے ساتھ عامۂ مسلمین کا شعور ترقی کرے گا اور اقدام پیشہ عنصر مسلم لیگ کی صفوں میں آگے بڑھتا جائیگا اور خود غرض، نمائشی اور آرام طلب عناصر پیچھے رہ جائینگے۔ اس کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ مسلمانوں کے وہ تمام بےچین عناصر جو محض مسلم لیگ کی بےعملی سے بیزار ہو کر مختلف راستوں پر بھٹک گئے ہیں، رفتہ رفتہ پلٹنے شروع ہو جائینگے، اور تمرکز کی وہ شکل رونما ہوگی کہ یہ جماعت جمہور مسلمین کی ایک مرکزی جماعت بن جائیگی۔

سردست ہم مسلم لیگ سے اس سے زیادہ کوئی توقع نہیں کر سکتے کہ وہ موجودہ غیر اسلامی نظام سیاست میں مسلمانوں کی قومی پوزیشن کو بیش از بیش محفوظ کرنے کی کوشش کرتی رہے۔ یہ چیز ہمارے اصلی نصب العین "دارالاسلام" سے بہت فروتر ہے۔ اسلیے ہم اپنے آپ کو مسلم لیگ کے ساتھ Identify نہیں کر سکتے۔ ہمارے لیے صحیح پالیسی یہ ہے کہ rear-guard میں رہیں، اور ایک طرف تو اپنے خیالات کی اشاعت سے مسلم لیگ کی اکثریت کو بتدریج اپنے نصب العین سے قریب تر لانے کی کوشش کرتے رہیں، اور دوسری طرف مردانِ کار کی ایک ایسی طاقتور جماعت تیار کرنے میں لگے رہیں جو دارالاسلام کی فکری بنیاد کو مستحکم کرے اور اس تصور کو جامۂ عمل پہنانے کے لیے بھی مستعد ہو۔ جب تک یہ انقلابی جماعت میدان میں آنے کے لیے تیار ہوگی، اس وقت تک اس کے لیے میدان ہموار ہو چکا ہوگا، کیونکہ انقلابی تصورات کی تبلیغ سے ہم پہلے ہی مسلمانوں کے کارکن اور کارفرما عناصر کو اپنے نصب العین سے قریب تر لا چکے ہونگے۔"

یہ نقشہ تھا جو ہم نے باہمی مشورہ سے طے کیا تھا۔ اس نقشہ کے مطابق ضرورت تھی کہ ہم ایک مقام کو "دارالاسلام" کی تحریک کا
مرکز بنائیں، اور وہاں اپنی قوم کے زیادہ لوگوں کو ہر طرف سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کریں، اور ان کو اس انقلاب کے
لیے ذہنی اور عملی حیثیت سے تیار کریں جو ہم برپا کرنا چاہتے ہیں۔ اس غرض کے لیے ہماری نظر ہندوستان کے مختلف مقامات پر پڑی
جن میں ایک ملیح آباد بھی تھا۔ مگر بالآخر ہم پورے غور و خوض کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے کہ کوئی ایسی جگہ جہاں مخالف طاقتیں
پہلے سے قدم جما چکی ہیں اسی انقلابی تحریک کی پیدائش اور نشو و نما کے لیے موزوں نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے ایک پاک صاف اچھوتے
ماحول کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اسی ویرانے کو مرحوم نے بھی پسند کیا جس پر میری نظر انتخاب پہلے ہی پڑ چکی تھی۔

میں سمجھتا ہوں کہ اب آپ کے سامنے پوری طرح وہ نقشہ عمل واضح ہو گیا ہوگا جس پر ہم نے کام شروع کیا ہے۔ اس کام میں
ہماری کامیابی کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہندوستان میں جہاں جہاں ہمارے ہم خیال لوگ موجود ہیں ان سے ہمارا ذہنی اور عملی رابطہ قائم
ہو جائے، اور وہ اگر یہاں رہنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں تو کم از کم اپنے اپنے حلقوں میں مشترک نصب العین کے لیے اپنی اپنی استعداد
کے مطابق ہمارے ساتھ تعاون کریں۔ اور کبھی کبھی یہاں آ کر مرکز تحریک میں کام کرنے والوں کے ساتھ تبادلہ خیال بھی کرتے رہیں۔

یہاں کام کرنے کے لیے جو نظام جماعت اور لائحہ عمل ہم نے مرتب کیا ہے وہ عنقریب آپ کی خدمت میں بھیجا جائے گا۔ مگر اس سے
پہلے میں آپ سے یہ معلوم کرنے کے لیے بے چین ہوں کہ آپ کس کس صورت میں کتنی مدد ہم کو دے سکتے ہیں۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

میں رہیں، اور ایک طرف تو اپنے خیالات کی اشاعت سے مُسلم لیگ کی اکثریت کو بتدریج اپنے نصب العین سے قریب تر لانے کی کوشش کرتے رہیں، اور دُوسری طرف مردانِ کار کی ایک ایسی طاقت وَر جماعت تیار کرنے میں لگے رہیں جو دارالاسلام کی فکری بنیاد بھی مُستحکم کرے اور اس مفکورہ کو جامۂ عمل پہنانے کے لیے بھی مُستعد ہو۔ جب تک یہ انقلابی جماعت میدان میں آنے کے لیے تیار ہوگی۔ اس وقت تک ان شاء اللہ میدان ہموار ہو چکا ہوگا، کیونکہ انقلابی تصورات کی تبلیغ سے ہم پہلے ہی مُسلمانوں کے کارکن اور کارفرما عناصر کو اپنے نصب العین سے قریب تر لا چکے ہوں گے۔"

یہ نقشہ تھا جو ہم نے باہمی مشورہ سے طے کیا تھا۔ اِس نقشہ کے مطابق ضرورت تھی کہ ہم ایک مقام کو "دارالاسلام" کی تحریک کا مرکز بنائیں، اور وہاں اپنی قوم کے زیادہ advanced لوگوں کو ہر طرف سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کریں، اور اُن کو اُس انقلاب کے لیے ذہنی اور عملی حیثیت سے تیار کریں، جو ہم برپا کرنا چاہتے ہیں۔ اِس غرض کے لیے ہماری نظر ہندوستان کے مختلف مقامات پر پڑی جن میں ایک علیگڈھ بھی تھا۔ مگر بالآخر ہم پُورے غور و خوض کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے کہ کوئی ایسی جگہ جہاں مخالف طاقتیں پہلے سے قدم جما چکی ہیں۔ ایسی انقلابی تحریک کی پیدائش اور نشو و نما کے لیے موزوں نہیں ہو سکتی۔ اِس کے لیے ایک پاک صاف الگ تھلگ ماحول کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اِسی ویرانے کو مرحوم نے بھی پسند کیا جس پر میری نظرِ انتخاب پہلے ہی پڑ چکی تھی۔

میں سمجھتا ہُوں کہ اب آپ کے سامنے پُوری طرح وہ نقشۂ عمل واضح ہو گیا ہو گا جس پر ہم نے کام شروع کیا ہے۔ اِس کام میں ہماری کامیابی کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہندوستان میں جہاں جہاں ہمارے ہم خیال لوگ موجود ہیں، ان سے ہمارا ذہنی اور عملی رابطہ قائم ہو جائے، اور وہ اگر یہاں رہنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں تو کم از کم اپنے اپنے حلقوں میں رہ کر مُشترک نصب العین کے لیے اپنی اپنی

استعداد کے مطابق ہمارے ساتھ تعاون کریں۔ اور کبھی کبھی یہاں آکر مرکزِ تحریک میں کام کرنے والوں کے ساتھ تبادلۂ خیال بھی کرتے رہیں۔

یہاں کام کرنے کے لیے جو نظامِ جماعت اور لائحۂ عمل ہم نے مرتب کیا ہے، وہ عنقریب آپ کی خدمت میں بھیجا جائے گا۔ مگر اس سے پہلے ہی ہم آپ سے یہ معلوم کرنے کے لیے بے چین ہوں کہ آپ کس کس صورت میں کتنی مدد ہم کو دے سکتے ہیں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ اس مجلسِ شوریٰ کے بارے میں تفصیلات نہیں مل سکیں ۔ غالباً یہاں مراد یہ ہے کہ مکتوب الیہ نے "ادارہ دار الاسلام" کی ابتدائی مشاورتی مجلسوں میں شرکت کی دعوت قبول کرلی تھی ۔ یاد رہے کہ ادارے کی ابتدائی نشستیں اپریل ۱۹۳۸ء سے شروع ہو چکی تھیں ۔ باقاعدہ تاسیس ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۸ء (۱۹ شعبان ۱۳۵۷ھ) بروز جمعۃ المبارک عمل میں آئی۔

۲ ۔ علامہ عنایت اللہ خاں مشرقی (تعارف دیکھیے: خط ۴۹)

۳ ۔ مولانا سیّد حسین احمد مدنی (۱۸۷۹ء ـــــ ۱۹۵۷ء) برّعظیم ہند کے معروف عالمِ دین ۔ دارالعلوم دیوبند کے صدر مُدرّس تھے ۔ تحریکِ آزادیِ ہند اور مسئلۂ قومیت پر کانگریس کے ہم نوا تھے۔ ان کے فلسفۂ وطنی پر مولانا نے اپنے مضمون "مسئلۂ قومیت" (ترجمان القرآن، فروری ۱۹۳۹ء) میں شدید گرفت کی تھی۔ اب یہ مضمون "مسئلہ قومیت" نیز "تحریکِ آزادیِ ہند اور مسلمان" اوّل میں شامل ہے ۔

۴ ۔ مراد، دہلی کے عمّ زاد بھائی ڈاکٹر عبد الجبار خیری اور پروفیسر عبد الستار خیری ہیں۔ ڈاکٹر خیری ، جامعۃ الازہر مصر کے فارغ التحصیل اور پی ایچ ڈی تھے ۔ پروفیسر خیری علی گڑھ یونی ورسٹی کے تعلیم یافتہ تھے اور یہیں جرمن اور فرانسیسی زبان وادب کے استاد رہے ۔ مسلم لیگ سے وابستہ تھے۔ بہت سا وقت مصر، شام ، فلسطین، ترکی اور جرمنی میں گزارا ۔ برطانوی حکومت نے ان کا داخلہ ہندُستان میں ممنوع قرار دے دیا تھا ۔ بہت بعد میں انھیں مشروط طور پر وطن آنے کی اجازت مل گئی۔ وہ ایک فاضل اور مخلص مسلمان تھے۔ خیری برادران نے ۱۹۱۷ء میں "اسٹاک ہوم سوشلسٹ انٹرنیشنل" کے ایک اجلاس میں تقسیمِ ہند (مسلم انڈیا اور ہندو انڈیا) کی تجویز پیش کی تھی ۔

۵ ۔ مولانا عبد القادر آزاد سُبحانی (۱۸۸۱ء ـــ ۲۴ جون ۱۹۵۷ء) سکندر پور ، بلیا یو پی میں پیدا ہوئے ۔ نہایت فاضل اور مؤثر خطیب تھے۔ شعر بھی کہتے تھے۔ ماہنامہ "روحانیت" کے بانی اور مدیر تھے۔

بیسویں صدی کے اوائل میں ہندو آریہ سماجیوں نے نو مسلم راجپوتوں کو دوبارہ ہندو بنانے کی مہم شروع کی ، تو اس کی مدافعت اور عوامی مُبلّغین کی تیاری کے لیے مولانا سبحانی نے ۱۹۰۸ء میں مدرسہ الٰہیات، کان پور کی بنیاد رکھی ۔ مسجد کان پور کی احتجاجی تحریک اور تحریک خلافت میں حصہ لیا ۔ قید وبند سے دوچار ہوئے ۔ تحریک پاکستان میں بھی حصّہ لیا۔ یو پی مسلم لیگ نے ۱۹۴۰ء میں اسلامی نظام مملکت کا خاکہ ترتیب دینے کے لیے جو کمیٹی تشکیل دی تھی ، اس میں علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا عبد الماجد دریابادی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور نواب احمد سعید چھتاری کے علاوہ مولانا سبحانی بھی شامل تھے ۔ (مزید دیکھیے: خط ۵۲ ، تعارفی نوٹ) تصانیف: *تفسیر ربانی *العقائد ، وغیرہ۔

٦ ۔ فضل کریم خان درّانی (ایف کے درانی) اسلامیہ کالج لاہور سے تعلیم حاصل کی ۔ ہفت روزہ Truth کے ایڈیٹر اور Eastern Times کے قلمی معاون رہے ۔ قائد اعظم سے ان کی خط کتابت قومی ریکارڈ میں محفوظ ہے ۔ چند تصانیف:

* Muhammad, The Prophet * The Meaning of Pakistan * Muslim NationalIdeal * A Plan of Muslim Educational Reforms

۷ ۔ یہ لائحہ عمل "ترجمان القرآن" (ستمبر ۱۹۳۸ء) میں شائع ہوا ، بعد ازاں "دستور العمل اور ادارہ دار الاسلام : توضیح، مقاصد و طریق کار"، کے نام سے علاحدہ کتابی شکل میں بھی طبع کیا گیا ۔

سید سلیمان ندوی

علامہ اقبال، معاصر علمائے دین میں سب سے زیادہ سید سلیمان ندویؒ کی علمیت کے قائل تھے، اور چاہتے تھے کہ وہ پنجاب میں منتقل ہو جائیں ۔ زیرِ نظر خط میں مولانا مودودی کا انداز بھی نیاز مندانہ ہے ۔ غالباً اسی حوالے سے یعنی سید سلیمان سے علامہ اقبال کے عقیدت مندانہ رویّے کے تسلسل میں، مولانا مودودی بھی چاہتے تھے کہ سید صاحب کی راہنمائی دار الاسلام کو حاصل ہو۔ دیکھیے: خطوطِ مودودی، اوّل، خط ۵،۸ ۔ نیز: تذکرہ سید مودودی اوّل ص ۱۳۹ تا ۱۷۹ ۔ مزید دیکھیے ضمیمہ

۳۸

[دار الاسلام]

۹ شعبان ۵۷ء

[۴ر اکتوبر ۱۹۳۸ء]

مخدومی و محترمی، السّلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہٗ

پرسوں ایک خط لکھ چکا ہوں جس میں آپ کو دار الاسلام کی اسکیم اور دستور العمل کے متعلّق اظہارِ رائے کی تکلیف دی تھی۔ اگرچہ ابتداءً میرا خیال یہ تھا کہ آپ کو یہاں تشریف لانے کی زحمت دوں اور آپ ہی کے مبارک ہاتھوں سے اس ادارہ کی تاسیس ہو۔ لیکن محض اس خیال سے استصواب و استشارہ ہی پر اکتفا کیا کہ آپ کی صحت اور مشاغل کی کثرت شاید یہاں آنے کی اجازت نہ دے۔ اب مولانا عبد الماجد صاحب کے تازہ عنایت نامہ سے معلوم ہُوا کہ آپ کا تشریف لانا ممکن ہے اور انھوں نے آپ کو دعوت دے دی ہے ۔ اس سے غایت درجہ مسرت ہُوئی اور موصوف کا ہم آواز ہو کر مَیں بھی درخواست کرتا ہُوں کہ یہاں ضرور تشریف لائیے اور ہماری رہنمائی

کیجیے۔ علامہ اقبال مرحوم افسوس ہے کہ زندہ نہیں ہیں ورنہ یہ دعوت ان کی طرف سے ہوتی تاہم اب بھی آپ اس دعوت کو انھی کی رُوح کی طرف سمجھیں اور یہ سمجھیں کہ جس کام کو وہ اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے تھے، اُسے اُٹھانا اور بڑھانا اب مجھ سے زیادہ آپ کا کام ہے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

سید محمد نواز

سید محمد نواز (ف : نومبر ۱۹۸۹ ، لاہور) نے ۱۹۳۸ء میں بی اے ، اور ۱۹۴۱ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے کی سند حاصل کی ۔ بعد ازاں انڈین سول سروس کے محکمہ سپلائی میں چلے گئے ۔ سرکاری ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد سروس انڈسٹریز سے وابستہ ہوگئے ۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں دورانِ تعلیم ، مولانا مودودی سے بذریعہ ''ترجمان القرآن'' تعارف ہوا ۔ ایک ملاقات میں انھوں نے بتایا : ''مولانا مودودی کے قیامِ لاہور کے دوران میں ، ہم کبھی کبھی ، وقت بے وقت ان کے ہاں اسلامیہ پارک چلے جایا کرتے تھے ۔ ہمیں معلوم تھا کہ مولانا کے اوقات مقرر اور متعین ہیں ، اور ہم اس کا خیال بھی رکھتے تھے ، لیکن کبھی غلط وقت پر بھی چلے جاتے تو مولانا برا نہیں مانتے تھے ۔ بلکہ خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے ۔ وہ طلبہ کو خوب لبرٹی دیتے تھے کہ وہ کھل کر اپنے اشکال و سوال ان کے سامنے پیش کریں ۔ سو ، ہم بھی اس سے فائدہ اٹھا کر الٹے سیدھے سوال کرتے ، مگر وہ کبھی نہ گھبراتے ۔ مولانا محترم کو مجھ سے بہت امیدیں تھیں ، میں تحریکِ اسلامی میں شامل ہو جاؤں گا ، مگر میں نے مقابلے کا امتحان پاس کر کے عملی زندگی کا راستہ تبدیل کر لیا تھا ۔ ان دنوں قمر الدین خان صاحب (دیکھیے: خطوطِ مودودی ، اوّل ۔ خط ۵ ، حاشیہ ۱) لاہور آ گئے تھے ۔ وہ کہا کرتے تھے : ''مولانا مودودی کے ساتھ ٹھیرنا ، بالکل ایسا ہی ہے جیسے آدمی تاریخ اور اسلام میں ڈاکٹریٹ کر رہا ہو'' ۔ مزید دیکھیے ضمیمہ:

۳۹

زیرِ نظر خطوط کا پس منظر بیان کرتے ہوئے سید نواز صاحب نے بتایا : ''زمانۂ طالب علمی میں ، میں آل انڈیا مسلم لیگ اور خاکسار تحریک دونوں سے متاثر تھا ۔ میں نے اپنے علاقے میں ''مجاہدینِ اسلام'' کے نام سے ایک تنظیم بنائی ، اس کے قواعد و ضوابط مرتب کر کے مولانا مودودی کو روانہ کیے اور ان کی رائے مانگی ۔ جواب میں تاخیر ہو گئی تو میں نے کام شروع کر دیا ، اور ساتھ ہی اس کی اطلاع مولانا کو کر دی ۔ وہ اسی روز میرے نام خط (نمبر ۱) لکھ چکے تھے ، میرا دوسرا خط ملنے پر اس کا جواب بھی (خط ۲) اسی روز مجھے ڈچکوٹ کے پتے پر روانہ کر دیا''

[لاہور]
۲۳ جمادی الاخریٰ ۵۸ھ
[۱۰ اگست ۱۹۳۹ء]

محترمی و مکرمی ۔ السلام علیکم

آپ کا عنایت نامہ آئے کئی دن ہو گئے، مگر میں بہت مصروف تھا اس لیے جواب میں تاخیر ہو گئی ۔ انہی دنوں میں میں نے اپنا مکان بھی تبدیل کر دیا ہے اب میں اسلامیہ پارک کے قریب مبارک پارک میں آ گیا ہوں جو پونچھ ہاؤس کی پشت پر واقع ہے ۔

خاکسار تحریک میں شامل ہو کر اندر سے اس کی اصلاح کرنا، پھیر کا راستہ ہے اور دیر طلب ہے ۔ نیز اس میں یہ خطرہ ہے کہ جن لوگوں کو آپ خاکساروں میں شامل کریں گے وہ لازم نہیں کہ آپ ہی کے خیالات قبول کر لیں ۔ تحریک کی عام ذہنیت سے ان کے متاثر ہونے کا زیادہ احتمال ہے ۔ کیونکہ اس طرز کی تحریکوں میں یونیفارم، پریڈ، نعروں اور جھنڈوں کے ذریعہ سے عوام کے دل و دماغ پر قابو حاصل کیا جاتا ہے اور عامۃ الناس میں اتنی قوت فہم اور قوتِ ارادی نہیں ہوتی کہ وہ اس سیلاب میں بہنے سے اپنے آپ کو بچا سکیں ۔

میں آج ہی دارالاسلام کا دستور العمل آپ کو بھیج رہا ہوں ۔ آپ پہلے اس کو بغور پڑھ لیں ۔ اس کے بعد جو سوالات آپ کریں گے ان کا میں مفصل جواب دوں گا ۔ سر دست چونکہ آپ کے سامنے اس تحریک کا پورا خاکہ ہی نہیں ہے اس لیے میرا کچھ بیان کرنا قبل از وقت ہے ۔

آپ کا مضمون کلمۂ طیبہ پر بہت سرسری ہے ۔ اس میں بہت سی اہم چیزوں کی کمی ہے ۔ میں کوشش کروں گا کہ اسے خود مکمل کر کے شائع کروں ۔

خاکسار

ابو الاعلیٰ



رسالہ ترجمان القرآن ماہوار

TARJUMAN - UL - QUR'ÅAN

لاھور

A MONTHLY JOURNAL OF QURAANIC RESEARCH

~~DAR-UL-ISLAM (PATHANKOT)~~ ~~PUNJAB~~ ~~دار الاسلام (پٹھان کوٹ - پنجاب)~~

Ref. No. .... نشان ....

Dated .... تاریخ ۳۰ جمادی الاخری ۵۸ھ

محترمی و مکرمی   السلام علیکم

آپ کا عنایت نامہ آئے کئی دن ہو گئے، مگر میں بہت مصروف تھا اسلئے جواب میں تاخیر ہوگئی انہی دنوں میں میں نے اپنا مکان بھی تبدیل کر دیا ہے۔ اب میں اسلامیہ پارک کے قریب مبارک پارک میں آ گیا ہوں جو پونچھ ہاؤس کی پشت پر واقع ہے۔

خاکسار تحریک میں شامل ہو کر اندر سے اسکی اصلاح کرنا، بہت لمبا راستہ ہے اور دیر طلب ہے۔ نیز اس میں یہ خطرہ ہے کہ جن لوگوں کو آپ خاکساروں میں شامل کرینگے وہ لازم نہیں کہ آپ ہی کے خیالات قبول کریں۔ تحریک کی عام ذہنیت سے ان کے متاثر ہونے کا زیادہ احتمال ہے۔ کیونکہ اس طرز کی تحریکوں میں یونیفارم، بیج، نمبروں اور جھنڈوں کے ذریعہ سے عوام کے دل و دماغ پر قابو حاصل کیا جاتا ہے، اور عامۃ الناس میں اتنی قوت فہم اور قوت ارادی نہیں ہوتی کہ وہ اس سیلاب میں

بہنے سے اپنے آپ کو بچا سکیں ۔

میں آج ہی ادارہ دار السلام کا دستور العمل آپ کو بھیج رہا ہوں ۔ آپ پہلے اس کو بغور پڑھ لیں ۔ اس کے بعد جو سوالات آپ کے ذہن میں آئیں ان کا میں مفصل جواب دوں گا ۔ سردست چونکہ آپ کے سامنے اس تحریک کا پورا خاکہ ہی نہیں ہے اسلئے میرا کچھ بیان کرنا قبل از وقت ہے ۔

آپ کا مضمون کلمۂ طیبہ پر بہت سرسری ہے ۔ اس میں بہت سی اہم چیزوں کی کمی ہے ۔ میں کوشش کروں گا کہ اسے خود مکمل کر کے شائع کر دوں

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱ ۔ سید محمد نواز کے مطابق : کلمۂ طیبہ پر ان کا یہ مضمون واقعی بہت سرسری تھا ، مگر مولانا نے حسبِ وعدہ ، اصلاح و تصحیح اور اضافوں کے بعد ان کا مضمون "ترجمان القرآن" (دسمبر ۱۹۳۹ء) میں بہ عنوان : "لاالٰہ اِلّا اللہ" شائع کر دیا ۔ ایک دوسرا مضمون "دین میں جذباتی عنصر" ستمبر ۱۹۴۱ء میں چھپا ۔

۴۰

اس خط میں مولانا مودودی نے "ادارۂ دار الاسلام" سے تعلق رکھنے والوں کو تین مدارج میں تقسیم کیا ہے ، اور بطور تجربہ ، ادارے کی شاخیں قائم کرنے اور ادارے کے تحت "مجاہدینِ اسلام" کے نام سے جیش منظم کرنے کی اجازت دی ہے ۔ یہ جیش کس طرح کام کریں گے ؟ اس سلسلے میں کچھ تفصیل بھی مکتوب الیہ کو لکھی ہے ۔ چونکہ مکتوب الیہ نے "ادارۂ دار الاسلام" کا دستور العمل دیکھنے سے پہلے ہی ادارے کی شاخ قائم کر لی تھی ، اس لیے مولانا نے انھیں بطور تجربہ "مجاہدینِ اسلام" کا جیش بنانے کی اجازت دی اور ہدایات بھی دیں ۔ بعد میں دستور العمل میں اس کا اضافہ کرنے کا ارادہ بھی ہو گا ، مگر غالباً یہ تجربہ کامیاب نہ ہو سکا ، اس لیے نہ تو ادارے کے دستور العمل میں کوئی اضافہ کیا گیا ، اور نہ کہیں اور ، مذکورہ جیش کے سلسلے میں کوئی تفصیل ملتی ہے ۔

یہ خط اس اعتبار سے مولانا مودودی کے ذخیرۂ مکاتیب میں خاص اہمیت رکھتا ہے کہ اس کے مطابق مولانا مودودی کے ذہن میں اس زمانے میں جیش منظم کرنے کی تجویز بھی موجود تھی ۔ چونکہ مکتوب الیہ "خاکسار تحریک" سے متاثر تھے ، اور وہ "مجاہدینِ اسلام" کے نام سے تنظیم بھی قائم کر چکے تھے ، اس لیے مولانا نے اس تنظیم یا تجربے کو صحیح رخ پر ڈالنے کے لیے یہ ہدایات رقم فرمائیں :

دفتر ترجمان القرآن ، مبارک پارک ، پونچھ روڈ ، لاہور
۱۳ جمادی الاخریٰ ۵۸ھ
[۱۰ اگست ۱۹۳۹ء]

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم
آج ہی صبح کو آپ کے سابق خط کا جواب پیر محل کے پتہ پر دے چکا ہوں ۔ اس کے بعد آپ کا دوسرا خط وصول ہوا ۔

ادارہ "دارالاسلام" کے دستور العمل کو دیکھنے سے پہلے آپ نے ادارہ کی شاخیں قائم کرنے میں جلدی کی۔ خیر، اب آپ دستور العمل کو اچھی طرح پڑھ کر تنظیم کی طرف قدم بڑھائیں۔ دستور العمل میں ہم نے تحریک سے تعلق رکھنے والوں کو دو مدارج میں تقسیم کیا ہے:

(۱) وہ جو بالکلیہ اپنے آپ کو دارالاسلام کی تحریک کے لیے وقف کر دیں اور ڈسپلن کی پوری پابندی قبول کریں۔

(۲) وہ جو محض معاون ہوں۔

اب آپ اگر چاہتے ہیں تو تیسرا درجہ ان عام لوگوں کے لیے رکھا جا سکتا ہے جو اوپر کے مدارج میں نہ آسکتے ہوں۔ لیکن پہلے اس کام کو بے ضابطہ طور پر امتحاناً کر کے دیکھیے۔ بعد میں دستور العمل کے اندر اس کا اضافہ کر دیا جائے گا بشرطیکہ تجربہ کامیاب ہو۔

اس تجربہ کی صورت یہ ہو گی کہ جہاں پانچ آدمی آپ کو ادارہ کی رکنیت کے قابل مل جائیں وہاں ان سے عہد لے کر ادارہ کی شاخ قائم کیجیے۔ اور ان پانچ میں سے جمہوری طریق پر ایک کو صدر منتخب کرا لیجیے۔ پھر اس صدر کے تحت جیش مرتب کیجیے۔ جیش کا نام "مجاہدینِ اسلام" مناسب ہے۔ اس جیش کے ارکان ادارہ میں شامل نہ ہوں گے، مگر صدر ادارہ کے ماتحت منظم ہوں گے۔ ان لوگوں کو پریڈ کرانے کے ماسوا حسبِ ذیل امور کی پابندی کرنی ہو گی:

(۱) پانچ وقت کی نماز پوری پابندی کے ساتھ اور حتی الامکان جماعت کے ساتھ۔

(۲) دیگر ارکانِ اسلام کی پابندی۔

(۳) محرماتِ شرعیہ سے اجتناب

(۴) قرآنِ مجید کی تعلیم حاصل کرنا اور دینِ اسلام سے واقفیت پیدا کرنا۔

(۵) عام مسلمانوں کے ساتھ اور غیر مسلموں کے ساتھ پوری خوش خلقی کے ساتھ

پیش آنا اور ہر وقت اپنے آپ کو اسلام کا نمائندہ سمجھ کر لوگوں سے معاملہ کرنا۔

ان پانچ امور میں ارکانِ جیش کی زندگی پر نگرانی رکھنا صدر کا کام ہوگا۔ صدر کو ارکانِ جیش میں یہ اسپرٹ پیدا کرنی چاہیے کہ جب کبھی کسی شخص سے نافرمانی کا ارتکاب ہو تو وہ پوری سچائی کے ساتھ آکر اس کا اعتراف کرے اور اپنے آپ کو سزا کے لیے پیش کرے۔ سزا میں صدر کو غایت درجہ اعتدال ملحوظ رکھنا چاہیے اور یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ان لوگوں کو تکلیف دینا یا ان سے انتقام لینا نہیں ہے، بلکہ ان کے نفس کا تزکیہ کرنا ہے۔ نیز یہ کوشش کرنی چاہیے کہ یہ لوگ کلمہ طیبہ کی رُوح اور نماز کی رُوح سے واقف ہوں اور ہر مرتبہ جب نماز پڑھیں تو اپنے نفس کا احتساب کریں اور اپنے آپ کو "ذمہ دار" سمجھتے ہوئے نماز ادا کریں۔

ارکانِ ادارہ کا یہ کام ہوگا کہ جیش کے ارکان میں سے جو لوگ اَن پڑھ ہوں ان کو تعلیم دیں۔ نیز ارکانِ جیش کے اندر باہمی معاونت، ہمدردی اور ایک دُوسرے کے معاشی حالات میں مساعدت کی اسپرٹ پیدا کرنی ہوگی۔

یہ چھ مہینے کا کورس ہے۔ اس مدت میں ارکانِ جیش کی شخصی زندگی کی اصلاح ہوجانی چاہیے۔ ان کو اسلام سے اچھی طرح واقف ہونا چاہیے اور ان میں سے ہر شخص کو لکھنا پڑھنا آجانا چاہیے۔

اس ٹریننگ کے بعد ارکانِ جیش سے جو کام لیا جائے اس کی مختصر تفصیل یہ ہے:-

۱۔ ان کو پانچ پانچ آدمیوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم کیا جائے۔ اور ہر ٹکڑی پر ایک افسر مقرر کیا جائے۔

۲۔ ہر ٹکڑی سے مہینہ میں تین، چار، یا سات دن (جیسی کہ ان کی سہولت ہو) مختلف اوقات میں (یعنی سب سے ایک ہی وقت میں نہیں بلکہ الگ الگ وقتوں میں) مانگے جائیں تاکہ وہ دعوت و تبلیغ کا کام انجام دیں۔

۳۔ اَوّلاً یہ لوگ اپنے اطراف و نواح کی مسلمان آبادیوں کو لیں اور نہایت محبت اور نرمی کے ساتھ انھیں اسلام کی تعلیمات سمجھائیں۔ ان کے اندر دین کی سمجھ پیدا کریں اور جتنے آدمی ان میں کام کے مل سکیں انھیں اپنے جیش میں بھرتی کرلیں۔

(نوٹ: اس تبلیغ میں پوری کوشش کی جائے کہ لوگوں کے تعصباتِ جاہلیت پر فوراً حملہ نہ ہو۔ ابتداءً صرف کلمۂ طیبہ کے معنی سمجھانے، نماز اور روزہ کی طرف راغب کرنے اور صریح محرمات سے روکنے پر زور دینا چاہیے۔ بعد میں نہایت تدریج کے ساتھ رسومِ جاہلیت کے مٹانے کی کوشش کرنی چاہیے۔)

۴۔ مسلمانوں کے اندر سے قبائلی تفریق، اور نسلی عصبیت کو مٹایا جائے نیز جہاں جہاں مسلمانوں میں چھوت چھات پائی جاتی ہے، یا کم درجہ کی قوموں کے ساتھ تذلیل کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ وہاں اس کی اصلاح کی جائے (لعنت ملامت سے نہیں بلکہ اسلام کی جمہوریت اور مساوات کی تعلیم سے) کوشش کی جائے کہ مسلمان قبائل باہم شادی بیاہ کرنے لگیں اور سب مسلمان ایک دوسرے کو برابر کا بھائی سمجھیں اور کوئی کسی کو ادنیٰ یا ذلیل نہ سمجھے۔

۵۔ سکھوں، ہندوؤں اور عیسائیوں کے ساتھ جہاں مسلمانوں کے اختلافات ہوں وہاں بڑی نرمی اور محبت کے ساتھ انھیں دور کیا جائے اور کوشش کی جائے کہ یہ قومیں مسلمانوں سے قریب تر ہوں اور مسلمان اپنے اخلاق اور حسنِ معاملت سے ان کو موہنے لگیں۔

۶۔ غیر مسلم قوموں کو براہِ راست تبلیغ کا مخاطب نہ بنایا جائے بلکہ جہاں تک ہوسکے (indirect) طریقوں سے ان کو اسلام کی بلند تعلیمات اور اسلامی جمہوریت و مساوات اور اسلامی حسنِ اخلاق سے متاثر کیا جائے۔

۷۔ یہ تو وہ کام ہیں جو ارکانِ جیش سے آپ کو لینے ہیں اور اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ اس قسم کے تبلیغی دوروں میں یہ لوگ پورے فوجی نظم اور ڈسپلن کے

ساتھ کام کریں۔

رہے ادارہ دارالاسلام کے ارکان تو ان کا کام یہ ہے کہ ارکانِ جیش کی تعلیم و تربیت، اور تبلیغ و دعوت کے کام میں ان کی رہنمائی کریں، دورے کر کے ان کے کام کی نگرانی کرتے رہیں، اور جہاں اُن سے غلطیاں ہوں، وہاں ان کی اصلاح کریں۔ یہ خیال ارکانِ ادارہ کو بھی رہنا چاہیئے اور ارکانِ جیش کے دل میں بھی بیٹھا دینا چاہیے کہ ان کی فوجی تنظیم ہندوؤں سے یا سکھوں سے لڑنے کے لیے نہیں ہے، بلکہ صرف باضابطہ کام کرنے کے لیے ہے۔ دراصل ان کی تحریک کا منشا اسلام کی superior moral force سے ہندوستان کو از سرِ نو فتح کرنا ہے۔ یہی نقش آپ کے عمل سے غیر مسلموں کے دل پر بھی بیٹھنا چاہیے تاکہ انھیں جوابی تنظیم کا خیال پیدا نہ ہو۔

علاوہ بریں ارکانِ ادارہ میں سے جو لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوں، انھیں اپنے علاقہ کے معاشی، اجتماعی (Social) اور اخلاقی حالات کا گہرا مشاہدہ کر کے ایک رپورٹ تیار کرنی چاہیے تاکہ بعد میں ادارۂ مرکزی کا ایک جلسہ کر کے یہ طے کیا جائے کہ آپ کے علاقہ میں دارالاسلام کی تحریک کو باشندوں کی Social life سے زیادہ گہرائی کے ساتھ وابستہ کرنے کے لیے کون سی پالیسی اختیار کی جائے۔

میرے اس خط کو محفوظ رکھیے۔ میرے پاس اس وقت کوئی آدمی ایسا نہیں ہے کہ میں اس کی نقل کرا کے اپنے پاس رکھ سکوں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ



رسالہ ترجمان القرآن ماہوار

TARJUMAN - UL - QUR'AAN

A MONTHLY JOURNAL OF QURAANIC RESEARCH

~~DAR-UL-ISLAM (PATHANKOT) PUNJAB~~

~~دار الاسلام (پٹھان کوٹ - پنجاب)~~

ذیلدار روڈ - ذیلدار پارک - لاہور

Ref. No. ....

Dated ....

نشان ....

مورخہ سوموار ۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ھ

محترمی و مکرمی

السلام علیکم

آج ہی صبح کو آپ کے سابق خط کا جواب بیرسٹر کے پتہ پر دے چکا ہوں ۔ اس کے بعد آپ کا دوسرا خط موصول ہوا ۔

ادارۂ [illegible] "دعوۃ الاسلام" کے دستور العمل کو دیکھنے سے پہلے آپ نے ادارہ کی شاخیں قائم کرنے میں جلدی کی ۔ خیر ، اب آپ دستور العمل کو اچھی طرح

بڑھ کر تنظیم کی طرف قدم بڑھائیں ۔ دستورِ اسلامی میں ہم نے تحریک سے تعلق رکھنے والوں کو دو مدارج میں تقسیم کیا ہے :

(۱) وہ جو بالکلیہ اپنے آپ کو دار الاسلام کی تحریک کے لیے وقف کریں اور دستور کی پوری پابندی کا قبول کریں ۔

(۲) وہ جو محض معاون ہوں ۔

اب آپ اگر چاہتے ہیں تو تیسرا درجہ ان عام لوگوں کے لیے رکھا جا سکتا ہے جو اوپر کے مدارج میں نہ آ سکتے ہوں ۔ لیکن پہلے اس کو بطور ابتدائی تجربہ کرکے دیکھیے ۔ بعد میں دستور العمل کے اندر اس کا اضافہ کر دیا جائے بشرطیکہ تجربہ کامیاب ہو ۔

اس تجربہ کی صورت یہ ہوگی کہ جہاں پانچ آدمی آپ کو ادارہ کی رکنیت کے قابل مل جائیں وہاں ان سے علیحدہ کر ادارہ کی شاخ قائم کیجیے اور ان پانچ میں سے جمہوری طریق پر ایک کو صدر منتخب کرائیے ۔ پھر اس صدر کے تحت جمعیت مرتب کیجیے ۔ جمعیت کا نام "مجاہدین اسلام" مناسب ہے ۔ اس جمعیت کے ارکان ادارہ میں شامل نہ ہوں گے مگر صدر ادارہ کے ماتحت منظم ہوں گے ۔ ان لوگوں کو [illegible] حسب ذیل امور کی پابندی کرنی ہوگی :

(۱) پانچ وقت کی نماز پوری پابندی کے ساتھ اور حتی الامکان جماعت کے ساتھ ۔

(۲) دیگر ارکانِ اسلام کی پابندی

(۳) محرماتِ شرعیہ سے اجتناب

(۴) قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنا اور دینِ اسلام سے واقفیت پیدا کرنا

(۵) عام مسلمانوں کے ساتھ اور غیر مسلموں کے ساتھ پوری خوش خلقی کے ساتھ پیش آنا اور ہر وقت اپنے آپ کو اسلام کا نمائندہ

سمجھ کر نرمی سے معاملہ کرنا ۔

ان پانچ امور میں ارکان جیش کی زندگی پر نگرانی رکھنا صدر کا کام ہوگا ۔ صدر کو ارکان جیش میں یہ اسپرٹ پیدا کرنی چاہیے کہ جب کبھی کسی شخص سے نافرمانی کا ارتکاب ہو تو وہ پوری سچائی کے ساتھ اگر اس کا اعتراف کرے اور اپنے آپ کو سزا کے لیے پیش کرے ۔ سزا میں صدر کو نہایت درجہ اعتدال ملحوظ رکھنا چاہیے اور یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ان لوگوں کو تکلیف دینا یا ان سے انتقام لینا نہیں ہے بلکہ ان کے نفس کا تزکیہ کرنا ہے ۔ نیز یہ کوشش کرنی چاہیے کہ یہ لوگ کلمۂ طیبہ کی روح اور نماز کی روح سے واقف ہوں اور ہر مرتبہ جب نماز پڑھیں تو اپنے نفس کا احتساب کریں اور اپنے آپ کو "ذمہ دار" سمجھتے ہوئے نماز ادا کریں ۔

ارکان ادارہ کا یہ کام ہوگا کہ جیش کے ارکان میں سے جو لوگ ان پڑھ ہوں ان کو تعلیم دیں ۔ نیز ارکان جیش کے اندر باہمی معاونت، ہمدردی، اور ایک دوسرے کے معاشی حالات میں مساعدت کی اسپرٹ پیدا کرنی ہوگی ۔

یہ چھ مہینے کا کورس ہے ۔ اس مدت میں ارکان جیش کی شخصی زندگی کی اصلاح ہو جانی چاہیے ۔ ان کو اسلام سے اچھی طرح واقف ہونا چاہیے ۔ اور ان میں سے ہر شخص کو لکھنا پڑھنا آ جانا چاہیے ۔

۲ اس ٹریننگ کے بعد ارکان جیش سے جو کام لیا جائے اسکی مختصر تفصیل یہ ہے :۔

۱ ۔ ان کو پانچ پانچ آدمیوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم کیا جائے ۔ اور ہر ٹکڑی پر ایک افسر مقرر کیا جائے ۔

۲ - ہر ٹکڑی سے مہینہ میں تین، چار، یا سات دن (جیسی کہ انکی سہولت ہو) مختلف اوقات میں (یعنی سب سے ایک ہی وقت میں نہیں بلکہ الگ الگ وقتوں میں) مانگے جائیں تاکہ وہ دعوت و تبلیغ کا کام انجام دیں۔

۳ - اولاً یہ لوگ اپنے اطراف و جوار کی مسلمان آبادیوں کو لیں اور نہایت محبت اور نرمی کے ساتھ انہیں اسلام کی تعلیمات سمجھائیں۔ ان کے اندر دین کی سمجھ پیدا کریں اور جتنے آدمی ان میں کام کے مل سکیں انہیں اپنے حلقہ میں بھرتی کر لیں (نوٹ: دعوت تبلیغ میں پوری کوشش کی جائے کہ لوگوں کے تعصبات جاہلیت پر فوراً حملہ نہ ہو۔ ابتداءً صرف کلمۂ طیبہ کے معنی سمجھانے، نماز اور روزہ کی طرف راغب کرنے اور صریح محرمات سے روکنے پر زور دینا چاہیے۔ بعد کو میں نہایت تدریج کے ساتھ رسوم جاہلیت کے مٹانے کی کوشش کی کرنی چاہیے)

۴ - مسلمانوں کے اندر سے قبائلی تفریق، اور نسلی عصبیت کو مٹایا جائے۔ نیز جہاں جہاں مسلمانوں میں چھوت چھات پائی جاتی ہے، یا کم درجہ کی قوموں کے ساتھ تذلیل کا برتاؤ کیا جاتا ہے وہاں اسکی اصلاح کی جائے (لعنت ملامت سے نہیں بلکہ اسلام کی جمہوریت اور مساوات کی تعلیم سے)۔ کوشش کی جائے کہ مسلمان قبائل باہم شادی بیاہ کرنے لگیں اور سب مسلمان ایک دوسرے کو برابر کا بھائی سمجھیں اور کوئی کسی کو ادنیٰ یا ذلیل نہ سمجھے

۵ - ہر ٹکڑی ہندوؤں اور عیسائیوں کے ساتھ جہاں مسلمانوں کے اختلافات ہوں وہاں بڑی نرمی اور محبت کے ساتھ انہیں دور کیا جائے اور کوشش کی جائے کہ یہ قومیں مسلمانوں سے قریب تر ہوں اور مسلمانوں کے اخلاق اور حسن معاملت سے م

ان کو سوجھنے لگیں ۔

(۶) غیر مسلم قوموں کو براہ راست تبلیغ کا نشانہ نہ بنایا جائے
بلکہ جہاں تک ہو سکے (indirect) طریقوں سے
ان کو اسلام کی اعلیٰ تعلیمات اور اسلامی جمہوریت و مساوات
اور اسلامی حسن اخلاق سے متاثر کیا جائے ۔

یہ تو وہ کام ہیں جو ارکان جیش سے آپ کو لینے
ہیں ۔ اور اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ اس قسم کا تبلیغی
دوروں میں یہ لوگ پورے فوجی نظم اور ڈسپلن کا ساتھ
کام کریں ۔

اب ادارہ دارالاسلام کا ارکان تو ان کا کام
یہ ہے کہ ارکان جیش کی تعلیم و تربیت ، اور تبلیغ و دعوت
کے کام میں انکی رہنمائی کریں اور وہ دورے کرکے ان کے
کام کی نگرانی کرتے رہیں اور جہاں ان سے غلطیاں ہوں اس
وقت انکی اصلاح کریں ۔ یہ خیال ارکان ادارہ کو بھی
رکھنا چاہیے ، اور ارکان جیش کے دل میں بھی بٹھا دینا چاہیے
کہ انکی فوجی تنظیم ہندوؤں سے یا سکھوں سے لڑنے کا
لیے نہیں ہے ، بلکہ صرف باضابطہ کام کرنے کا لیے ہے ۔
ورنہ دراصل انکی تحریک کا منشا اسلام کی (Superior
moral force) سے ہندوستان کو از سر نو فتح کرنا ہے ۔
یہی نقش آپ کا عمل سے غیر مسلموں کے دل پر بھی بیٹھنا چاہیے تاکہ انہیں فوجی تنظیم کا خیال پیدا نہ ہو ۔
علاوہ بریں ارکان ادارہ میں سے جو لوگ
اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوں انہیں اپنے علاقہ کے معاشی ،
اجتماعی (social) اور اخلاقی حالات کا گہرا مشاہدہ

کریں گے وہ ایک رپورٹ تیار کرنی چاہیے تاکہ بعد میں ادارہ مرکزی کا ایک جلسہ کر کے یہ طے کیا جائے کہ آپ کے علاقہ میں دارالاسلام کی تحریک کو باشندوں کی social life سے زیادہ گہرائی تک وابستہ کرنے کے لیے کونسی پالیسی اختیار کی جائے۔

میرے اس خط کو محفوظ رکھیے۔ میرے پاس اس وقت کوئی آدمی ایسا نہیں ہے کہ میں اس کی نقل اتار کر اپنے پاس رکھ سکوں

خاکسار
ابوالاعلیٰ

مولانا نذیر الحق میرٹھی

سید نذیر الحق میرٹھی (۵ دسمبر ۱۹۰۳ء گنگوہ، ضلع سہارن پور — یکم جون ۱۹۸۲ء ، حیدر آباد ، سندھ) ۔ دینی تعلیم اجمیر، میرٹھ اور دہلی کی مختلف درس گاہوں سے حاصل کی ۔ انگریزی کی تعلیم ٹریننگ اسکول انبالہ سے پائی ۔ محکمہ ٹیلی فون میں ملازمت اختیار کی ، لیکن جلد ہی انگریز کی ملازمت سے مُتنفّر ہوگئے۔ اس سے قبل وہ ریاست جیند میں ریلوے لوکوشیڈ کی مسجد میں خطیب رہے۔ تحریکِ خلافت اور پھر تحریکِ آزادی میں عملاً شریک ہونے کی پاداش میں ۱۹۲۴ء میں گرفتار ہوئے اور ایک سال کے لیے حصار میں حوالۂ زنداں رہے ۔ بعد ازاں کچھ عرصے کے لیے ڈلہوزی میں ، اور ۱۹۳۸ء میں جامع مسجد گورداس پور میں خطیب مقرر ہوئے ۔ اسی زمانے میں "ترجمان القرآن" کے ذریعے مولانا مودودی کی دعوت سے متاثر ہوئے ، اور کئی بار دارالاسلام آئے ۔ ۱۹۴۱ء میں جماعتِ اسلامی کے تاسیسی اجلاس میں شریک ہو کر رکنیت اختیار کی ۔ جماعت کی پہلی مجلسِ شوریٰ کے بھی رکن مقرر ہوئے۔ مسجد شاہ چراغ ، لاہور میں خطیب رہے ۔ ۱۹۴۸ء میں ، علامہ اسد کی دعوت اور مولانا مودودی کے مشورے سے جماعت کی رکنیت چھوڑ کر مسجد پولیس لائن کراچی میں خطابت کی ذمہ داری سنبھالی، مگر جلد یہاں سے علاحدہ ہو کر فیصل آباد چلے گئے۔ پھر ۱۹۷۴ء سے تادمِ آخر ، جامع مسجد مکینیکل کالونی جام شورو (صوبہ سندھ) میں خدمات انجام دیتے رہے۔ مرحوم سیلانی طبیعت کے مالک تھے۔ ماہنامہ "چراغ راہ" کراچی (اجرا: جولائی ۱۹۴۷ء) کے اوّلیں مدیر بھی رہے۔ تصانیف: * نماز کی سب سے بڑی کتاب * مولانا مودودی اور ان کے مخالف علماء کے مابین بے لاگ محاکمہ * طبقات ابنِ سعد ششم، ہفتم اور ہشتم کا اردو ترجمہ —— علاوہ ازیں متعدد دینی اور ملّی موضوعات پر مفید رسالے بھی تحریر کیے ۔

۴۱

[دارالاسلام]

۲۰ ربیع الثانی ۵۸ ھ

[۹ جون ۱۹۳۹ء]

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم

آپ کا عنایت نامہ کئی روز سے میرے سامنے رکھا ہے اور میں اس ۔

امر پر غور کر رہا ہوں کہ اپنی تحریک کے لیے آپ کی قابلیتوں سے فائدہ اُٹھانے کی کیا صُورت نکالوں۔ مگر جو کچھ میں چاہتا ہوں اس کے لیے وسائل نہیں اور نہ آپ ہی کے حالات اس کے لیے ساز گار ہیں اور جو کچھ موجودہ حالات میں ایک محدود مقام پر رہ کر آپ کر سکتے ہیں۔ وہ ضرورتِ وقت کے لحاظ سے بہت ناکافی ہے۔ آپ کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ میرے کام میں اس وقت سب سے بڑی کمی یہ ہے کہ صرف تحریر سے کام ہو رہا ہے اور اس کے ساتھ تقریر کی قوت شامل نہیں۔ میں خُود اس کمی کو شدّت کے ساتھ محسوس کر رہا ہوں اور یہ بھی سمجھتا ہوں کہ آپ اِس سلسلہ میں بہت مفید ثابت ہوں گے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ میرے پاس کوئی فنڈ نہیں اور فنڈ کے بغیر یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کو گورداسپور سے ہٹا کر مختلف مقامات پر دَورہ کرنے اور اِن خیالات کو تقریروں کے ذریعہ سے عامتہ المسلمین میں پھیلانے کے کام پر لگایا جا سکے۔ آپ کے لیے بہر حال اتنا اِنتظام تو ضروری ہے کہ اہل و عیال کو مَا یحتَاج پہنچتے رہیں اور آپ کو دَورے کا خرچ دِیا جاتا رہے۔ مگر یہاں اس کے لیے بھی کوئی سامان نہیں۔ سر دست یہی ایک صُورت میری سمجھ میں آتی ہے کہ آپ ادارۂ دارالاسلام کے باقاعدہ رُکن بن جائیں اور رُکنِ ادارہ کی حیثیت سے اپنے اسی حلقہ میں جہاں آپ رہتے ہیں؛ ادارہ کے خیالات اور مقاصد کو مسلمانوں میں پھیلائیں اور صادق الایمان لوگوں کی ایک فعّال جماعت پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ لَعَلَّ اللّٰہ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡرًا۔[1]

رُکنیتِ ادارہ کے لیے صرف یہی کافی ہے کہ آپ مسجد میں بیٹھ کر اللہ تعالٰی کے سامنے وہ حلفِ رُکنیت لے لیں جو ادارہ کے دستور العمل میں لکھا ہے اور مجھے صرف یہ اطلاع دے دیں کہ آپ حلف لے چکے ہیں۔ اس کے بعد میرا اور آپ کا شخصی تعلق اجتماعی تعلق میں تبدیل ہو جائے گا۔ قریب میں میرا ارادہ ہے کہ تمام ارکانِ ادارہ کو ایک جگہ جمع کر دوں تا کہ سب مِل کر اس امر

پر غور کریں کہ اب آگے قدم بڑھانے کے لیے کیا کیا جائے۔ بے سرو سامانی بسا اوقات سخت پریشانی کا موجب ہوتی ہے۔ گو خدا ہی کی ذات پر بھروسہ ہے۔ مگر حالات کی ناسازگاری کا قلب و دماغ پر برا اثر پڑنا ایک امرِ طبعی ہے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

---

۱ - شاید اس کے بعد اللہ کوئی صورت پیدا کر دے (سورۃ الطلاق : ۱)

۴۲

[دار الاسلام]

۱۱ جمادی الاولیٰ ۵۸ھ

[۲۹ جون ۱۹۳۹ء]

محترمی و مکرمی، السلام علیکم

عنایت نامہ مورخہ ۴ جمادی الاولیٰ وصول ہوا۔ الحمد للہ کہ آپ عہد کر کے ادارۂ دار الاسلام کے نظام میں شامل ہو گئے۔ آپ کی شرکت کے ساتھ دس کی مبارک تعداد پوری ہو گئی۔ نو ارکان پہلے موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنا عہد پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کی نصرت شاملِ حال ہو۔

سرِ دست آپ تحریر و تقریر سے خیالات کی اشاعت کا کام کرتے رہیں اور جس حد تک لوگوں کو ہم خیال بنا سکتے ہوں اس کے لیے کوشش جاری رکھیں۔ آپ کا خطاب صرف مسلمانوں ہی سے نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ غیر مسلموں تک بھی پہنچنے کی کوشش کیجیے اور ان کی غلط فہمیوں کو دور کر کے اصلی اسلام کا جلوہ انھیں دکھائیے۔

میں اس فکر میں ہوں کہ آپ کو لاہور بلا لوں۔ یہاں کام کرنے کے زیادہ مواقع ہیں اور مجھے ایک خطیب کی ضرورت روز بروز زیادہ محسوس ہو رہی ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ کی مدد شامل حال رہی تو آپ کو لاہور میں ایک ایسی مرکزی جگہ پر لاکر بٹھاؤں گا جہاں آپ کے لیے کام کرنے کا نہایت وسیع میدان ہوگا۔[1] اور ان شاء اللہ معاشی مشکلات بھی راہ میں حائل نہ ہوں گی۔

آپ کے نام کل کی ڈاک سے سیاسی کش مکش حصہ دوم اور ادارۂ دارالاسلام کا دستور العمل بھیج دیا جائے گا۔ ترجمان القرآن اب تک آپ کے نام اس لیے جاری نہیں کیا گیا تھا کہ میرا خیال تھا کہ انجمن تعلیم القرآن میں پرچہ جاتا ہے وہاں سے آپ دیکھ لیتے ہوں گے۔ اب معلوم ہوا کہ آپ نے چار مہینہ سے پرچہ نہیں دیکھا۔ براہِ کرم محترم سے اب تک کے پرچے تو آپ شیخ نصیب صاحب یا شیخ عبداللہ صاحب سے لے کر پڑھ لیں۔ کیونکہ یہ پرچے میرے ہاں دفتر میں بہت کم رہ گئے ہیں۔ جمادی الاولیٰ سے آپ کو یہ زحمت نہ اٹھانی پڑے گی۔ پرچہ آپ کے نام برابر پہنچتا رہے گا۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ مولانا سید نذیر الحق میرٹھی، مسجد شاہ چراغ لاہور کے خطیب مقرر ہوئے ، اور کچھ عرصے تک خطابت و وعظ کی خدمت انجام دیتے رہے۔

۴۳

دفتر ترجمان القرآن ۔ مبارک پارک ۔ پونچھ روڈ ۔ لاہور

یکم رجب ۵۸ھ

[۱۹ جولائی ۱۹۳۹ء]

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کے کارڈ سے پے در پے صدمات کا حال معلوم کر کے سخت رنج افسوس ہوا۔ اللہ تعالٰی آپ کو اور جملہ متعلقین کو صبر عطا فرمائے۔ وبشر الصابرین الذین اذا اصابتہم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ بھی عجیب معاملہ ہے کہ آپ نے ادھر راہِ حق میں جہاد کا عزم کیا اور ادھر سے ابتلاء و آزمائش کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ اللہ کی قدیم سُنّت ہے۔ جس نے بھی اس راہ میں قدم رکھا ہے اُسے مصائب کی کٹھالی میں ڈال کر تپایا گیا ہے۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ وَلَمَّا یَاْتِکُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ مَسَّتْہُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا۔۔۔ بہرحال اللہ تعالٰی سے دُعا ہے کہ آپ کو ثبات و استقامت کی توفیق بخشے۔

یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ ان پریشان کُن حالات میں بھی آپ اپنے فرض سے غافل نہیں ہیں اور احمد آباد میں قرآنی نصب العین کی طرف دعوت کا کام انجام دے رہے ہیں۔ یہی ایک مسلمان کی شان ہونی چاہیے۔ آغازِ اسلام کے دور میں ہر شخص جو مسلمان ہوتا تھا، اس کے دِل میں سب سے بڑھ کر جس چیز کی تڑپ ہوتی تھی وہ یہ تھی کہ اپنے ابنائے نوع کو اس نعمت میں شریک کرے جو اسے حاصل ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان پر حقیقت میں حق منکشف ہو جاتا تھا اور انکشافِ حق کا یہ فطری خاصہ ہے کہ وہ آدمی کے دِل میں ایک آگ سی لگا دیتا ہے جو اسے ہر وقت تبلیغِ حق کے لیے بے چین رکھتی ہے۔ بعد کے ادوار میں یہ تڑپ کم ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ مفقود ہو کر رہ گئی کیونکہ لوگ پیدائشی مسلمان ہونے لگے۔ اب ان پر حق منکشف نہیں ہوتا بلکہ میراث میں ملتا ہے اور کون ہے جو میراث میں دُوسروں کو شریک کرنے کے لیے بے چین ہوتا ہو؟ پس اگر ہم محض پیدائشی اور موروثی مسلمان نہیں ہیں، بلکہ ہم پر حق منکشف ہوا ہے اور ہم از سرِ نو ایمان لائے ہیں تو ہمارے اندر نو مسلمانہ جوش ہونا چاہیے۔ ہمیں اس طرح کام کرنا چاہیے جس طرح طاعون یا ہیضہ کی وبا

کے زمانہ میں ایک سچا خادمِ خلق اپنے آرام اور اپنے کھانے پینے کو بھول جاتا ہے اور اپنی بستی کے مریضوں کو دوا پلاتا اور ان کی دیکھ بھال کرتا پھرتا ہے تاکہ انھیں ہلاکت سے بچائے۔

آج ہی کی ڈاک سے آپ کو ادارۃ دارالاسلام کی تازہ اشاعت "تنقیحات" بھیج رہا ہوں۔ اُمید ہے کہ اس کے مضامین آپ کی تبلیغ میں مزید اعانت کریں گے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ ترجمہ: "جو لوگ صبر کریں، اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں، اور اللہ ہی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے، انھیں خوش خبری دے دو" (سورۃ البقرۃ: ۱۵۶)

۲۔ ترجمہ: "پھر کیا تم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ یوں ہی جنت کا داخلہ تمہیں مل جائے گا، حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے، جو تم سے پہلے، ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے۔ ان پر سختیاں گزریں، مصیبتیں آئیں، اور ہلا مارے گئے"۔ (سورۃ البقرہ: ۲۱۴)

۴۴

مبارک پارک۔ پونچھ روڈ۔ لاہور

۱۷ ستمبر ۱۹۳۹ء

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کے پریشان کُن حالات معلوم کر کے سخت افسوس ہُوا۔ اللہ تعالٰے مدد فرمائے۔ اس کے رحم و کرم کے سوا ہمارے لیے کوئی دُوسرا سہارا نہیں ہے۔

موجودہ حالات میں میرے لیے آپ کو کوئی قطعی مشورہ دینا مشکل ہے اِلّا یہ کہ آپ سرِدست اس عارضی صُورت کو قبول کر لیں جو اہلِ گور داس پور نے

تجویز کی ہے اور آخری فیصلہ کے لیے کسی دُوسرے وقت کا اِنتظار کریں۔

اِس وقت صُورت یہ ہے کہ ترجمان القرآن پر سنسر کا وار (غالباً ہندوستان میں پہلا وار) ہوچکا ہے[1] جیسا کہ آپ کو رجب کے پرچہ سے معلوم ہوگا۔ میں اس کا پُورا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوگیا ہوں۔ اس مقابلے کے دو نتیجے ممکن ہیں یا تو یہ مجھ پر مقدمہ چلادیں گے یا ضمانت طلب کریں گے۔ بصورتِ اوّل میں نہیں کہہ سکتا کہ حالات کیا شکل اختیار کریں گے۔ بصورت دوم مَیں لاہور چھوڑ کر کہیں اور چلا جاؤں گا تاکہ آزادی سے پرچہ نکال سکوں۔ میرا غالب خیال یہ ہے کہ یُو۔پی کا رُخ کروں گا۔[2]

بہرحال اِس وقت حالت گومگو میں ہے۔ میرے اپنے مستقبل کا کوئی فیصلہ ہوجائے تو میں آپ کو مشورہ دے سکوں گا کہ آپ لائل پور اور غازی آباد کی تجویزوں میں سے کس کو قبول کریں۔ فی الحال ایک دو مہینہ تک اِنتظار کیجیے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ مولانا مودودی نے "ترجمان القرآن" شمارہ رجب ۱۳۵۸ھ (ستمبر ۱۹۳۹ء) کے لیے جو "اشارات" تحریر کیے تھے، ان میں برطانیہ کی استعماری حکومت کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ اُن دنوں جنگِ عظیم دوم (۱۹۳۹ء — ۱۹۴۵ء) کا آغاز ہوا تھا اور حکومت نے یکم ستمبر ۱۹۳۹ء سے پنجاب پریس پر سنسر شپ نافذ کر دی تھی۔ چناں چہ یہ "اشارات" ماسوا آخری حصے میں مذکور تین احادیث کے، سنسر کی نذر ہو گئے۔ مذکورہ شمارے کے صفحات ۲ تا ۱۲ خالی ہیں۔ بعد میں یہی "اشارات" "ترجمان کے شمارۂ فروری ۱۹۵۸ء میں "اقوامِ مغرب کا عبرت ناک انجام" کے زیرِ عنوان شائع ہوئے۔ اب یہ مولانا کی تصنیف "تفہیمات" سوم میں شامل ہیں۔ اسی طرح "ترجمان القرآن" اکتوبر ۱۹۳۹ء کے "اشارات"، بھی سنسر ہو گئے، تاہم صفحات ۱۳ تا ۲۹ ("چند آیات اور چند احادیث") سنسر سے بچ گئے، جن سے سنسر شدہ حصوں کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

۲۔ پنجاب سے ہجرت کا خیال مولانا کو حکومتِ پنجاب کے رویّے کے پیشِ نظر ہوا۔ جب مذکورہ "اشارات" سنسر کر دیے گئے، اور ساتھ ہی مولانا کو پریس برانچ میں بلاکر ان سے "معافی نامہ" طلب کیا

گیا۔ پریس برانچ کے اسسٹنٹ پراونشل پریس ایڈوائزر چودھری محمد حسین (۲۸ مئی ۱۸۹۴ء سیالکوٹ — ۱۶ جولائی ۱۹۵۱ء لاہور) نے معافی نامے کے لیے تقاضا کیا، تو مولانا مودودی نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا: "جہاں تک آپ کی حکومت کا تقاضا ہے کہ میں اس آرٹیکل کے لیے معافی مانگوں، کان کھول کر سن لیں، آپ ابوالاعلیٰ مودودی کو کہہ رہے ہیں کہ وہ تحریری معافی مانگے، آپ مجھے کہتے ہیں کہ میں معافی مانگوں، یہ ناممکن ہے۔ آپ کی حکومت مجھے تختۂ دار پر لٹکا دے، عمر قید کر دے، نظر بند کر دے، میں کبھی معافی نہ مانگوں گا"۔ بعد میں پریس برانچ نے یہ کیس فائل کر دیا۔ (روایت: میاں عبدالمجید۔ قومی ڈائجسٹ، جنوری ۱۹۸۰ء۔ ص ۲۲۳)

اس زمانے میں، ہندستان سے شائع شدہ اخبارات و رسائل کے سرکاری کوائف نامے، بہ عنوان:

Statement of News-Papers & Periodicals, Published in the Punjab during the year 1939.

میں مولانا مودودی اور "ترجمان القرآن" کے بارے میں بعض معلومات درج ہیں، اور سنسر والے اِس قصے کا ذکر بھی ملتا ہے (ص ۲۷۰، ۲۷۱):

"Abul Ala Maududi, Muslim, age 36 years, of Darul Islam, Jamalpur, Distt Gurdaspur, now at Lahore, A Journalist of good reputation

"ترجمان القرآن" کے بارے میں یہ الفاظ ملتے ہیں:

"A religious Journal, aiming at the propagation of Quranic teachings, changed hands in January, 1939 and shifted to Lahore"

اس کوائف نامے میں ترجمان کی تعدادِ اشاعت آٹھ سو بتائی گئی ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، ترجمان (ستمبر ۱۹۳۹ء) کے "اشارات" سنسر کی زد میں آ گئے تھے اور مولانا مودودی نے مذکورہ شمارے کے صفحات ۲ تا ۱۲ خالی چھوڑ دیے۔ حکومت کے اس کوائف نامے میں متذکرہ واقعے سے متعلق یہ عبارت ملتی ہے:

"Warning: Editor warned by special press Advisor, Lahore in September 1939, for leaving certain pages of the paper's issue for September 1939, blank, thereby giving an impression that the matter not published had been subjected to censor ship".

[لاہور]

۱۹ مئی ۱۹۴۰ء

محترمی و مکرمی، السلامُ علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

عنایت نامہ ملا۔ احادیث کے متعلق جو شبہات چودھری غلام احمد صاحب کے مضمون نے پیدا کر دیے ہیں، ان میں سے اکثر ایسے ہیں جن پر مَیں اس سے پہلے ترجمان القرآن میں بحث کر چکا ہوں[۱] اور باقی جو رہ جاتے ہیں، وہ دلائل السنن و الآثار[۲] میں زیرِ بحث آ چکے ہیں۔ حال میں میرے مضامین کا جو مجموعہ تفہیمات کے نام سے شائع ہُوا ہے، اس میں آخری چھ سات مضامین حدیث ہی کے متعلق ہیں۔ اگر آپ انھیں ملاحظہ فرما لیں، تو امید ہے کہ تمام شکوک رفع ہو جائیں گے۔ تاہم میں کوشش کروں گا کہ ایک اور مضمون خاص انہی مسائل پر لکھوں جو آپ نے تحریر فرمائے ہیں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ "شخصیت پرستی" پر چودھری غلام احمد پرویز کا ایک مضمون "ترجمان القرآن" (جمادی الاولیٰ ۱۳۵۶ھ / جولائی ۱۹۳۷ء میں چھپا، مولانا مودودی کا حسب ذیل استدراک بھی اسی شمارے میں شائع ہوا:

"جناب پرویز کا اصلی مقصد یہ ہے کہ روایات کی پابندی میں جو غُلو کیا جاتا ہے، یہ بھی اُسی قسم کی غلطی ہے، جس قسم کی غلطی فقہاے مجتہدین کی اندھی تقلید کرنے والے، اور ان کے اجتہادات کو تنقید سے بالاتر سمجھنے والے حضرات کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں چودھری صاحب نے جو طریقِ بحث و استدلال اختیار کیا ہے، اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہونے کا خدشہ ہے کہ وہ اس گروہ کے مسلک کی طرف جھک گئے ہیں، جو بزعمِ خود "اہلِ قرآن" کے نام سے موسوم ہے۔ پچھلے دنوں سفرِ دہلی کے موقع پر ہم نے چودھری صاحب سے زبانی عرض کیا تھا کہ مضمون کے اس حصے پر نظر ثانی فرما لیں۔ چناں چہ انھوں نے وعدہ بھی کر لیا تھا کہ جو مقامات راہِ اعتدال سے ہٹ گئے ہیں ان کو بدل دیں گے، لیکن غالباً مشغولیت کی

وجہ سے وہ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکے ۔ چوں کہ ان کے مضمون کا سلسلہ توڑنا مناسب نہیں ہے، اس لیے اس حصے کو ہم بجنسہ شائع کر رہے ہیں ۔ مگر چند امور کی توضیح ضروری سمجھتے ہیں تاکہ کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو"۔ ترجمان القرآن ، جلد ۱۰ ، عدد ۲ ۔

۲ ۔ "دلائل السنن والاثار" کے عنوان سے مولانا نجم الدین اصلاحی کا سلسلۂ مضامین "ترجمان القرآن" (۱۹۳۹ء ۔ ۱۹۴۰ء) میں شائع ہوتا رہا ۔ اب یہ مضامین اسی نام سے ادارہ معارف اسلامی لاہور نے کتابی صورت میں شائع کر دیے ہیں ۔

۴۶

[لاہور]

۲۸ ستمبر ۱۹۴۱ء

برادرم ، السلام علیکم ۔

آپ کا خط آئے ہوئے تقریباً ایک مہینہ ہو گیا ۔ مگر مجھے دم لینے تک کی مُہلت نہ تھی، جواب جلدی دیتا تو کہاں سے ۔

آپ کا یہ خیال صحیح ہے کہ جو لوگ ہماری جماعت میں نمایاں ترین شخصیت رکھتے ہیں اور جن کو ہم نے ذمّہ دارانہ حیثیت دی ہے، ابھی وہ بھی ٹھیک ٹھیک ہمارے مسلک و نصب العین کی نمائندگی نہیں کر سکتے ۔ اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ ابھی تک پچھلا اندازِ تقریر اور پچھلے موضوعاتِ تقریر ذہن سے اچھی طرح محو نہیں ہوتے ہیں اور نیا فرم پُوری طرح تیار نہیں ہُوا ہے نیز اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ جو دعوت ہمیں لوگوں کے سامنے پیش کرنی ہے ، اس کو ایک منظم تقریر کی صُورت میں بیان کرنے کے لیے معلومات کا ایک بڑا ذخیرہ درکار ہے اور اس کام میں وہ معلومات کچھ زیادہ کام نہیں دے سکتیں جو عموماً ہمارے اہلِ تقریر کے پاس اب تک تھیں ۔

بہرحال نئے طرز کے مقرّرین کی تیاری میں ابھی کافی دیر لگے گی اور وہ بہت

کچھ تربیت کے بعد تیار ہو سکیں گے۔ آپ نے اِس سلسلہ میں جو نقشہ سوچا ہے اس پر مضمون مکمل کر کے میرے پاس بھیج دیجیے۔

آپ کو یہ سُن کر خوشی ہو گی کہ نصراللہ خاں صاحب عزیز جماعت میں داخل ہو گئے ہیں اور اب "مسلمان" ہماری اپنی جماعت کا اخبار ہے[1]۔ اب آپ اس میں دِل کھول کر اپنے خیالات ظاہر کر سکتے ہیں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ ملک نصراللہ خان عزیز (دیکھیے: خطوطِ مودودی، اوّل، خط ۶، حاشیہ ۱)۔ ۱۹۴۱ء میں جماعتِ اسلامی میں شامل ہوئے تو ان کا اخبار "مسلمان" بھی جماعت اسلامی کی دعوت پھیلانے کا ذریعہ بن گیا۔ مزید دیکھیے: غیر مطبوعہ تحقیقی مقالے "نصراللہ خان عزیز: حیات اور ادبی خدمات" از فریدہ خانم، شعبۂ اردو، پنجاب یونی ورسٹی، ۱۹۸۶ء، اور "نصراللہ خان عزیز: بحیثیت صحافی" از شعیب بن عزیز، شعبۂ صحافت، پنجاب یونی ورسٹی، ۱۹۷۶ء۔ مزید دیکھیے ضمیمہ

۴۷

[دارالاسلام]

۳ نومبر ۱۹۴۲ء

مکرمی و محترمی، السلام علیکم

میں سولہ اکتوبر سے اکتیس اکتوبر تک دہلی[1] میں رہا۔ یکم نومبر کی رات کو واپس آیا ہوں۔ واپسی پر آپ کے دونوں خط ملے۔ آپ کے سفرِ حیدرآباد کے متعلق مجھے نظام آباد اور ورنگل سے متعدد رپورٹیں پہلے ہی مل چکی ہیں۔ اب آپ کی مفصّل رپورٹ پڑھ کر خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنے فرض کو خوبی سے ادا کیا،

جزاکم اللہ۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ حیدرآباد سے واپس آچکے ہیں، اِس لیے مجلسِ شوریٰ کی شرکت کے لیے آپ کو نہیں بلایا۔

آپ کا دُوسرا مفصّل خط مَیں نے اچھی طرح پڑھا۔ جو باتیں آپ نے لکھی ہیں وہ اَسّی فی صدی صحیح ہیں۔ لیکن آپ کو ابھی پُوری طرح اندازہ نہیں ہے کہ ہم جس صدیوں سے بگڑی ہُوئی قوم میں پیدا ہُوئے ہیں اور مشیّتِ الٰہی نے جس ماحول کو ہمارے لیے تجویز کیا ہے، اِس میں کتنی مشکلات سے سابقہ پیش آتا ہے اور کیسے کیسے کانٹوں سے بچتے ہُوئے چلنا پڑتا ہے۔ میں خُود فتنوں سے بچنے کی انتہائی کوشش کرنے کے باوجود ایسی ایسی اُلجھنوں سے دوچار ہو رہا ہوں جن کا سُلجھانا نہایت دُشوار ہو رہا ہے۔ لیکن کہیں اگر مَیں اس طرح پر چلتا جس کا آپ مشورہ دے رہے ہیں تو شاید ایک دو قدم چلنا بھی مشکل ہو جاتا۔ آپ کچھ مُدّت صبر سے کام لیں جو پوزیشن آپ جماعت کی دیکھنا چاہتے ہیں شاید قضائے الٰہی خُود ہی جماعت کو اِس پوزیشن میں لے آئے گی۔ بیشتر اس کے کہ ہم پر اس کے اختیار کرنے کا الزام عائد کیا جا سکے۔

آپ کی طرف سے تفصیلی جواب آنے پر میں بتا سکوں گا کہ یہاں مجھے آپ سے کیا کام لینا ہے اور اس کے لیے آپ کو یہاں کیا سہولتیں بہم پہنچائی جا سکتی ہیں۔ والسّلام

خاکسار

ابُوالاعلیٰ

بہ قلمِ غلام علی[1]

---

۱ ۔ دہلی میں مولانا کا یہ قیام وہاں منعقدہ مجلسِ شوریٰ کے اجلاس (اکتوبر ۱۹۴۲ء) کے سلسلے میں تھا۔ اس کا مقصد ان اختلافات کا حل تلاش کرنا تھا، جو بد قسمتی سے تشکیلِ جماعت اسلامی کے چند ماہ بعد پیدا ہو گئے تھے۔ ان اختلافات کو پھیلانے کا ایک بڑا سبب مولانا محمد منظور نعمانی اور قمرالدین خان تھے انھوں

نے اپنی بے اطمینانی کو پورے ہندوستان میں جماعت اسلامی کے ارکان میں پھیلانا شروع کر دیا تھا۔ یہ اجلاس اکتوبر کے دوسرے ہفتے میں چار پانچ روز تک جاری رہا تھا۔ (دیکھیے: "روداد جماعتِ اسلامی" اوّل ۔ طبع سوم، ص ۷۱)

۲ ۔ ملک غلام علی (پ: ۱۹۲۰ء کھبیکی، ضلع خوشاب) اسلامیہ ہائی اسکول شیراں والا گیٹ، لاہور سے میٹرک کے بعد اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا ۔ جب وہ بی اے (مضامین: ریاضی فلسفہ اور انگریزی ادبیات) کے طالبِ علم تھے، تو انھیں مولانا احمد علیؒ لاہوری کے بیٹے حبیب الرحمٰن صاحب نے، اور پھر عبدالستار خان نیازی صاحب نے مولانا مودودی کی تحریروں کے مطالعے کی جانب مائل و متوجّہ کیا ۔ اسی زمانے میں مولانا، اسلامیہ کالج میں علومِ اسلامیہ کے اعزازی استاد مقرر ہوئے ۔ ملک صاحب مولانا کی شخصیت اور دعوت سے کچھ یوں متاثر ہوئے کہ انگریزی تعلیم ترک کر دی ۔ بی اے کے امتحان کے لیے داخلہ بھیجا جا چکا تھا، مگر وہ امتحان میں بھی شریک نہیں ہوئے ۔ جماعت اسلامی کے تاسیسی اجلاس میں شرکت کی اور مستقلاً مرکز جماعت سے وابستہ ہو گئے ۔ عربی کی تعلیم مولانا مسعود عالم ندوی اور احمد الحسنی سے حاصل کی ۔ اسی دوران میں حدیث اور فقہ کا خصوصی مطالعہ کیا ۔ ابتدا میں جماعتِ اسلامی کے مرکزی مکتبے کے انچارج مقرر ہوئے، اور قیامِ پاکستان کے بعد شعبۂ تنظیم سے وابستہ ہوئے ۔ مولانا مودودی کی گرفتاری (۴ اکتوبر ۱۹۴۸ء) پر مولانا عبدالجبار غازی صاحب امیرِ جماعتِ اسلامی مقرر ہوئے، تو اس زمانے میں ملک صاحب نے بہ طور قیمِ جماعت کام کیا ۔ بعد ازاں علمی کاموں میں مولانا مودودی کے معاونِ خصوصی کی ذمہ داری، مولانا کے انتقال تک بڑی خوش اسلوبی سے ادا کی ۔ (تفصیلی انٹرویو دیکھیے: "قومی ڈائجسٹ" جنوری ۱۹۸۰ء، ص ۱۷۴) ۱۹۸۱ء تا ۱۹۸۵ء پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت میں جج رہے ۔ بعد ازاں ادارۂ معارفِ اسلامی منصورہ، لاہور سے منسلک ہوئے —— تصانیف و تراجم: * خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا جائزہ * رسائل و مسائل، ششم، ہفتم * اسلام کا نظامِ قانون * سیرت المختار * سنتِ رسولؐ، وغیرہ ۔ وفات ۲۶ ستمبر ۱۹۹۴ء

۴۸

[دار الاسلام]

۶ر نومبر ۱۹۴۲ء

مکرمی و محترمی! السلام علیکم

اس سے پہلے آپ کے دو مفصل خطوط کا جواب دے چکا ہوں۔ اب

ایک اور خط آپ کا ملا۔ جو سوالات آپ نے کیے ہیں اُن کے مختصر جوابات یہ ہیں :

۱۔ . . . . . صاحب علمِ دین اور حکمتِ عملی دونوں میں ناقص ہیں اور توازنِ ذہنی کی بھی اُن میں کمی ہے۔ لیکن اس کے باوجود سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ اُن کا اندازہ اپنے متعلق حقیقت سے بے حد زیادہ بلند ہے۔ اس وجہ سے نہ صرف یہ کہ اپنے اعتماد پر عجیب و غریب نظریات قائم کر لیتے ہیں، بلکہ ان میں سے کسی کے ساتھ چلنے کی صلاحیت بھی نہیں ہے۔ نہ وہ خود کسی کے پیچھے چل سکتے ہیں اور نہ (کم از کم کسی ذی ہوش کو) اپنے پیچھے لگا سکتے ہیں۔ یہ میرا چار پانچ سال کا تجربہ ہے۔ اسی بنا پر جب وہ موجودہ نظر بندی سے رہا ہوتے اور انھوں نے اپنے نظریات کے مطابق میرے ساتھ بحث و حجّت کا دروازہ حسبِ سابق کھولا۔ تو میں نے مجبوراً اُن سے عرض کر دیا کہ نصب العین کے بارے میں ہمارے اور آپ کے درمیان اتفاق ہے لیکن بدقسمتی سے طریقِ کار میں ہم اور آپ مِل کر نہیں چل سکتے لہٰذا بجائے اس کے کہ آپ ہمارے نظامِ جماعت میں رہ کر اپنی راہ بھی کھوٹی کریں اور ہماری بھی۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے طریقے پر کام کیجیے اور ہمیں اپنے طریقے پر کام کرنے دیجیے۔

۲۔ دارالاسلام کی رفاقت اِس طرح سے ٹوٹی کہ اُس کے متعلق یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ وہ الگ ہوتے اور یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ میں نے اُن کی رفاقت کو خیرباد کہنا ہی مناسب سمجھا۔ میرے لیے یہ ناممکن ہے کہ کام کرنے کے بجائے روزانہ چار پانچ گھنٹے بحث و مناظرہ و مجادلہ کروں اور لاطائل بحثوں میں اپنا وقت ضائع کروں اور اُن لوگوں سے ایسے مسائل پر گفتگو کروں جن کو ان مسائل پر گفتگو کرنے کا پُورا اہل نہیں پاتا۔

۳۔ دہلی کی مجلسِ شوریٰ نے . . . . . صاحب . . . . اور . صاحب خود

الگ ہو گئے اور . . . . صاحب نے مجلسِ شوریٰ کے بعد اب مجھے علیٰحدگی کی اطلاع دی ہے۔ مجلسِ شوریٰ سے قریباً ایک ہفتہ قبل . . . . . . صاحب کی علیٰحدگی کی بھی مجھے اطلاع ملی۔

آپ نے جو . . . . . صاحب کو خطوط لکھے ہیں، ان کو میں نے پڑھا باتیں بیشتر صحیح ہیں لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ اور جماعت کے دوسرے لوگ اگر واقعی اپنے نصب العین کی خاطر کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو وہ ان بحثوں سے اجتناب کریں۔ یہ اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ شیطان دنیا میں ہر چیز کو برداشت کر سکتا ہے مگر وہ اس کام کو برداشت نہیں کر سکتا جس کے لیے ہماری جماعت اٹھی ہے کیونکہ یہ تو اس کے مشن پر براہِ راست ضرب ہے، اس لیے وہ ہر ممکن طریق سے اندرونی اور بیرونی فتنے برپا کرے گا۔ ان فتنوں کی شکل اگر وہ صحیح فتنوں کی سی رکھے تو اسے کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے وہ فتنے بتقویٰ، ہمدردی، خیر خواہی اور معاونت کی شکل میں کھڑے کر رہا ہے تاکہ بآسانی ہمارے رفیقوں کو کچھ دُور تک اپنے ساتھ لگا کر لے چلے اور پھر غفلت کی حالت میں دوبارہ پکڑ کر اوندھے منہ فتنے میں پھینک دے۔ یہ بحثیں، خطوط نویسی اور اسی قبیل کی دُوسری چیزیں اسی وجہ سے مجھے اچھی خاصی خطرناک معلوم ہوتی ہیں۔ خدا کے لیے اس قدر اپنے کام میں منہمک رہیے کہ ان مشاغل کے لیے آپ کے پاس کوئی وقت نہ بچے۔ مجھے آپ لوگوں نے امیر بنایا ہے تو مجھ پر کم از کم اتنا اعتماد کیجیے کہ اس قسم کے مسائل کو میرے اُوپر چھوڑ دیجیے۔ مجھے اپنے اللہ سے امید ہے کہ وہ مجھے اِن فتنوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت دے گا۔ آپ لوگوں کے دِل میں اگر کبھی کوئی شک پیدا ہو تو مجھ سے پُوچھ کر اپنا اطمینان کر لیجیے مگر خُود ان بحثوں میں وقت صرف کرنے سے بچیے کیونکہ اس سے میرے لیے اور زیادہ مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

قلم غلام علی

---

۱ ۔ مطبوعہ خط میں نام محذوف ہے ۔

۲ ۔ مطبوعہ خط میں نام محذوف ہیں ، لیکن "رودادِ جماعتِ اسلامی" حصۂ اوّل (ص ۲۷ تا ۴۲) کے مطابق علاحدہ ہونے والوں میں مولانا جعفر شاہ پھلواروی ، پروفیسر قمر الدین خان ، مولانا محمد منظور نعمانی اور عطاء اللہ (پتواکھالی) کے نام شامل ہیں۔ (مزید دیکھیے "خطوطِ مودودی" اوّل ۔ خط ۱۱، ۱۲، ۱۴، نیز مذکورہ مجموعے میں ضمیمہ ۲، مکتوب مولانا مودودی بنام محمد منظور نعمانی) ۔

۳ ۔ یہاں بھی نام محذوف ہے ۔

نامعلوم

۴۹

علامہ عنایت اللہ خان مشرقی (۲۵ اگست ۱۸۸۸ء، امرتسر ـــــ ۲۷ اگست ۱۹۶۳ء ، لاہور) مسلکاً سلفی تھے۔ ابتدائی تعلیم امرت سر میں پائی۔ ایف سی کالج لاہور سے بی اے ، اور پھر پنجاب یونی ورسٹی سے ایم اے ریاضی کیا۔ ۱۹۰۷ء میں انجینیرنگ میں ڈگری لی۔ اس کے بعد یورپ کی سیاحت کی۔ اسی زمانے میں آین سٹائن (۱۸۷۹ء۔ ۱۹۵۵ء) اور ہٹلر (۱۸۸۹ء۔ ۱۹۴۵ء) سے ملاقاتیں کیں۔ وطن واپسی پر ، پہلے سرکاری شعبۂ تعلیم سے وابستہ ہوئے، پھر وائسرائے ہند کے انڈر سیکرٹری کی حیثیت سے انگریزوں کی خدمات انجام دیں۔ ان کی نظر میں مسلمانوں کی فلاح عسکریت میں مضمر تھی، اسی لیے ملازمت ترک کر کے ۱۹۳۱ء میں "خاکسار تحریک" قائم کی۔ ۱۹۴۰ء میں حکومت نے اس پر پابندی عائد کر دی ۔

علّامہ مشرقی بلند پایہ انشا پرداز فلسفی ، مؤرخ اور پرجوش مقرر تھے ۔ ان کی تحریروں نے ہندُستان کی فضا کو ہلا کر رکھ دیا ، لیکن بعض امور کی تجدّد پسندانہ تعبیر، مُتشدّدانہ کارروائیوں اور بدلتی حکمتِ عملیوں نے ان کا بھرم ختم کر دیا ۔ بقول علامہ اقبال: "مغربی افکار پر بھی ان کی نظر سطحی تھی" مولانا مودودی نے مشرقی صاحب کے انتقال پر اپنے تعزیتی بیان میں کہا تھا: "علامہ مشرقی کے انتقال کی خبر سے مسلمانانِ پاک و ہند کا ایک غیر معمولی باب ختم ہوگیا ہے ۔ ایک وقت میں ان کی تحریک ہماری قوم پر چھا گئی تھی اور اس ملک کے مسلمانوں پر اس نے بڑا زبردست اثر ڈالا تھا ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس زمانے میں ان سے زبردست تنظیمی صلاحیتیں ظاہر ہوئی تھیں" ("ایشیا" ۵ ستمبر ۱۹۶۳ء)

۱۹۳۹ء میں ایک صاحب نے کان پور سے مولانا مودودی سے استفسار کیا تھا کہ وہ صاحب : "خاکسار تحریک میں شامل ہونا چاہتے ہیں" ـــــ جس کے جواب میں مولانا نے اس تحریک کے تجزیے اور ہندُستان میں مسلمانوں کی سیاسی و سماجی تاریخ کے حوالے سے حسب ذیل خط تحریر کیا:

[لاہور]
۱۸ شعبان ۵۸ھ
[۱۳ اکتوبر ۱۹۳۹ء]

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

عنایت نامہ ملا۔ الحمد للہ کہ بخیر ہوں۔ فتنۂ خاکسار بجز اس کے کہ مسلمانوں کی بدقسمتی کا ایک نشان ہے اور کچھ نہیں۔ جو قوم اپنے دین سے جاہل ہو، اور جس کا ذہن بالکل پراگندہ ہو چکا ہو، اور جس میں حق اور باطل کی کوئی تمیز باقی نہ رہی ہو حتیٰ کہ جس کا معیارِ آدمیت بھی حد سے زیادہ پست ہو چکا ہو، صرف ایسی ہی قوم میں اس قسم کی تحریکیں فروغ پا سکتی ہیں۔ مشرقی صاحب کی پرائیویٹ زندگی سے بحث نہیں۔ پبلک زندگی میں وہ جھوٹے اور بزدل ثابت ہوتے ہیں۔ سخت غیر مدبر آدمی ہیں۔ ان کی زندگی کا کوئی اصول نہیں۔ کئی لاکھ مسلمانوں کا لیڈر ہونے کے باوجود جو شخص علی الاعلان جھوٹ بولے، جو خود اپنی تحریر سے انکار کر جائے، جو معافی مانگ کر رہائی حاصل کرے اور پھر اپنی عزت برقرار رکھنے کے لیے اپنے عہد کو توڑے، جو یوپی گورنمنٹ کے دباؤ سے بچنے کے لیے ۵ ہزار مسلمانوں کی خدمات بے تکلف انگریزی فوج کے لیے پیش کر دے، ایسے شخص کی قیادت اگر مسلمان تسلیم کرتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ نام نہاد مسلمان اب اخلاقی تنزل کی انتہا کو پہنچ گئے ہیں۔ اور جس قوم کا معیارِ اخلاق اتنا پست ہو جائے اس کے حق میں یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ کبھی دنیا میں ایک باعزت قوم کا مرتبہ حاصل کر سکے گی۔

مشرقی صاحب کے طرزِ تحریر کو دیکھیے تو اتنا پایۂ شرافت سے گرا ہوا ہے کہ مسلمان تو درکنار، ہر شریف آدمی کی طبیعت اس کو دیکھ کر نفرت کرے گی۔ انھوں نے پبلک کو دھوکہ دینے اور جھوٹ بول بول کر لوگوں کو مسحور کرنے کے

جو ڈھونگ اختیار کیے ہیں، اور جن طریقوں سے گذشتہ چند برسوں میں اپنی تحریک کو فروغ دیا ہے، وہ ایک صداقت پسند آدمی کو ان کی تحریک کی طرف کھینچنے کے بجائے اس سے نفرت دلاتے ہیں۔ مگر یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا ہوں کہ مسلمانوں کے اندر انہی طریقوں سے مشرقی صاحب کو فروغ حاصل ہوا ہے۔ میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ اس قسم کے واقعات دیکھ کر مسلمانوں سے میری مایوسی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔

میں حیران ہوں کہ جس قوم میں ایسے ذلیل طریقے فروغ پا سکتے ہیں اور جو اتنے پست اخلاق اور گھٹیا درجے کے آدمیوں کے پیچھے چلنے پر آمادہ ہو جاتی ہے، اس کا اخلاقی وقار دنیا میں کیسے باقی رہ سکتا ہے؟ دو چار یا ہزار دو ہزار آدمی ایسے ہوتے تب بھی کوئی بات نہ تھی مگر یہاں تو یہ حال ہے کہ لاکھوں مسلمان اس کے پیچھے ہیں۔ لاکھوں اس سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کے بکثرت اخبارات اس کی حمایت کر رہے ہیں اور بعض بڑی ذمہ دار مسلمان انجمنیں اس کی تائید پر ہیں۔ یہ صورتِ حال اس بات کا پتہ دے رہی ہے کہ اخلاقی پستی ایک وبائے عام کی طرح مسلمانوں میں پھیل چکی ہے اور ان کا معیارِ انسانیت و شرافت بالعموم گرتا جا رہا ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ آدمی کا اپنی قوم سے محبت کرنا وہ عصبیّتِ جاہلیہ نہیں ہے جس کو دین منع کرتا ہے، البتہ آدمی کا حق و باطل سے بے نیاز ہو کر ہر حال میں اپنی قوم والے کی حمایت کرنا، خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر، یہ عصبیّتِ جاہلیہ ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کو دین مٹانا چاہتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں میں بھی عصبیّتِ جاہلیہ پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ مشرقی صاحب نے جس طریقہ سے قضیۂ مدحِ صحابہ میں مداخلت فرمائی، کوئی انصاف پسند، سچا اور معقول آدمی اس کو جائز طریقہ نہیں کہہ سکتا۔ اس زمانے کے "الاصلاح" کے مضامین دیکھیے، صریح طور پر فریقین کے لیڈروں کو قتل کی دھمکیاں دی

گئیں۔ فریقین کو خطرناک اقدام کا خوف دلایا گیا اور کہا گیا کہ ہم بزور اس جھگڑے کو دبائیں گے۔ فرمائیے کونسی حکومت اس طرزِ عمل کو گوارا کر سکتی تھی؟ یوپی کی حکومت ہندوؤں کی حکومت سہی۔ میں کہتا ہوں کہ کیا کوئی اسلامی حکومت بھی اس کو گوارا کر سکتی تھی کہ مسلمانوں کا کوئی گروہ قانون کو خود اپنے ہاتھ میں لے کر کسی نزاع کے فریقین کو قتل کی دھمکیاں دے اور کسی نزاع کو بزور دبانے کا ارادہ کرے؟ پس یوپی گورنمنٹ نے مشرقی صاحب اور ان کے اعوان و انصار کے ساتھ جو کچھ کیا بالکل جائز کیا۔ اب اگر مسلمان ایک خطاکار کا ساتھ صرف اس لیے دیتے ہیں کہ وہ اپنی قوم کا آدمی ہے اور یوپی گورنمنٹ کے مقابلہ میں صرف اِس لیے اس کی حمایت کرتے ہیں کہ وہ ہندو گورنمنٹ ہے تو یہ صریحاً عصبیّتِ جاہلیہ ہے۔ اخلاق کے سوال سے قطع نظر کر کے اپنی قوم والے کا ساتھ دینا غیر مسلموں کا کام ہے۔ مسلمان بھی اگر یہی کام کرنے لگے تو پھر ان میں اور غیر مسلموں میں فرق کیا رہا؟ کس لحاظ سے وہ غیر مسلم قوموں کے مقابلہ میں اپنی اخلاقی برتری کا دعوےٰ کر سکتے ہیں؟ اور میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں کو تو دُنیا بھر کی قوموں سے الگ ایک گروہ بنایا اِس لیے گیا ہے کہ یہ عصبیّتِ جاہلیہ سے پاک ہو کر مجرد حق کی حمایت کرے اور خالصتہً اخلاقی اصولوں کا علمبردار بن کر اُٹھے۔ اگر اس نے اپنی یہ خصوصیت کھودی اور وُہی پوزیشن اختیار کر لی جو غیر مسلموں کی ہے تو پھر اس نئی جماعت کے وجود کی حاجت ہی کیا باقی رہی؟ کیا اسلام بس اس لیے آیا تھا کہ اپنے نام سے ایک قوم بنا کر دُنیا کی باطل پرست قوموں میں ایک اور قوم کا اضافہ کر دے؟

خاکسار تحریک کی مذہبی حیثیت کے متعلق مجھے آپ سے کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ آپ خود صاحبِ علم ہیں۔ مشرقی صاحب کی کتابوں کو دیکھ کر خود معلوم کر سکتے ہیں کہ ان حضرت نے اسلام کے اصولوں کو کس طرح مسخ کیا ہے۔

خیالات اور نظریات کے اعتبار سے ان میں اور ان دُوسرے مادہ پرستوں میں کوئی فرق نہیں ہے جنھوں نے یورپ سے مادہ پرستی کا سبق حاصل کیا ہے البتہ فرق یہ ہے کہ دُوسرے لوگ اس مادہ پرستی کو الگ مذہب جان کر اختیار کرتے ہیں اور اسے "اسلام" نہیں قرار دیتے۔ مگر مشرقی صاحب اسے عین اسلام قرار دینے اور قرآن سے اس کا ثبوت دینے کی کوشش کرتے ہیں اس طرح مشرقی صاحب ان سب کی برنسبت اسلام اور مسلمانوں کے لیے زیادہ خطرناک ہیں۔ جو چیز عین اسلام کی ضد ہے، جسے مٹانے کے لیے اسلام آیا ہے خود اسی کو اسلام قرار دینا اور مسلمانوں کو یقین دلانا کہ اسی کو لے کر محمدؐ رسول اللہ تشریف لائے تھے۔ یہ وہ کارنامہ ہے جو مشرقی صاحب نے اس بیسویں صدی میں انجام دیا ہے۔ افسوس کہ عام مسلمان اور انگریزی تعلیم یافتہ مسلمان اپنے دین سے اس قدر ناواقف ہو چکے ہیں کہ وہ اس جعل کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ ان کے سامنے جب ایک شخص حرکت، عمل، جہاد، تنظیم، اطاعت، امیر اور غلبہ و تمکّن فی الارض کے ظاہر فریب نام لیتا ہے تو اس کے گرد یہ جمع ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بس آ گیا ہمارا نجات دہندہ۔ مگر ان میں یہ سمجھنے کی تمیز نہیں کہ باطل حرکت و عمل اور حق کی حرکت و عمل میں کیا فرق ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ اور جہاد فی سبیل الطاغوت میں کیا جوہری اور رُوحی امتیاز ہے۔

فرعونی تنظیم اور نمرودی اطاعتِ امیر کیا ہے اور اسلامی تنظیم و اطاعتِ امیر کن حقائق کی بنیاد پر اس سے ممتاز ہوتی ہے۔ خدا سے بغاوت کرنے والوں کا غلبہ و تمکّن جو عاد اور ثمود اور فرعون و نمرود کو حاصل تھا اس خلافتِ الٰہی سے کس بنیاد پر مختلف ہوتا ہے جسے محمدؐ رسول اللہ نے قائم کیا تھا۔ یہ لوگ ان امور کو نہ تو خود سمجھنے کے اہل ہیں اور نہ طغیانِ جاہلیت ان کو اس کی اجازت دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص انھیں سمجھائے تو ٹھنڈے دل سے اس کے دلائل پر غور کریں۔ ایسی حالت میں سوا اس کے کیا چارہ ہے کہ آدمی صبر کرے اور ان

جاہلوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر خاموشی کے ساتھ حق کی تبلیغ میں مشغول رہے۔ یہی طریقہ میں نے اختیار کیا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ میں نے خاکسار تحریک کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ ہر طرف سے مطالبہ ہو رہا ہے کہ اس کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کرو۔ مگر میں خاموش بیٹھا ہوں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ میں خاکساروں سے ڈرتا ہوں، یا ان کے لیڈر کی بدزبانی اور گالیوں سے خوف زدہ ہوں۔ بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس وقت مجھے عام مسلمان اس موڈ میں نظر نہیں آتے کہ وہ کسی معقول بات کو سُن کر قبول کریں گے۔ ان پر پریشانی اور گھبراہٹ مستلط ہے اور اس حالت میں وہ ہر رہزن کو رہنما مان کر اس کے پیچھے دوڑ چلنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس وقت اگر کوئی انھیں سمجھائے گا کہ بھائیو، یہ رہزن ہے جس کے پیچھے تم جا رہے ہو تو یہ الٹا اسی کو دشمن سمجھنے لگیں گے۔ لہٰذا ان کا علاج یہی ہے کہ جدھر یہ جا رہے ہیں ادھر جانے دیجیے اور صبر کے ساتھ دیکھتے رہیے۔

جب یہ رہزنوں کے پیچھے چلنے کے تلخ نتائج خوب اچھی طرح دیکھ لیں گے، چوٹیں کھائیں گے، ذلتیں سہیں گے، تب ان کو ہوش آئے گا اور خدا کی دی ہوئی بینائی سے کام لینے پر آمادہ ہوں گے۔ سرِدست تو میں صرف اسی کو دین کی خدمت سمجھتا ہوں کہ فتنوں اور فتنہ پردازوں کی طرف سے بالکل بے پروا ہو کر دین کے اصول اور اس کی تعلیمات کو زیادہ سے زیادہ معقول طریقے سے سمجھانے اور پھیلانے کی کوشش کی جائے اور جن جن لوگوں میں قبولِ حق کی صلاحیت ہے، انھیں دائرۂ اسلام میں لایا جاتا رہے۔ عام اس سے کہ وہ پیدائشی مسلمان ہو یا پیدائشی کافر۔ اس کے بعد اگر اللہ کو منظور ہو گا تو وہ کوئی راہ پیدا کرے گا۔

خاکسار تحریک سے اگر آپ کسی سیاسی فائدے کی توقع رکھتے ہیں، تو اسے بھی دل سے نکال دیجیے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ تحریک کسی پہلو سے

بھی مسلمانوں کے لیے مفید ثابت نہیں ہو سکتی۔ کسی تحریک کے بانی اور لیڈر کے عقائد و نظریات کسی حال میں نظر انداز نہیں کیے جا سکتے۔ درحقیقت یہی چیز ہر تحریک کی رُوحِ رواں ہوتی ہے۔ لہٰذا ہر صاحبِ فکر آدمی یہ سمجھنے پر مجبور ہے اِس لیے کہ خاکسار صاحبان ہر جگہ مشرقی صاحب اور ان کے "تذکرہ" کی مدافعت کرتے اور ان کے حق میں مناظرہ کرتے نظر آتے ہیں اب یہ ظاہر بات ہے کہ جس تحریک کی بنیاد ان عقائد و نظریات پر ہو اور جس کے پیروؤں میں عام طور پر یہ عقائد و نظریات پھیلے ہوئے ہوں، اس سے وہ لوگ کبھی موافقت نہیں کر سکتے، جو اسلام کا کچھ بھی علم رکھتے ہیں لامحالہ وہ اس کی مخالفت ہی کریں گے اور عام مسلمان جو اِن کے زیرِ اثر ہیں یا ان پر اعتماد رکھتے ہیں، وہ بھی اس تحریک کی مخالفت کریں گے نتیجہ یہ نکلے گا کہ یہ تحریک خود مسلمانوں میں باہم ایک زبردست تفرقہ کی بنیاد ڈال دے گی۔ گھر گھر اور محلہ محلہ اور مسجد مسجد خاکساروں اور ان کی مخالفت کرنے والے مسلمانوں میں جھگڑے برپا ہوں گے۔ یہاں تک کہ ایک نیا فرقہ اور جنگجو فرقہ وجود میں آجائے گا۔ اس خانہ جنگی کے سوا یہ تحریک کوئی اور نتیجہ پیدا کرتی نظر نہیں آتی لہٰذا اس سے کسی خیر کی توقع کرنا سخت غلطی ہے۔

علاوہ بریں مشرقی صاحب کی تحریر، تقریر اور ان کی حرکات سب کی سب اس کا پتہ دیتی ہیں کہ وہ ایک غیر متوازن دماغ کے آدمی ہیں، ان کی قیادت میں جو تحریک چلے گی اُس کی مثال بالکل ایسی ہوگی جیسے کسی موٹر کو کوئی مخمور آدمی چلا رہا ہو۔ نہیں کہہ سکتے کہ شراب کے نشے میں وہ موٹر کو کس درخت سے ٹکرا دے گا۔ یا کس گڑھے میں پھینک دے گا۔ سیاسی تحریکوں کو چلانے کے لیے نرے اشتعال اور جوش اور غضب سے کام نہیں چل سکتا، اس کے لیے ٹھنڈے دل و دماغ کی ضرورت ہے، اس کے لیے سنجیدہ غور و فکر اور متوازن قوتِ فیصلہ کی ضرورت ہے، اور یہ چیز مشرقی صاحب کو

نصیب نہیں ہے مذہبی عقائد سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تب بھی ہم یہ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ سیاسی حیثیت ہی سے مسلمانوں کو کسی صحیح راستہ پر چلا کر بخیریت منزل کامیابی تک پہنچا دیں گے۔ وہ زیادہ سے زیادہ بس یہی کر سکتے ہیں کہ یونیفارم، قواعد پریڈ، نعروں اور جھنڈوں کی نمائش سے سطح بین عوام کو اپنی طرف کھینچیں اور بناوٹی الفاظ، جھوٹے پروپیگنڈے اور اشتعال انگیز مضامین کی شراب پلا کر انھیں اس فریب میں مبتلا کر دیں کہ وہ ایک طاقت بن گئے ہیں۔ یہ فریب کچھ دن خوب چلے گا اور بالآخر ایک عظیم صدمہ کے ساتھ اس بری طرح ٹوٹے گا کہ مدتوں کے لیے مسلمانوں پر یاس و ناامیدی اور بے اعتباری چھا جائے گی اور وہ مدتوں اس قابل نہ ہو سکیں گے کہ کسی تحریک اور کسی رہنما پر اعتبار کر سکیں۔

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ ایک طرف تو علامہ مشرقی نے نازی جرمنی کے تجربے سے استفادہ کرتے ہوئے "نازی پارٹی" اور "خاکسار تحریک" میں مماثلت پیدا کی، بلکہ ہٹلر کے ساتھ علامہ مشرقی کی ایک تصویر ۳۸ ۔ ۱۹۳۷ء کے زمانے میں یہاں بڑے پیمانے پر تقسیم بھی کی گئی ۔۔۔ دوسری طرف ۱۹۳۹ء میں جنگِ عظیم دوم نے سیاسی نقشہ بدل دیا ۔۔۔ مشرقی صاحب یوپی میں کانگریس وزارت کے دور حکومت میں مدح صحابہ تحریک میں گرفتار ہو گئے ۔ مگر معافی نامہ لکھ دیا، لیکن جب معافی نامے کی تشہیر ہوئی، تو اس سے انکار کر دیا۔ انھوں نے وائسرائے ہند کو تار بھیجا، جس میں "مادرِ وطن" کی حفاظت (یعنی انگریزی سامراج کی معاونت) کے لیے تیس ہزار (اور بعض روایتوں میں پچاس ہزار) خاکسار رضاکاروں کی غیر مشروط پیش کش کر دی (الاصلاح، لاہور، اکتوبر ۱۹۳۹ء بحوالہ: "پنجاب میں سیاسی تحریکیں" از عبداللہ ملک) اس پیش کش کو بعد ازاں خاکساروں کے مرکز "ادارہ عُلیہ ہندیہ" اچھرہ لاہور نے اکتوبر ۱۹۳۹ء میں پمفلٹ کی صورت میں بہ عنوان: "اکثریت یا خون" شائع کیا ۔

۲ ۔ ۱۹۳۹ء کے اوائل میں یوپی میں شیعہ حضرات نے صحابہ کرامؓ کے خلاف تبرٰی بازی شروع کی، جواباً سنّی مسلمانوں نے لکھنؤ شہر میں مدح صحابہؓ کی مہم کا آغاز کیا۔ ۷ مارچ کو تحریک نے شدت اختیار کی۔ سنّی

مدحِ صحابہؓ پڑھتے نکلتے اور شیعہ تبرٰی کرتے ہوئے جلوس نکالتے ۔ چار ہزار سُنّی گرفتار کر لیے گئے اور تحریک یو پی سے باہر پھیلنا شروع ہو گئی ۔ تیس ہزار رضا کاروں نے یو پی اسمبلی پر دھاوا بول دیا ۔ مسلم لیگ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اپنے اپنے طور پر اس قضیئے کو ختم کرنے کی کوشش کی ۔ آخر کار سُنّیوں کو از روے قانون ، مدحِ صحابہؓ کا حق مل گیا۔ اسی دوران میں علّامہ مشرقی گرفتار ہوئے تو انھوں نے رہائی کے لیے معافی نامہ لکھ کر تحریری عہد کیا کہ وہ دوسرے صوبوں کے خاکساروں کو یو پی میں نہیں آنے دیں گے ، اور نہ یہاں کے خاکساروں کو شیعہ سنّی قضیئے میں حصہ لینے دیں گے۔

۳ ۔ "الاصلاح" خاکسار تحریک کا ہفت روزہ ترجمان تھا ۔ (آغاز ۱۹۳۴ء)

۴ ۔ علّامہ مشرقی کی مشہور کتاب "تذکرہ" کے بارے میں ڈاکٹر سیّد محمد عبداللہ کی رائے قابلِ غور ہے ۔ وہ لکھتے ہیں: "۱۹۲۴ء میں عنایت اللہ مشرقی نے ایک کتاب "تذکرہ" لکھی، جس میں قرآنِ حکیم کو مغربی تصورات کی عینک سے دیکھنے کی کوشش ظہور میں آئی ۔۔۔ المشرقی نے عسکری تنظیم کی ضرورت پر زور دیا۔ قوت و کش مکش کے ڈارونی (چارلس رابرٹ ڈارون ۱۸۰۹ء ۔ ۱۸۸۲ء: کا نظریۂ ارتقا مراد ہے) تخیّل کو قرآن مجید کے بین السطور سے نکالا گیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ "تذکرہ" میں اس اسلامیت کے باوجود ، اقبال کی پیدا کی ہوئی مشرقیت کی بے حد مخالفت موجود ہے ۔۔۔ وہ مسلمان علماء کی صدیوں کی علمی ریاضت سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتے ۔ ان کے خیالات میں اسلاف کے عقائد و روایات کے بارے میں تنقیص بھی ہے ، اور تشکیک بھی ـــــ "تذکرہ" مدت تک تقریباً گم نام رہی، تاآنکہ تحریکِ خاکساراں کا آغاز کیا۔ علمی لحاظ سے "تذکرہ" رعب داب والی کتاب ہے، مگر اس کا اندازِ نظر اور طریقِ بحث کہیں کہیں پریشان کن بھی ہے ۔ اس کا اندازِ بیان مشکل اور دقیق اور عوام کے لیے نامانوس ہے ۔ فکری لحاظ سے تذکرہ زیادہ متاثر نہیں کر سکا" (اردو ادب ۱۸۵۷ء ۔ ۱۹۶۶ء ص ۱۱۰ ، ۱۲۰)

مدیر "المحمود" رنگون

برما کے ایک دینی رسالے "المحمود" (رنگون) کے ایڈیٹر نے خاکسار تحریک کے بارے میں مولانا مودودی سے حسبِ ذیل تین سوال دریافت کیے:

"۱ ۔ عنایت اللہ مشرقی کے عقائد کفریہ ہیں یا نہیں؟ اور جن علماء نے ان کی تکفیر کی ہے ، وہ حق بجانب ہیں یا نہیں؟

۲ ۔ کیا بیلچہ رکھنا سنّت ہے اور حضورؐ نے اس کو استعمال کیا ہے؟

۳ ۔ تحریکِ خاکسار ، فوجی تحریک ہے ، جو مسلمانوں میں سپاہیانہ اور مجاہدانہ ولولہ پیدا کرتی ہے ۔ اس میں محض سپاہیانہ قواعد سیکھنے کی نیت سے داخل ہوں تو کیا حرج ہے ؟ مشرقی کے کفریہ عقائد سے کوئی واسطہ نہیں، اور نہ اس تحریک کو مشرقی نے اس لیے جاری کیا ہے کہ اس کے عقائد سے اتفاق کیا جائے ۔ بلکہ مسلمان کے اندر تیرہ سو سال قبل کا مجاہدانہ عمل اور جذبہ پیدا کرنا ہے"۔

مولانا مودودی نے جواب میں یہ خط لکھا:

۵۰

[لاہور]
۲۱ ذوالحج ۵۸ھ
[یکم فروری ۱۹۴۰]

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کے سوالات کے حسبِ ذیل جوابات ہیں:

۱۔ مشرقی صاحب جس چیز کو اسلام کے نام سے پیش کرتے ہیں اس کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ وہ خالص مادہ پرستی ہے۔ انھوں نے توحید، نبوت، خلافت، ایمان، عملِ صالح، جہاد، ہجرت، غرض اسلام کے تمام اساسی

اصولوں اور بنیادی مسائل کے معنی و مفہوم کو اُلٹ کر رکھ دیا ہے اور اُس فلسفۂ زندگی کو اِسلام کے نام سے رائج کرنا چاہا ہے، جس کو مٹانے اور جس کے خلاف جہاد کرنے ہی کے لیے دراصل اسلام آیا ہے۔ اِس لحاظ سے مشرقی صاحب کو ان فِرقِ باطلہ کے بانیوں کی صفِ اوّل میں جگہ دی جا سکتی ہے جنھوں نے اِسلام کے گھر میں بیٹھ کر اس کی جڑیں کھود دی ہیں۔ بلکہ زیادہ صحیح طور پر میں یہ کہوں گا کہ یہ صاحب مرزا صاحب قادیانی سے اور اس سے پہلے کے مدّعیانِ نبوت سے بھی آگے نِکل گئے ہیں۔ اُن لوگوں نے نبوّت کی حقیقت کو نہیں بدلا تھا، صرف نبی ہونے کا جُھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ مگر ان صاحب نے نبوّت کی حقیقت کو ہی بدل ڈالا ہے اور مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ انبیا علیہم السّلام دُنیا میں وُہی مِشن لے کر آئے تھے جو ہٹلر اور مسولینی کا مِشن ہے۔ مِرزا صاحب نے اِتنا کیا تھا کہ صرف جہاد بالسیف کو منسُوخ ٹھیرا دیا تھا مگر جہاد کی غرض اور اس کے مقصد میں شاید کوئی رد و بدل نہیں کیا، مگر ان جناب نے جہاد کی رُوح ہی سلب کر لی ہے۔ ان کے نزدیک اِسلام کا جہاد وہی چیز ہے جو اِٹلی نے حبش اور البانیہ میں، جاپان نے چین میں، اور انگریز نے ہندُستان اور دُوسرے ممالکِ عالَم میں کیا۔ مرزا صاحب نے توحید کے عقیدہ کو غالباً چھیڑا تک نہیں مگر مشرقی صاحب نے اِس عقیدہ کو اس کی بنیاد سے اُکھاڑ پھینکا ہے۔ ان کے نزدیک کسی قوم کا، ایک لیڈر یا ایک مرکزی اقتدار کی اطاعت میں متحد ہو جانا اور اپنی مادّی ترقی کے لیے مِل کر کام کرنا بس اسی چیز کا نام توحید ہے خواہ وہ قولاً اور اعتقاداً خدا کی منکر ہو۔ یا خُدا کے سوا کسی اور ہستی یا ہستیوں کو اِلٰہ مانتی ہو اور عملاً کسی اور کی پرستش کرتی ہو۔ اس اعتبار سے جاپانی موحّد ہیں، جرمن، اٹالین، انگریز سب موحّد ہیں، ہندو بھی موحّد ہیں، کیونکہ گاندھی جی کی لیڈر شپ پر متحد ہو گئے ہیں اور اپنی قوم کی برتری کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں اور مسلمان جو قرنِ اوّل میں موحّد تھے تو اِس لیے نہیں کہ خدا کو

ایک مانتے تھے بلکہ صرف اِس لیے کہ اہلِ عرب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی "لیڈرشِپ" پر متحد ہوگئے تھے حتیٰ کہ اِس قسم کی وحدتِ قومی" اگر ابوجہل کی قیادت پر متحد ہونے سے رُونما ہوتی اور اِس لیڈر کی قیادت میں اگر اہلِ عرب رُوم وایران کے ممالک فتح کر لیتے تب بھی وہ موحّد ہی قرار پاتے اور کعبہ کے تین سو ساٹھ بتوں کی پُوجا کرنے کے باوجود ان کے موحد ہونے میں کوئی شک نہ ہوتا پھر جہاں تک میں سمجھتا ہوں مرزا صاحب نے عملِ صالح کی حقیقت میں بھی کوئی ترمیم نہیں کی، مگر مشرقی صاحب نے اس پر بھی ہاتھ صاف کیا ہے، ان کے نزدیک عملِ صالح اس نوعیت کے عمل کا نام ہے جو جنگل میں بھیڑیا بکری کے ساتھ کیا کرتا ہے اور جو انسانوں میں چنگیز اور ہلاکو نے، سکندر اور نپولین نے، کچنر اور فوش نے کیا ہے وہ عمل جس کا نتیجہ ایک شخص پر دُوسرے شخص کی یا ایک قوم پر دُوسری قوم کی برتری و بالادستی قائم ہونے کی صُورت میں ظاہر ہو، مشرقی صاحب کی اصطلاح میں عملِ صالح ہے۔ ہوائی جہاز، بم اور گیس تیار کرنا اور ان کے ذرائع سے کسی دُوسری "غیر صالح" (یعنی ایسے ذرائع نہ رکھنے یا کم رکھنے والی) قوم پر چڑھ دَوڑنا اور اسے مغلوب کر کے اس کے گھر بار اور اس کی دولت و ثروت پر قابض ہوجانا اس کا نام عملِ صالح ہے اور اِس عمل کے نتیجہ میں جو مقبوضات ہاتھ آئیں وہ اِس "وراثتِ ارضی" کی تعریف میں آتے ہیں جس کا وعدہ "صالحین" سے کیا گیا ہے۔ اور جب اِس طرح وراثتِ زمین حاصل کر کے ایک غالب قوم (یا مشرقی کی اصطلاح میں صالح قوم) مفتوح یعنی غیر صالح قوم کو لُوٹ کھسوٹ کر اپنے لیے کوٹھیاں اور باغ اور نہریں بنا کر دادِ عیش دیتی ہے تو یہ مشرقی صاحب کی زبان میں جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کا مصداق ہے

میں نے بہت مختصر الفاظ میں مشرقی صاحب کے اِن نظریات کا خلاصہ بیان کیا ہے جن کو انھوں نے تذکرہ میں بڑی شرح وبسط کے ساتھ پیش فرمایا ہے اب

اگر حقیقی اسلام وہی ہے جو مشرقی صاحب پیش فرما رہے ہیں تو معاذ اللہ قرآن کا ایک ایک لفظ جھوٹا ہے اور اگر اصل اسلام وہ ہے جو قرآن میں ہم کو ملتا ہے تو مشرقی صاحب جھوٹے ہیں۔ بہرحال مشرقی صاحب کے تخیل اور قرآن کی تعلیم میں بُعد المشرقین ہے۔ مشرقی صاحب جس چیز کے معتقد ہیں وہ قرآن کی تعلیم نہیں ہے اور جو قرآن کی تعلیم ہے اس کے معتقد مشرقی صاحب نہیں ہیں۔

علمائے امت نے مشرقی صاحب کی اگر تکفیر کی تو غلط نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ کفر کسی عنقا کا نام تو ہے نہیں۔ اسی قسم کے خیالات کو کفر کہتے ہیں۔ اگر کوئی مغربی مصنف قرآن کا حوالہ دیے بغیر یہ خیالات ظاہر کرے اور اس کا نام عنایت اللہ کی بجائے ولسن یا نکلسن ہو تو کسی کو بھی اسے مادّہ پرست اور دہریہ بلکہ دشمنِ اخلاق و انسانیت کہنے میں تامل نہ ہوگا۔ پھر آخر مشرقی صاحب ہی کے ساتھ کیوں رعایت کی جاتی ہے؟ کیا اس کا نام چونکہ مسلمانوں کا سا ہے اور وہ ایک مسلمان کے گھر میں پیدا ہوئے ہیں لہٰذا ان کی تکفیر کرنے میں ہمارا دل دُکھے؟ البتہ میں ایسے لوگوں کو کافر کے بجائے "منافق" کہنا زیادہ صحیح سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک یہ کھلے دشمنانِ اسلام سے زیادہ خطرناک ہیں۔ کفار اور کھلے ہوئے دشمنوں کو ہر شخص پہچانتا ہے اور اُن کا مقابلہ کر سکتا ہے مگر یہ منافقین اندر سے حملہ کرتے ہیں قرآن کا نام لے کر اس کی تعلیم کو بدلتے ہیں۔ آیاتِ قرآنی کی تلاوت کر کے ان کے معانی کو مسخ کرتے ہیں۔ دین اور ملت کی خدمت و حمایت کا چولا پہن کر اس کے ارکان کو مسمار کرتے ہیں۔ ان کے نام اور نسب اور ان کی ظاہری باتوں سے دھوکا کھا کر مسلمان اس جال میں پھنستے ہیں جس میں ایک کافر اور کھلا ہوا دشمن مسلمانوں کو کبھی نہیں پھانس سکتا۔ غلبۂ اسلام اور اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اور مرکزیت و امارت اور جہاد کے پُرفریب نعرے بلند کر کے مسلمانوں کی تنظیم کرنے کے لیے اُٹھتے ہیں اور ہزاروں لاکھوں بے علم سیدھے سادے مسلمان اسی اطمینان کے ساتھ ان کے جھنڈے تلے جمع ہو جاتے ہیں جس اطمینان

کے ساتھ جنگل کے بھولے بھالے جانور اُن گڑھوں میں جا گرتے ہیں، جن پر ہوشیار شکاری نے گھاس پھیلا رکھی ہو۔ اِس فتنۂ عظیم کو کفر سے کیا تعلق؟ یہ کُفر سے بڑا فتنہ ہے۔ یہ نفاق ہے جس کی فتنہ سامانیوں کو کفر بھی نہیں پہنچ سکتا۔

(۲) مشرقی صاحب کے بیلچہ کے متعلق آپ سوال کرتے ہیں کہ یہ کیا مذھبی نشان اور سنت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل یہ نازی لیڈر ہرمٹلر کی سُنت ہے (محمد رسول اللہ کی سنت نہیں) اور مشرقی صاحب نے یہ چیزیں وہاں سے لی ہیں، البتہ چونکہ انھیں مسلمانوں کو دھوکا دینا تھا، لہٰذا انھوں نے اسے رسُولِ اکرمؐ کی سُنّت کی حیثیت سے پیش کیا۔ ان کا بیان یہ ہے کہ غزوۂ خندق میں حضور نے بیلچہ ہاتھ میں لے کر پتھر توڑا تھا، لہٰذا یہ سُنّت ہے لیکن یہ محض جھُوٹ ہے، نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جس چیز سے پتھر توڑا تھا وہ یہ بیلچہ نہ تھا۔ حدیث میں اس کے لیے مِعْوَل اور مِسحَاۃ کے الفاظ آتے ہیں جن کا اطلاق کُدال یا پھاوڑے پر ہوتا ہے۔

(۳) سوال کے الفاظ یہ ہیں:

تحریکِ خاکسار فوجی تحریک ہے جو مسلمانوں میں سپاہیانہ اور مجاہدانہ ولولہ پیدا کرتی ہے، اس میں محض سپاہیانہ قواعد سیکھنے کی نیت سے داخل ہوں تو کیا حرج ہے۔ مشرقی کے کفریہ عقائد سے کوئی واسطہ نہیں اور نہ اِس تحریک کو مشرقی نے اس لیے جاری کیا ہے کہ اس کے عقائد سے اِتّفاق کیا جائے۔ بلکہ مسلمانوں کے اندر تیرہ سو سال قبل کا جذبہ اور عمل پیدا کرنا ہے۔

یہ الفاظ جو لوگ زبان سے نکالتے ہیں وہ خود اس کے معنی نہیں جانتے۔ عام طور پر بازار میں جو الفاظ چل پڑے ہیں اُن کو یاد کر لیا گیا ہے اور بے سوچے سمجھے زبان سے نکال دیا جاتا ہے۔ تیرہ سو سال قبل کا جذبہ اور عمل کیا تھا؟

مجاہدانہ ولولہ کس چیز کا نام ہے؟ جہاد کسے کہتے ہیں؟ اور اس کو بھی جانے دیجیے۔ فوجی تحریک کا مفہوم کیا ہے؟ یہ لوگ ان باتوں کی حقیقت کو کچھ بھی نہیں جانتے اگر محض قواعد دان سپاہی بننے اور فوجی ضبط و نظام کی عادت ڈالنے ہی کا نام مجاہدانہ ولولہ اور تیرہ سو سال قبل کا عمل ہے تو انگریزی فوج میں بھرتی ہو جائیے۔ ڈاکٹر مونجے کے ملٹری کالج میں داخل ہو جائیے اور کچھ نہیں تو اسکاؤٹ تحریک ہی میں شامل ہو جائیے۔ ہر جگہ مشرقی صاحب کی فوج سے زیادہ فوجیت آپ کو مل جائے گی۔ جب لوگوں کی عقل و خرد کا اس قدر دیوالہ نکل گیا ہو کہ وہ مجاہد فی سبیل اللہ بننے اور محض فوجی بننے کے فرق کو بھی نہ سمجھ سکتے ہوں تو دراصل ان سے گفتگو کرنا ہی فضول ہے وہ جہاں چاہیں جھک مارتے پھریں۔

رہی یہ بات کہ ہمیں صرف سپاہی بننے کی مشق مطلوب ہے یا فوجی نظم درکار ہے، لیڈر کے خیالات سے سروکار نہیں۔ یہ ایک سراسر لغو بات ہے جسے کوئی صاحبِ عقل آدمی ایک لمحہ کے لیے بھی باور نہیں کر سکتا۔ آپ کسی تحریک میں شامل ہوں اور اس کے لیڈر سے متاثر نہ ہوں یہ ناممکن ہے۔ لیڈر کی رُوح پوری تحریک کی رُوح ہوتی ہے اور پیروؤں میں آپ سے آپ سرایت کرتی ہے۔ کوئی شخص اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور اگر وہ اس سے ہم رنگ و ہم آہنگ نہ ہو تو اِس تحریک کے ساتھ زیادہ مدّت تک نہیں چل سکتا۔ لیڈر کی شخصیت اور اس کے خیالات اور جذبات کی کشش ہی افراد کو اس تحریک کی طرف کھینچتی ہے اور اسی کشش کے زور سے جماعت کا نظم قائم ہوتا ہے۔ فاشزم میں اگر مسولینی کی شخصیت اور اس کے خیالات کا زور کام نہیں کر رہا ہے، نازی اِزم میں اگر ہٹلر کے عقائد اور تخیلات کارفرما نہیں ہیں، "گاندھی اِزم" میں اگر گاندھی جی کا فلسفہ اور ان کے نظریات نفوذ نہیں کر رہے ہیں؟ تو بلاشبہ یہ مانا جا سکتا ہے کہ "خاکسار ازم" کو مشرقی صاحب کے

عقائد اور خیالات سے کوئی واسطہ نہیں۔ اور یہ بات تو اب نظریہ کی حد سے گزر کر مشاہدہ میں آ چکی ہے۔ ہر جگہ خاکسار صاحبان مشرقی صاحب کی طرف سے مناظرہ کرتے نظر آتے ہیں۔ "تذکرہ" پر اعتراض کیجیے اور ایک خاکسار فوراً اس کی مدافعت اور حمایت شروع کر دے گا۔ مشرقی صاحب کی کسی غلط سے غلط بات پر اعتراض کیجیے ہر خاکسار اس کو صحیح ثابت کرنے کیلئے آمادہ ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر مشرقی صاحب کے متعلق آپ ناقابلِ انکار شواہد سے یہ ثابت کر دیں کہ وہ اپنی تحریک کو فروغ دینے کے لیے جھوٹ کے ہتھیاروں سے کام لیتے ہیں تو آپ دیکھیں گے کہ خاکسار صاحبان سیاسی اور قومی اغراض کے لیے جھوٹ سے کام لینے کو سراسر جائز ثابت کرنے کی کوشش کریں گے اور اَلْحَرْبُ خُدْعَۃٌ سے استدلال کر کے تحلیلِ کذب کے حق میں ایسی ایسی شرمناک باتیں کہیں گے جنھیں سن کر ایک شریف آدمی کا ضمیر کانپ اُٹھے گا۔ یہی نہیں بلکہ مشرقی صاحب کی سیرت عملاً خاکساروں کی زندگی میں سرایت کرتی جا رہی ہے وہی اشتعالِ طبع اور تندمزاجی، وہی بدمزاجی وہی بدزبانی اور جنگجوئی، وہی شیخی اور تفاخر جو مشرقی صاحب کی خصوصیات میں سے ہے، ہر جگہ ان نام نہاد خاکساروں میں دیکھی جاتی ہے۔ یہ بھی ان ہی کی طرح جھوٹ کو بہترین پالیسی سمجھ کر بے تکلف استعمال کرتے ہیں۔ ان ہی کی طرح عُلماء اور اہلِ علم پر بدتمیزی کے ساتھ حملہ کرتے ہیں۔ انہی کی طرح نماز سے غافل ہیں۔ اور پریڈ کو اصل تنظیمی کام سمجھتے ہیں۔ انہی کی طرح مسائلِ دینی میں جاہلانہ اجتہاد کرتے ہیں اور حدیث کو ساقطُ الاعتبار قرار دیا کرتے ہیں غرض یہ کہ چند سال کے تجربہ نے یہ بات اب پوری طرح نمایاں کر دی ہے کہ ایک غیر اسلامی عقیدہ اور غیر اسلامی سیرت رکھنے والے شخص کو محض تنظیم کی خاطر لیڈر اور امام تسلیم کر لینے سے لوگوں کے عقائد اور اخلاق پر نہایت مہلک اثرات مرتب ہوتے ہیں اور یہ خیال کرنا سراسر خام خیالی ہے کہ لیڈر کے خیالات اور اس

کے سیرت کو اس کی تنظیم اور قیادت سے الگ کیا جا سکتا ہے۔

مسلمانوں پر دُنیا کی محبت اب اِس قدر مسلّط ہو گئی ہے کہ وہ دین و اِعتقاد اور اخلاق کو محض ایک بے حقیقت اور بے قیمت چیز سمجھنے لگے ہیں، اور اُن کی نگاہ میں اصل قدر و قیمت صرف دُنیوی کامیابی اور مادّی فلاح و بہبود کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں ان کو اپنے اس معشوق کی ذرا سی جھلک بھی نظر آتی ہے بے پروانہ وار اسی طرف دوڑتے ہیں اور اگر اسلامی نقطۂ نظر سے آپ انھیں بتائیں کہ اس جگہ بدعقیدگی اور پستیٔ اخلاق کے نہنگ چھپے ہوتے ہیں تو یہ آپ کی اس تنبیہ کے باوجود اس طرف جانے میں کوئی تامّل نہیں کرتے بلکہ ایسی تنبیہیں کرنے والوں کو احمق اور فرسودہ خیال سمجھتے ہیں۔ ڈیڑھ سو برس تک انگریز کی غلامی میں رہ کر اور پیٹ کی مار کھا کھا کر جو بدترین خصائل اس قوم میں پیدا ہوتے ہیں، خاکسار تحریک اور اسی نوع کی دُوسری تحریکات اور تنظیمات ان خصائل کا مجسّم ظہور ہیں۔ یہ دراصل وہ پھوڑے ہیں جو ہمیں اس اندرونی فسادِ خُون کا پتہ دیتے ہیں جو مدّتوں سے اندر ہی اندر پرورش پا رہا ہے اب محض ان پھوڑوں پر آپریشن کر دینے سے کام نہیں چلے گا۔ اصل کام یہ ہے کہ اس فسادِ خُون کا علاج کیا جائے۔

نیاز مند

ابُوالاعلیٰ

۱۔ مرزا غلام احمد قادیانی (۱۸۳۷ء — ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء) ابتدائی تعلیم کے بعد انگریز ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں ملازمت اختیار کی۔ ۱۸۹۱ء میں مہدی اور مسیحِ موعود ہونے کا دعویٰ کیا، پھر نبی ہونے کا اعلان کیا۔ اس اعلانِ نبوت کا اہم پہلو تنسیخِ جہاد اور انگریز کی وفاداری تھا۔ علمائے اسلام اور علامہ اقبال نے، پھر ستمبر ۱۹۷۴ء میں پاکستان کی پارلیمنٹ نے مرزا غلام احمد اور ان کے پیرو کاروں کو بجا طور پر خارج از اسلام قرار دے دیا۔

۲۔ ایڈولف ہٹلر (۱۸۸۹ء۔ ۱۹۴۵ء) نازی جرمنی کا منتخب قائد اور آمر، جس نے فاشزم (Facism)،

قومی عصبیّت ، اور نسلی برتری (Racism) کا سکّہ جمانے کی کوشش کی، اور فوجی طاقت کے بل بوتے پر جارحیّت کا ارتکاب کرتے ہوئے یورپ کو روند ڈالا ۔ آخر کار بد ترین شکست کھانے کے بعد خود کشی کی۔ ہٹلر کی خود نوشت سوانح عمری ("میری جدوجہد" ترجمہ : مولوی ابراہیم چشتی) ایک اہم کتاب ہے --- بینتیو سولینی (۱۸۸۳ء — ۱۹۴۵ء) معروف اطالوی آمر، فاشسٹ راہنما اور ہٹلر کا ذہنی رفیق ۔۔ مسولینی نے بھی انھی عصبیّتوں پر نسلی برتری کے فلسفے کا پرچار کیا ، مگر ناکام ہونے پر پھانسی پائی ۔

۳ ۔ یعنی مذکورہ استعماری طاقتوں نے جارحیّت کر کے ان ممالک پر قبضہ جمایا، اندھی طاقت کے بل بوتے پر بے بس اقوام کو غلام بنایا اور معاشی و اقتصادی اعتبار سے لوٹ کھسوٹ کی ۔

۴ ۔ موہن داس کرم چند گاندھی (۱۸۶۹ء —۱۹۴۸ء) معروف ہندو قوم پرست لیڈر اور تحریکِ آزادیِ ہند کے راہنما ۔ ہندوؤں کے "مہاتما"۔

۵ ۔ مراد ہے ان افراد سے وابستہ ظلم و درندگی کی داستانیں --- برطانوی جنرل ہیوراشیو ہربرٹ کچنر (Gen Kitchner. ف:۱۹۱۶ء) جس نے سوڈان میں محکوم مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے اور سوڈان کے مجاہد آزادی سیّد محمد احمد مہدی سوڈانیؒ (۱۸۳۴ء ۔ ۱۸۸۵ء) کی قبر تک کو اکھڑوا کر نعش کی بے حرمتی کی۔ ازاں بعد یہی جنرل بحری سفر کے دوران میں جرمن آبدوزوں کا نشانہ بن کر سمندر میں غرق ہوا۔۔۔ اسی طرح فرانسیسی نژاد جنرل فرڈیننڈ فوش (Gen. Foch ف:۱۹۲۹ء) کی بہیمیّت و درندگی بھی زبان زدِ عام ہوئی۔

٦ ۔ ترجمہ: "اور تم ہی غالب رہو گے"۔ (سورۃ آل عمران : ۱۳۹) پوری آیت کا ترجمہ اس طرح ہے :
"دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے، اگر تم مومن ہو"

۷ ۔ ڈاکٹر بال کرشنا شیو رام مونجے (۱۸۷۲ء — ۱۹۴۸ء) ناگ پور کے رہنے والے تھے ۔ ماہرِ امراضِ چشم ، صدر "آل انڈیا ہندو مہاسبھا" بانی "سنگھٹن تحریک" ، متعصب اور انتہا پسند ہندو لیڈر، بھارتی دستوریہ کے رکن رہے ۔

۸ ۔ ترجمہ: "لڑائی ایک دھوکا ہے" (صحیح بخاری)

۵۱

اس خط کا پس منظر بیان کرتے ہوئے مولانا ابوالحسن علی ندوی (تعارف دیکھیے : خطوطِ مودودی، اوّل ۔ خط ۱۱ ، ۱۲) لکھتے ہیں : "میں رفیقِ محترم مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی ندوی کے ساتھ "الندوہ" کا ایڈیٹر تھا ۔ ہم لوگوں نے اس میں ایک سلسلہ "میری محسن کتابیں" کے نام سے شروع کیا ، جس میں ہندستانی مشاہیر اہلِ علم واہلِ فکر کو دعوت دی گئی کہ وہ "افادۂ عام" اور "تازہ واردانِ بساطِ علم" کی رہنمائی کے لیے اُن کتابوں کا ذکر کریں ، جنھوں نے اُن کے ذہن کی تشکیل اور سیرت کی تعمیر میں خاص حصہ لیا ہے اور ان کے دماغ پر گہرے اور دیرپا نقوش چھوڑے ہیں ۔ میں نے مولانا [مودودی] کو بھی دعوت دی ۔ اُن کا جو جواب آیا ، وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے کہ یہ ان کے مطالعے کا نچوڑ اور خود اُن کی سوانح عمری وسیرت میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے ۔ مولانا نے مجھے ۳۱ اگست ۱۹۴۰ء کو ایک مفصل خط لکھا ، جس میں مجھ سے اپنی معرکہ آراء کتاب "پردہ" کے عربی ترجمے کا انتظام کرنے کی خواہش ظاہر کی"۔ (جسارت مودودی نمبر ۱۹۸۰ء ، ص ۲۳)

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنے مضمون میں اس خط کے دو حصے نقل کیے ہیں ، جو درج ذیل ہیں:

[لاہور]

۳۱ ر اگست ۱۹۴۰ء

[مکرمی و محترمی، السلام علیکم]

میری دلی خواہش ہے کہ عربی میں بھی اس کا ترجمہ ہو جائے، تاکہ ممالک عربیہ خصوصاً مصر میں اس کی اشاعت کی جا سکے ۔ ندوہ کے سوا کسی اور مرکز کی طرف نظر نہیں جاتی، یہ کام اگر ہو سکتا ہے تو وہیں ہو سکتا ہے، براہِ کرم آپ کسی ایسے صاحب کو اس کام پر مامور فرمائیں جو جیتی جاگتی زبان میں اُسے منتقل کر سکے ۔

کچھ مدت ہوئی آپ کا ایک عنایت نامہ آیا تھا، جس میں تجویز کیا گیا تھا کہ میں ان کتابوں جن کا میں ممنون ہوں" یا "میری محسن کتابیں" کے عنوان پر کچھ لکھوں، میں اس کا جواب دینا بھول گیا، ابھی آپ کو خط لکھتے ہوتے اس کا خیال آیا،

جاہلیت کے زمانے میں میں نے بہت کچھ پڑھا ہے، قدیم و جدید فلسفہ، سائنس، تاریخ، معاشیات، سیاسیات وغیرہ پر اچھی خاصی ایک لائبریری دماغ میں اُتار چکا ہوں، مگر جب آنکھ کھول کر قرآن کو پڑھا تو بخدا یوں محسوس ہوا کہ جو کچھ پڑھا تھا سب ہیچ تھا۔ علم کی جڑ اب ہاتھ آئی، کانٹ، ہیگل، نطشے، مارکس، اور دنیا کے دوسرے تمام بڑے بڑے مفکرین اب مجھے بچے نظر آتے ہیں بے چاروں پر ترس آتا ہے کہ ساری عمر جن گتھیوں کو سلجھانے میں اُلجھتے رہے اور جن مسائل پر بڑی بڑی کتابیں تصنیف کر ڈالیں، پھر بھی حل نہ کر سکے، ان کو اس کتاب نے ایک دو فقروں میں حل کر کے رکھ دیا ہے۔ اگر یہ غریب اس کتاب سے ناواقف نہ ہوتے تو کیوں اپنی عمریں اس طرح ضائع کرتے؟ میری اصل محسن بس یہی ایک کتاب ہے، اس نے مجھے بدل کر رکھ دیا ہے، حیوان سے انسان بنا دیا ہے تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئی۔ ایسا چراغ میرے ہاتھ میں دے دیا ہے کہ زندگی کے جس معاملہ کی طرف نظر ڈالتا ہوں، حقیقت اس طرح برملا مجھے دکھائی دیتی ہے۔ گویا اس پر کوئی پردہ ہی نہیں ہے۔ انگریزی میں اس کنجی کو "شاہ کلید" (master key) کہتے ہیں جس سے ہر قفل کھل جاتے، سو میرے لیے یہ قرآن شاہ کلید ہے، مسائل حیات کے جس قفل پر اسے لگاتا ہوں وہ کھل جاتا ہے، جس خدا نے یہ کتاب بخشی ہے اس کا شکریہ ادا کرنے سے میری زبان عاجز ہے[6]

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱ ۔ مولانا مودودی اپنی تصنیف "پردہ" کو عربی میں ترجمہ کرانے کے خواہش مند تھے ۔ اُس وقت تو یہ ترجمہ نہ ہوسکا ، مگر بعد ازاں محمد کاظم سباق صاحب (تعارف دیکھیے : خطوطِ مودودی ، اوّل ، خط ۲۰ ، حاشیہ ۲) نے اس کتاب کو "الحجاب" کے عنوان سے عربی میں منتقل کیا ۔

۲ ۔ عمانویل کانٹ (۱۷۲۴ء ـــ ۱۸۰۴ء) جرمن فلسفی ، مابعد الطبیعیات اور فلکیات کا ماہر ۔ Critique of Pure Reason (تنقیدِ عقل محض) اس کی مشہور کتاب ہے ۔ کانٹ کا فلسفہ: تنقیدی فلسفہ ، ماورائی فلسفہ ، اور ماورائی تصوریت کے ناموں سے موسوم ہے ۔

۳ ۔ جارج ولہیلم فریڈرک ہیگل (۱۷۷۵ء ـــ ۱۸۳۱ء) جرمن فلسفی اور مفکر ۔ بہ قول مولانا مودودی: "ہیگل کے تاریخی فلسفے کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانی تہذیب و تمدن کا ارتقا دراصل اضداد کے ظہور ، تصادم اور امتزاج سے واقع ہوتا ہے ، اور تاریخ کا ہر دور ایک وحدت ، ایک کُل یا ایک زندہ نظامِ جسمانی ہوتا ہے ، جس میں اس پورے دور کی روح جاری و ساری ہوتی ہے ۔ جب ایک بڑا دور اپنی روح کو انتہائی مدارج تک ترقی دے چکتا ہے ، تو اسی دور کی آغوش سے اس کا ایک دشمن ظاہر ہوتا ہے ، اور پرانے افکار سے لڑنا شروع کر دیتا ہے ۔ قدیم و جدید کی اس کشمکش سے امتزاج جنم لیتا ہے ، ایک نئی عصری تہذیب وجود میں آتی ہے ۔ اس طرح تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہو جاتا ہے ۔ پھر ایک کشمکش شروع ہوتی ہے اور ایک تیسرا دور شروع ہو جاتا ہے ۔ ہیگل کی اصطلاح میں یہ (تاریخ کا) جدلی عمل، Dialectical Process ہے" ("تفہیمات" دوم ص ۳۶۳)

۴ ۔ فریڈرک نطشے (۱۸۴۴ء ـــ ۱۹۰۰ء) جرمن نژاد مفکّر اور فلسفی ۔ وہ ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوا ، مگر بعد ازاں مذہب اور اخلاقیات کا منکر ہوگیا ۔ تاہم بقول علامہ اقبال: بعض اخلاقی نتائج میں اس کے افکار ، اسلام کے بہت قریب ہیں ۔ "قلبِ او مومن دماغش کافراست" ۔ اس نے انسانی وقار کی بحالی کے لیے فوق البشر کا تصور پیش کیا ۔

۵ ۔ ہینرچ کارل مارکس (۱۸۱۸ء ـــ ۱۸۸۳ء) یہودی النسل جرمن باشندہ تھا ۔ زندگی کا زیادہ تر حصہ برطانیہ میں گزارا ۔ اس کی مشہور کتاب Das Kapital (سرمایہ) کمونسٹوں کے لیے بائبل کا سا درجہ رکھتی ہے ۔ علامہ اقبال نے اسی لیے کہا تھا: "نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب"

۶ ۔ مولانا مودودی کا یہ حصۂ مکتوب ، مولانا محمد عمران خان ندوی کی مرتبہ کتاب : "مشاہیر اہلِ علم کی مُحسن کتابیں" (۱۹۴۶ء) میں شامل ہے ۔

۵۲

اسلامی نظامِ مملکت کا خاکہ تیار کرنے کے لیے یوپی، مسلم لیگ نے ۱۹۴۰ء میں نواب احمد سعید چھتاری کی صدارت میں ایک مجلس ترتیب دی ۔ جس میں سید سلیمان ندوی ، مولانا آزاد سبحانی ، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ، مولانا عبدالماجد دریابادی شامل تھے ۔ (روایت مولانا عبدالماجد دریابادی بحوالہ: تحریکِ آزادیِ ہند اور مسلمان ، اوّل ۔ ص ۲۹) سید صباح الدین عبدالرحمٰن کے مطابق مولانا شبیر احمد عثمانی اور ڈاکٹر ذاکر حسین بھی اس میں شامل تھے مگر آزاد سبحانی اس کے رکن نہ تھے ۔ (معارف ، مئی ۱۹۵۵ء ۔ ص ۳۵) ۔ اس مجلس کے اجلاس میں شرکت کے لیے مولانا مودودی جنوری ۱۹۴۱ء کے پہلے ہفتے میں لکھنؤ تشریف لے گئے تھے ۔ (مزید دیکھیے: 'پرانے چراغ' دوم)

مبارک پارک. پونچھ روڈ. لاہور

۲۴ دسمبر ۱۹۴۰ء

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم

عنایت نامہ ابھی مِلا . اور آج ہی اتفاق کی بات ہے کہ نواب صاحب چھتاری[۱] کا خط آیا جس میں انھوں نے ایک کمیٹی کی شرکت کے لیے مجھے لکھنؤ آنے کی دعوت دی ہے ۔ ان نوابوں اور ان کی کمیٹیوں سے تو مجھے کوئی دلچسپی نہیں اور اگر محض ان کی کمیٹی میں شرکت کا معاملہ ہوتا تو میں ٹال دیتا مگر اس بہانے " ندوہ " سے اور آپ کے رُفقاءِ کار سے براہِ راست تعلق قائم کرنے کا ایک موقع ہاتھ آتا ہے ۔ اس لیے میں نے لکھنؤ حاضر ہونے کا تہیّہ کر لیا ہے ۔ میں انشاءاللہ ۳ ر جنوری کو لکھنؤ پہنچوں گا ۔ میرے قیام کے لیے کوئی مناسب اِنتظام کرنا ، آپ کا ذمّہ ہے ۔ میں کسی ایسی جگہ ٹھیرنا چاہتا ہوں جہاں ہر قسم کے لوگ مجھ سے مِل سکیں اور آزادی کے ساتھ گفتگو کر سکیں ۔ علی گڑھ میں میں نے اولڈ بوائز لاج کو پسند کیا تھا ، اس کا یہ فائدہ ہوا کہ ہر خیال اور ہر گروہ کے آدمی مجھ سے بے تکلف مِلے ۔ ایسی ہی کوئی جگہ میں

لکھنؤ میں چاہتا ہوں۔ میں چونکہ بے ہمہ ہوں اس لیے خدا نے مجھے باہمہ بھی بنا دیا ہے سخت قسم کے دہریہ اور کمیونسٹ بھی مجھ سے اسی طرح ملتے ہیں جس طرح مومنین، صادقین اور ان لوگوں سے بات چیت کرنے میں ایسی جگہ آسانی رہتی ہے جہاں وہ شخصیتیں نہ ہوں جن سے یہ لوگ با تکلف گفتگو کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

رسالہ کے متعلق ان شاء اللہ دہلی میں بالمشافہ گفتگو ہوگی۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ نواب سر احمد سعید خاں چھتاری (۱۱ جنوری ۱۸۸۹ء ــــ ۶ جنوری ۱۹۸۲ء) علی گڑھ کے جاگیردار، حافظ قرآن ۔ علی گڑھ یونی ورسٹی میں زیر تعلیم رہے ۔ مختلف اوقات میں یوپی کے گورنر، وزیر اعلیٰ اور حیدر آباد دکن کے وزیر اعظم رہے ۔ ۱۹۶۵ء میں مسلم یونی ورسٹی کے چانسلر ہو گئے، اور تادم آخر اس منصب پر متمکن رہے ۔ (تفصیل دیکھیے: ناموران علی گڑھ، تیسرا کارواں ۔ ص ۱۰۳ تا ۱۱۳) ۔

۱۹۴۱ء ہی میں جب مولانا مودودی دوبارہ لکھنؤ جانے والے تھے، علی میاں نے اُن سے لکھنؤ یونی ورسٹی میں ایک مقالہ پڑھنے کی فرمایش کی، جواباً مولانا نے ذیل کا خط بھیجا :

۵۳

[لاہور]
۲۹ ستمبر ۱۹۴۱ء

محترمی و مکرمی، السلام علیکم

آپ کے پہلے عنایت نامہ کا جواب پہلے دے چکا ہوں، بعد میں کارڈ ملا۔ خطبہ کے لیے "نیا نظامِ عالم" کوئی نیا موضوع نہیں، نہایت پامال چیز ہے اور آج کل کچھ فیشن ہو گیا ہے کہ ہر ایک اس پر کچھ نہ کچھ بولے، اس بنا پر نہ میرے خطبہ کی کوئی خصوصیت ہوگی اور نہ اس کی طرف کوئی توجہ

کرے گا۔ اس کے بجائے خطبہ کا یہ عنوان بہتر ہے " نوعِ انسانی کا معاشی (یا اقتصادی) مسئلہ اور اس کا اسلامی حل"۔ آپ یونیورسٹی کے سیکرٹری صاحب کو اطلاع دے دیجیے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ غالباً یہ وہی مقالہ ہے جو "انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل" کے عنوان سے "ترجمان القرآن" نومبر ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا، اور اب یہ مولانا کی کتاب "معاشیاتِ اسلام" میں شامل ہے۔ علی میاں لکھتے ہیں: "مولانا لکھنؤ تشریف لائے اور نوجوانوں نے پروانہ وار ہجوم کیا، انھوں نے لکھنؤ یونی ورسٹی یونین میں عنوانِ بالا کے ماتحت اپنا فاضلانہ خطبہ پڑھا، جو ان کے مضامین میں شائع ہوگیا ہے" ("پرانے چراغ" حصہ دوم) مگر اس مقالے کے ساتھ ہمیں یہ نوٹ ملتا ہے: "یہ مقالہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۱ء کو "انجمن اسلامی تاریخ و تمدن" مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کی دعوت پر سٹریچی ہال میں پڑھا گیا تھا" ——اس کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مقالہ یکے بعد دیگرے دونوں جامعات کے اجتماعات میں پیش کیا گیا ہو گا۔

۵۴

[لاہور]

۲۳ جنوری ۱۹۷۹ء

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

عنایت نامہ مؤرخہ ۵ صفر ۹۹ھ کو ملا اور اس کے ساتھ آپ کی تازہ کتاب "عصرِ حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح" کا ایک نسخہ بھی موصول ہوا، میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ میری جس چیز کو آپ نے خدشات کا موجب سمجھا، اس پر تنقید فرمائی۔ مزید میری جن جن چیزوں کو آپ دین اور اہلِ دین کے لیے

مضرت رساں یا موجب خطر سمجھتے ہوں، ان پر بھی آپ بلا تکلف تنقید فرمائیں۔ میں نے کبھی اپنے آپ کو تنقید سے بالاتر نہیں سمجھا۔ نہ میں اس پر بُرا مانتا ہوں؛ البتہ یہ ضروری نہیں ہے کہ میں ہر تنقید کو برحق مان لُوں اور ناقدین کے بیان کردہ خدشات اور اندیشوں کو صحیح تسلیم کر لوں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ مکتوب الیہ کے بقول: "یہ مولانا مودودی کی کتاب "قرآن کی چار بنیادی اِصطلاحیں" کا علمی اور اصولی تبصرہ و جائزہ ہے"۔ علی میاں کی اس کتاب پر دو محاکمے شائع ہوئے ہیں۔ سید احمد عروج قادری (ف: ۱۸ مئی ۱۹۸۶ء) "عصرِ حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح پر ایک نظر" (لاہور، ۱۹۷۹ء) اور خواجہ اقبال احمد ندوی "بدلتے نصب العین" (لاہور، ۱۹۸۶ء)

مبارک علی

مبارک علی خاں (پ: رائے پور، مدھیا پردیش بھارت) ---- جماعتِ اسلامی کے ابتدائی ارکان میں سے ہیں۔ تقسیمِ ہند سے پہلے صفیہ ہائی اسکول، ملک پیٹ، حیدر آباد دکن میں مدرّس رہے۔ عمر تقریباً ستر سال ہے۔ مندرجہ ذیل دو خطوط ان کے بعض استفسارات کے جواب میں تحریر کیے گئے:

۵۵

مبارک پارک۔ پونچھ روڈ۔ لاہور
۱۳ اکتوبر ۱۹۴۱ء

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ بلاشبہ شادی بیاہ میں کفاءت کا لحاظ کرنا بھی شرعی امر ہے، مگر کفاءت کا منشاء صرف یہ ہے کہ زوجین کے Social Status میں زیادہ تفاوت نہ ہو، اور دین، اخلاق، معاشرت اور عادات و خصائل کے لحاظ سے وہ اس حد تک قریب تر ہوں کہ ان کے درمیان نباہ ہونے کی زیادہ سے زیادہ توقع کی جا سکے۔ یہ بات اپنی جگہ بالکل حق ہے، مگر یہ قبائلی تقسیم جس کی بناء پر مسلمان اپنی برادری سے باہر عموماً شادی بیاہ کرنے سے پرہیز کرتے ہیں، اس کی کوئی شرعی اصل نہیں ہے۔ اوپر جو چیزیں میں نے کفاءت کے سلسلہ میں بیان کی ہیں وہ آخر دوسری برادریوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ پھر آخر ایک شخص اپنی برادری تک ہی ان کو کیوں محدود سمجھ لے۔ یہ چیز دراصل ہندوؤں کی میراث ہے جس کو ہندوستانی مسلمان اب تک محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔

جنگ میں جو عورتیں بھی گرفتار ہوں، خواہ بیاہی، خواہ بن بیاہی، ان کو لونڈی بنایا جاسکتا ہے۔ جب کوئی عورت دارالحرب سے دارالاسلام میں اس طور پر گرفتار ہو کر منتقل ہو جائے تو اس کا وہ نکاح جو اپنے سابق شوہر کے ساتھ تھا باقی نہ رہے گا۔ اور مسلمان کو اس سے نکاح یا تمتع کرنے کا مجاز ہوگا۔ اس کی تفصیل آپ کو سورۂ ممتحنہ میں ملے گی۔[1]

خاکسار

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ سورۃ ممتحنہ ، تفہیم القرآن ، جلد پنجم ---- مزید دیکھیے : مولانا مودودی کی کتاب "تفہیمات" دوم میں مضامین: "غلامی کا مسئلہ" ص ۳۴۸ ، اور "غلاموں اور لونڈیوں کے متعلق چند سوالات" ص ۳۶۶ ۔

۵۶

مبارک پارک، پونچھ روڈ، لاہور

۲۸ جنوری ۱۹۴۲ء

برادرم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کفاءۃ کے مسئلہ میں صرف یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ فلاں شخص کا دادا یا پردادا کیا پیشہ کرتا تھا۔ دیکھنے کے قابل چیز یہ ہے کہ اس گھر کے tradition کس قسم کے رہے ہیں؟ آیا اُن کا رہن سہن، طور طریق، چال چلن اور طرزِ معاشرت اِس خاندان کی بہ نسبت گرے ہوئے تو نہیں ہیں، جس سے رشتہ کیا جا رہا ہے؟ وہ سوسائٹی میں کس نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں؟ ان کے مرتبے اور اس خاندان کے مرتبے میں کچھ بڑا فرق تو نہیں ہے؟ ان کی دینی حالت کیسی ہے؟ ان حیثیات سے اگر کوئی

خاندان گرا ہوا ہے تو اس کے ساتھ شادی بیاہ کا تعلق قائم کرنا واقعی مناسب نہیں ہے۔ اور اس صورت میں صرف یہی نہیں کہ جو خاندان نسبتاً بہتر حالت میں ہے اس کے اخلاق متاثر ہوں گے، بلکہ یہ بھی خطرہ ہے کہ باہم نباہ نہ ہو سکے گا۔

"قریش میں سے ائمہ ہوں گے" یہ حضور کی پیشین گوئی تھی، نہ یہ کہ قیامت تک کے لیے آپ نے یہ حکم دیا ہو کہ ائمہ قریش ہی میں سے ہونے چاہییں بعض فقہاء نے اس سے یہ نتیجہ ضرور نکالا ہے کہ خلافت کے لیے قریش ہونا بھی شرط ہے، مگر یہ صحیح نہیں ہے۔[1]

جماعت میں آنے کے بعد اب آپ الیکشن وغیرہ کے جھگڑوں سے بالکل بے تعلق ہو جائیں۔

برادری کے شادی بیاہ میں شریک ہو سکتے ہیں، البتہ جہاں فسق و فجور ہو وہاں علیحدہ رہنا چاہیے، صرف نکاح کی مجلس میں شریک ہو سکتے ہیں۔ نیز اپنی حد تک نرمی کے ساتھ ان کو سمجھانا چاہیے کہ معاصی سے پرہیز کریں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ تفصیلات دیکھیے: مولانا مودودی کی کتاب "تفہیمات" سوم میں شامل مضمون "خلافت کے لیے قرشیت کی شرط"، ص ۱۲۹، اور "رسائل و مسائل" اوّل، ص ۶۴۔

سید مناظر احسن گیلانی

مولانا سید مناظر احسن گیلانی (یکم اکتوبر ۱۸۹۲ء ——— ۵ جون ۱۹۵۶ء) وطن : گیلانی ، ضلع پٹنہ ، بہار ۔ درسِ نظامی سے فراغت کے بعد ٹونک میں مولانا برکات احمد صاحب سے فیض پایا ۔ ۱۹۲۰ء تا ۱۹۴۹ء عثمانیہ یونی ورسٹی ، (قیام : ۲۶ اپریل ۱۹۱۷ء) حیدر آباد دکن میں شعبۂ اسلامیات کے صدر رہے ۔ ۱۹۴۹ء میں ریٹائر ہو گئے ۔ مولانا بلند پایہ مقرر تھے ۔ شعر و سخن کا ذوق رکھتے تھے اور خود بھی شعر کہتے تھے ۔ علم و فضل ، اخلاق و کردار ، اور وضع کے اعتبار سے علمائے سلف کا نمونہ تھے ۔ دار المصنفین کی مجلسِ انتظامیہ کے رکن اور رسالہ "القاسم" اور "الرشید" کی مجلسِ ادارت سے وابستہ رہے ۔ قیامِ پاکستان کے بعد مولانا شبیر احمد عثمانی کی دعوت پر پاکستان آئے ، اور یہاں اسلامی دستور کی تدوین کی مشاورت میں حصہ لیا — تصانیف : * اَلنبیُّ الخاتم * امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی * ہندُستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت * تدوینِ فقہ * اسلامی معاشیات * ابوذرِ غفاری ۔

۵۷

درجِ ذیل خط "ترجمان القرآن" (ستمبر ، نومبر ۱۹۴۱ء) میں "رفعِ شبہات" کے زیرِ عنوان اشاعت پذیر ہوا ۔ خط کے آغاز میں رسالے کے مدیر مولانا مودودی کا حسبِ ذیل تعارفی نوٹ درج ہے :

"حال میں ہندُستان کے ایک مشہور عالم اور صاحبِ دل بزرگ کا ایک گرامی نامہ آیا تھا ، جس میں ، میرے خیالات اور طریقِ کار کے متعلق چند شبہات کا اظہار کیا گیا تھا ۔ جواب میں ، جو کچھ مَیں نے لکھا ، اس میں چوں کہ اکثر وہ شبہات آ گئے ہیں ، جو آج کل بعض حلقوں کی طرف سے پھیلائے جا رہے ہیں ، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ اسے یہاں نقل کر دیا جائے ۔ اصل مکتوب ، جس کے جواب میں یہ نیاز نامہ لکھا گیا ہے ، شائع نہیں کیا جا سکتا ، کیونکہ صاحبِ مکتوب نے اس کی اجازت نہیں دی ، مگر میرے جواب سے شبہات کی نوعیت بآسانی معلوم کی جا سکتی ہے"۔

اس نوٹ میں یہ صراحت موجود نہیں ہے کہ مکتوب الیہ کون صاحب ہیں ، لیکن "رسائل و مسائل" دوم (ص ۵۰۵) میں مولانا مودودی نے بتایا ہے کہ مکتوب الیہ مولانا مناظر احسن گیلانی تھے ۔ مولانا کا جواب ملاحظہ کیجیے:

[لاہور]

[۱۹۴۱ء]

مولانا المکرم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ نے جن شبہات کا اظہار فرمایا ہے، انھیں دیکھ کر مجھے شبہ ہوتا ہے کہ شاید آپ کی نظر سے میری وہ تحریریں نہیں گزری ہیں، جو ماضی قریب میں نکلتی رہی ہیں۔ اسی وجہ سے بہت سے وہ شبہات آپ کے قلب مبارک میں پیدا ہو گئے ہیں، جو دوسروں کی زبان سے میرے خیالات کی ترجمانی سُن کر اکثر بزرگوں کے دلوں میں پیدا ہوئے ہیں۔ آپ جیسے عدیم الفرصت حضرات سے میرا یہ مطالبہ غالباً بے جا ہوگا کہ آپ میری ان تحریروں کو بالاستیعاب ملاحظہ فرمائیں۔ مگر یہ گوارا کرنا بھی میرے لیے مشکل ہے کہ اُن کی غلط ترجمانی کی بدولت وہ چند صالح و برگزیدہ اصحاب بھی مجھ سے بدگمان ہو جائیں، جن کی دعاؤں کے ساتھ جن کی عملی تائید و اعانت کا بھی مَیں محتاج ہوں۔ لہٰذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ مختصراً اپنے خیالات کی ترجمانی مَیں خود ہی کردوں، اور پھر آپ سے دریافت کروں کہ اب کس شبہ کی گنجایش رہتی ہے۔

۱۔ میرے نزدیک یہ ایسا وقت دنیا پر آیا ہے جبکہ ایک دَور ختم ہوتا ہے اور دوسرے دور کی بنیاد پڑتی ہے۔ مغربی تہذیب اور اس کی اساس پر کام کرنے والوں کو جتنا موقع مشیتِ الٰہی کے تحت مل سکتا تھا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پُورا ہو چکا ہے یا پُورا ہونے کے قریب آ لگا ہے۔ اب یہ سارا نظام درہم برہم ہونا شروع ہو گیا ہے، اور ایک دوسرا نظام بننے سے پہلے جو اضطرابی کیفیات لازماً طاری ہوا کرتی ہیں اُن کا آغاز ہو چکا ہے۔ اگرچہ اقامتِ دینِ حق کی کوشش ہر زمانہ میں اہلِ ایمان پر فرض ہے، مگر خصوصیت کے ساتھ ایسے وقت میں جبکہ دنیا حاضر الوقت نظامات سے تلخ تجربے کی بنا پر مایوس ہوتی جا رہی ہے اور کسی دوسرے نظام کے قائم ہونے کے لیے زمین ہموار ہو رہی ہے، دینِ حق کے قیام کی کوشش کرنا اور بھی زیادہ ضروری ہے۔ جو مواقع اس وقت پیدا ہو گئے ہیں، اگر اُن سے فائدہ اٹھانے کی کوشش ہم

نے نہ کی تو ہم سے سخت باز پرس ہوگی۔

۲۔ لیکن مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ مشرق سے مغرب تک مسلمان بالعموم محض وقتی اور مقامی مسائل اور چھوٹے چھوٹے معاملات میں الجھے ہوئے ہیں، اور دنیا کے وسیع میدان میں ادیانِ باطلہ کے تصادم سے دینِ حق کے قیام کا جو موقع نکل آیا ہے اُس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ ہر جگہ ان کے چھوٹے اور بڑے گروہ یا تو اپنے اپنے ملکی اور قومی معاملات سُلجھانے میں لگے ہوئے ہیں، یا اگر کچھ مذہبی فکر ہے بھی تو وہ اس سے زیادہ نہیں کہ کسی دینِ باطل کے ظلِّ عاطفت میں ان کو کچھ مذہبی حقوق حاصل ہو جائیں۔ دنیا میں اِس بات پر کشمکش برپا ہے کہ ملک کِس کا ہے، اور دین کِس کا چلے۔ ہر طرف سے مختلف مدّعی دعوے لے لے کر اُٹھ رہے ہیں کہ ملک ہمارا ہے اور دین ہمارا چلنا چاہیے۔ مگر رُوئے زمین کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کوئی یہ دعویٰ لے کر اُٹھنے والا نظر نہیں آتا کہ ملک سوائے خدا کے اور کِسی کا نہیں ہے، اور صرف خدا ہی کے دین کو یہ حق پہنچتا ہے کہ زمین پر اس کا سکّہ رواں ہو۔ دنیا میں ہر دعوے کے لیے مارنے والے بھی موجود ہیں اور مرنے والے بھی۔ ہر مقصد کے لیے چوٹیں کھانے اور نقصان اُٹھانے والے پائے جاتے ہیں۔ مگر خدا کی زمین پر کوئی نہیں جو خدا کی حاکمیت کے دعوے پر مارنے یا مرنے والا ہو اور خدا کے دین کو چلانے کے لیے چوٹ کھانے اور نقصان اُٹھانے پر آمادہ ہو۔

۳۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اقامتِ دینِ حق کی کوشش کرنے کے لیے اگر کوئی گروہ اُٹھ سکتا ہے تو اُنھی لوگوں میں سے اُٹھ سکتا ہے جو آپ کے بقول "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے علم کی تصحیح کا ذریعہ بنانے اور مرضیِ الٰہی کا نمایندہ قرار دینے" والے ہیں۔ لیکن اِس کارِ عظیم کے لیے محض اِس چیز کا اعتقاد یا صرف اپنے ذاتی عمل کی حد تک ہی اس کی پیروی کافی نہیں ہے۔ یہ کام ایسی ایک جماعت چاہتا ہے جو اس معاملہ میں اتنی پُرزور ہو، اتنی شدید ہو کہ دوسروں کو بھی اِسی عقیدے اور عمل کی طرف کھینچ کر

لاسکے اور اس داعیہ کے ساتھ اٹھ سکے کہ وہ دنیا کے برہم ہوتے والے نظام کو کسی دوسری اساس پر قائم نہ ہونے دے گی بلکہ اپنے یقین و ایمان اور اپنے عمل و جہاد کی طاقت سے اُسے دینِ حق کی اساس پر قائم ہونے کے لیے مجبور کر دے گی۔

۴۔ ایسی جماعت کی فراہمی دو ہی صورتوں سے ممکن ہے۔ یا وہ اُن مسلمانوں میں سے آئے گی جو پہلے سے مذکورۂ بالا امور کا اعتقاد رکھتے ہیں، یا اُن لوگوں میں سے آئے گی جو اب اس اعتقاد کو قبول کریں۔ لیکن عملاً دوسرے گروہ میں سے بھرتی ہونا اُس وقت تک مشکل ہے جب تک کہ پہلے گروہ میں سے ایک معتد بہ جماعت ایسی پیدا نہ ہو جائے جو مجرد اس عقیدے یا اس کے مطابق ذاتی عمل پر اکتفا کرنے والی نہ ہو بلکہ اسی عقیدے کو پھیلانے اور اسی پر دنیا کا نظام قائم کرنے کے لیے مجاہدہ پر آمادہ ہو جائے۔ اسی لیے مَیں نے غیر مسلموں سے پہلے مسلمانوں سے خطاب کیا ہے۔

۵۔ عام مسلمانوں کے متعلق میرا بھی وہی خیال ہے جو آپ کا ہے۔ مَیں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ "وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی مرضی کا نمایندہ اُسی طریقہ سے مانتے ہیں جیسے ایک مومن کو ماننا چاہیے"۔ مَیں نے یہ کبھی نہیں کہا اور نہ کبھی یہ گمان کیا کہ "اُن کے قلوب میں نبوتِ محمدیؐ کا انکار پیدا ہو چکا ہے"۔ لیکن جب میں اقامتِ دین کے مقصد کو سامنے رکھ کر ان مسلمانوں پر نگاہ ڈالتا ہوں تو مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ جس مرتبے کے ایمان و یقین اور جس مرتبے کے عمل پر یہ اکتفا کیے ہوئے ہیں وہ اس مقصد کے لیے کافی نہیں ہے۔ علاوہ بریں اِنھی مسلمانوں میں آخر وہ لوگ بھی تو ملے جلے موجود ہیں جو مبادیِ دین تک سے ناواقف ہیں، اور مسلمان ہونے کے باوجود بدترین اعتقادی و عملی گمراہیوں میں صرف مبتلا ہی نہیں ہیں، بلکہ اُن پر اس قدر جمے ہوئے ہیں کہ انھیں راہِ راست پر لانا کسی غیر مسلم کو مسلمان بنانے سے کچھ کم مشکل نہیں ہے۔ اِن میں وہ بھی تو ہیں جو اعتقاداً مسلمان ہونے کے باوجود ہوائے نفس کو اپنا الٰہ بنائے ہوئے ہیں، اور اُس معیارِ ردّ و قبول،

ترک واختیار، پسندیدگی وناپسندیدگی کواپنانے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جو کچھ قابلِ قدر ہے وہ اُن کے نزدیک ناقابلِ قدر ہے اور جسے حضورؐ منکر اور مردود قرار دیتے ہیں، وہی ان کی نگاہ میں معروف اور مقبول بلکہ عین مطلوب ہے۔ ان میں وہ بھی تو ہیں جو اسلام کے عقیدت مند بھی بنتے ہیں اور پھر شریعتِ اسلام کے نفاذ کو نہ صرف غیر ممکن سمجھتے ہیں بلکہ یہ رائے رکھتے ہیں کہ چوری پر قطع ید اور زنا پر ضربِ تازیانہ ورجم اور سود کی تحریم اور اسی قسم کے قوانین موجودہ زمانہ کے لیے موزوں نہیں ہیں۔ ان میں وہ بھی تو ہیں جو مجملاً اسلام کو حق مانتے اور کہتے ہیں مگر الٰہیات، اخلاق، تمدن، سیاست، معیشت، ہر چیز کی تفصیلات میں عقیدہ اور مسلک دونوں کے اعتبار سے غیر اسلامی نظریات ہی کے پیرو ہیں۔ ان میں وہ بھی تو ہیں جو خدا اور رسالتؐ اور آخرت کا یقین نہیں رکھتے بلکہ شک اور تذبذب میں مبتلا ہیں۔ وہ بھی ہیں جو خدا اور رسولؐ، فرشتوں اور جنت و دوزخ سب کے منکر ہیں۔ اور صرف منکر ہی نہیں ہیں بلکہ ان عقائد کا اور روزہ و نماز کا استہزا کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔ وہ بھی ہیں جو تمام ضروریاتِ دین کا اقرار کرتے ہیں اور ارکان کے پابند بھی ہیں مگر دنیا کی طمع سے اس درجہ مغلوب ہیں کہ متاعِ قلیل کے معاوضہ میں دین کے خلاف جو خدمت بھی ان سے لی جائے اور جس غداری و ایمان فروشی کا بھی ان سے مطالبہ کیا جائے طوعاً یا کرہاً اسے بجالانے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ وہ بھی ہیں جو دین کے منکر تو نہیں ہیں مگر مُقر بھی نہیں ہیں۔ انھیں اس سے کچھ بحث ہی نہیں ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ ان کی غایت مقصود بس یہ ہے کہ اپنے نفس و بدن کے مطالبات پورے کریں اور اس فکر میں وہ ایسے منہمک ہیں کہ ہر دوسری چیز سے غافل ہو چکے ہیں۔ ان تمام اقسام کے لوگ عام مسلمانوں میں شامل ہیں اور کچھ اس طرح خلط ملط ہو گئے ہیں کہ اس مجموعہ کے اندر یہ تمیز کرنا

مشکل ہو گیا ہے کہ کون کس قسم کا "مسلمان" ہے۔

۶۔ اب یہ ظاہر ہے کہ اگر اقامتِ دین کے لیے کوئی کوشش کرنی ہے تو اس پورے مجموعہ کو وہ "بنی بنائی اسلامی جماعت" قرار نہیں دیا جا سکتا جسے لے کر مجاہدہ شروع کر دیا جائے۔ قومی اغراض کی خدمت کرنے والی جماعتوں کے لیے تو یہ ضرور ممکن ہے کہ ایک پروگرام سامنے رکھیں اور تمام مسلمانوں کو پکار دیں کہ آؤ چار چار آنے یا دو دو آنے فیس دے کر رکنیت کے فارم بھر دو اور "ملت" کی فوج میں بھرتی ہو جاؤ۔ وہ ہر قسم کے رطب ویابس جمع کر سکتی ہیں اور ان کا کام اس طرح چل بھی سکتا ہے۔ لیکن ہم جس مقصد کے لیے ایک جماعت کی تنظیم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے یہ اجتماع شتر گربہ کسی طرح یہ نہیں ہو سکتا بلکہ یقیناً سخت نقصان دہ ہو گا۔ لامحالہ ہمیں مسلمانوں کے اس مخلوط انبوہ میں سے صرف صالح لوگوں کو الگ چھانٹ کر منظم کرنا پڑے گا، اور صالحین کو چھانٹنے کی کوئی صورت بجز اس کے نہیں ہے کہ اسلام کے خالص عقیدے اور حکومتِ الٰہیہ کے نصب العین اور شریعت کے اخلاقی و قانونی ضوابط کو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جاتے اور ان میں سے جو لوگ اس عقیدے کا اقرار اور ان ضوابط کی پابندی کو قبول کریں اور اس نصب العین کو اپنی زندگی کا نصب العین بنانے کے لئے تیار ہوں، صرف انھی کو جماعت میں لیا جاتے۔ میں ایک مدت دراز تک شب و روز اس بات پر غور کرتا رہا ہوں کہ مختلف النوع "مسلمانوں" کا یہ مخلوط جو بدقسمتی سے بن گیا ہے اس میں سے حقیقی مسلمانوں کو کس طرح چھانٹا جائے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ سوچ سوچ کر تھک جانے کے باوجود مجھے اس تدبیر کے سوا کوئی دوسری تدبیر نظر نہیں آتی۔ اگر آپ یا کوئی دوسرے بزرگ کوئی اور طریقہ بتا سکیں تو ضرور بتائیں۔

۷۔ میرا اصل مدعا اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے صالح آدمی چھانٹنا ہے نہ کہ مسلمانوں کے کفر و ایمان کی بحث چھیڑنا۔ مسلمانوں کی موجودہ ایمانی و اخلاقی حالت پر جو تنقیدیں میں نے کی

ہیں، اُن سے بھی میرا مقصد صرف یہ بتانا تھا کہ دعوت الی اللہ کے مقصدِ عظیم کا اعتبار کرتے ہوئے مسلمانوں میں اس وقت کیا کیا کوتاہیاں پائی جاتی ہیں، اور یہ کہ اس کارِ خطیر کے لیے مسلمانوں کے اس مجموعہ میں سے کس قسم کے لوگ مناسب اور مطلوب ہیں۔ جماعت اسلامی کے دستور میں شہادتین کو شرطِ رکنیت قرار دینے کی غرض بھی صرف یہ ہے کہ جو لوگ اس کام کے لیے اپنے آپ کو پیش کریں، ان کے متعلق یہ اطمینان کر لیا جائے کہ وہ صالح العقیدہ ہیں، اور جاہلیت کی اُن آمیزشوں کو لیے ہوئے نہیں آ رہے ہیں، جو بدقسمتی سے مسلمانوں کے اندر گھس آئی ہیں، نیز یہ کہ دعوت الی اللہ کی خدمت شروع کرنے سے پہلے وہ ایک مرتبہ پھر اللہ کے ساتھ اپنے عہد و میثاق کو استوار کر لیں اور نو مسلمانہ جوش کے ساتھ کام کے لیے آگے بڑھیں[2]۔ میرے اس مقصد کو لوگوں نے نہیں سمجھا اور بعض ہوشیار لوگوں نے قصداً بھی اس کے متعلق غلط فہمیاں پھیلائیں۔ اس وجہ سے جن بزرگوں کو میری تحریرات کے تفصیلی مطالعہ کا موقع نہیں ملا ہے، اور جن تک میری بات دوسروں کی تحریفات کے واسطہ سے پہنچی ہے، انھیں یہ غلط فہمی ہو گئی کہ میں "مسلمانوں کو ایمان و یقین سے خالی" قرار دے رہا ہوں، اور ان کو "دین کے دائرے سے باہر دھکیل کر پھر ان کو اندر بلانے کی دعوت" دیتا ہوں، اور یہ کہ "جس توپ خانہ کا دہانہ کفر کی طرف کھولا گیا تھا اُسے اہل ایمان پر کھولنا" چاہتا ہوں۔ اللہ شاہد ہے کہ میں ان سب باتوں سے بری ہوں۔

۸۔ میرے نزدیک اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جو جماعت یہ مقصد لے کر اٹھے، وہ لوگوں کو صرف اللہ کے راستہ کی طرف بلائے، اس دعوت کے ساتھ اپنے دُنیوی مقاصد اور سیاسی و معاشی حقوق اور ذاتی یا قومی مفادات کی بحث کو خلط ملط نہ کر دے۔ اگر ہم دعوت الی اللہ کے ساتھ یہ آوازیں بھی بلند کریں گے تو ہماری دعوت کا قطعاً کوئی اثر نہ ہوگا۔ خصوصاً اگر ہم نے محض قومی عصبیت کی بنا پر مسلمانوں کے اُن کاموں کی حمایت کی جو اسلام کی راہِ راست سے ہٹے ہوئے ہیں تو یقیناً ہماری یہ حرکت دنیا کو اسلام سے قریب لانے کے بجائے اور زیادہ دور پھینک دے گی۔ اس

لیے میں مسلمانوں کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ اگر تم کو وہ کام کرنا ہے
جس کے لیے تم ایک اُمت بنائے گئے ہو (کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ۔۔۔ الآیہ) تو تمام ذاتی اور قومی مفادات سے بے پروا ہو کر لوگوں کو صرف اللہ کے راستہ کی طرف بلاؤ۔ اور اگر تم اپنے مفادات سے قطع نظر نہیں کر سکتے اور انھی کے لیے جدوجہد کرنا چاہتے ہو تو پھر اس غلط فہمی کو اپنے دل سے نکال دو کہ ان کاموں کے ساتھ تم دعوت الی اللہ کا کام بھی کر سکو گے۔ یہ دونوں چیزیں ایک ساتھ نہیں نبھ سکتیں۔ ایک کو اختیار کرنے کے لیے دوسری کو چھوڑنا ہی پڑے گا۔ میرے اس مشورہ پر یہ خطرہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ اس طرح تو جو کچھ مسلمانوں کے پاس رہا سہا ہے وہ بھی جاتا رہے گا۔ مگر میں پورے اطمینانِ قلب کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ خدا کی طرف بلانے والے گروہ کو اس سے بالکل بے نیاز ہو کر کام کرنا چاہیے کہ اس کے پاس کیا رہے گا اور کیا اس کے ہاتھ سے چلا جائے گا۔ یہ دعوت صرف وہی لوگ دے سکتے ہیں جو فکرِ مآل سے بالاتر ہو کر کام کریں، اور ایک خدا کو پانے کے لیے سب کچھ کھو دینے پر آمادہ ہو جائیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر مسلمان اس طرح سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر خالصۃً لوجہ اللہ کام کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں تو خواہ ابتداءً سب کچھ ان کے ہاتھ سے نکل جائے، مگر آخر کار وہ سب کچھ ان کے قدموں میں آ رہے گا، جس کو یہ کھوئیں گے، بلکہ اس سے بڑھ کر وہ کچھ انھیں حاصل ہو گا جس کے حصول کا خواب بھی یہ آج نہیں دیکھ سکتے۔ جو گروہ صرف اللہ کے لیے کام کرے اور چھوٹی چھوٹی چیزوں سے نظر ہٹا کر اپنی نگاہ بلند ترین نصب العین پر جما دے بھلا اس کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی طاقت ٹھیر سکتی ہے؟ مگر افسوس کہ مسلمانوں کے حوصلے اس اولوالعزمی کے لیے تنگ ہیں۔ ان کو اور سب تدبیروں میں تو امید کی شعاعیں جھلکتی نظر آتی ہیں، مگر اس کام میں وہ موت اور ہلاکت کے سوا کچھ نہیں دیکھتے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ راہ اختیار کی اور بس ساری تباہیاں اور بربادیاں ان پر یک بارگی حملہ کر دیں گی اور وہ دنیا میں کہیں

کے نہ رہیں گے، رہی آخرت تو اس کی فکر ہی کسے ہے۔

یہ وہ جرم ہے جس کی بنا پر مجھے الزام دیا جا رہا ہے کہ تو مسلمانوں کے مفاد کا دشمن ہے اور چاہتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس جو کچھ رہا سہا ہے، وہ بھی چلا جائے۔

۹۔ اصولاً دعوت الی اللہ کے کام کی آج بھی وہی نوعیت ہے جو پہلے تھی۔ یعنی غیر اللہ کی ربوبیت و حاکمیت تسلیم کرنے سے علی الاعلان انکار اور صرف ربّ العالمین کی ربوبیت و حاکمیت تسلیم کرنے کی طرف دعوتِ عام۔ یہ ہم کرنا چاہتے ہیں ہم ستیاگرہی نہیں ہیں۔ جیل جانا ہمارا پروگرام نہیں ہے۔ ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ خواہ مخواہ ہم پکڑے ہی جائیں، پیٹے ہی جائیں، ریت پر گھسیٹے ہی جائیں۔ اگر کوئی اس دعوت میں ہماری مزاحمت نہ کرے اور حاکمیت غیر اللہ کے ابطال کو برداشت کر لے یا سیدھی طرح ہماری اس دعوت کو قبول کر لے تو چشمِ ما روشن دلِ ما شاد۔ لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ اس چیز کو ٹھنڈے پیٹوں کبھی گوارا نہیں کیا گیا ہے، اور نہ آج گوارا کیا جائے گا جب مسلمان ہی یہ آواز سن کر بگڑ کھڑے ہوتے ہیں، تو دوسروں سے ہم کیونکر توقع کر سکتے ہیں کہ وہ اسے برداشت کر لیں گے۔ اس لیے ہمیں یقین ہے کہ اس دعوت کے بلند کرنے پر آج بھی وہی کچھ پیش آ کر رہے گا جو کل مکہ میں پیش آیا تھا۔ اسی مشابہت کی بنا پر ہم اپنے موجودہ حال کو زمانۂ قبل ہجرت سے تشبیہ دیتے ہیں۔ مگر آپ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ "جب تم اسے مکی زندگی کہتے ہو تو پھر تمام حیثیات سے وہی پروگرام رکھو جو مکہ میں تھا اور مدنیت کو اپنے پروگرام سے خارج کر دو"۔ یہ رائے اس لیے غیر صحیح ہے کہ مکہ میں تو سب کفار ہی کفار تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل ابتدا سے دعوت کا آغاز فرمایا تھا اور جو لوگ اس دعوت کو قبول کرتے تھے ان پر رفتہ رفتہ تکالیفِ شرعیہ عائد کی جاتی تھیں۔ لیکن یہاں سارے کے سارے کفار ہی نہیں ہیں بلکہ مسلمان بھی موجود ہیں، اسلام بتدریج نازل نہیں ہو رہا ہے بلکہ پورا کا پورا آچکا ہے اور مسلمانوں کے لیے واجب العمل ہے، اب یہ ممکن نہیں ہے کہ جو شخص یا گروہ لوگوں کو اسلام کی

طرف دعوت دینے کے لیے اُٹھے وہ خود پورے اسلام پر عمل کرنے کے بجائے صرف اسی قدر تکالیفِ شرعیہ کا التزام کرے جتنی مکہ معظمہ میں اسلام قبول کرنے والوں پر عائد کی گئی تھیں۔ لہٰذا ہمیں "مکیت" کے ساتھ "مدنیت" کو بھی لے کر چلنا ہوگا۔ غیر مسلموں کو تو ہم پہلے اسی چیز کی طرف دعوت دیں گے جس کی طرف انھیں مکہ میں بلایا گیا تھا۔ مگر جو مسلمان ہمارے ساتھ اس دعوت کے کام میں شریک ہوں گے، اور جو غیر مسلم اسلام قبول کرکے ہمارے ساتھ ملیں گے، ان کو تو اس پورے اسلام ہی کا التزام کرنا ہوگا جو قرآن اور سُنّت میں ملتا ہے۔ اگر دعوت دینے والے خود ہی اسلامی احکام کے ملتزم نہ ہوں تو دوسروں پر ان کی دعوت کا کیا خاک اثر پڑے گا۔

۱۰۔ اسلام کے لیے مَیں نے بار بار "تحریک" کا لفظ جو استعمال کیا ہے، اس کی شکایت مولانا عبدالماجد صاحب نے بھی کی ہے کہ تو دین اور مذہب کی جگہ اسلام کو صرف ایک تحریک بنائے دے رہا ہے جیسی سوشلزم اور فاشزم وغیرہ تحریکیں ہیں جن کے پیشِ نظر محض ایک دُنیوی مقصد ہوتا ہے اس کے لیے وہ منظم حرکت کرتی ہیں۔ اور مولانا سید سلیمان نے تو میرے اس گناہ کی تاریخ بھی بیان فرما دی ہے۔ ان کی تحقیق یہ ہے کہ متکلمین ہر زمانے میں اسلام کو اُسی چیز کے سانچے میں ڈھالتے رہے ہیں جس کا زور انھوں نے اپنے زمانہ میں دیکھا ہے۔ کبھی "نیچر" کا زور تھا تو اسلام کو نیچر بنایا گیا، پھر "سویلزیشن" کا زور ہوا تو اسلام کو سویلزیشن ثابت کیا گیا، اب فاشزم، سوشلزم وغیرہ تحریکوں کا زور ہے تو اس زمانہ کے متکلم (اشارہ اس نیازمند کی طرف ہے) اس دین کو تحریک قرار دے رہے ہیں۔ حقیقت میں مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے جب مَیں ایسے ایسے عالی مقام لوگوں کو اتنی ہلکی باتیں اس قدر غیر محققانہ طریقہ سے لکھتے اور شائع کرتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ تجدید اور تجدد کا اصولی فرق یہ ہے کہ تجدید ہر زمانہ میں انھی حقائق اور انھی صداقتوں کو جو ازل سے چلی آرہی ہیں، اپنے زمانہ کی زبان میں اپنے زمانہ کی ذہنیتوں اور ضروریات کے مطابق مرتب

کرکے پیش کرتی ہے۔ اور تجدّد اپنے زمانہ کے فتنوں سے متأثر ہو کر ان حقیقتوں اور صداقتوں ہی میں ترمیم کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اگر ان حضرات کے نزدیک میں تجدّد کا مجرم ہوں تو براہِ کرم مجھے تعیّن کے ساتھ بتائیں کہ کہاں میں نے دین کے جوہر میں تغیّر کیا ہے۔ کسی جگہ یک سرِ مو تغیّر بھی وہ بتا دیں اور میں اس سے توبہ نہ کروں تو یقیناً مجھ سے بڑا خاطی و ظالم کوئی نہ ہوگا۔ لیکن اگر ان کی ساری ناراضی صرف اس بات پر ہے کہ میں نے پرانی حقیقتوں کے لیے نئے الفاظ اور نئے طرزِ بیان اختیار کیے ہیں اور ان کو موجودہ زمانہ کی ذہنیتوں اور ضروریات کے مطابق مرتب کرکے پیش کیا ہے تو مجھے بتایا جائے کہ تجدیدِ دین کی کوشش کرنے والوں نے کس زمانہ میں یہ جرم نہیں کیا ہے؟ اور کیا خود یہ حضراتِ معترضین اس کا ارتکاب نہیں کرتے رہے ہیں؟

"تحریک" کا لفظ جس مفہوم کے لیے میں استعمال کرتا ہوں، اس کے لیے کوئی دوسرا ایسا لفظ مجھے نہیں ملتا جو آج کل کے عام لوگوں کے ذہن میں اس کی تصویر کھینچ دے۔ "مذہب" ایک مدت سے صرف اس معنی کے لیے مخصوص ہو گیا ہے کہ چند عقائد اور چند عبادتوں اور رسموں کا مجموعہ جن کی پابندی سے آدمی روحانی ترقی یا نجات بعد الموت کا متوقع ہو۔ اسی معنی کے لحاظ سے آج کل کے لوگ کہتے ہیں کہ مذہب ایک انفرادی چیز ہے، عابد اور معبود کے درمیان ایک پرائیویٹ تعلق ہے، اس کو اجتماعی معاملات اور ملکی انتظام سے کیا تعلق؟ اسلام کے لیے لفظ مذہب کا استعمال موجودہ دَور کے لوگوں میں یہ غلط فہمی پیدا کرتا ہے کہ یہ بھی اسی جنس مذاہب کا ایک فرد ہوگا۔ رہا "دین"، تو اسے بھی ایک مدت سے مذہب اور دھرم کا ہم معنی بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ تاہم اگر دین کو اس کے وسیع معنی میں بھی استعمال کیا جائے تب بھی سننے والے کے ذہن میں اس سے صرف اتنی بات ہی آتی ہے کہ یہ پوری انسانی زندگی کے لیے ایک جامع اور ہمہ گیر نظام ہے جو عقائد و افکار سے لے کر انفرادی و اجتماعی زندگی

کے چھوٹے سے چھوٹے جزئیات تک کا احاطہ کرتا ہے اور جس کا تعلق دنیا اور اس کے انتظام سے بھی اتنا ہی ہے جتنا حیات بعد الموت سے ہے۔ لیکن یہ بات، کہ دین ایک نظام ہونے کی حیثیت سے دنیا کا انتظام خود اپنے زیرِ اقتدار لینے کا متقاضی ہے، اور اس کے ایک نظام ہونے کا فطری اقتضا یہی ہے کہ دوسرے نظاموں کو ہٹا کر یہ خود ان کی جگہ قائم ہو، اور اس وجہ سے دین کی پیروی قبول کرتے ہی آدمی پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ دوسرے نظاموں کے تسلط کو مٹانے اور اس نظام کو قائم کرنے کے لیے کوشش کرے، محض لفظ "دین" سن کر آج کل کسی کے ذہن میں بھی نہیں آتی۔ اس مفہوم کو موجودہ دور میں لفظ "تحریک" اچھی طرح ادا کرتا ہے اس وجہ سے میں اسلام کے لیے "دین" کے ساتھ "تحریک" کا لفظ بھی اکثر استعمال کرتا ہوں نیز اسی کوشش اور جدوجہد کے لیے بھی مجھے "تحریک" ہی کی اصطلاح استعمال کرنی پڑتی ہے، کیونکہ جہاد اور مجاہدہ کے الفاظ جو قرآن نے اس مفہوم کے لیے اختیار کیے تھے، انحطاط کے دور میں ان کے معانی بالکل بدل کر رہ گئے ہیں۔ مجاہدہ کا لفظ سن کر آج کے لوگوں کا ذہن صوفیا کی ریاضات اور چلہ کشی کی طرف چلا جاتا ہے اور "جہاد" بولیے تو لوگ سمجھتے ہیں کہ بس اب ایک لشکر مرتب ہوگا اور غنیم کے خلاف معرکۂ قتال شروع ہو جائے گا۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ "تحریک" کے نام سے جو چیز میں نے پیش کی ہے آیا وہ دین اور جہاد فی سبیل اللہ ہی ہے یا کوئی اور چیز۔ اگر کوئی اور چیز ہے تو بلاشبہ میں مجرم ہوں، لیکن اگر وہ دین اور جہاد ہی ہے تو محض اتنی بات پر بگڑ جانا کہ میں نے اس کے لیے نیا لفظ کیوں استعمال کیا، کم از کم صاحبِ "معارف" اور صاحبِ "صدق" جیسے حضرات کے مرتبے سے تو بہت فروتر ہے۔

یہاں تک تو میں نے اپنے خیالات کی ترجمانی اور آپ کے شبہات کا ازالہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب گرامی نامہ کے اس حصہ پر بھی کچھ عرض کروں گا جو آپ نے "تذبذب" کے عنوان سے تحریر فرمایا ہے۔ میں اپنے ان الفاظ پر باادب معافی چاہتا ہوں

جو مَیں نے پچھلے عریضہ میں لکھے تھے۔ اللہ علیم ہے کہ میری نیّت ہرگز تحقیر کی نہ تھی۔ میں اس قسم کی باتیں صرف تحریض کی نیّت سے لکھا کرتا ہوں۔ جو جذبہ مجھے کبھی کبھی حدِّ ادب سے آگے بڑھا لے جاتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ جیسے صاحبِ بصیرت اور صاحبِ دل حضرات کو میری آنکھیں مقدمۃ الجیش میں بلکہ اس سے بھی آگے دیکھنا چاہتی ہیں۔ یہ کام جسے مجھ جیسے ایک کم مایہ آدمی نے سنبھالا ہے، آپ جیسے لوگوں کے کرنے کا تھا اور میرا کام یہ تھا کہ مَیں آپ لوگوں کی رکاب تھام کر چلتا۔

خدا کی قسم میرے دل میں نہ کبھی اس بات پر فخر پیدا ہوا کہ مَیں نے اس کام کو سنبھالا ہے، اور نہ کبھی یہ غلط فہمی ہوئی کہ مَیں اس کی سربراہی کا اہل ہوں۔ مجھے تو ہمیشہ اس بات کا افسوس ہوتا ہے کہ یہ جن کے کرنے کا کام تھا وہ اپنے مرتبے سے فروتر کاموں میں مشغول ہیں اور مجھے اپنی فرومایگی کے باوجود اس کارِ خطیر کی ذمہ داری اٹھانی پڑی ہے۔ یہی چیز جب مجھے اندر سے کاٹتی ہے تو مَیں بزرگوں کی شان میں اس قسم کی باتیں کہہ گزرتا ہوں جن کی آپ نے شکایت فرمائی ہے۔ لوگ گمان کرتے ہیں کہ مَیں اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگا ہوں اور بزرگوں کے منہ آتا ہوں، حالانکہ دراصل مَیں اپنے آپ کو چھوٹا ہی سمجھتا ہوں اور جب بڑوں کی خالی چھوڑی ہوئی جگہ پر مجبوراً مجھے کھڑا ہونا پڑتا ہے تو میرے دل کو تکلیف ہوتی ہے اور کبھی کبھی جلے دل سے تلخ باتیں کہہ جاتا ہوں کہ ایک چھوٹے کا طعنہ سن کر ہی وہ کسی طرح اپنے اصل مقام پر آ کر کھڑے تو ہوں۔

آپ کا یہ شبہ کہ مَیں ابتلا و امتحان کے میدان میں دعوے کے ساتھ اتر رہا ہوں، میری قلبی حالت سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ مَیں لرزتے اور کانپتے ہوئے اس میدان میں قدم رکھ رہا ہوں۔ اپنی قوت پر نظر ڈالتا ہوں تو وہ اتنی کم نظر آتی ہے کہ مجھے ہر وقت گر جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ مگر جب یہ یاد آتا ہے کہ اس مختصر سے عرصۂ حیات میں کتنے گناہ کر چکا ہوں، کتنا زمانہ نافرمانیوں میں گزارا ہے، اللہ کی دی ہوئی کتنی قوتیں محض اپنے نفس کی خوشی پوری کرنے میں صرف کر ڈالیں،

ہیں، اور اب بھی تقویٰ اور عبودیت کا کتنا حقیر سرمایہ میرے پاس ہے تو مجھے اپنی نجات کی کوئی صورت اس کے سوا نظر نہیں آتی کہ کوئی چوٹ خدا کی راہ میں کھاؤں اور اسی چوٹ کا داغ لیے ہوئے مالک کے دربار میں حاضر ہوں تاکہ شاید اسی کو دیکھ کر کچھ نظرِ عنایت ادھر مائل ہو جائے۔ میری حالت اس مریل گھوڑے کی سی ہے جس میں بل بوتہ کچھ نہیں ہے، مگر پیچھے سخت کوڑا پیٹھ پر پڑنے کا خطرہ جو اسے لگا ہوا ہے وہ اس کو ایک پُرخطر رستہ پر بھاگ کر چلنے کے لیے مجبور کرتا ہے۔ آپ کو میرے جرأت آمیز الفاظ سے یہ گمان گزرتا ہوگا کہ میں اپنے آپ کو کوئی بڑی چیز سمجھ رہا ہوں اور کسی بڑے مرتبے کی توقع رکھتا ہوں، حالانکہ میں جو کچھ کر رہا ہوں صرف اپنے گناہوں کی تلافی کے لیے کر رہا ہوں اور اپنی حقیقت خوب جانتا ہوں۔ بڑے مراتب تو درکنار اگر صرف سزا سے بچ جاؤں تو یہ بھی میری امیدوں سے بہت زیادہ ہے۔ البتہ میں اپنی اس قلبی کیفیت کا کوئی اثر اپنی تحریروں میں نہیں آنے دیتا اور قصداً جرأت آمیز زبان استعمال کرتا ہوں کیونکہ اس کام کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ اس کے لیے ڈھیلی اور کمزور زبان موزوں نہیں ہو سکتی۔

یہ خط ختم کر چکا تھا کہ "صدق" کا تازہ پرچہ ملا اور کچھ باتیں مزید عرض کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مولانا عبدالماجد صاحب نے خود اقدام فرمانے کے بجائے جن شاہ صاحب کو آگے کیا ہے ان کے متعلق پہلے ایک عریضہ میں بھی آپ کو بتا چکا ہوں کہ حیدرآباد میں انھوں نے خود مجھ سے اپنا یہ کشف بیان کیا تھا کہ "مجھے حسین احمد سور کی شکل میں دکھایا گیا"، حال میں جب مجھے ندوہ جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں کے متعدد اساتذہ سے معلوم ہوا کہ یہ صاحب وہاں بھی کچھ مدت رہ آئے ہیں اور مولانا حسین احمد صاحب کی شان میں "شیطان" اور "خنزیر" جیسے سخت الفاظ استعمال کرتے رہے ہیں۔ ایک صاحب، ندوہ میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ کے مرید ہیں۔ اُن سے ان صوفی صاحب نے بے تکلف فرمایا کہ میرا مرتبہ تمہارے

پیر سے بلند تر ہے۔ اور تو اور حضرت نظام الدین محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق انھوں نے ندوہ ہی کے بعض اساتذہ سے کہا کہ وہ ایک معمولی درجہ کے آدمی تھے۔

مَیں اِسی قسم کی باتیں ان شاہ صاحب کی زبان سے سن کر پہلے ہی یہ سمجھ چکا تھا کہ صوفی ہونا تو درکنار ان کے دل میں حیا اور خوفِ خدا تک نہیں ہے۔ اسی لیے ان کے خطوط کے جواب مَیں نے ہمیشہ دلی بیزاری کے ساتھ دیے اور ان کی فضول بحثوں سے تعرض کیے بغیر ہر خط اس انداز میں لکھتا رہا کہ اس کے بعد دوبارہ وہ مجھے خط نہ لکھیں۔ اس نوعیت کی تھی وہ مراسلت جو مولانا عبدالماجد صاحب نے اس طرح "صدق" میں شائع فرمائی کہ گویا میرے اور صوفی صاحب کے درمیان کوئی مناظرہ ہوا تھا جسے اختتام مناظرہ کے بعد اب افادۂ عام کے لیے پبلک کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ فریقین میں سے صرف ایک فریق کے بھیج دینے پر یہ مراسلت شائع فرمائی گئی، دوسرے فریق سے پوچھ لینے کی ضرورت بھی نہ سمجھی گئی۔ خیر یہاں تک بھی بات رہتی تو چنداں مضائقہ نہ تھا۔ لیکن اب جو ان شاہ صاحب کی تحریریں مولانا شائع فرمارہے ہیں انھیں دیکھ کر تو مَیں حیران رہ گیا ہوں۔ کیا واقعی مَیں خدا سے جنگ کر رہا ہوں کہ مجھے محاربِ خدا قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا حقیقت میں کوئی دعویٰ مَیں نے کیا ہے کہ مجھے "مدعیِ کاذب" کا لقب دیا جاسکے؟ کیا مَیں نے خود اپنی کوئی شریعت بنائی ہے یا کسی نئے دین کی بنا رکھ رہا ہوں کہ مجھ پر "تاسیسِ دین" کا الزام عائد کیا جائے اور میرے رفقاء کو "امراے شریعتِ مودودی" کے خطاب سے مخاطب کیا جائے؟ کیا مولانا عبدالماجد صاحب ایمانداری کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ جس قدر بہتان وہ صدق میں شائع فرمارہے ہیں، ان میں سے کسی کے اندر بھی ذرہ برابر حقیقت ہے؟ اگر ہے تو بیجا مروت سے کام نہ لیں بلکہ پورے ثبوت کے ساتھ ان الزامات کو پیش فرمائیں اور میری تکفیر کریں، کیونکہ ان میں سے ہر الزام ایسا ہے جس کی اگر کچھ بھی حقیقت ہو تو موجبِ کفر ہے۔ اور اگر ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو مَیں کہتا ہوں کہ کوئی شخص جس کے دل میں کچھ بھی خوفِ خدا

اور آخرت کی باز پُرس کا خیال ہو، اس قسم کے بے بنیاد بہتان اپنی ذمہ داری پر شائع نہیں کر سکتا۔ اخبار نویسی کا یہ آئین ضرور ہے کہ اپنے صفحات مختلف خیالات کے اظہار کے لیے کھلے رکھے جائیں، مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اخبار کے صفحات ہر جھوٹ اور ہر تہمت اور ہر اس بیہودہ چیز کے لیے کھلے رہیں جو کوئی شخص کسی کے خلاف لکھ بھیجے۔ مولانا نے اگر اس آئین کا یہی مطلب سمجھا ہے تو تعجب نہیں کہ ایک روز صدق کے صفحات میں لوگوں کے خلاف ماں بہن کی گالیاں بھی دیکھنے میں آجائیں۔

مولانا عبدالماجد صاحب اگر راستی اور عدل و تقویٰ کا طریقہ اختیار کرنا پسند فرماتے، تو اُن کے لیے یہ راہ کھُلی ہوئی تھی کہ جن امور میں وہ مجھے غلطی پر سمجھتے ہیں، ان کو صاف صاف بیان کر دیتے اور تعیّن کے ساتھ یہ بتاتے کہ مَیں نے کہاں کس مسئلے میں حق سے تجاوز یا دین کی راہِ راست سے انحراف کیا ہے۔ اس صورت میں میرے لیے بھی کچھ عرض کرنے کا موقع تھا۔ اگر ان کے اعتراضات کسی غلط فہمی پر مبنی ہوتے تو مَیں اسے رفع کرتا، اگر ان کے دلائل صحیح ہوتے تو مَیں اپنی غلطی کا اعتراف کرتا، اور اگر میرے اور اُن کے درمیان اختلاف باقی رہتا تو اہلِ علم آسانی کے ساتھ رائے قائم کر سکتے تھے کہ کون راستی پر ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ انھوں نے اس سیدھے اور صاف راستہ کو اختیار کرنے کے بجائے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ ایک طرف شاہ نذیر احمد صاحب کے خطوط شائع فرما رہے ہیں، اور دوسری طرف گمنام لوگوں کے خطوط سے اقتباسات نقل کر کے میرے خلاف عجیب عجیب بدگمانیاں پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اُن کے شاہ صاحب ایک ناخدا ترس اور غیر ذمہ دار آدمی ہیں۔ وہ آزادی کے ساتھ ہر قسم کے الزامات تراش سکتے ہیں، روز نت نئے بہتان گھڑ سکتے ہیں، میرے ایک ایک فقرے سے بیسیوں ایسے معنی نکال سکتے ہیں جو میرے خواب و خیال میں بھی نہ ہوں، اور اپنے تخیل سے بے شمار نظریات تصنیف کر کے میری طرف منسوب کر سکتے ہیں۔ ایسے مردِ آزاد کے مقابلہ میں تو میرے لیے اعترافِ شکست کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ مَیں کہاں اس کے ساتھ روز

ایک نئی وادی میں بھٹکتا پھروں۔ رہے وہ اقتباسات جو کسی "فاضل اور نامور خادمِ دین"، اور کسی "صاحبِ علم" اور کسی "غالی مخالف" کے خطوط سے نقل فرماتے جاتے ہیں تو وہ سب کے سب دلائل سے خالی اور بے ثبوت دعووں پر مشتمل ہیں۔ اگر یہ فضلاء اور صاحبانِ علم اور نامور خادمانِ دین پردوں کے پیچھے سے نکل کر آتے، صاف صاف بیان کرتے کہ میں کیا فتنہ برپا کر رہا ہوں اور میں نے کس "نتیجہ تدبر فی السیاسیات الحاضرہ وثمرۂ تفکر تشریعات اروپا"، کو کھینچ تان کر زبردستی قرآن پر منطبق کیا ہے تو میری اصلاح بھی ممکن تھی اور خود ان کی اصلاح کا بھی امکان تھا۔ لیکن اب کہ وہ پردہ نشین ہیں اور ان کے صرف دعاوی "صدق" میں نقل کیے جا رہے ہیں، میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ یہ سب میرے خلاف شکوک پیدا کرنے کی ہوشیارانہ نفسیاتی تدبیریں ہیں، اور میرے لیے اُس سطح تک اُترنا مشکل ہی ہے جہاں ایسی تدبیروں کا جواب دیا جا سکتا ہے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ "شہادتین" سے مراد توحید و رسالت کی گواہی ہے، جو کلمۂ طیبہ پڑھ کر دی جاتی ہے ۔

۲ ۔ اس جگہ مولانا مودودی نے حسبِ ذیل تحریر بہ طور حاشیہ درج کی ہے :

"بعض لوگ شرکتِ جماعت کے لیے تجدیدِ ایمان کی شرط پر بہت ناک بھوں چڑھاتے ہیں ۔ کہتے ہیں کہ علماء اور مشائخ اور معروف و مشہور اہلِ ایمان کے لیے اس شرط پر زور دینے کی کیا ضرورت ہے ، مگر وہ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ اگر بعض مسلمانوں سے تجدیدِ ایمان کرائی جائے ، اور بعض سے نہ کرائی جائے ، تو جن سے کرائی جائے گی ، وہ یہ نہ کہیں گے کہ کیا ہم کافر تھے ، جو اب ہم سے شہادت ادا کرائی جاتی ہے ۔ علاوہ بریں اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کے میدان میں قدم رکھتے وقت پورے احساسِ ذمہ داری کے ساتھ شہادتِ توحید و رسالت اپنی زبان سے ادا کرنے میں جو ایک انقلاب انگیز کیفیت ہے ، اس کی اہمیت کو یہ لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں ۔ میرا ذاتی تجربہ ہے اور جماعتِ اسلامی کے پہلے اجتماع میں جو لوگ شریک ہوئے تھے ، ان سب پر یہ گزری ہوئی بات ہے کہ اس طرح کلمۂ شہادت ادا کرتے ہوئے آدمی اس احساس سے لرز اٹھتا ہے کہ وہ کتنی بڑی بات کا اقرار کر رہا ہے ۔ اس وقت وہ اس قولِ ثقیل کا پورا

بوجھ محسوس کرتا ہے اور ہم نے دیکھا ہے کہ بہت سے لوگوں کی زندگی میں اسی اقرار کے ساتھ ایک انقلاب شروع ہوگیا ہے ، مگر افسوس کہ فقیہانہ و متکلمانہ موشگافیوں کی عادت نے لوگوں کو ان لطیف کیفیات کے اِدراک سے محروم کر دیا ہے ۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم ان لوگوں کو یہی سوچنا چاہیے کہ جب نماز میں روزانہ بیس دفعہ اور اذان میں روزانہ پانچ مرتبہ یہ شہادتیں ادا کرتے ہیں ، تو اپنی دینی زندگی کا ایک نیا دور شروع کرتے ہوئے یہی اقرار کر لینے میں آخر کیا قباحت ہے ۔ کیا اللہ کی توحید اور اس کے نبیؐ کی رسالت پر چند مسلمانوں کے سامنے گواہی دینا کوئی ایسا بُرا فعل ہے کہ اس سے ان کی توہین ہو جاتی ہے" (مزید دیکھیے : "روداد ، جماعتِ اسلامی" حصہ اوّل ، ص ۱۹ ، ۲۰)

۳ ۔ ترجمہ : "دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو ، جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے" (سورۃ آلِ عمران : ۱۱۰)

۴ ۔ اس نوعیت کے اعتراضات کا جواب مولانا مودودی نے "ترجمان القرآن" (دسمبر ۱۹۴۱ء اور جنوری فروری ۱۹۴۲ء) میں دے دیا تھا ، لیکن سیّد سلیمان ندوی نے جنوری فروری ۱۹۴۲ء کے "معارف" میں کچھ مزید نکات اٹھائے ، تو مارچ ۱۹۴۲ء کے ترجمان میں جماعت کے ناظم شعبۂ تنظیم قمرالدین خان صاحب (ف : ۱۶ مارچ ۱۹۸۵ء ، لندن) نے "اظہارِ حقیقت" کے عنوان سے اس پر مفصل بحث کی ۔ مسعود عالم ندوی کے نام مولانا مودودی کے دو خطوں میں بھی اس موضوع پر اظہارِ خیال ملتا ہے ۔ دیکھیے : "خطوطِ مودودی" ، اوّل : خط ۵ ، ۶

۵ ۔ یعنی "ذیل میں"

۶ ۔ مراد ہیں ، صوفی نذیر احمد کاشمیری (۱۹۰۲ء ـــــــ ۵ دسمبر ۱۹۸۵ء) وطن : پونچھ ، کشمیر ۔ مدفن : بہارن پور ۔ ابتدائی تعلیم والدِ گرامی نجم الدین صاحب سے حاصل کی ۔ درس نظامی اور منشی فاضل لاہور سے پاس کیا ۔ تصوف و سلوک کی تکمیل مولانا حسین علی ، واں بھچراں ، میانوالی سے کی ۔ سلسلۂ نقشبندیہ سے متعلق متعدد چھوٹی بڑی کتب تحریر کیں ، مثلاً * تجدید دین * انسانی صراط مستقیم * جہاد اعظم کی تیاری * کمیونزم اور اسلام * مذہب اور لامذہب کی کش مکش ، وغیرہ ۔ جن دنوں یہ خط لکھا گیا تھا ، صوفی صاحب "صدق" میں مولانا مودودی کے خلاف مسلسل مضامین لکھا کرتے تھے ۔ مزید دیکھیے : خطوطِ مودودی ، اوّل : خط ۱۱ ، حاشیہ ۳ ۔

۷ ۔ فضل الرحمان گنج مراد آبادیؒ (۱۷۹۴ء ـــ ۱۸۹۵ء) شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے شاگرد تھے ۔ سلسلۂ نقشبندیہ سے بیعتِ طریقت کی ۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف جہاد میں حصہ لیا ۔ ندوۃ العلماء کے قیام میں آپ کا مشورہ شامل تھا ، مگر بعد میں اختلاف ہوگیا ۔ مزید دیکھیے : فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی ، از ابوالحسن علی ندوی ۔

۸ ۔ خواجہ نظام الدین اولیاؒ (۱۲۳۸ء ـــــــ ۱۳۳۵ء) سلسلۂ چشتیہ کے نامور بزرگ اور بابا فرید گنج شکر کے خلیفہ ۔ دہلی میں ان کا مرقد مرجعِ خلائق ہے ۔

چودھری غلام جیلانی

چودھری غلام جیلانی (۲۷ اکتوبر ۱۹۲۱ء ، گوجرانوالہ ——۱۹ جنوری ۱۹۹۰ء ، لاہور) ، قلمی نام : جیلانی بی اے ۔ والدِ گرامی چودھری غلام مصطفیٰ بیرسٹر ایک صاحبِ علم شخصیت تھے ۔ جیلانی نے خالصہ کالج گوجرانوالہ سے ایف اے کیا ۔ اسلامیہ کالج لاہور کے زمانۂ متعلمی میں مولانا مودودی کے شاگرد رہے ۔ مولانا کے رسالہ "دینیات" سے متاثر ہوئے ۔ تحریکِ پاکستان کے سرگرم کارکن بنے اور آل انڈیا مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس منعقدہ مارچ ۱۹۴۰ء ، لاہور کے انتظام اور پنڈال کی ترتیب و آرایش میں بہ حثیت رضا کار حصہ لیا ۔ ۱۹۴۳ء میں جماعتِ اسلامی کے رکن بنے ۔ جڑانوالہ میں زمینداری کو ذریعۂ معاش بنایا ۔ ضلع فیصل آباد (سابق لائل پور) جماعت کے امیر منتخب ہوئے ۔ پھر لاہور منتقل ہوئے ۔ ۱۹۶۳ء میں جماعتِ اسلامی لاہور کے سیکرٹری مقرر ہوئے ۔ ۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۳ء میں لاہور جماعت کے امیر اور ۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۵ء صوبہ پنجاب کے امیر رہے ۔ طویل عرصے تک جماعت کی مرکزی مجلسِ شوریٰ اور مجلسِ عاملہ کے رکن رہے ۔ اس عرصے میں وہ بنیادی حقوق اور بحالیِ جمہوریت کی مختلف تحریکوں: "پاکستان تحریکِ جمہوریت" (۱۹۶۷ء) "جمہوری مجلسِ عمل" (۱۹۶۹ء) "متحدہ جمہوری محاذ" (۱۹۷۳ء) اور "پاکستان قومی اتحاد" (۱۹۷۷ء) میں جماعتِ اسلامی کی نمایندگی کرتے رہے ۔ تین بار (۱۹۶۴ء — ۱۹۷۴ء —۱۹۷۷ء) نظربندی سے دوچار ہوئے ——۱۹۵۳ء میں کچھ عرصے کے لیے "چراغِ راہ" کی ادارت کی ۔ مئی ۱۹۶۵ء سے وفات تک "ایشیا" لاہور کے ایڈیٹر رہے ۔ تصانیف و تراجم : * اذان (افسانوں کا مجموعہ) * ماوزے تنگ کے دیس میں (ترجمہ) * صبحِ سمرقند (ترجمہ و تلخیص) ۔

۵۸

[دار الاسلام]

۱۳ محرم ۶۳ھ

۲۰ جنوری ۱۹۴۳ء]

عزیزم ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ نے شاہ صاحب کا جو واقعہ لکھا ہے ، پیر عزیز الدین صاحب نے مجھے اس

دفتر رسالہ "ترجمان القرآن" - لاہور

ادارہ دار الاسلام - پٹھان کوٹ

~~مبارک پارک پونچھ روڈ لاہور~~

مورخہ ۲۰ [illegible]

عزیزم السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ نے شاہ صاحب کا جو واقعہ لکھا ہے میر عزیز الدین صاحب نے مجھے اس کی کوئی اطلاع نہ دی تھی اگر آپ اسے اپنا چشم دید واقعہ نہ کہتے تو میں اسے ہرگز باور نہ کرتا۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ شاہ صاحب اتنی مدت میرے ساتھ رہے اور مجھے اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ اپنے اندر اس قدر اخلاقی پستی چھپائے ہوئے ہیں۔ دیکھیے، یہ مسلمانوں کی کیسی کم بختی ہے کہ جو لوگ اس قوم میں اتنے پست اخلاق ہیں وہ قرآن کے مترجم اور "پیغام حق" کے ناشر بنتے ہیں۔

آپ کی طبیعت کا رجحان اگر فسانہ لکھنے کی طرف ہے تو اس کو نشو و نما دیجیے اور بڑے بڑے افسانہ نگاروں کے افسانے بکثرت دیکھ کر یہ سیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ کسی خاص نقطۂ نظر کو ناظرین کے ذہن میں غیر محسوس طور پر فسانہ کے ذریعہ سے اتار دینے کا کیا طریقہ ہے۔ فسانہ کا عیب یہی ہے یہ ایک بڑا عیب ہے کہ پڑھنے والے کو یہ محسوس ہو جائے کہ فسانہ نگار ان کے اندر کیا نقش بٹھانا چاہتا ہے۔ اور فن کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جو نقش آپ بٹھانا چاہتے ہیں وہ آپ سے آپ بیٹھ جائے بغیر اس کے کہ ناظر کا ذہن قبل از وقت چوکنا ہو کر اس اثر کو Resist کرنے پر آمادہ ہو۔ اس فن کو خصوصیت کے ساتھ روسی افسانہ نگاروں سے سیکھیے جنہوں نے اشتراکیت کی تبلیغ میں اس سے بہت کام لیا ہے۔

آپ اپنی ایک نہیں بلکہ دو چار کہانیاں مجھے نمونہ کے طور پر بھیجیں۔ میں انہیں دیکھ کر پھر آپ کو رائے دوں گا۔

ایک اور طریقہ کھلم کھلا فسانہ کے ذریعہ سے کسی چیز کی تبلیغ کرنے کا بھی ہے مگر اس صورت میں لکھنے والے کو بہت زیادہ قادر الکلام اور قوی الاستدلال ہونا

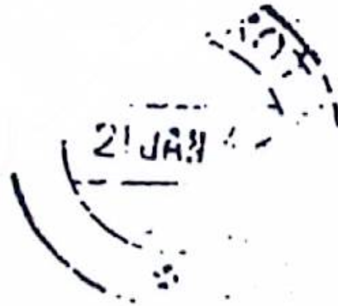
چاہیے تاکہ وہ اپنے زورِ بیان سے ناظرین کو اپنے ساتھ بہا لیجائے۔ میں آپ کے
افسانے دیکھ کر یہ سمجھنے کی کوشش کروں گا کہ آپ ان دونوں طریقوں میں سے کس
طریقہ میں کامیاب ہو سکیں گے۔

دعوت کا کام جاری رکھیے اور ساتھ ساتھ اپنے آپ کو بھی بہتر سے بہتر
بنانے کی کوشش کرتے رہیے۔ اللہ مددگار ہو۔ والسلام

خاکسار

ابوالاعلیٰ





Dar-ul-Islam, Pathankot

کی کوئی اطلاع نہ دی تھی۔ اگر آپ اسے اپنا چشم دید واقعہ نہ کہتے تو میں اسے ہرگز باور نہ کرتا۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ شاہ صاحب اتنی مدت میرے ساتھ رہے اور مجھے اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ اپنے اندر اس قدر اخلاقی پستی چھپائے ہوئے ہیں دیکھیے یہ مسلمانوں کی کیسی کم بختی ہے کہ جو لوگ اس قوم میں اتنے پست اخلاق ہیں، وہ قرآن کے مترجم اور "پیغام حق" کے ناشر بنتے ہیں۔[1]

آپ کی طبیعت کا رجحان اگر مختصر فسانے لکھنے کی طرف ہے تو اس کو نشو و نما دیجیے اور بڑے بڑے افسانہ نگاروں کے افسانے بکثرت دیکھ کر یہ سیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ کسی خاص نقطۂ نظر کو ناظرین کے ذہن میں غیر محسوس طور پر فسانہ کے ذریعہ سے اتار دینے کا کیا طریقہ ہے۔ فسانے کے عیوب میں سے یہ ایک بڑا عیب ہے کہ پڑھنے والے کو یہ محسوس ہو جائے کہ فسانہ نگار ان کے اندر کیا نقش بٹھانا چاہتا ہے اور فسانے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جو نقش آپ بٹھانا چاہتے ہیں وہ آپ سے آپ بیٹھ جائے بغیر اس کے کہ ناظر کا ذہن قبل از وقت چوکنا ہو کر اس اثر کو Resist کرنے پر آمادہ ہو۔ اس فن کو خصوصیت کے ساتھ رُوسی افسانہ نگاروں سے سیکھیے جنھوں نے اشتراکیت کی تبلیغ میں اس سے بہت کام لیا ہے۔ آپ اپنی ایک نہیں بلکہ دو چار کہانیاں مجھے نمونے کے طور پر بھیجیں۔ میں انھیں دیکھ کر پھر آپ کو رائے دوں گا۔

ایک اور طریقہ کھلم کھلا فسانے کے ذریعہ سے کسی چیز کی تبلیغ کرنے کا بھی ہے مگر اس صورت میں لکھنے والے کو بہت زیادہ قادر الکلام اور قوی الاستدلال ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنے زورِ بیان سے ناظرین کو اپنے ساتھ بہالے جاتے ہیں آپ کے افسانے دیکھ کر یہ سمجھنے کی کوشش کروں گا کہ آپ ان دونوں طریقوں میں سے کس طریقہ میں کامیاب ہو سکیں گے۔

دعوت کا کام جاری رکھیے اور ساتھ ساتھ اپنے آپ کو بھی بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کرتے رہیے۔ اللہ مدد کرنے والا ہے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ پیر عزیز الدین ریٹائرڈ سرکاری ملازم تھے ۔ مولانا مودودی نے انھیں سیّد محمد شاہ سے کتابوں کا اسٹاک حاصل کر لینے پر مامور کیا(دیکھیے : سیّارہ ، سالنامہ ۱۹۸۷ء ، ص۱۷۷؛ نیز دیکھیے : خطوطِ مودودی ، اوّل :خط ۱۵ ،حاشیہ ۳) پیر صاحب سٹاک لینے پہنچے ، تو سیّد محمد شاہ نے لیت ولعل سے کام لیا ،یا انکار کر دیا ۔ نتیجتاً باہم تُو تکار ہوئی اور معاملہ مارپیٹ تک پہنچ گیا ۔ اس ہنگامے کے موقع پر جیلانی صاحب اتفاقاً وہاں موجود تھے ،اور انھوں نے اس افسوس ناک واقعے کا چشم دید حال مولانا کو لکھ بھیجا ۔

محمد عصمت اللہ

۵۹

مالیر کوٹلہ (متحدہ ہندُستان کی ایک سابق ریاست کا صدر مقام) میں جینی (جین مت کے ماننے والے) اپنے تہوار "چھم چھری" (Chammichri) کے موقع پر بُتوں کا جلوس نکالتے تھے۔ اپنے عقیدے "پرمودھرما" (یعنی کسی جانور کو دُکھ نہ دینا ہی سب سے بڑا دھرم ہے) کی بنا پر اور بتوں کی تعظیم و تکریم کی خاطر، جین لوگ مسلم قصابوں کو نقصان کا معاوضہ دے کر ان کی دُکانیں بند کرا دیتے تھے۔ قصاب بھی ازراہِ رواداری اُس روز علانیہ طور پر گوشت فروخت نہ کرتے تھے، مگر پبلک ضروریات کے لیے گوشت ان کے گھروں سے مل جاتا تھا۔ بعد ازاں ہندوؤں کے دباو میں آکر حکام کی جانب سے مسلم ذبیحہ اس روز بالکل ممنوع قرار دے دیا گیا۔ اس پر مسلمانوں نے احتجاج کیا۔ پنجاب کے مسلم اخبارات "زمیندار" "احسان" اور "انقلاب" وغیرہ نے اس کے خلاف اداریے تحریر کیے۔ مالیر کوٹلہ کے مسلمانوں نے اس ضمن میں بعض علمائے کرام، مثلاً: مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا مفتی محمد سعید، مولانا عبدالحامد بدایونی اور مولانا سید سلیمان ندوی سے استفسار کیا:

"کیا ایک اسلامی ریاست میں حکومت کا ایک ایسا اقدام مداخلت فی الدین ہی نہیں ہے (اور) اس صورت میں مسلمانوں کو کیا لائحہ عمل تیار کرنا چاہیے"؟

اس پس منظر میں اسٹیٹ مسلم لیگ کے صدر جناب عصمت اللہ (ف: ۱۹۶۴ء، مالیر کوٹلہ، بہ عمر ۸۵ سال — پیشہ تجارت۔ وہ محمد عاصم الحداد مرحوم کے برادرِ بزرگ تھے) نے ۷ مئی ۱۹۴۳ء کو مولانا مودودی کی خدمت میں بھی ایک استفتا روانہ کیا۔ مولانا نے اس کا حسب ذیل جواب دیا۔ یہ جواب کسی القاب کے بغیر شروع ہوتا ہے:

[جون ۱۹۴۳ء]

مَیں مُفتی نہیں ہُوں۔ فتویٰ دَرکار ہے تو ایسے عُلماء سے دریافت کیا جائے جو فتویٰ دینے کے مجاز ہیں لیکن دین کا جو کچھ علم مجھے حاصل ہے اُس کی بنا پر یہ



سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا　　لیا جائیگا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

سٹیٹ مُسلم لیگ مالیر کوٹلہ

نمبر ۳۹۶.A　　(الحاق شدہ آل انڈیا سٹیٹس مسلم لیگ)　　تاریخ ... ۲ جولائی ... سنہ ۱۹۴۳ء

اَلْاِسْتِفْتَاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں!
کہ ایک اسلامی ریاست میں حکومت کی طرف سے چند جینیوں کے تہوار "جھمپری"
کے موقعہ پر جس میں وہ بتوں کا جلوس نکالتے ہیں انکے عقیدہ "اہنسا پرموں دھرما" کی بنا
پر (کسی جاندار کو دکھ نہ دینا سب سے بڑا دھرم ہے) اور بتوں کی تعظیم وتکریم کی خاطر قصابوں پر
یہ پابندی عاید کیگئی ہے کہ وہ اس روز ذبیحہ نہ کریں اور حلال و طیب گوشت کی دکانات
بند رکھیں۔ کیا حکومت کا یہ حکم اس آیت کریمہ کی رو سے مداخلت فی الدین ہے یا نہیں؟

یا ایہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک ۔ اے نبی تو کیوں حرام کرتا ہے جو اللہ نے تیرے لئے حلال کیا ہے۔
جواب مدلل تحریر فرمائیں اور یہ بھی لکھیں کہ بصورت مداخلت فی الدین مسلمانوں کو کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے۔

جواب بسے لفافہ ارسال خدمت ہے

عبدالستار خان نیازی
صدر مسلم لیگ ٹائپ کرو نمبر

آپ نے چاہا جو فتوی دیں کہ محاذ جنگ [illegible]
میں مفتی نہیں ہوں ۔ فتوی درکار ہے تو ایسے علماء سے دریافت [illegible] کہ کوئی ریاست محض اس
کمزور وقت کا جو کچھ علم مجھے حاصل ہے اس کی بنا پر حقیقت واضح کرنا چاہتا ہوں
بنا پر اسلامی ریاست قرار نہیں دی جا سکتی کہ اس کا حکمران مسلمان ہے۔ اسلامی ریاست ہونے کے لئے
ملک میں اسلامی قوانین کا اجراء ضروری ہے۔ جہاں تک قوانین مسلمان [illegible] ملک میں اسلامی قوانین
مسلمان حکمرانوں کے [illegible] جاری ہوئے [illegible] حکمران انگریز [illegible] کی حیثیت [illegible] مسلمان ہونے
ذریعہ حکمران کی ریاست صرف ایک [illegible] ریاست ہے [illegible] مسلمان [illegible] ریاست [illegible]

حقیقت واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ کوئی ریاست محض اِس بنا پر اسلامی ریاست قرار نہیں دی جا سکتی کہ اس کا حکمران مسلمان ہے۔ اسلامی ریاست ہونے کے لیے ملک میں اسلامی قوانین کا اجراء ہوتا ہے۔ جہاں کُفر کے قوانین مُسلمان رئیسوں کی سرپرستی میں مُسلمان حکمرانوں کے ہاتھوں سے جاری ہوتے ہوں، وہاں کے رئیس اور حُکمران اپنی شخصی حیثیت میں مسلمان ہوں تو ہوں مگر ان کی ریاست صریحاً ایک کافرانہ ریاست ہے۔ مسلمان اگر مسندِ ریاست پر مُسلمان رئیسوں کو جلوہ افروز دیکھ کر کسی غلط فہمی میں مُبتلا ہو جاتے ہیں تو اس کا ازالہ کرنے کے لیے اِس قسم کے واقعات بالکل کافی ہیں جن میں سے ایک کے متعلق یہ استفتاء کیا گیا ہے۔ جو رئیس اپنی غیر مُسلم رعایا کو خوش کرنے کے لیے خُدا کی جائز کردہ چیزوں کو ناجائز قرار دیتا ہو چاہے وُہ ایک لمحہ ہی کے لیے کیوں نہ ہو وُہ بہرحال رئیس ہونے کی حیثیت سے تو مُسلمان نہیں ہے۔ اپنے بیٹے کا باپ یا اپنی بیوی کا شوہر ہونے کی حیثیت سے مسلمان ہو تو ہُوا کرے۔

ابُوالاعلیٰ

؎ اُن فتاویٰ کے نتیجے میں حکومت نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔

مولانا رشید الدین فراہی

استاذ حاجی رشید الدین فراہی (پ: ۱۸۶۹ء — انتقال پچاس کے عشرے میں ہوا)، مولانا حمید الدین فراہی (۱۸۶۲ء —— ۱۱ نومبر ۱۹۳۰ء) کے چھوٹے بھائی تھے۔ موروثی زمینداری کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ مولانا فراہی کے انتقال کے بعد وہ مدرستہ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڑھ کے ناظم مقرر ہوئے۔ رشید الدین مرحوم اگرچہ علی گڑھ (دورِ سرسید) کے تعلیم یافتہ تھے، مگر سرتاپا اسلامی فکر و تہذیب کے نمایندے تھے۔ ان کے دورِ نظامت میں مدرسے میں وسیع پیمانے پر توسیع ہوئی۔ دائرۂ حمیدیہ کا قیام عمل میں آیا اور رسالہ "الاصلاح" کا اجرا (۱۹۳۲ء) ہوا اور امین احسن اصلاحی ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ حاجی رشید الدین کو مولانا فراہی کے ہمراہ حج بیت اللہ کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔

۶۰

مولانا امین احسن اصلاحی مدرستہ الاصلاح میں تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے کہ ۱۹۴۱ء میں جماعتِ اسلامی میں شامل ہوئے، اور کچھ عرصے بعد دارالاسلام پٹھان کوٹ آگئے۔ مولانا رشید الدین صاحب نے مولانا مودودی کو لکھ بھیجا: امین احسن صاحب کی خدمات مدرسہ کے لیے وقف رہنے دیں —— اس کے جواب میں مولانا نے یہ خط تحریر کیا:

[دارالاسلام]
۳۱ دسمبر ۱۹۴۴ء

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ مورخہ ۱۴ر دسمبر بروقت مل گیا تھا لیکن ۲۰ر دسمبر سے میرے ہاں ہندوستان کے مختلف حصّوں سے بکثرت مہمان آگئے تھے اور اس درجہ مصروفیت تھی کہ میں کوشش کے باوجود آپ کو جواب لکھنے کے لیے وقت نہ

Telegram ISLAH.

جواب اس پتے پر عنایت فرمائیں

رشید الدین ۔ مقام و ڈاک خانہ کھریہا

ضلع اعظم گڈھ۔

مدرسۃ الاصلاح

سرائمیر، اعظم گڈھ (یو-پی)

MADRASATUL-ISLAH, SARAI MIR,

AZAMGARH (U.P.)

64/32

14.1.64

در رجسٹر صفحہ ۶۶

پر مندرج کریں

Dated ۱۲ر دسمبر ۱۹۶۳ء 194

مخدومنا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

کسی اہم اور ضروری معاملے پر خط و کتابت کرنے میں بڑا وقت ضائع ہوتا ہے اس سے کہیں بہتر ہے کہ جس کو زیادہ اہمیت محسوس ہوتی ہو وہ خود چلا جائے اور معاملے کو طے کرکے چلا آئے، لیکن جب میں یہ ارادہ کرتا ہوں تو چند امور مانع ہوتے ہیں۔ اول تو درازیٔ سفر اور مسافروں کو ریل میں زحمت دوسرے یہ کہ اگر کہیں معاملہ نہ سلجھا اور ٹھیک طرح نہ طے ہوا تو شکست خوردہ سپاہی کی طرح لوٹ کر آنا میرے سن والے کیلئے بڑا دشوار ہے مجبوراً یہی جرأت کرنا پڑا کہ آپ کی خدمت میں اپنا عریضہ پیش کروں اور مجھے امید ہے کہ آپ میری جرأت کو معاف فرمائیں گے اور میری عادت نہیں ہے کہ کسی معاملے میں مایوس ہو جاؤں۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مولوی امین احسن صاحب اصلاحی کا تعلق مدرسۃ الاصلاح سے اسقدر استوار تھا کہ یہ تصور میں بھی کبھی نہیں آیا تھا کہ وہ مدرسے کو چھوڑ دیں گے بہرکیف سردست تو یہی ہے کہ ان کا مدرسے سے تعلق نہیں ہے۔ ان کا تعلق مدرسے کیلئے ایک برکت تھا اور انکی بے تعلقی کم سے کم میرے لئے اور شوقین طلبہ کیلئے بدبختی ہے۔ مدرسۃ الاصلاح کے اور آپکے تبلیغی کام میں کوئی مغائرت نہیں ہے۔ مولوی امین احسن صاحب اصلاحی دونوں کیلئے نہایت موزوں ہیں۔ فرق اتنا ہی کہ وہ پہلے ہمارے تھے اور اب آپکے ہیں "اب ہمارے نہیں ہیں" اسکے یہ معنی نہیں کہ ہمارے ان کے تعلقات میں کوئی فرق آیا بلکہ یہ معنے ہیں کہ وہ جس گاڑی کے انجن تھے ان کے جانے کے بعد وہ گاڑی بیکار کھڑی ہے، یا یوں کہئے کہ ایک جاندار جسم کہ روح پرواز کر گئی۔

میں بہت پہلے سے سوچ رہا تھا کہ آپکو لکھوں لیکن میرے دماغ کو ان کے جانے سے ایسا دھچکا لگا کہ سنبھالنے کیلئے ایک مدت کی ضرورت تھی۔ یہ میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ آپ مجھے ان کو واپس دیدیں، اسلئے کہ میرے کام سے آپکا کام کسی طرح اہمیت میں کم نہیں ہے بلکہ آپکے کام کا دائرہ اس سے زیادہ وسیع ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا راہ اختیار کیجائے کہ آپکا کام اور میرا کام دونوں ٹھیک طرح سے چلتا رہے۔ میری ایک بات سوجھی ہے اور وہ آپکے سامنے پیش کرتا ہوں میری ناچیز رائے کو اگر آپ پسند فرمائیں تو مدرسے کی بڑی خوش قسمتی ہے۔ یعنی شروع سال ہجری سے ۶ ماہ کیلئے مولوی امین احسن صاحب کو آپ مجھے عنایت فرمائیں اور بقیہ ۶ ماہ آپ اپنے یہاں رکھیں مجھے امید ہے کہ اس تجویز کو پسند فرمائیں گے۔ آپکے جواب باصواب کے بعد مولوی امین احسن صاحب سے گفتگو کرونگا۔

والسلام، آپکے جواب کا منتظر خاکسار... رشید الدین



ماہنامہ **ترجمان القرآن** ماہوار

JAMALPUR
Pathankot (Pb.)

جمال پور، پٹھان کوٹ، پنجاب

شمارہ ۴۴/۷۲

مورخہ ۳۱ دسمبر ۴۴

محترمی و مکرمی   السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ مورخہ ۱۷ دسمبر بروقت مل گیا تھا لیکن ۲۰ دسمبر سے میرے ہاں متعدد رفقاء کے مختلف حصوں سے بکثرت مہمان آئے ہوئے تھے اور اس وجہ سے مصروفیت تھی کہ میں کوشش کے باوجود آپ کو جواب لکھنے کے لیے وقت نہ نکال سکا۔ اب ادھر سے فارغ ہوتے ہی جواب عرض کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ اس تاخیر سے درگذر فرمائیں گے۔

مولانا امین احسن صاحب کا تعلق مدرسۃ الاصلاح سے فی الواقع ویسا ہی استوار تھا جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے اور فی الحقیقت ایک دو تین سال پہلے تک وہ خود بھی اس بات کا تصور نہ کر سکتے تھے کہ کبھی ان کا اور مدرسے کا یہ تعلق ٹوٹ بھی سکتا ہے۔ لیکن اپنے مدت العمر کے مطالعہ کتاب و سنت سے ہم لوگوں پر دین کی جو حقیقت کھلی ہے اور اس کے مطالبات و مقتضیات کا جو علم حاصل ہوا ہے اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ ہمیں اپنے عزیز ترین اور محکم ترین تعلقات کو بھی دل پر پتھر رکھ کر صرف اس وجہ سے توڑنا پڑا ہے کہ دین کی خدمت کا جو راستہ ہمارے سامنے واضح ہو چکا ہے اس پر چلنے کے لیے آزاد ہو جائیں۔ ہم اب اس چیز سے بالکل مطمئن نہیں ہیں کہ خدا کا بھیجا ہوا دین اس دنیا میں بس کچھ لوگ خدا اور اس کے دین کا نام لینے والے موجود رہیں اور کفر سے مغلوبیت کی حالت میں جتنی گنجائش ان کو رہ جائے اس کو کچھ اپنے مذہبی اعمال و اقوال سے پُر کرتے رہیں۔ ہمارے نزدیک یہ صورت حال نہ تو دین حق کو گوارا ہے اور نہ اس میں کبھی دینداری زیادہ مدت تک زندہ رہ سکتی ہے۔ مگر ہمارے یہ مذہبی مدرسے جو آج کل ملک میں کام کر رہے ہیں زیادہ سے زیادہ بس یہی خدمت انجام دے

سکتے ہیں وہ اس سے آگے کچھ کرنے کی ان میں گنجائش نہیں ہے۔ اسی لیے جہاں ہم موجودہ صورت حال سے غیر مطمئن نہیں، وہاں اس سے بھی ہمارا اطمینان اٹھ گیا ہے اور ان میں کام کرنے کو ہم اپنے وقت اور اپنی قوتوں کا ضیاع سمجھتے ہیں۔ ہمارے سامنے ایک مقصد واضح طور پر آ گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کا دین غالب ہو اور کفر و کفار اس سے دب کر رہیں۔ حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وہم صاغرون۔ اس مقصد کے لیے ہم نے خوب سوچ سمجھ کر جو طریقہ اختیار کیا ہے اس پر عمل کرنے میں ہم اپنی تمام قوت صرف کر دینا چاہتے ہیں۔ اس کے سوا کسی دوسرے کام میں، خواہ وہ بجائے خود کتنا ہی نیک کام ہو؟ اپنا ایک لمحہ صرف کرنا بھی ہمیں کھلتا ہے، کیونکہ جس وقت کو اس مقصد عظیم کی خدمت میں صرف ہونا چاہیے اسے فروتر کاموں میں صرف کرنا حکمت کے خلاف ہے۔ لہذا بحالات موجودہ مولانا امین احسن صاحب کا آدھا وقت مدرسے کے لیے وقف کرنا نہ تو میں ہی گوارا کر سکتا ہوں اور نہ مولانا خود گوارا کر سکیں گے۔ البتہ جو چیز ہم چاہتے ہیں اگر مدرسے کا اصلاح وہی ہوتا یا ہو سکتا تو آدھا وقت کیا معنی پورا وقت اور دل اور جان اور مال سب کچھ اس کے لیے وقف ہو سکتا تھا۔

آپ جیسے ایک مخلص و مشفق بزرگ کی بات رد کرتے ہوئے مجھے دلی تکلیف ہوتی ہے، لیکن جو وجوہ میں نے اوپر عرض کیے ہیں انہیں نظر رکھ کر مجھے امید ہے کہ آپ میری معذرت قبول فرمائیں گے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

نکال سکا۔ اب ادھر سے فارغ ہوتے ہی جواب عرض کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ اس تاخیر سے درگزر فرمائیں گے۔

مولانا ابن احسن صاحب کا تعلق مدرسہ اصلاح سے فی الواقع ویسا ہی ستوار تھا جیسا جناب نے تحریر فرمایا ہے اور فی الحقیقت اب سے دو تین سال پہلے تک وہ خود بھی اس بات کا تصور نہ کر سکتے تھے کہ کبھی ان کا اور مدرسہ کا یہ تعلق ٹوٹ بھی سکتا ہے لیکن اپنے مُدت العمر کے مطالعہ کتاب و سُنت سے ہم لوگوں پر دین کی جو حقیقت کھلی ہے اور اُس کے مطالبات و مقتضیات کا جو علم حاصل ہوا ہے اس کا یہ نتیجہ ہے کہ ہمیں اپنے عزیز ترین اور محکم ترین تعلقات کو بھی دل پر پتھر رکھ کر صرف اس وجہ سے توڑنا پڑا ہے کہ دین کی خدمت کا جو راستہ ہمارے سامنے واضح ہو چکا ہے اس پر چلنے کے لیے آزاد ہو جائیں۔ ہم اب اس چیز سے بالکل مطمئن نہیں ہیں کہ خدا سے پھری ہوئی اس دُنیا میں بس کچھ لوگ خُدا اور اس کے دین کا نام لینے والے موجود رہیں اور کفر سے مغلوبیت کی حالت میں جتنی گنجایش دین کے لیے رہ جاتی ہے اس کو کچھ اپنے مذہبی اعمال و اقوال سے پُر کرتے رہیں۔ ہمارے نزدیک یہ صُورتِ حال نہ تو دینِ حق کو گوارا ہے اور نہ اس میں سچی دینداری زیادہ مُدت تک زندہ رہ سکتی ہے۔ مگر ہمارے یہ مذہبی مدرسے جو آج کل مکتب میں قائم ہیں، زیادہ سے زیادہ بس یہی خدمت انجام دے سکتے ہیں اور اس سے آگے کے لیے ان میں کچھ گنجایش نہیں ہے۔ اس لیے جہاں ہم موجودہ صُورتِ حال سے غیر مطمئن ہیں، ان مدارس سے بھی ہمارا اطمینان اُٹھ گیا ہے اور ان میں کام کرنے کو ہم اپنے وقت اور اپنی قوتوں کا ضیاع سمجھتے ہیں۔ ہمارے سامنے ایک مقصد واضح طور پر آ گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کا دین غالب ہو اور کفر و کفار اس سے دب کر رہیں۔ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صٰغِرُوْنَ۔ اس

مقصدِ عظیم کی خدمت میں صرف ہونا چاہیے۔

اس سے فروتر کاموں میں صرف کرنا حکمت کے خلاف ہے۔ لہٰذا بحالاتِ موجودہ مولانا امین احسن صاحب کا آدھا وقت مدرسہ کے لیے وقف کرنا تو میں بھی گوارا کر سکتا ہوں اور نہ مولانا خود گوارا کر سکیں گے۔ البتہ جو چیز ہم چاہتے ہیں اگر مدرسہ اصلاح وہی ہوتا یا ہو سکتا تو آدھا وقت کیا معنی پورا وقت دل اور جان و مال سب کچھ اس کے لیے وقف ہو سکتا تھا۔

آپ جیسے مخلص و مشفق بزرگ کی بات رد کرتے ہوئے مجھے دلی تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن جو وجوہ میں نے اوپر عرض کیے ہیں ان پر نظر کر کے مجھے امید ہے کہ آپ میری معذرت قبول فرمائیں گے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ ترجمہ : "یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں" (سورۃ التوبہ : ۲۹)

محمد اشرف

ملک محمد اشرف (۳ اپریل ۱۹۱۵ء —— ۹ جنوری ۱۹۸۱ء) وطن : گجرات ، صوبہ پنجاب ۔ تعلیم: بی ۔اے ۔ موصوف انگریزی کے ماہر پروف ریڈر اور انگریزی رموز واوقاف کے رمز آشنا تھے ۔ انھیں مشاہیر سے خط کتابت کا شوق تھا ۔ علامہ اقبال کی آخری طویل اردو نظم "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" (ارمغانِ حجاز) کا انگریزی ترجمہ The Devil's Conference کے عنوان سے شائع کیا ۔ اس کے آخر میں مترجم اور ترجمے کے بارے میں مشاہیر کی آرا درج ہیں ۔ انھی میں مولانا مودودی کی درج ذیل تقریظ بھی شامل ہے ۔ مترجم نے ۱۹۷۷ء میں دوسرا ایڈیشن Thus Conferred Satan کے نئے نام سے شائع کیا ۔ اس ایڈیشن میں یہ تقریظ شامل نہیں ہے)۔

۶۱

جناب محمد اشرف صاحب تمام ہی خواہانِ انسانیت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے علامہ اقبال رحمۃ اللہ کی اس نظم کو انگریزی میں منتقل کیا اور اس پر ضروری حواشی لکھ کر اس کے اشاروں کو اور زیادہ قابلِ فہم بنادیا ۔ فی الحقیقت یہ ایک ادبی خدمت ہی نہیں ہے بلکہ انھوں نے یہ کام کر کے انسانیت کی ایک قابلِ قدر خدمت انجام دی ہے ۔ اقبال کی یہ نظم جس طرح مسلمانوں کو ایک انوکھے انداز میں ان کی غفلتوں اور گمراہیوں پر متنبہ کرتی ہے، اسی طرح عام انسانوں کو بھی یہ بتاتی ہے کہ جن فتنوں کو وہ اپنے لیے خیر سمجھ رہے ہیں ۔ ان میں سے ہر ایک کی تہ میں انسانیت کی بربادی کا سامان چھپا ہوا ہے اور اصلی فلاح کسی اور چیز میں ہے، جس سے ابلیس کانپ رہا ہے اور ہر ممکن طریقے سے کوشش کر رہا ہے کہ

نوعِ انسانی کہیں اس آبِ حیات کا پتا نہ پا سکے۔ اِس لحاظ سے اِس نظم کا مُسلمانوں تک پہنچنا تو اَور بھی زیادہ ضروری ہے جو آج کل ابلیس کے مشن کی علم بردار بنی ہوئی ہے۔ امید ہے کہ یہ مقصد اِس انگریزی ترجمے سے بڑی حد تک پُورا ہوگا اور دُوسری مغربی زبانوں میں بھی اِس نظم کے منتقل ہونے کا ذریعہ بن جائے گا۔

ابُوالاعلیٰ



رسالہ ترجمان القرآن ماہوار

دارالاسلام جمال پور پٹھانکوٹ

مورخہ ۲۶ فروری ۴۵ء

جناب محمد اشرف ڈار صاحب تمام ہی خواہانِ اہل سنت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے علامہ اقبال
رحمۃ اللہ کی اس نظم کو انگریزی میں منتقل کیا اور اس پر ضروری حواشی لکھ کر اس کی اشاعت کو اور زیادہ قابل فہم
بنا دیا ۔ فی الحقیقت یہ ایک ادبی خدمت ہی نہیں ہے بلکہ انہوں نے یہ کام کر کے اہل سنت کی ایک قابل قدر خدمت انجام
دی ہے ۔ اقبال کی یہ نظم جس طرح مسلمانوں کو ایک انوکھے انداز میں ان کی غفلتوں اور گمراہیوں پر متنبہ

کرتی ہے۔ اسی طرح تمام انسانوں کو بھی یہ بتاتی ہے کہ جن شیطانوں کو وہ اپنا بہی خواہ سمجھ رہے ہیں ان میں سے ہر ایک کی تہ میں انسانیت کی بربادی کا سامان چھپا ہوا ہے۔ اور اصلی فلاح کسی اور چیز میں ہے جس سے ابلیس ان کو روک رہا ہے اور ہر ممکن طریقے سے کوشش کر رہا ہے کہ نوعِ انسانی کہیں اس آبِ حیات کا پتہ نہ پا سکے۔ اس لحاظ سے اس نظم کا مسلمانوں تک پہنچنا جس قدر ضروری ہے اسی قدر دوسرے انسانوں تک پہنچنا بھی ضروری ہے اور خصوصیت کے ساتھ ان مغربی اقوام تک اس کا پہنچنا تو اور بھی زیادہ ضروری ہے جو آج کل ابلیس کی سنت کی علمبردار بنی ہوئی ہیں۔ امید ہے کہ یہ مقصد اس انگریزی ترجمے سے بڑی حد تک پورا ہو گا۔ اور دوسری مغربی زبانوں میں بھی اس نظم کے منتقل ہونے کا ذریعہ بن جائے گا۔

ابوالاعلیٰ

حیدر آباد. دکن کے قائدین کے نام

۶۲

تقسیم ہند کے بعد ریاست حیدر آباد دکن میں مسلمانوں کے حالات خاصی نازک اور تشویش ناک شکل اختیار کرتے چلے گئے ۔ مولانا مودودی اس سلسلے میں بہت فکر مند تھے ۔ انھوں نے مندرجہ ذیل خط جماعتِ اسلامی حیدر آباد ، دکن کے امیر محمد یونس صاحب کے توسّط سے "مجلسِ اتحادُ المسلمین" (جو درحقیقت ریاست میں مسلم لیگ کی قائم مقام تھی) کے ذمہ داران کے نام تحریر کیا تھا ۔ اس سلسلے میں ممتاز صحافی عبدالکریم عابد (پ : ۲۹ نومبر ۱۹۲۹ء ، دکن) کا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا ۔ وہ لکھتے ہیں :

"مولانا مودودی کا خط آیا ، یہ جماعتِ اسلامی حیدر آباد ، دکن کے امیر یونس صاحب کے نام تھا ، اور ان سے کہا گیا تھا کہ آپ قاسم [رضوی] صاحب کے پاس جائیں ، اور یہ خط انھیں پہنچائیں ۔ یونس صاحب مجھے ساتھ لے کر رضوی صاحب کے پاس پہنچے ۔ وہ مجھے اس لیے ساتھ لے گئے کہ مرحوم رضوی میرے والد کے دوست تھے ۔ ہم ادارہ دارالسلام میں پہنچے ، جو قاسم رضوی کا ہیڈ کوارٹر تھا ۔ وہ رضا کاروں کی ایک تنظیم کے سربراہ بھی تھے ۔ یونس صاحب نے کہا : "میں آپ کے لیے مولانا مودودی صاحب کا خط لایا ہوں" ۔ یہ کہتے ہوئے انھوں نے خط آگے بڑھایا ۔ قاسم رضوی صاحب نے انگلیوں میں پکڑتے ہی خط زمین پر پھینک دیا اور کہا : "میں جماعتِ اسلامی پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اس نے اگر یہاں کی سیاست میں دخل دینے کی کوشش کی تو اسے CRUSH کر دوں گا" ۔ ہم وہ خط لے کر واپس چلے آئے ، جو رضوی صاحب نے پڑھنے سے انکار کر دیا تھا" ۔ (عبدالکریم عابد کی کہانی ، خود انھی کی زبانی ۔ ص ۱۱۔۱۲)

قاسم رضوی کے بارے میں ماہر القادری لکھتے ہیں : قاسم رضوی مجلس کے صدر تھے ۔ انھوں نے پُر جوش اور مقناطیسی شخصیت کی بدولت مجلس کے تحت رضا کاروں کا ایک جیش تیار کیا تھا ۔ وہ شعلہ بیان مقرر تھے اور اپنی تقریروں میں بھارتی لیڈروں کو دھمکیاں دینے کے ساتھ ساتھ دلّی کے لال قلعے پر جھنڈا گاڑنے کی باتیں بھی کرتے تھے ۔ ان کی یہ پالیسی اس وقت کے سیاسی حالات اور ریاست میں مسلمانوں کی حیثیت کے پیشِ نظر دانش و بصیرت سے خالی تھی" (یادِ رفتگاں ، دوم ص ۱۸۴) ۔ اس موقع پر مولانا مودودی نے یہ مفصل خط تحریر کیا ، اس میں حیدر آبادی مسلمانوں کو دشوار حالات سے عہدہ برآ

ہونے کا مشورہ دیا گیا ہے ۔

"یادوں کے خطوط" میں اس کا مکتوب الیہ محمد یونس صاحب کو قرار دیا گیا ہے (ص ۶۹) اسعد گیلانی صاحب نے اسے بنام "صدر اتحادُالمسلمین" خیال کرتے ہوئے شائع کیا ہے ۔ بہ ظاہر اس کا مخاطب کوئی ایک فرد نہیں ، دکن کے تمام مسلمان خصوصاً اتحادالمسلمین کے ذمہ داران اور وابستگان ہیں : دیکھیے : ضمیمہ

[لاہور]

۲۵ دسمبر ۴۷ء

حیدرآباد کے قائدین کے لیے ایک ہمدردانہ مشورہ

مکرمی و محترمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

حیدرآباد کے مسلمانوں سے دینی اخوت کی بنا پر میرا جو تعلق ہے ۔ اگرچہ اس کا بھی یہ تقاضا ہے کہ میں اس نازک موقع پر ان کو ایک خیرخواہانہ مشورہ دوں لیکن اس کے علاوہ حیدرآباد سے اس بنا پر میرا ایک ذاتی تعلق بھی ہے کہ اورنگ آباد میرا پیدائشی وطن ہے اور میری زندگی کا نصف سے زائد حصہ حیدرآباد ہی میں بسر ہوا ہے، اس دوہرے قلبی تعلق کی وجہ سے میں اس تمام تشویش اور فکرمندی میں بُعدِ مقام کے باوجود، حیدرآباد کے مسلمانوں کے ساتھ برابر کا شریک ہوں جس میں وہ موجودہ سیاسی صورتِ حال کی وجہ سے اپنے آپ کو مبتلا پا رہے ہیں۔ یہی چیز مجھ کو مجبور کرتی ہے کہ میں بلا طلب اپنا مشورہ اُن حضرات کی خدمت میں پیش کردوں جو اس وقت مسلمانانِ حیدرآباد کی رہنمائی کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں ۔ مجھے امید ہے کہ میری ان گزارشات پر وہ ٹھنڈے دل سے غور کریں گے اور سرسری طور پر انھیں نظرانداز نہ کر دیں گے تاہم اگر وہ ایسا کریں تو میں اپنی اخلاقی ذمہ داری سے بری الذمہ ہو جاؤں گا اور میرا ضمیر مطمئن رہے گا کہ اپنے بھائیوں کا جو حق مجھ پر عائد ہوتا تھا اُسے ادا کرنے کی میں نے کوشش کر دی۔

ہندوستان کے مسلمانوں نے ابھی ابھی اپنا جو انجام دیکھا ہے اور دیکھ رہے ہیں، وہ دراصل خمیازہ ہے اُن کوتاہیوں کا جو پچھلی صدیوں میں ہمارے حکمران، ہمارے اُمراء، ہمارے مذہبی پیشواؤں کا ایک بڑا گروہ اور باستثنا چند ہمارے عام اہلِ ملّت اپنے اس فرض کی ادائگی میں برتتے رہے ہیں جو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتا تھا کہ اگر وہ اسلام کی صحیح نمایندگی کرتے، اگر وہ اپنے اخلاق اور معاملات اور اپنی سیرتوں میں اسلام کا صحیح نمونہ پیش کرتے اور اگر اپنی سیاست اور حکمرانی میں عدل وانصاف پر قائم رہتے اور اپنی طاقتوں کو اسلام کی سچائی پھیلانے میں صرف کرتے تو آج دہلی اور مغربی یوپی اور مشرقی پنجاب سے مسلمان اس طرح بیک بینی و دوگوش نہ نکال دیئے جاتے جیسے اِس وقت نکالے گئے ہیں اور یوپی۔ بہار اور وسطِ ہند میں ان کے سر پر اس طرح تباہی منڈلا رہی نہ ہوتی جیسی آج منڈلا رہی ہے۔ یہ وہ علاقے ہیں جہاں سات آٹھ سو سال تک مسلمانوں کا اِقتدار رہا ہے جہاں مسلمانوں کی بڑی بڑی عظیم الشّان جاگیریں حیدرآباد کی پائے گاہوں سے کئی گُنی زیادہ بڑی جاگیریں قائم رہی ہیں اور جہاں مسلمانوں کی تہذیب اور ان کے علوم و فنون کے عظیم الشّان مرکز موجود رہے ہیں لیکن عیش دُنیا میں انہماک، فوجی طاقت اور سیاسی اقتدار پر انحصار، اسلام کی دعوت پھیلانے سے تغافل اور انفرادی سیرتوں اور اجتماعی طرزِ عمل میں اسلام کے اخلاقی اصولوں سے انحراف کا یہ نتیجہ ہُوا کہ ان علاقوں کی عام آبادی غیر مُسلم رہی، مسلمان ان کے درمیان آٹے میں نمک کے برابر رہے اور دِلوں کو مسخّر کرنے کی بجائے معاشی اور سیاسی دباؤ سے گردنیں اپنے سامنے جھکوانے پر اکتفا کرتے رہے، پھر جب سیاسی اقتدار اِن سے چھِنا اور ایک غیر ملکی قوم ان پر مسلّط ہوئی تب بھی انھوں نے اور ان کے رہنماؤں نے اُن اسباب کو سمجھنے کی کوشش نہ کی جن کی بنا پر وہ حاکم سے

محکوم بن کر رہ گئے تھے۔ بلکہ انھوں نے غیر ملکی حکمرانوں کے بل پر جینے کی کوشش کی اور اپنے سیاسی مطالبے اور دعوے کو ہمسایہ اکثریت کے مقابلہ میں اُس تیسری طاقت سے، جس کے اقتدار کو بہرحال عارضی ہی ہونا تھا، منواتے رہے۔ اسی تمام مُدّت میں زندگی کی جو مہلت مسلمانوں کو مِلی تھی، اس میں اپنی اخلاقی اصلاح کرنے اور اپنے بزرگوں کی غلطیوں کی تلافی کرنے کے بجائے مسلمان محض معاشی اور سیاسی فائدوں کے لیے غیر مسلم اکثریت کے ساتھ کشمکش کرکے بظاہر یہ سمجھتے رہے کہ وہ اپنے جینے کا سامان کررہے ہیں، لیکن دراصل اپنی قبر کھود رہے تھے اور آخرکار آج ہماری بدقسمت آنکھوں نے دیکھ لیا کہ بہت سے تو اس قبر میں دفن ہوگئے اور بہت سے زندہ درگور ہیں۔

یہ جو کچھ ہندستان کے مسلمانوں کو پیش آیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ حیدرآباد کے مسلمان اس سے سبق لیں اور جو تھوڑی سی مہلت ان کو سنبھلنے کے لیے مِلی ہے، اس سے فائدہ اٹھائیں۔ حیدرآباد کے مسلمانوں کی پوزیشن ہندستان کے مسلمانوں سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے۔ یہاں بھی صدیوں کی حکومت کے باوجود باشندوں کی عظیم اکثریت غیر مسلم ہے اور مسلمان پندرہ فی صد سے زیادہ نہیں ہیں، یہاں بھی مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان سیاسی اور معاشی کشمکش سے وہی قومی منافرت پیدا ہوچکی ہے جو ہندستان میں پیدا ہوچکی تھی اور اُسی انتہائی تلخی کی حد تک پہنچتی جارہی ہے جو دہلی اور پنجاب میں پائی جاتی ہے۔ فرق اگر ہے تو صرف یہ ہے کہ یہاں مسلمان ریاست قائم ہے اور ریاست کے نظم و نسق پر مسلمان چھائے ہوئے ہیں لیکن یہ فرق جواب تک حیدرآباد کے مسلمانوں کے بچے رہنے کا موجب بنا ہوا ہے کچھ ایسا زیادہ پائیدار اور مستحکم فرق نہیں کہ حیدرآباد کے مسلمان اس کے بھروسے پر زیادہ مُدّت تک جی سکتے ہوں۔ انڈین یونین کی ہندو اکثریت جو سابق انگریزی طاقت کی وارث

ہوتی ہے۔ حیدر آباد کے چاروں طرف محیط ہے، حیدر آباد اس کے محاصرہ میں اس طرح گھرا ہوا ہے کہ کسی طرف سے وہ مدد نہیں پا سکتا۔ ریاست کی ۸۵ فی صد آبادی غیر مسلم ہے اور وہ مسلمان ریاست کے اقتدار کو ختم کرنا چاہتی ہے۔ موجودہ جمہوریت کے دور میں ۱۵ فیصد مسلمانوں کا یہ دعوے کہ حکمرانی اُن کے ہاتھ میں رہے یا وہ کم از کم آدھے اقتدار کے شریک ہوں، کسی طرح نہیں چل سکتا۔ یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ غیر مسلموں کے کسی معتدبہ عنصر کو مسلمان اپنے ساتھ ملا کر اکثریت حاصل کر سکیں گے یا کم از کم پچاس فیصد رائے حاصل کر سکیں گے۔ اس صورتِ حال میں اگر مسلمان اپنے اقتدار کو اور ان تمام امتیازی حقوق اور اختیارات اور فوائد اور منافع کو برقرار رکھنا چاہیں، جو انہیں اب تک حاصل رہے ہیں تو اس کے لیے انہیں لڑنا پڑے گا۔ لڑائی محض ریاست کی غیر مسلم اکثریت سے نہیں ہوگی بلکہ آخر کار انڈین یونین کی فوجی طاقت سے ہوگی جس کی پُشت پر پُورے ہندوستان کی ہندو قوم کی متفقہ طاقت بھی ہوگی۔ مجھے اُمید نہیں کہ اس لڑائی میں ریاست کی طاقت حیدر آبادی مسلمانوں کا ساتھ دے گی۔ رئیس کی فطرت یہ ہوتی ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے مفاد اور اپنے خانوادے کے مفاد کو دیکھتا ہے، اگر وہ محسوس کرے گا کہ مسلمانوں کا ساتھ دینے سے اس کو بھی نواب جُونا گڑھ کا سا انجام دیکھنا پڑے گا تو بعید نہیں کہ وہ انڈین یونین کے ساتھ اپنا معاملہ طے کر لے اور اپنی قوم کو اُس کی قسمت پر چھوڑ دے۔ حیدر آباد کی فوج، پولیس عدالتوں اور ایڈمنسٹریشن پر بھی آپ بھروسہ نہیں کر سکتے کہ وہ اس لڑائی میں کچھ بہت زیادہ آپ کے کام آسکیں گے، اِس لیے کہ ان میں سے کوئی بھی خالص مسلمان عناصر پر مشتمل نہیں ہے بلکہ سب میں اچھا خاصا غیر مسلم عنصر موجود ہے لہٰذا اگر خدا نخواستہ لڑائی پیش آگئی تو شاید حیدر آباد کے مسلمانوں کا انجام اُس سے بھی زیادہ دردناک ہوگا جو مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کا ہوا ہے۔ کیونکہ وہاں کم از کم اتنا فائدہ تو تھا کہ پاکستان کی سرحدیں قریب

تھیں اور پاکستان کی فوج ان کو نکال کر لانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ لیکن اگر خدانخواستہ۔ حیدرآباد کے مسلمانوں پر اگر ایک طرف خود گھر کی اکثریت دُوسری طرف گرد و نواح کے علاقوں کے مسلح ہندو جتھے اور تیسری طرف انڈین یونین کی فوجیں ٹوٹ پڑیں اور خود ریاست کے نظم و نسق نے ان کا ساتھ نہ دیا تو ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہ ہوگی، نہ کہیں سے وہ مدد پا سکیں گے اور نہ وہ کہیں جا سکیں گے۔ اسی بنا پر میرا یہ مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ لوگ اس فرق کو جو سرِدست آپ کی حالت اور ہندستان کے مسلمانوں کی حالت میں پایا جاتا ہے کوئی بہت بڑا پائدار اور قابلِ اعتماد فرق نہ سمجھیں اور ان چند مہینوں کی مہلت کو جو خوش قسمتی سے آپ کو مل گئی ہے ضائع کرنے کے بجائے ایسا لائحۂ عمل بنانے میں صرف کریں جس سے مسلمانانِ حیدرآباد کی نہ صرف یہ کہ جان و مال و آبرو بچ جائے بلکہ اُن کو ایک بہتر اور زیادہ شاندار مستقبل تک پہنچنے کا راستہ مل جائے جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، اصل چیز جو مسلمانوں کے لیے ذریعۂ تحفظ ہی نہیں بلکہ ذریعۂ ترقی اور وسیلۂ سربلندی ہو سکتی ہے وہ تو یہی ہے کہ وہ اسلام پر قائم ہوں، اس کے صحیح نمایندے بنیں، اس کی دعوت اپنے قول اور عمل سے دُنیا کے سامنے پیش کریں اور بحیثیت ایک قوم کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بن کر کھڑے ہوں۔ یہی چیز ان کے لیے زندگی اور عزت کی زندگی کی ضامن ہو سکتی ہے لیکن ان خطوط پر اپنی قوم کو تیار کرنے کے لیے بہرحال ہمیں کچھ وقت درکار ہے اور یہاں حال یہ ہے کہ طوفان سر پر آ چکا ہے اس لیے یہ ناگزیر ہے کہ ہم کوئی ایسی تدبیر سوچیں جس سے یہ طوفان ٹل سکے اور ہمیں اتنا وقت مل جائے کہ ہم مسلمانوں کی عام اخلاقی اصلاح کر سکیں اور دعوتِ اسلامی کے کام کو منظم طریقے سے آگے چلا سکیں۔ میں اس مسئلے پر بہت غور کرتا رہا ہوں کہ ایسی تدبیر کیا ہو سکتی ہے اور آخر کار جن نتائج پر پہنچا ہوں اُن کو ذیل میں نمبر وار بیان کرتا ہوں :

(۱) ہندوستان اور حیدرآباد کی سیاسی صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے یہ کسی طرح ممکن نظر نہیں آتا کہ آپ انڈین یونین میں حیدرآباد کے داخلے کو اور حیدرآباد میں ذمہ دار حکومت کے قیام کو روک سکیں گے۔ یہ چیز بہر حال ہو کر رہے گی۔ آپ کے روکے نہ رُک سکے گی، اور روکنے کی کوشش کا حاصل اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ ریاست اور مسلمان دونوں تباہ ہو جائیں یا صرف مسلمان تباہ ہوں اور ریاست مسلمانوں کی بھینٹ چڑھا کر اپنے آپ کو بچالے۔ اس صورتِ حال میں عقلمندی یہ ہے کہ مزاحمت کرنے کے بجائے آپ انھیں بنیادوں پر مفاہمت کرنے کی کوشش کریں جن سے انڈین یونین کی شراکت اور ذمہ دار حکومت کا قیام نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے لیے کم سے کم مُضر ہو سکے بلکہ اس کے برعکس مسلمانوں کو ایسے مواقع حاصل ہو جائیں جن سے مذکورہ بالا مقصد کے لیے اپنی ملّی تعمیر زیادہ اچھی طرح کر سکیں۔

(۲) مزاحمت اور کشمکش کرنے کے بجائے اگر اس وقت حیدرآباد کی مسلمانوں کی قومی تنظیم یعنی انجمن اتحاد المسلمین یہ بات پیش کرے کہ وہ چند شرائط کے ساتھ انڈین یونین کے داخلہ اور مکمل ذمہ دار حکومت کے قیام پر بخوشی راضی ہے تو مجھے اُمید ہے کہ اس مرحلے پر اسٹیٹ کانگرس اور انڈین یونین دونوں ہماری شرائط پر راضی ہو سکیں گی۔

(۳) میرے نزدیک جو شرائط اِس غرض کے لیے مفید ہو سکتی ہیں اور جن پر انڈین یونین اور اسٹیٹ کانگرس کو بآسانی راضی کیا جا سکتا ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

(ا) ریاست کے آیندہ دستور میں مسلمانوں کو یہ حق دیا جائے کہ ان کے تہذیبی اور مذہبی معاملات کے لیے ان کا اپنا الگ ایک organisation ہو جسے مسلمانوں پر زکوٰۃ عائد کرنے اور اس کو وصول اور خرچ کرنے کے

لیے اور مذہبی اوقاف کا اِنتظام کرنے اور ان کی آمدنی کو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے کاموں پر صرف کرنے کے لیے نیز مسلمانوں کا پرسنل لا ان کے معاملات نکاح و طلاق و وراثت وغیرہ پر جاری کرانے کے لیے ضروری قانونی اور عدالتی اختیارات حاصل ہوں۔ (ایسے ہی اختیارات اگر دوسرے غیر مسلم گروہ بھی حاصل کرنا چاہیں تو مسلمانوں کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔)

(ب) مسلمانوں کے اس حق کو بھی دستور میں محفوظ کر دیا جائے کہ وہ اپنے خرچ پر اپنی الگ مذہبی درس گاہیں قائم کر سکیں اور اسی طرح سرکاری تعلیم گاہوں میں مسلمان بچوں کے لیے اپنے خرچ پر لازمی مذہبی تعلیم کا اِنتظام کر سکیں (یعنی مسلمان بچوں کے لیے سرکاری درسگاہوں میں مذہبی تعلیم Compulsory ہوگی اور اس کا خرچ مسلمانوں کا مندرجہ بالا organisation برداشت کرے گا۔)

(ج) ریاست کے لیے جو اسمبلی یا پارلیمنٹ بنے اس میں طریق اِنتخاب تو ضرور ہو لیکن لازماً کوئی ایسا طریق اِنتخاب اختیار کیا جائے جس سے آبادی کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا گروہ بھی نمایندگی سے محروم نہ رہ سکے۔ مثلاً متناسب نمائندگی (proportional representation) کا وہ طریقہ جس میں ملک کو یک نشستی حلقہ ہائے اِنتخاب میں تقسیم نہیں کیا جاتا بلکہ پورا ملک ایک حلقۂ اِنتخاب ہوتا ہے اور رائیں منفرد لوگوں کے حق میں نہیں بلکہ پارٹیوں کے حق میں ڈالی جاتی ہیں۔

(د) دستور کی ترمیم پر ایسی پابندی عائد کی جائے جس کی وجہ سے مسلمانوں کے وہ حقوق جو انھیں پہلے دستور میں دیے گئے ہوں، بعد کی کسی ترمیم میں بآسانی سلب نہ کیے جا سکیں مثلاً دستور کی ترمیم کے لیے اِستصوابِ رائے عام Referendum ضروری قرار دیا جائے اور کم از کم ۸۰ فیصد

یا ۸۵ فیصد ووٹوں کے بغیر کوئی ترمیم پاس نہ ہو سکے۔

(ھ) اس بات کی ضمانت دی جائے کہ سرکاری محکموں میں اور ان کے کسی شعبے میں بھی مسلمانوں کا تناسب ان کی آبادی کے تناسب سے بہرحال گھٹنے نہ پائے گا اور کسی شعبے میں ان کے خلاف کوئی امتیازی پابندی عائد نہ کی جائے۔ از روئے دستور تبدیل مذہب پر کوئی پابندی عائد نہ ہو سکے گی۔ ان شرائط کے ساتھ مسلمانوں کو یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ ریاست میں مکمل ذمہ دارانہ حکومت قائم ہو اور نظام صرف ایک دستوری فرمانروا کی حیثیت سے رہیں۔ نظام کے لیے دستوری فرمانروا سے بڑھ کر کسی پوزیشن کا مطالبہ کرنے پر مسلمانوں کو اصرار نہ کرنا چاہیے۔ ورنہ وہ سمجھ لیں کہ یہ چیز ایک خاندان کے مفاد پر ایک پوری قوم کے مفاد کو قربان کرنے کے ہم معنی ہو گی۔ جس کا خمیازہ آگے چل کر مسلمانوں کو بہت برا دیکھنا ہو گا۔

(۴) مذکورہ بالا شرائط کے مطابق مسلمانوں کو اپنا جو قومی organisation قائم کرنے کا حق حاصل ہو، اس سے انھیں پورا فائدہ اٹھانا چاہیے زکوٰۃ اور اوقاف کی آمدنی اتنی کافی ہو گی کہ اس سے ایک عظیم الشان بیت المال قائم ہو سکے گا۔ مسلمانوں کی تعلیم، اخلاقی اصلاح، معاشی خوشحالی اور صنعتی ترقی کے لیے بہت سے کام کیے جا سکیں گے، ان کو سودی قرض سے نجات دلائی جا سکے گی اور ایسے ادارے قائم کیے جا سکیں گے جو دعوتِ دین کے لیے مسلمان نوجوانوں کو تیار کریں۔ ملکی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر شائع کریں اور اسلامی لٹریچر کی وسیع پیمانے پر اشاعت کریں۔ ان ذرائع سے یہ ممکن ہو گا کہ بتدریج مسلمانوں کی طاقت حیدر آباد میں بڑھا سکیں اور ہم اپنی سوسائٹی کو زیادہ سے زیادہ صالح بنا کر غیر مسلم عناصر کو اپنے اندر جذب کر سکیں۔

(۵) ان تحفظات کے ساتھ جو ذمہ دار حکومت قائم ہو اس میں مسلمان اپنا اثر اس طرح بڑھا سکتے ہیں کہ ان کی سیاسی پارٹی یعنی انجمن اتحاد المسلمین کوئی

ایسا پروگرام پیش کرے جسے لے کر صرف مسلمانوں ہی کے سامنے نہ جائے بلکہ غیر مسلم ووٹروں کے سامنے بھی جا سکے اور ان کی زیادہ سے زیادہ رائیں حاصل کر سکے۔ مثال کے طور پر اس کے پروگرام میں depressed classes کے لیے کوئی ایسی کوشش ہونی چاہیے کہ ان کے ووٹ انہی کی ذات کے ہندوؤں کی کوئی سیاسی پارٹی نہ حاصل کر سکے بلکہ وہ ان کے ووٹ مسلم پارٹی کو حاصل ہوں۔ آج اگر آپ سیاسی جوڑ توڑ کر کے پست اقوام کو ہندوؤں سے توڑنے کی کوشش کریں گے تو آپ کو کچھ فائدہ نہ حاصل کر سکیں گے اور یہ چیز ہندوؤں میں آپ کے خلاف اور زیادہ ضد پیدا کر دے گی۔ لیکن کل نئے دستور کے مطابق اگر انتخابات میں آپ ایسا پروگرام لائے جو پست اقوام کی اکثریت کو آپ کے ساتھ ہم آواز بنا دے تو آپ اسمبلی میں اکثریت حاصل کر سکیں گے اور رہنمائی آپ کے ہاتھ میں ہوگی۔ بہرحال اس نقشے پر کامیابی حاصل کرنے کے لیے ناگزیر ہے کہ مسلمان نئے حالات کے مطابق اپنے اندر سے ایک بہتر اور زیادہ بیدار مغز سیاسی لیڈر شپ پیدا کریں جو تنگ نظری کے ساتھ مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے مفادات کی حفاظت پر مُصر نہ ہو بلکہ بڑے پیمانہ پر عدل و انصاف کے قیام سے اور عامۃ الناس کی حقیقی ترقی اور فلاح کے کاموں سے مسلمانوں کے اصلی مفاد کی خدمت کر سکے۔[2]

خاکسار

ابوالاعلیٰ

بقلم محمد یونس[3]

۱۔ ریاست حیدر آباد، دکن کا حکمران مراد ہے جو نظام کہلاتا ہے

۲ ۔ افسوس ہے کہ سید قاسم رضوی پر جوش اس قدر غالب تھا کہ انھوں نے ان گزارشات پر کوئی توجہ نہ دی ، جس کے نتیجے میں بھارتی فوج ریاست میں داخل ہوگئی اور ۱۳ ستمبر ۱۹۴۸ء کو سقوطِ حیدر آباد ہوا ۔ مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑی ، اور لاکھوں مسلمان گاجر مولی کی طرح کاٹ دیے گئے ۔ ریاست ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی ، اور ان ٹکڑوں کو مختلف ہندو صوبوں میں ضم کر دیا گیا(دیکھیے :اشارات از مولانا مودودی ، "ترجمان القرآن" ستمبر ۱۹۴۸ء)

۳ ۔ محمد یونس جماعت کے ابتدائی ارکان میں سے تھے ۔ مولانا مودودی دکن میں تھے ، تو محمد یونس صاحب اور مولانا کے درمیان گہرے مراسم قائم تھے ۔ وہ طویل عرصے تک حیدر آباد ، بھارت جماعت کے امیر رہے ۔ ۱۸ / اپریل ۸۴ء کو انتقال ہوا ۔ ان کا مرتبہ مجموعہ "یادوں کے خطوط" ۱۹۸۳ء میں حیدر آباد ، بھارت سے شائع ہوا ۔

مولانا شبیر احمد عثمانی

مولانا شبیر احمد عثمانی (۱۸۸۵ء، بجنور، یوپی ــــ ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء، کراچی) دارالعلوم دیوبند سے حدیث، فقہ، فلسفہ، منطق اور ادب کی تعلیم حاصل کی ۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن مرحوم کے خاص تلامذہ میں سے تھے ۔ کچھ عرصہ دہلی کی مسجد فتح پوری میں درس دیا ۔ پھر دیوبند میں استاذ مقرر ہوئے ۔ دیوبند کانگریس کا گڑھ تھا، لیکن مولانا شبیر احمد مسلم لیگ کے حامی تھے ۔ آپ نے تحریکِ پاکستان میں سرگرم حصہ لیا ۔ صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں رائے عامہ کو پاکستان کے حق میں ہموار کرنے میں آپ نے اہم کردار ادا کیا ۔ قیامِ پاکستان کے بعد آپ مجلسِ دستور ساز کے رکن منتخب ہوئے، اور مستقل طور پر کراچی میں سکونت اختیار فرمائی ۔ شیخ الہند کے ترجمۂ قرآن کے حواشی اور "شرح صحیح مسلم" (تین حصے) آپ کی علمی یادگار ہیں ۔

۶۳

ترجمان القرآن، جون ۱۹۴۸ء میں "جنگِ کشمیر" سے متعلق ایک سوال کے جواب میں مولانا مودودی نے اپنے موقف کی وضاحت کی تھی ۔ سائل نے اعتراض کیا تھا کہ کشمیر میں جو جنگ (۱۹۴۸ء) ہو رہی ہے، اور مولانا کی فقہی رائے کے نتیجے میں جہاد کشمیر کو نقصان پہنچ سکتا ہے ۔ مولانا نے اس کا تفصیلی جواب دیا اور قرآن مجید کی بعض آیات سے استدلال کرتے ہوئے لکھا کہ جب تک حکومت پاکستان اور بھارت کے درمیان معاہدانہ تعلقات قائم ہیں، لازم ہے کہ دونوں قومیں ایک دوسرے کے خلاف جنگی کارروائی نہ کریں ۔ کسی نزاع کی صورت میں جنگ درپیش ہو تو دوستانہ تعلقات ختم کر کے باقاعدہ اعلانِ جنگ کیا جائے ۔ چونکہ اپریل ۱۹۴۸ء کے "میثاقِ کلکتہ" کی رو سے بھارت اور پاکستان کے درمیان معاہدانہ تعلقات قائم ہیں، اس لیے نیم دلانہ جنگی کارروائی کرنے کے بجائے، حکومت پر زور دیا جائے کہ "وہ بھارت سے معاہدانہ تعلقات ختم کر کے کشمیر کے معاملے میں کھلم کھلا فوجی کارروائی کرے"۔

یہ جواب پڑھ کر مولانا شبیر احمد عثمانی کا بھی خیال تھا کہ غالباً اس نقطۂ نظر سے مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے ۔ چنانچہ انھوں نے مولانا مودودی کو فی الفور ایک تفصیلی خط لکھا اور ان تک یہ خط پہنچانے کے لیے مولانا ظفر احمد انصاری صاحب کو بطورِ خاص، ماہ رمضان میں کراچی سے لاہور بھیجا ۔ خط کے ابتدائی حصے میں مولانا شبیر احمد صاحب نے لکھا:ــــ "آپ کے مضمون کا نصف اول جوشِ حق پرستی

وحق گوئی کے جذبۂ اتباعِ کتاب و سنت کے اظہار پر مشتمل ہے ۔ بلاشبہ یہ انتہائی قابل قدر جذبہ ہے"۔ اس کے بعد انھوں نے اپنا استدلال پیش کرتے ہوئے ، مولانا مودودی کو قائل کرنے کی کوشش کی کہ بھارت کی طرف سے علانیہ اور صریح نقضِ عہد ہو رہا ہے ۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے کسی عہد یا معاہدے کی پابندی ضروری نہیں اور وہ بھارت کے خلاف کارروائی کرنے میں آزاد ہیں ۔ (ہفت روزہ "نشانِ راہ" کراچی ۲۴، ستمبر ۱۹۴۸ء)

اس کے جواب میں مولانا مودودی نے حسب ذیل خط روانہ کیا:

[لاہور]
۱۳ جولائی ۱۹۴۸ء

مخدوم و محترم جناب مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عنایت نامہ مورخہ ۷ رجولائی ۱۹۴۸ء ظفر احمد انصاری صاحب کے ذریعہ سے ملا۔ میں نے کشمیر کے معاملہ میں جس رائے کا اظہار کیا ہے، مجھے اس پر کوئی خوشی نہیں ہے، بلکہ میری دلی خواہش ہے کہ کسی طرح میری وہ رائے غلط ثابت ہو جائے اور میں مسلمانانِ پاکستان سے یہ کہہ سکوں کہ تمہارے لیے اپنے کشمیری بھائیوں کی جنگی امداد کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی اُمید کے ساتھ میں نے جناب کے گرامی نامہ کو بھی پڑھا اور دو دن مسلسل اس پر غور کرتا رہا۔ کہ شاید اس میں کوئی دلیل ایسی مل جائے جس کی بنا پر میں اپنی رائے سے رجوع کر سکوں۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ جناب کے ارشادات سے بھی میرا اطمینان نہ ہو سکا۔ اَب میں واضح طور پر پُوری صورتِ مسئلہ جیسی کہ میں سمجھ رہا ہُوں جناب کے ملاحظہ کے لیے نمبروار پیش کرتا ہُوں اور استدعا کرتا ہُوں کہ براہِ کرم اس پر روشنی ڈال کر مجھے یا تو بتائیں کہ مسئلہ کی اصل صورت یہ نہیں ہے یا پھر یہی ارشاد فرمائیں کہ اس صُورت میں فلاں دلیل سے جنگی امداد شرعًا جائز ہے:

۱۔ یہ امر واقعہ ہے کہ پاکستان کی موجودہ حکومت مسلمانانِ پاکستان کے اپنے

منتخب کیے ہوئے نمایندوں پر مشتمل ہے اور خصوصاً اس حکومت کے گورنر جنرل کو کم از کم ۹۹ فیصدی مسلمانوں کا اعتماد حاصل ہے۔ لہٰذا کسی بیرونی قوم کے ساتھ جو معاہدات یہ حکومت طے کرے وہ دراصل ہماری قوم کی طرف سے وکالتاً طے ہوں گے اور ہم سب شرعاً و اخلاقاً خدا اور خلق کے سامنے انھیں وفا کرنے کے ذمہ دار ہوں گے۔ جب تک ان لوگوں کو قوم کی نمایندگی کا منصب حاصل ہے ہمارے افراد کو انفرادی طور پر ان کے کیے ہوئے معاہدات کی ذمہ داری سے بری ہو جانے کا حق نہیں ہے۔

۲۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ پاکستان اور ہندستان کی الگ مملکتوں کا قیام ایک ایسے سمجھوتے سے عمل میں آیا جو برطانوی حکومت کے توسط سے دونوں طرف کے نمایندوں نے قبول کر لیا تھا۔ اس کے بعد دونوں مملکتوں کے درمیان روزِ اوّل سے سفارتی تعلقات قائم ہیں اور لین دین، تجارت اور دوسرے امور کے متعلق تمام معاملات باہمی گفت و شنید سے طے ہوتے رہے ہیں۔ انھی تعلقات کو میں معاہدانہ تعلقات سے تعبیر کرتا ہوں۔ اور دو حکومتوں کے درمیان معاہدانہ تعلقات میں یہ بات آپ سے آپ شامل ہے کہ ان کے درمیان جنگ نہیں ہے خواہ عدمِ محاربہ کا صریح معاہدہ باہم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ پھر یہ بات اب سے تین ہی مہینے پہلے اپریل ۱۹۴۸ء کے میثاقِ کلکتہ[۳] میں صاف صاف واضح بھی کر دی گئی ہے۔ چنانچہ اس کی دفعہ ۱ ضمن ۳ میں دونوں حکومتوں کے درمیان طے ہوا ہے کہ وہ اپنے اپنے "ملک کے اخبار نویسوں کو ایسی باتیں شائع کرنے سے روک دیں گی جن سے یہ بات نکلتی ہو کہ ایک مملکت دوسری مملکت کے خلاف اعلانِ جنگ کرے۔ یا دونوں کے درمیان جنگ ناگزیر ہو چکی ہے"۔ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ دونوں کے درمیان کم از کم مسالمت اور عدمِ محاربہ کا میثاق ضرور ہے؟

۳۔ جوناگڑھ میں سمجھوتہ کی جو خلاف ورزی کی گئی ہے اور دوسری بدعہدیاں جن کا ارتکاب حکومتِ ہند نے کیا ہے، ان کو پاکستان کی حکومت نے خود کبھی اس درجہ کی بدعہدی قرار نہیں دیا کہ اس کے بعد معاہدانہ تعلقات ختم ہو جاتے۔ ان تمام بدعہدیوں کے باوجود دونوں میں سفارتی تعلقات بھی رہے ہیں۔ لین دین اور خرید و فروخت کے معاملات بھی طے ہوتے رہے ہیں اور اپریل ۱۹۴۸ء میں میثاق کلکتہ پر ان واقعات کے بعد دستخط بھی ثبت کیے گئے۔ پھر ان معاہدانہ تعلقات کو برقرار رکھتے ہوئے تجارتی سمجھوتوں کے ذریعہ کوئلہ، شکر، کپڑا اور دوسری چیزیں جو ہندوستان سے آج تک لی جا رہی ہیں، ان کو پاکستان کی آبادی قبول بھی کر رہی ہے اب آپ یہ کیسے فرما سکتے ہیں کہ فریق ثانی کی طرف سے معاہدات توڑے جا چکے ہیں۔ لہٰذا ہم اس کے خلاف جنگی کارروائی کے لیے آزاد ہیں۔ اس کی عہد شکنیوں کو تو ہماری قوم کے نمائندوں نے اور خود قوم نے بحیثیت مجموعی آج تک بھی قطع علائق کا ہم معنی قرار نہیں دیا ہے اسی بنا پر میں کہتا ہوں کہ اب اگر ہم عہد شکنی کے ان واقعات کو "خیانت" کی علامت قرار دے کر جنگی کارروائی کرنا چاہتے ہیں تو "نبذ علی سواء" ضروری ہے۔

۴۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ ایک فریق جب عہد توڑ دے، تو دوسرا فریق اس عہد کی پابندی سے آزاد ہو جاتا ہے اور اس صورت میں "فانبذ الیھم علی سواءٍ" کا حکم نہیں ہے۔ اس کی صریح دلیل وہی ہے جو آپ نے نقل فرمائی ہے۔ یعنی خزاعہ کے معاملہ میں قریش کی عہد شکنی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بلا اطلاع مکہ پر حملہ کر دینا۔ لیکن اگر فتح مکہ کا پورا واقعہ جناب کے پیشِ نظر ہے تو جناب یہ تسلیم کریں گے کہ فریق ثانی کے نقضِ عہد کی وجہ سے جب ہم اپنے آپ کو معاہدانہ تعلقات سے آزاد سمجھ لیں، تو پھر یا تو ہمیں کھلی کھلی جنگی کارروائی کرنی چاہیے یا کم از کم قطع تعلق ضرور کرنا چاہیے۔ جناب کو یاد ہوگا کہ بنی خزاعہ کے ساتھ عہد شکنی کرنے کے بعد جب قریش

نے ابوسفیان کو تجدیدِ عہد کے لیے مدینے بھیجا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ نے سفارش سے صاف صاف انکار کردیا تھا اور قریش پر یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ اسلامی حکومت اب ان کے ساتھ معاہدانہ تعلقات کو ختم سمجھتی ہے۔ اس نظیر کو سامنے رکھتے ہوئے جناب مجھے بتائیں کہ

آخر اس طرزِ عمل کے لیے ہمارے پاس کیا دلیل ہے کہ ایک طرف تو ہم فریق ثانی کی عہد شکنیوں کو حجت قرار دے کر اپنے آپ کو جنگی کارروائی کے لیے آزاد سمجھیں اور دوسری طرف ہمارے نمایندے اس کو برابر یقین دلاتے چلے جائیں کہ ہمارے اور اس کے درمیان تعلقات برقرار ہیں۔ اور ہم خود بھی تعلقات کی اس برقراری کے تجارتی فوائد کو قبول کرتے رہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اگر ہم استدلال کرتے ہیں تو ہمیں آپ کے پورے عمل کو دلیل بنانا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ تو اختیار نہیں فرمایا تھا کہ خود تو قریش کے ساتھ مصالحانہ ربط وضبط رکھ کر سطح پر یہ نمایش کرتے رہیں کہ ہمارے اور تمھارے درمیان جنگ نہیں ہے اور چپکے چپکے مسلمانوں کو یہ اشارہ کردیں کہ جاؤ قریش کے خلاف جنگی کارروائیاں کرو کیونکہ وہ عہد توڑ چکے ہیں۔

۵۔ جہاں تک مجھے علم ہے، شرعی مسئلہ یہی ہے کہ جب کسی قوم کے ساتھ مسلمان من حیث القوم مسالمت کرلیں تو جب تک مسالمت برقرار رہے وہ قوم مسلمانوں کے لیے 'مباح الدم والاموال' نہیں ہوتی۔ اور ظاہر بات ہے کہ جنگی کارروائی جان و مال کو مباح کیے بغیر نہیں ہوسکتی۔ اس بنا پر میں اب بھی یہی رائے رکھتا ہوں کہ ایک معاہد یا مسالم قوم کے خلاف کسی جنگ میں حصہ لینا ہمارے افراد کے لیے جائز نہیں ہے خواہ موجودہ زمانے

کے بین الاقوامی قوانین اس کو جائز رکھتے ہوں۔ بین الاقوامی قانون میں بھی اس فعل کا جواز اس معنی میں نہیں ہے۔ کہ ایک قوم کے افراد اپنی قومی حکومت کے کیے ہوئے معاہدات میں اخلاقاً شریک نہیں ہیں اور ان کی اخلاقی ذمہ داری سے بری ہیں بلکہ وہ صرف اس معنی میں ہے کہ ایک معاہد قوم کے افراد اگر اپنی ذمہ داری پر دوسری معاہد قوم کے خلاف جنگ میں حصہ لیں تو ان کا یہ فعل قوموں کے درمیان نقض معاہدہ کا ہم معنی نہیں ہوگا۔ اسی بنا پر آج کی حکومتیں ایسے انفرادی افعال پر کوئی معاندانہ کارروائی تو نہیں کرتیں مگر احتجاج ضرور کرتی ہیں۔ اور یہ مطالبہ بھی کرتی ہیں کہ اپنے آدمیوں کو ہمارے خلاف جنگی کارروائیاں کرنے سے منع کرو۔ پس بین الاقوامی معاہدات میں جو چیز عرفاً شامل ہے وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ قومی معاہدات کی انفرادی خلاف ورزی قومی پیمانے پر نقض عہد نہیں سمجھی جائے گی۔ اس قانونی پوزیشن کو نگاہ میں رکھ کر آپ فتویٰ دیں کہ آیا عرف اس کے لیے کافی ہے کہ ہمارے افراد شرعاً اس قوم کے خون اور مال کو مباح کر لیں جس کے ساتھ ہماری قوم نے مسالمت کر رکھی ہے؟ میں دو دن تک اس مسئلہ پر غور کرتا رہا ہوں اور ابھی تک مجھے اطمینان نہیں ہوا ہے کہ یہ عرف اس اباحت کے لیے کافی ہے۔ لیکن اگر آپ ذمہ دارانہ طریق پر تحقیق فرما کر یہ فتویٰ دیں گے تو میں آپ کے علم پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی توثیق کر دوں گا۔

جب تک آپ امور مذکور بالا میں مجھے مطمئن نہ فرمائیں، میں اپنی اس رائے پر قائم ہوں کہ ہم کشمیر کے مسلمانوں کو سر دست کوئی جنگی مدد نہیں دے سکتے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ میرے نزدیک وہ مدد کے مستحق نہیں ہیں۔ حاشا وکلا۔ میں تو دل سے یہ چاہتا ہوں کہ ان کو بچانے کے لیے کچھ کیا جائے۔

لیکن میرے نزدیک اس کی صحیح شرعی صورت یہ ہے کہ حکومتِ پاکستان حکومتِ ہند سے معاہدانہ تعلقات ختم کر دے۔ پھر خواہ وہ کشمیر میں جنگی کارروائی کرے یا نہ کرے، ہم اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے آزاد ہو جائیں گے، مگر جب تک ایسا نہیں ہوتا۔ ہم آزاد کشمیر کے مسلمانوں کو روپے کپڑے اور غلّے سے مدد دے سکتے ہیں۔ وہ اسلحہ خریدنا چاہیں تو ہم وہ بھی ان کے ہاتھ بیچ سکتے ہیں۔ دوائیں اور مرہم پٹی کا سامان اور ڈاکٹر اور تیماردار بھیج سکتے ہیں۔ لیکن خود لڑنے کے لیے وہاں نہیں جا سکتے۔ البتہ اس پابندی سے آزاد قبائل کے وہ لوگ آزاد ہیں جنھوں نے ابھی تک پاکستان کی شہریت قبول نہیں کی ہے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ مولانا ظفر احمد انصاری (پ : ۱۹۰۸ء منڈارہ ، ضلع الہٰ آباد) تعلیم : ایم اے فلسفہ ، ایل ایل بی ۔ زمانۂ طالب علمی ہی سے مسلمانانِ ہند کے سیاسی و دینی مسائل میں دلچسپی لینے لگے ۔ مختلف اوقات میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اسسٹنٹ سیکرٹری ، سیکرٹری ایکشن کمیٹی ، اور سیکرٹری مرکزی پارلیمانی بورڈ رہے ۔ جمعیت علمائے اسلام ہند کے تاسیسی رکن ہیں ۔ مولانا انصاری نے قیامِ پاکستان کے بعد مختلف قومی ، ملّی اور سیاسی معاملات ، خصوصاً قراردادِ مقاصد اور آئین سازی کے لیے جدوجہد میں سرگرمی سے حصہ لیا ۔ ملک کی نظریاتی بنیادوں کے استحکام کے سلسلے میں ان کی کاوشیں ناقابل فراموش ہیں ۔ تعلیماتِ اسلامیہ بورڈ کے سیکریٹری (۱۹۴۹ء — ۱۹۵۴ء) ، رکن قومی اسمبلی (۱۹۷۱ء — ۱۹۷۷ء) ، رابطہ عالمِ اسلامی کے رکن ، ممبر اسلامی کانگریس یروشلم ، ممبر اسلامی نظریاتی کونسل اور صدر دستوری کمیشن
(۱۹۸۳ء — ۱۹۸۵ء) رہے ۔ آپ کا شمار مولانا مودودی کے ذاتی دوستوں میں ہوتا ہے ۔ مختلف علمی رسائل میں بعض وقیع مقالے شائع ہوئے ۔ دفات ۲۰ دسمبر ۱۹۹۱ء اسلام آباد

۲ ۔ اس زمانے میں قائدِ اعظم محمد علی جناح (۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء —— ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء) پاکستان کے گورنر جنرل تھے ۔

۳ ۔ حکومت پاکستان اور حکومت بھارت کے درمیان سیکرٹریوں کی سطح پر ۱۹ اپریل ۱۹۴۸ء کو "میثاق کلکتہ" کے نام سے ایک معاہدہ طے پایا ۔ پاکستان کی نمایندگی ملک غلام محمد اور بھارت کی نمایندگی مسٹر کے سی نیوگائے نے کی ۔ بہت سے دوسرے امور کے علاوہ مذکورہ معاہدے میں جنگِ کشمیر کے پس منظر میں یہ بھی طے پایا کہ دونوں ملک ایک دوسرے کے خلاف پراپیگنڈا بند کر دیں گے اور اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے گا (Pakistan Times لاہور، ۲۰ اپریل ۱۹۴۸ء)

۴ ۔ ریاست جوناگڑھ، کراچی سے تین بحری میل کے فاصلے پر ہے ۔ اگست ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے بعد جوناگڑھ کے فرماں روا نواب مہابت خاں (ف : ۱۹۶۰ء، کراچی) نے اپنی ریاست کے پاکستان سے الحاق کا اعلان کر دیا ۔ بھارتی حکومت اس فیصلے پر ناخوش تھی، مگر اس کے تمام دباؤ کے باوجود نواب مہابت مرحوم نے فیصلہ تبدیل کرنے سے انکار کر دیا تھا، چناں چہ اسی سال نومبر میں بھارتی افواج نے جارحیت کر کے ریاست پر ناجائز قبضہ کر لیا ۔ یہ مسئلہ تاحال اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل کے ایجنڈے پر چلا آرہا ہے ۔

۵ ۔ نبذا علیٰ سَوا (معاہدے کو علانیہ فریق ثانی کے سامنے پھینک دینا) ۔ اصل میں یہ سورۃ انفال : ۵۸ سے ماخوذ ہے ۔ جس میں فرمایا گیا ہے : اگر کبھی تمہیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو اس کے معاہدے کو علانیہ اس کے آگے پھینک دو (تشریح دیکھیے : تفہیم القرآن، دوم، سورۃ انفال، حاشیہ ۴۳) خط کے متن میں دو سطر بعد مولانا مودودی نے سورۃ انفال کی اسی آیت سے "فانبذ الیھم علیٰ سواء" کے الفاظ استعمال کیے ہیں ۔

۶ ۔ مکّہ کے دو قبائل بنی بکر اور بنی خُزاعہ کے درمیان شدید مُخاصمت تھی ۔ صلح حدیبیہ سے فائدہ اٹھا کر بنو خُزاعہ نے رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے حلیفانہ رابطہ جوڑ لیا، اور بنو بکر قریش کے ساتھ رہے ۔ کچھ مدت بعد بنو بکر نے، بنو خُزاعہ پر حملہ کر کے حرمِ کعبہ میں قتل و غارت گری کی ۔ قریش نے اس خون ریزی میں بنو بکر کی مدد کی ۔ بنو خزاعہ کی فریاد پر آنحضورؐ نے قاصد کے ذریعے قریش کو تین شرطیں پیش کیں ۔ قریش نے معاہدہ حدیبیہ کا خاتمہ منظور کر لیا ۔ اس کے نتیجے میں مسلمان جنگی کارروائی کے لیے آزاد ہو گئے اور کچھ عرصے بعد مکّہ فتح ہو گیا ۔

۷ ۔ ترجمہ : خون اور مال کا جائز ہونا ۔

۸ ۔ "عرف" سے عام طور پر، وہ عمل یا عقیدہ مراد لیا جاتا ہے، جسے لوگ عقل اور تجربۂ تمدّنی کی بنیاد پر انجام دیتے ہوں اور اس کا فطری طور پر "حق" ہونا ان کے نزدیک مُسلّم ہو ۔ اس طرح یہ اصطلاح کم و بیش "رواج" کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے ۔ اکثر و بیشتر عرف سے وہ فیصلہ مراد ہوتا ہے، جو حاکمِ وقت یا اس کا نائب نافذ کرے، (قاضی نہیں) ۔ یہ فیصلہ ملکی مصلحتوں یا خاص مجبوریوں کے پیش نظر کیا جاتا ہے ۔ ('اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ' ج ۱۳، ص ۲۶۴)

۶۴

اس خط کے جواب میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے ۸ اگست ۱۹۴۸ء کو مولانا مودودی کے نام ایک دوسرا خط روانہ کیا اور زیر بحث مسئلے پر اپنے نقطۂ نظر کی ایک بار پھر وضاحت کی اور لکھا: "بھارت کے نقضِ عہد کی وجہ سے معاہدہ ختم ہو گیا ہے، اس لیے پاکستان پر اس کی پابندی ضروری نہیں، پاکستان نے کشمیر کمیشن کے سامنے یہ اعتراف بھی کر لیا ہے کہ اس کی فوجیں جنگ میں حصہ لے رہی ہیں" (دیکھیے: "نشانِ راہ" ۲۴ ستمبر ۱۹۴۸ء)

اس کے جواب میں مولانا مودودی نے حسب ذیل خط روانہ کیا:

لاہور

۶ ستمبر ۱۹۴۸ء

مخدوم و محترم جناب مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دامت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ عنایت نامہ مورخہ ۹ اگست کا جواب بڑی تاخیر سے دے رہا ہوں۔ اور اس کے لیے معافی خواہ ہوں۔

دراصل آپ کے اس عنایت نامہ کو دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوا تھا کہ یہ مراسلت کچھ لاحاصل سی ہے۔ اسی بنا پر مجھے جواب دینے میں تأمل تھا۔

آپ نے اپنے فقرات نمبر ۱-۲-۳-۴ میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ بنیادی نکتہ آپ کی توجہ سے بالکل محروم ہی رہ گیا۔ جو میں نے اپنے پچھلے نیاز نامہ کے فقرہ نمبر ۵ میں پیش کیا تھا۔ حالانکہ اس معاملے میں مدارِ بحث وہی تھا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ بین الاقوامی قانون میں بھی اس فعل (یعنی معاہد قوم کے خلاف افراد کی رضاکارانہ جنگ) کا جواز اس معنی میں نہیں ہے کہ ایک قوم کے افراد اپنی قومی حکومت کے کیے ہوئے معاہدات میں اخلاقاً شریک نہیں ہیں اور ان کی اخلاقی ذمہ داری سے بری ہیں۔ بلکہ وہ صرف اس معنی میں ہے کہ ایک معاہد قوم کے افراد اگر اپنی ذاتی ذمہ داری پر دوسری معاہد قوم کے افراد کے خلاف جنگ میں حصہ لیں

تو ان کا یہ فعل قوموں کے درمیان نقضِ معاہدہ کا ہم معنی نہ ہوگا۔۔ پس بین الاقوامی معاہدات میں جو چیز عرفاً شامل ہے وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ قومی معاہدات کی انفرادی خلاف ورزی قومی پیمانے پر نقضِ عہد نہیں سمجھی جائے گی۔"

یہ اس عرفِ عام کی اصل حقیقت ہے جسے آپ حجت قرار دے کر اس رضاکارانہ جنگ کو شرعاً جائز قرار دے رہے ہیں۔ اب یا تو آپ یہ فرمائیں کہ اس عرف کی یہ حقیقت ہے ہی نہیں، یا پھر یہ فرمائیں کہ اس حقیقت کے باوجود یہ عرف شرعاً اس بات کے لیے کافی ہے کہ ایک مسلمان خود اپنی قومی حکومت کے معاہدات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک معاہد قوم کے خلاف جنگ کرے۔ اگر پہلی صورت ہے تو میری غلطی مجھ پر واضح کر دی جائے میں اسے تسلیم کرنے میں تامل نہ کروں گا، اگر دوسری بات ہے تو آپ اپنی ذمہ داری پر اس مسئلہ کی صراحت کرتے ہوئے فتویٰ دیں۔ میں اس کے مقابلے میں اپنی رائے واپس لے لوں گا۔

(۲) دوسری بحث نقضِ عہد سے متعلق ہے۔ اس معاملہ میں اصل مدارِ بحث یہ سوال ہے کہ "اگر ایک فریق کی طرف سے نقضِ عہد ہو جانے کے بعد دوسرا فریق بار بار اس کے ساتھ مزید معاہدات کرتا رہا ہو، اور اپنے طرزِ عمل سے برابر یہی ظاہر کرتا جائے کہ فریقِ اوّل کے ساتھ اس کا تعلق جنگ یا قطعِ علائق کا نہیں بلکہ صلح و مسالمت کا ہے تو کیا اس صورت میں فریقِ ثانی کو یہ کہنے کا حق باقی رہتا ہے کہ ہمارے اور اس کے درمیان معاہدانہ تعلق ٹوٹ چکا ہے؟"

آپ فرماتے ہیں کہ اس نقضِ عہد کے بعد جو معاملات فریقِ ثانی نے فریقِ اوّل کے ساتھ کیے، وہ ایک قسم کا جوابی مخادعہ ہیں اور یہ مخادعہ اس شرعی مسئلہ پر کوئی اثر نہیں ڈالتا کہ نقضِ عہد واقع ہو چکا، اور اس کی بنا پر ہمیں وہ حقوق حاصل ہو گئے جو شریعت ایک ناقضِ عہد قوم کے خلاف ہم کو دیتی ہے۔ لیکن میں اس بات کو نہیں سمجھ سکا کہ بعد کے معاہدات، سمجھوتے اور مواثیق سب کے

سب محض لفظ "مخادعۂ"[1] کی لپیٹ میں کیسے آجاتیں گے، یہ تو درحقیقت تعلقاتِ معاہدانہ کی تجدید ہے جس کے وقوع میں آتے ہی ناقضُ العہد قوم پھر سے معاہد ہو گئی۔

میرے نزدیک اس بحث میں اصل مسائل یہی دو ہیں اس لیے میں اپنی گزارشات کو انہی تک محدود رکھتا ہوں۔ دوسرے ضمنی مباحث پر کلام کرنا بے فائدہ ہے۔ اگر آپ ان دو مسائل سے تعرّض کر کے کوئی صاف بات بیان فرمائیں تو یہ بحث نتیجہ خیز ہو سکتی ہے، ورنہ اس سے کیا حاصل کہ آپ اپنی کہے جائیں اور میں اپنی۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۱۔ باہم دھوکا دینا

۶۵

ابھی مولانا شبیر احمد عثمانی نے مندرجہ بالا خط کا کوئی جواب نہیں دیا تھا، کہ صورتِ حال یکسر تبدیل ہو گئی۔ چنانچہ مولانا مودودی نے حسب ذیل خط مولانا عثمانی کو روانہ کیا۔

[لاہور]
[۱۶ ستمبر ۱۹۴۸ء]

مخدوم و محترم جناب مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مدظلکم العالی
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اُمید ہے کہ میرا ۶ ستمبر ۱۹۴۸ء کا عریضہ جناب کو مل چکا ہو گا اس کے بعد دوسرے ہی روز پاکستان ٹائمز مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۴۸ء میں مجلسِ اقوام متحدہ کے

کشمیر کمیشن کا یہ بیان میری نظر سے گزرا کہ حکومتِ پاکستان نے سرکاری طور پر حدودِ کشمیر میں اپنی فوجوں کی موجودگی کا اقرار کیا ہے۔" پھر ۸ ستمبر ۴۸ء کو وہ مراسلت شائع ہوئی جو حکومتِ پاکستان اور کمیشن کے درمیان ہوئی تھی۔ اور ۹ ستمبر ۴۸ء کو مسٹر ظفر اللہ خاں[1] کا بیان شائع ہوا۔ لیکن میں نے اپنی رائے کے اظہار میں اس لیے تاخیر کی کہ ۱۵ ستمبر ۱۹۴۸ء کو جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کا اجلاس ہونے والا تھا، اور میں ضروری سمجھتا تھا کہ اب اس مسئلے میں جو بھی قدم اٹھاؤں مجلس کے مشورے سے اٹھاؤں۔ چنانچہ کل اور آج مجلس میں اس مسئلہ پر پوری طرح غور و خوض کر لیا گیا اور جو بات طے ہوئی اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"حکومتِ پاکستان کے اس اقرار و اظہار اور حکومتِ ہند کے اس پر مطلع ہو جانے کے بعد مسئلہ کی نوعیت شرعًا بالکل بدل چکی ہے۔ اب جو معاہدانہ تعلقات دونوں مملکتوں کے درمیان ہیں وہ دراصل اس معنی میں ہیں کہ ایک علاقہ میں حالتِ جنگ کا قیام اور دوسرے تمام علاقوں میں مصالحانہ روابط کا بقا فریقین کی رضامندی سے ہے، لہٰذا دونوں صورتوں میں اب اہلِ پاکستان کے لیے جہادِ کشمیر میں جنگی حصہ لینا بالکل جائز ہے۔"

اس کے ساتھ جماعت نے یہ بھی طے کیا ہے کہ اب وہ خود اس جنگ میں عملاً حصہ لے گی۔ جماعت اسلامی کا کام صرف مسئلہ بتانا نہیں ہے بلکہ اس پر عمل کرنا بھی ہے کشمیر کی اہمیت سے ہم لوگ کبھی غافل نہ تھے بلکہ اس کو بچانا فرض سمجھتے تھے۔ لیکن ہم اس کے قائل نہیں ہیں کہ جس کام کے شرعًا درست ہونے میں ہم کو شک ہو اسے کسی دنیوی غرض و مصلحت کے لیے کر گزریں۔ اسی وجہ سے اب تک ہم عملاً اس فرض کی ادائیگی سے باز رہے اب الحمدللہ وہ چیز باقی نہیں رہی جو مانع تھی۔[2]

آپ کو یہ اطلاع اس غرض سے دے رہا ہوں کہ پچھلی بحث کو اب ختم سمجھیں نیز چونکہ اس سے پہلے کی مراسلت شائع ہو چکی ہے اس لیے میں اپنے اس عریضہ کو بھی بغرضِ اشاعت پریس میں دے رہا ہوں۔ جناب سے استدعا کرتا ہوں کہ اگر اس بحث میں میری کوئی بات ناگوار ہوئی ہو تو اسے معاف فرمائیں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ سر ظفر اللہ خاں (٦ فروری ۱۸۹۳ء —— یکم ستمبر ۱۹۸۵ء) مشن ہائی سکول سیالکوٹ سے میٹرک ، گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے اور لنکنزان سے بارایٹ لا کیا ۔ پنجاب اسمبلی کے ممبر رہے ۔ گول میز کانفرنسوں میں شرکت کی ۔ ۱۹۴۱ء میں فیڈرل کورٹ کے جج مقرر ہوئے ۔ ۱۹۴۷ء میں باؤنڈری کمیشن میں مسلم لیگ کی نمایندگی کی ۔ پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ مقرر ہوئے ۔ ۱۹۵۴ء میں عالمی عدالتِ انصاف کے جج اور ۱۹۷۰ء میں اس کے صدر ہو گئے ۔ عقیدتاً قادیانی تھے ۔ ان کی خود نوشت "تحدیثِ نعمت" کے نام سے چھپ چکی ہے ۔

۲ ۔ چنانچہ مولانا مودودی نے جماعتِ اسلامی کے کارکنوں کو مجاہدینِ کشمیر کی اعانت کی ہدایت کی ۔ اس سلسلے میں سابق چیف جسٹس آزاد جموں و کشمیر ، پروفیسر مظفر حسین ندوی بتاتے ہیں : "مولانا مودودی کی طرف سے مجاہدینِ کشمیر کی مالی امداد کے لیے اپیل پر کراچی جماعت اسلامی کی طرف سے مجاہدین کے لیے کپڑوں اور جوتوں کا ایک ٹرک بھی بھیجا گیا ۔ (ہم قدم ، مارچ ۱۹۸۸ء) ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ ۸ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو یہ ٹرک راولپنڈی پہنچا ، تو مولانا مودودی حوالۂ زنداں کیے جا چکے تھے ۔ ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ جہادِ کشمیر کو حرام قرار دے رہے ہیں ۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ۔ بہرحال مجاہدینِ کشمیر کے لیے سامان کا یہ ٹرک قائم مقام امیر جماعت غازی عبدالجبار صاحب کی طرف سے جناب ندوی صاحب کے سپرد کیا گیا ۔ جو اس سامان کو بھگواڑی (مری) تک ٹرک پر لے گئے ۔ وہاں سے مقامی آدمیوں کے تعاون سے کشتیوں اور رسّوں کے ذریعہ دریائے جہلم کے اس پار لے جا کر دھیر کوٹ ، باغ وغیرہ میں مجاہدین اور ان کے پسماندگان میں تقسیم کرایا ۔ یوں سامان کے علاوہ نقد رقوم سے بھی جماعت اسلامی نے جہاد کشمیر میں عملی تعاون کیا"۔ (حوالۂ مذکور)

نامعلوم

۶۶

اس خط کے مکتوب الیہ کا نام معلوم نہیں ہوسکا ۔ یہ حسب ذیل نوٹ کے ساتھ "طلوع اسلام" میں شائع ہوا :

"قارئینِ طلوع اسلام میں سے ایک صاحب رقم طراز ہیں : میں نے ذیل کا خط محترم سید ابوالاعلیٰ مودودی کی خدمت میں بھیجا تھا : "میں آپ کے اس مطالبے سے متفق ہوں کہ پاکستان میں شریعت کا نظام نافذ ہونا چاہیے ۔ اس باب میں دو ایک باتیں دریافت طلب ہیں ، جن کی وضاحت کے لیے یہ عریضہ ارسالِ خدمت ہے ، امید ہے کہ آپ جواب سے سرفراز فرمائیں گے ۔

(۱) سوال یہ ہے کہ کیا نظامِ شریعت میں جنگ کے قیدیوں کو غلام اور لونڈی بنانے کی اجازت ہوگی ؟ کیا ان غلاموں اور لونڈیوں کو فروخت کرنے کا بھی حق حاصل ہوگا ؟ کیا ان لونڈیوں سے بیویوں کے علاوہ تمتع جائز ہوگا اور اس پر تعداد کی تو کوئی قید نہ ہوگی ؟

(۲) کیا اس نظامِ شریعت میں لونڈی و غلام کی خرید و فروخت (علاوہ ان لونڈی و غلام کے ، جو جنگی قیدی ہوں) ، بھی پاکستان کے اندر جائز ہوگی؟

اس کے جواب میں مودودی صاحب کی طرف سے ذیل کا گرامی نامہ موصول ہوا ہے :

[لاہور]

[۱۹۴۸ء]

مکرّمی و محترمی ! السّلامُ علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آپ کا عنایت نامہ ملا ۔ جو سوالات آپ نے کیے ہیں، ان کا مختصر جواب تو 'ہاں' اور 'نہیں' کی شکل میں دیا جا سکتا ہے لیکن اس سے آپ کی تسکین نہیں ہوگی اِس لیے میں ذرا تفصیل کے ساتھ آپ کو جواب دیتا ہوں :

نظامِ شریعت میں جنگی قیدیوں کو لونڈی غلام بنانے کی اجازت ایسی صورت میں دی گئی ہے جبکہ وہ قوم جس سے ہماری جنگ ہوئی ہو، نہ تو قیدیوں کے تبادلے پر راضی ہے نہ فدیہ لے کر قیدی چھوڑے اور نہ فدیہ دے کر اپنے قیدی چھڑائے۔

آپ خود غور کریں تو سمجھ سکتے ہیں کہ اس صورت میں جو قیدی کسی حکومت کے پاس رہ جائیں وہ یا تو انھیں قتل کرے گی۔ یا انھیں عمر بھر اس قسم کی "انسانی باڑوں" میں رکھے گی جنھیں آج کل Concentration camps. کہا جاتا ہے اور کسی قسم کے "انسانی حقوق" دیے بغیر ان سے جبری محنت لیتی رہے گی۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت زیادہ بے رحمانہ بھی ہے اور خود اس ملک کے لیے بھی زیادہ مفید نہیں ہے، جس میں اس قسم کے قیدیوں کی ایک بڑی تعداد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک خارجی عنصر کی حیثیت سے موجود ہے۔ اسلام نے ایسے حالات کے لیے جو شکل اختیار کی ہے، وہ یہ ہے کہ ان قیدیوں کو فرداً فرداً مسلمانوں میں تقسیم کردیا جائے اور ان کی ایک قانونی حیثیت مشخص کردی جائے۔ اسی طرح جو انفرادی رابطہ ایک ایک شخص کا ایک مسلم خاندان سے پیدا ہوگا، اس میں اس کا امکان زیادہ ہے کہ ان سے انسانیت اور شرافت کا برتاؤ ہو اور ان کا ایک اچھا خاصا حصہ بتدریج مسلمانوں کی سوسائٹی میں جذب ہو جائے۔

جن مسلمانوں کو ایسے اسیرانِ جنگ پر حقوقِ ملکیت حاصل ہوتے ہیں، ان کے لیے شریعت نے یہ ضابطہ مقرر کیا ہے کہ اگر کوئی لونڈی یا غلام ان سے درخواست کرے کہ میں محنت مزدوری کر کے اپنے فدیہ کی رقم فراہم کرنا چاہتا ہوں تو وہ اس کی درخواست کو رد کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ انھیں ازروئے قانون ایک خاص مدت کے لیے اس کو مہلت دینی ہوگی اور اس مدت میں اگر وہ اپنی رقم ادا کردے تو اسے آزاد کردینا پڑے گا۔

اس قسم کے لونڈیوں اور غلاموں کو بیچنے کی اجازت دراصل اس معنیٰ میں

ہے کہ ایک شخص کو ان سے فدیہ وصول نہ ہونے تک اس سے خدمت لینے کا جو حق حاصل ہے اس کو وہ معاوضہ لے کر دوسرے شخص تک منتقل کر دیتا ہے۔ یہ قانون میں گنجائش جس مصلحت سے رکھی گئی ہے اس کو آپ پوری طرح سے اسی صورت میں سمجھ سکتے ہیں جبکہ کسی دشمن فوج کے سپاہی کو بطور قیدی رکھنے کا اتفاق ہو۔ فوجی سپاہیوں سے خدمت لینا کوئی آسان کام نہیں ہے اور اسی طرح دشمن قوم کی کسی عورت کو گھر میں رکھنا کوئی کھیل نہیں ہے۔ اگر کسی شخص کے لیے یہ گنجائش نہ چھوڑی جاتی کہ جس قیدی مرد یا عورت سے وہ عہدہ برآ نہ ہو سکے اس کے حقوقِ ملکیت دوسرے کی طرف منتقل کر دے تو یہ لوگ بلائے جان بن جاتے۔

جنگ میں گرفتار ہونے والی عورتوں کے لیے (جبکہ نہ ان کا تبادلہ ہوا اور نہ فدیہ کا معاملہ طے ہو سکے) اس سے بہتر حل اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس شخص کی ملکیت میں وہ دی جائیں، اس کو ان کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنے کا قانونی حق دے دیا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو یہ عورتیں ملک میں بداخلاقی پھیلنے کا ایک مستقل ذریعہ بن جاتیں۔ قانونی حیثیت سے "ملکِ یمین" اور عقدِ نکاح میں کوئی خاص فرق نہیں ہے بلکہ "ملکِ یمین" تو باقاعدہ حکومت کے توسط سے حاصل ہوتی ہے۔ جو عورت کسی کے ملکِ یمین میں دی جائے اس کے ساتھ کسی دوسرے شخص کا جنسی تعلق جائز نہیں ہے۔ جو اولاد اس سے ہوگی اس کا نسب اصل مالک ہی سے ثابت ہوگا اور وہ اپنے باپ کی اس طرح جائز وارث ہوگی جس طرح کسی آزاد بیوی کی اولاد۔ جس لونڈی سے اولاد ہو جائے اسے بیچنے کا مالک کو حق نہیں رہتا اور مالک کے مرنے کے بعد وہ عورت خود بخود آزاد ہو جاتی ہے۔

لونڈیوں سے تمتع کے لیے تعداد کی قید اس لیے نہیں لگائی گئی کہ ان عورتوں کی تعداد کا کوئی تعین ممکن نہیں ہے جو کسی جنگ میں گرفتار ہو کر آ سکتی ہیں۔ بالفرض

اگر ایسی عورتوں کی بہت بڑی تعداد جمع ہو جائے تو سوسائٹی میں انھیں کھپانے کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے، اگر لونڈیوں سے تمتع کے لیے تعداد کا تعین پہلے ہی کر دیا ہو۔ لیکن بعد کے اَدوار میں اُمراء اور رؤسا نے اِس قانونی گنجائش کو جس طرح عیاشی کا حیلہ بنا دیا، وُہ ظاہر ہے کہ شریعت کے منشاء کے بالکل خلاف ہے۔ کوئی رئیس اگر عیاشی کرنا چاہے اور قانون کے منشاء کے خلاف قانون کی گنجائشوں سے فائدہ اُٹھانے پر اُتر آئے تو نکاح کا ضابطہ ہی کب اس کے لیے رُکاوٹ بن سکتا ہے۔ وُہ روز ایک نئی عورت سے نکاح کر سکتا ہے اور دُوسرے دن اسے طلاق دے سکتا ہے۔

حجاز میں جو بُردہ فروشی آج کل ہوتی ہے[1] اس کی تفصیل مجھے نہیں معلوم لیکن اصولی طور پر میں یہ عرض کر سکتا ہوں کہ جنگ کے سِوا کسی دُوسرے طریقے سے آزاد آدمیوں کو پکڑنا اور ان کی خرید و فروخت کرنا شریعت میں حرام ہے

وَالسّلام

ابُوالاعلیٰ مودودی

بقلم: ابُوصالح اصلاحی[2]

---

۱ ۔ غلاموں اور لونڈیوں کے مسئلے پر مولانا مودودی نے حسب ذیل مقامات پر بھی بحث کی ہے ۔ "تفہیمات" دوم ص ۳۳۶ ، ۳۴۸ ۔ "رسائل و مسائل" ، اوّل ، ص ۲۵۹ "تفہیم القرآن" پنجم ، سورۃ محمد حاشیہ ۸ ۔ "الجہاد فی الاسلام" ص ۲۴۹ ، اور ص ۲۵۳ ۔

۲ ۔ ابو صالح اصلاحی (ف : ۲۰ مئی ۱۹۶۵ء ، قاہرہ) مشہور صحافی ۔ پی آئی اے کی افتتاحی پرواز سے بہت سے دوسرے صحافیوں کے ہمراہ قاہرہ جا رہے تھے ، کہ الم ناک فضائی حادثے میں جاں بحق ہوئے ۔ ان کے انتقال پر ، مرحوم کے والدِ گرامی مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنے تعزیتی نوٹ میں لکھا: "...... میرے جوان بیٹے ابو صالح نے بھی اس حادثے میں شہادت پائی ۔ میں گوشت پوست کا بنا ہوا کمزور انسان ہوں ، اس حادثے کے اثرات سے اپنے دل کو کیسے بچا پاتا ، جس نے میرے پورے آشیانے کو سوخت کر کے رکھ دیا ۔۔ ابو صالح تنہا میرے نہیں تھے ، بلکہ اپنی پوری قوم کے تھے ۔ اس نے زندگی مختصر پائی ، لیکن شاندار پائی ۔ کہنے کو تو وہ "کوہستان" (روزنامہ) سے طلوع ہوا ، "مشرق"

(روزنامہ) میں چمکا اور قاہرہ میں غروب ہو گیا ، لیکن اتنی ہی مدت میں اس کے قلم نے ملک کی صحافت کی تاریخ میں اس کے کام اور نام کو زندۂ جاوید بنا دیا ۔ ۳۶ سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے ، لیکن اتنی ہی عمر میں اس نے صحافت میں وہ مقام حاصل کیا کہ آج ہماری صحافت کے اساطین و عمائد اس کو جدید دورِ صحافت کے بانیوں کی صفِ اول میں شمار کرتے ہیں"۔ ("میثاق" جون ۱۹۶۵ء ، ص ۲ تا ۸) ۔ ابو صالح اصلاحی نے ادبِ اسلامی کی ترویج کے لیے لاہور سے ادبی جریدہ "یثرب" جاری کیا تھا ۔ وہ ابتدا ہی سے مولانا مودودی کے مدّاح اور جماعتِ اسلامی کے ہم درد تھے ۔ اپنی صحافتی مصروفیات کے باوجود ، وہ وقت نکال کر جماعت کی قلمی معاونت کیا کرتے تھے ۔

سید ابو الخیر مودودی

سیّد ابوالخیر مودودی (۲۵ دسمبر ۱۸۹۹ء ، اورنگ آباد — ۲۸ اگست ۱۹۷۹ء ، لاہور) ابتدائی تعلیم گھر پر والدِ گرامیؒ ، والدۂ محترمہ اور چند اساتذہ سے حاصل کی ۔ کسی کالج یا یونی ورسٹی میں نہیں گئے ، البتہ دہلی میں مولانا عبدالسلام نیازی کے شاگرد رہے ۔ بھوپال کے علمی و ادبی حلقوں سے فیض یاب ہوئے ۔ مختلف علمی و ادبی جرائد مثلاً : "ساقی" ، "نگار" ، "ہمایوں" ، اور "پیام" وغیرہ میں قلمی ناموں سے لکھتے رہے ۔ ۱۹۱۸ء میں ایک مختصر عرصے کے لیے "مدینہ" بجنور کی ادارت کی ۔ ۱۹۴۷ء کے بعد دو تحریریں "نقوش" میں ، اور ایک دو "فنون" میں شائع ہوئیں ۔ ان کی پہلی اور آخری ملازمت عثمانیہ یونی ورسٹی کے شعبۂ تالیف و ترجمے میں تھی ۔ ان کے شائع شدہ تراجم میں سے بعض یہ ہیں : * احمد بن یحییٰ بلاذری کی "فتوح البلدان" ۲ جلد (۱۹۳۲ء ـ ۱۹۴۰ء) * ابو یوسف کی "کتاب الخراج" (۱۹۳۰ء) * ابن اثیر کی "تاریخ الکامل" پہلے پانچ حصے (۱۹۳۸ء) وغیرہ جب کہ ابوالحسن کی کتاب "الوزراء" احمد بن یعقوب کی "تاریخ یعقوبی" اور "تاریخ کامل" حصہ ششم کے ترجمے شائع نہیں ہو سکے (دارالترجمہ عثمانیہ کی علمی و ادبی خدمات" دہلی ۱۹۸۷ء) ۔

مولانا ابوالخیر کے صاحبزادے سیّد ابوالبرکات ، اپنے ایک مکتوب ۲۲ دسمبر ۱۹۸۷ء از بیجنگ ، میں بتاتے ہیں:

"مولانا ابوالخیر نے اپنی زندگی کے کئی عشرے دو کتابوں کی تالیف میں صرف کر دیے ۔ ان میں سے ایک مفسّرین کے بارے میں تھی ، اور دوسری محدّثین کے بارے میں ۔ یہ قرونِ اولیٰ سے دورِ حاضر تک کے جُملہ مفسّرین و محدّثین کے احوال و آثار پر مشتمل تھیں ۔ دونوں کتب کے مسوّدے بڑے ضخیم تھے ، اور کئی جلدوں پر مشتمل تھے ۔ افسوس کہ یہ دونوں مسوّدے انتقال سے چند برس قبل انھوں نے اپنے بعض دوسرے مسوّدوں کے ساتھ کسی کنوئیں میں غرق کر دیے ۔ ان کی جو غیر مطبوعہ تحریریں [میری] نظر سے گزریں ، وہ تفسیر ، حدیث ، فقہ ، سیرت پاکؐ ، سوانح ، تصوف ، تاریخ اور قومی و بین الاقوامی امور پر تھیں ۔ ابوالخیر صاحب اپنی ذات اور تحریروں کے بارے میں بات کرنے سے گریز کرتے تھے ۔ عموماً فرماتے "میں کیا اور میری تحریر کیا ؟" —— سیّد ابوالخیر مودودی کو اپنے چھوٹے بھائی ابو الاعلیٰ مودودی سے بہت محبت تھی ۔ بقول میاں طفیل محمد : "مولانا ابوالخیر مرحوم نے نہ صرف والد گرامی کی وفات کے بعد مولانا مودودی کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری پوری کی اور تحریکِ اسلامی کے

سلسلے میں مولانا پر جو مشکل دور گزرے ، ان میں ان کا پورا ساتھ دیا ، بلکہ وہ جماعت اسلامی سے بھی خیر خواہانہ محبت رکھتے تھے ۔ "ترجمان القرآن" کے وہ کئی برس سے پبلشر بھی تھے" (ترجمان القرآن ، ستمبر ۱۹۷۹ء) مولانا ابوالخیر دار الاسلام میں بھی سکونت پذیر رہے اور اگست ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے لاہور آ بسے تھے ۔

۶۷

مولانا مودودی کی پہلی گرفتاری ، قائد اعظمؒ کی وفات سے تقریباً تین ہفتے بعد ، ۴ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو عمل میں آئی ۔ بہ ظاہر الزام یہ تھا کہ مولانا نے جہاد کشمیر کے خلاف فتویٰ دیا ہے حالانکہ مولانا محترم ، وزیر اعلیٰ پنجاب نواب افتخار حسین ممدوٹ اور خواجہ شہاب الدین پر واضح کر چکے تھے کہ فتویٰ کی بات صریحاً جھوٹ ہے ۔ اس ضمن میں مولانا کا موقف ، مولانا شبیر احمد عثمانی کے نام ، اسی مجموعے میں شامل ، ان کے خطوط (۶۳ ، ۶۴ ، ۶۵) سے واضح ہوتا ہے ۔ مولانا کو چھ ماہ کے لیے نظربند کیا گیا ، بعد میں مزید تین مرتبہ اس مدت میں چھ چھ ماہ کا اضافہ کیا گیا ۔ نظربندی کا تقریباً سارا زمانہ سنٹرل جیل ملتان میں گزرا ۔ ایک دوسرے عدالتی فیصلے کے نتیجے میں مولانا کی نظربندی ۲۸ مئی ۱۹۵۰ء کو ختم ہو گئی ۔

نئی سنٹرل جیل ۔ ملتان

۱۲ مئی ۱۹۴۹ء

بھائی صاحب ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

دو ہفتے ہوئے میں نے طفیل صاحب کے والد صاحبؒ کے ذریعے سے اپنی موجودہ کیفیت کا پرچہ بھجوایا تھا اور اس کے مطابق دوا اور ہدایات طلب کی تھیں ، مگر کوئی چیز اب تک نہیں آئی اور میرے پاس دوائیں اب ختم کے قریب ہیں ۔ شبہ ہوتا ہے کہ شاید میرا وہ پرچہ نہیں پہنچا ، اس لیے پھر کیفیت لکھے دیتا ہوں ۔ ایک مہینہ کے قریب ہوا کہ یہاں میرا ایکس رے لیا گیا تھا جس سے پتہ چلتا کہ اب میرے گردے بالکل صاف ہیں اور صرف مثانے میں ایک پتھری باقی ہے ۔ یہ پتھری تقریباً اسی حجم کی ہے جس کے برابر کی تین پتھریاں اس سے پہلے خارج ہو چکی ہیں ۔ لہٰذا اس کا نکل جانا عین ممکن ہے ۔ اب حکیم صاحبؒ سے مشورہ

کرلیا جائے کہ اس کو نکالنے کے لیے کیا تدبیر کی جاسکتی ہے نیز اگر حکیم صاحب ضرورت سمجھیں تو حکیم غلام محمد صاحبؒ سے بھی مشورہ کرلیں۔ حکیم غلام محمد صاحب کو مولوی ظفر اقبال صاحبؒ اور ملک نصراللہ خاں صاحب جانتے ہیں اور وہ اس سے پہلے پروفیسر عابد علی عابد صاحبؒ (پرنسپل دیال سنگھ کالج) کے مثانے سے بہت سی پتھریاں نکال چکے ہیں ——— بہرحال جو علاج بھی تجویز کیا جائے اس کے مطابق دوا اور تمام ضروری ہدایات جلدی بھیج دی جائیں اور یہ خیال رکھا جائے کہ جتنی صورتیں دوران علاج میں پیش آنی ممکن ہیں ان سب کا لحاظ کرکے ہدایات لکھ دی جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ کسی نازک مرحلے پر مجھے کچھ نہ معلوم ہو کہ کیا کرنا چاہیے اور یہاں سے میں ہدایات طلب کرنے کے لیے خط لکھوں، اور اس کا جواب میرے انتقال کے پچیس دن بعد یہاں پہنچے۔

آئندہ آپ جب کبھی آئیں، یہ چیزیں ضرور لیتے آئیں: تولیے ۲، پنسل سرخ و سیاہ ایک ایک عدد۔ ہمدرد مرہم۔ فروٹ سالٹ۔ فارہنس ٹوتھ پیسٹ اور کپڑے کی ٹوپیاں، نیز اگر موسم اجازت دے تو اپنے ساتھ دونوں بڑے بچوں کو بھی لے آئیں اور حاجی میاںؒ آنا چاہیں تو انھیں بھی۔ پہلے میں نے اس لیے بچوں کو لانے سے منع کر رکھا تھا کہ بچوں کے ذہن پر یہاں کے ماحول کا برا اثر پڑنے کا اندیشہ تھا۔ مگر اب غور کرنے سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ انھیں یہ جگہ ضرور دکھا دینی چاہیے۔ کیا عجب کہ کل جو نسل اٹھنے والی ہے، وہ موجودہ نسل سے بھی زیادہ بگڑی ہوئی ہو اور اس کے مقابلے میں ان لوگوں کو ہم سے بھی زیادہ سخت جدوجہد کرنی پڑے۔ میں اپنی اولاد کو عیش کے لیے نہیں پالنا چاہتا بلکہ خیر کی خدمت اور شر سے جنگ کے لیے پالنا چاہتا ہوں۔

یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ مولانا مسعود عالم صاحب عراق چلے گئے ہیں میری رائے تو یہ ہے کہ اب وہ عراق ہی میں مستقل قیام کرلیں اور وہاں عربی

محترم ڈاکٹر صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: دو ہفتے ہوئے میں نے طفیل صاحب کے والد صاحب کے ذریعے اپنی موجودہ کیفیت کا پرچہ بھجوایا تھا اور اس کے مطابق دوا اور ہدایات طلب کی تھیں۔ مگر کوئی چیز اب تک نہیں آئی اور میرے پاس دوائیں اب ختم ہونے کے قریب ہیں۔ شبہ ہوتا ہے کہ شاید میرا وہ پرچہ نہیں پہنچا۔ اس لیے پھر کیفیت لکھ دیتا ہوں۔ ایک مہینے کے قریب ہوا کہ یہاں میرا ایکسرے لیا گیا تھا جس سے پتہ چلا کہ اب میرے گردے بالکل صاف ہیں اور صرف مثانے میں ایک پتھری باقی ہے۔ یہ پتھری تقریباً اسی حجم کی ہے جس کے برابر کی تین پتھریاں اس سے پہلے خارج ہو چکی ہیں۔ لہٰذا اس کا نکل جانا عین ممکن ہے۔ اب حکیم صاحب سے مشورہ کر لیا جائے کہ اس کو نکالنے کے لیے کیا تدبیر کی جا سکتی ہے۔ نیز اگر حکیم صاحب ضرورت سمجھیں تو حکیم غلام محمد صاحب سے بھی مشورہ کر لیں۔ حکیم غلام محمد صاحب کو مولوی ڈاکٹر اقبال صاحب اور ملک نصر اللہ خاں صاحب جانتے ہیں اور وہ اس سے پہلے پروفیسر عابد علی صاحب (پرنسپل دیال سنگھ کالج) کے مثانے سے بہت سی پتھریاں نکال چکے ہیں۔ بہر حال جو علاج بھی تجویز کیا جائے اس کے مطابق دوا اور تمام ضروری ہدایات جلدی بھیج دی جائیں۔ اور یہ خیال رکھا جائے کہ جتنی صورتیں دوران علاج میں پیش آنی ممکن ہیں ان سب کا لحاظ کر کے ہدایات لکھ دی جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ کسی نازک مرحلے پر مجھے کچھ نہ معلوم ہو کہ کیا کرنا چاہیے اور یہاں سے میں ہدایات طلب کرنے کے لیے خط لکھوں اور اس کا جواب میرے انتقال کے پچیس دن بعد یہاں پہنچے۔ ....

نیز آئندہ آپ جب کبھی آئیں یہ چیزیں ضرور لیتے آئیں: تولیے ۲ ۔ پنسل سرخ و سیاہ ایک ایک عدد ۔ جمرود مرہم ۔ فروٹ سالٹ ۔ فارمنس ٹوتھ پیسٹ ۔ اور گرم کپڑے کی ٹوپیاں ۔ نیز اگر موسم اجازت دے تو اپنے ساتھ دو درجن بڑے بکوں

کو بھی ساتھ لے آئیں۔ صورت جو میرے سامنے ہے[1] آنا چاہیں تو راضی نہیں ہیں - پہلے میں نے اسلیے بچوں کو لاہور سے منتقل کر رکھا تھا کہ بچوں کے ذہن پر یہاں
کے ماحول کا برا اثر پڑنے کا اندیشہ تھا۔ مگر اب غور کرنے سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ انہیں یہ جگہ ضرور دکھا دینی چاہیے - کیا عجب
کہ کل جو نسل اٹھنے والی ہے وہ موجودہ نسل سے بھی زیادہ بگڑی ہوئی ہو اور اس کے مقابلے میں ان لوگوں کو ہم سے بھی زیادہ
سخت جد و جہد کرنی پڑے - میں اپنی اولاد کو عیش کے لیے نہیں پالنا چاہتا بلکہ خیر کی خدمت اور شر سے جنگ کے لیے پالنا چاہتا ہوں۔
یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ مولانا مسعود عالم صاحب عراق چلے گئے ہیں - میری رائے تو یہ ہے کہ اب وہ عراق ہی
میں مستقل قیام کر لیں اور وہیں عربی لٹریچر کی اشاعت کا کام کریں - اگر وہ وہاں کے مقامی معاملات اور پارٹیوں سے
مجتنب رہ کر صرف اپنا ہی کام کرتے رہیں تو ان شاء اللہ انہیں سازگار ماحول مل جائیگا - نیز عربی دنیا کے علاوہ
ایران کے علمی حلقوں سے بھی وہ متعارف ہو سکیں گے - میرا سلام انہیں لکھ دیں - خدا نے چاہا تو حج کو جاتے وقت انسے ملونگا۔
میری طرف سے گھر میں سب کو سلام اور بچوں کو دعا اور پیار - یہ خط گھر میں بھی دکھا دیجیے گا   خاکسار   ابوالاعلیٰ

Signature of censoring officer	Date	Name of Sender
[illegible]	۱۲ مئی ۴۹ء	ابوالاعلیٰ مودودی

[1] میرے بھائی کے صاحبزادہ کا عرف ہے

لٹریچر کی اشاعت کا کام کریں۔ اگر وہ وہاں کے مقامی معاملات اور پارٹیوں سے مجتنب رہ کر صرف اپنا علمی کام کرتے رہیں گے تو اِن شاء اللہ انھیں سازگار ماحول مِل جائے گا۔ نیز عربی دُنیا کے علاوہ ایران کے علمی حلقوں سے بھی وہ متعارف ہوسکیں گے[۴] میرا اسلام انھیں لکھ دیں۔ خُدا نے چاہا تو حج کو جاتے وقت ان سے ملوں گا۔

میری طرف سے گھر میں سب کو سلام اور بچوں کو دُعا اور پیار۔ یہ خط گھر میں بھی دکھا دیجیے گا۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ میاں طفیل محمد صاحب کے والدِ گرامی میاں برکت علی (۱۸۹۲ء —— ۲۲ جولائی ۱۹۸۶ء ، لاہور) ۔ رائے پور ارائیاں ، ریاست کپور تھلہ میں مڈل اسکول کے ہیڈ ماسٹر رہے ۔ قیامِ پاکستان کے بعد ہجرت کرکے موضع پھرالہ ، تحصیل ڈچکوٹ ضلع فیصل آباد میں رہایش پذیر ہوئے ۔

۲ ۔ مراد ، حکیم محمد شریف امرت سری (پ : ۱۳ اکتوبر ۱۹۱۶ء) ہیں ۔ دہلی اور لاہور سے طبِ یونانی کی تعلیم پائی ۔ ۱۹۳۷ء میں ایک پرچہ "بال ہما" جاری کیا ۔ قیامِ پاکستان کے بعد کچھ عرصے تک مولانا مودودی کے معالج رہے ۔ اس کی تفصیل ان کے مرتبہ مجموعوں: "مکاتیبِ زنداں" اور "مکتوبات" میں ملتی ہے ۔ وفات جون ۱۹۹۱ء

۳ ۔ حکیم غلام محمد صاحب کے بارے میں تفصیلات دستیاب نہیں ہوسکیں ۔

۴ ۔ پروفیسر مولانا ظفر اقبال (۱۵ جنوری ۱۸۹۷ء سیالکوٹ —— ۵ مئی ۱۹۸۵ء لاہور) ان کے والد منشی غلام قادر فصیح معروف علمی شخصیت تھے ، جن کی تالیف "تاریخ اسلام" کا پیش لفظ علامہ اقبال نے لکھا تھا ۔ ظفر اقبال صاحب نے میٹرک ، امریکن مشن اسکول سیالکوٹ (۱۹۱۲ء) اور ایف اے ، مرے کالج سیالکوٹ سے پاس کیا (۱۹۱۴ء) ۔ اسلامیہ کالج لاہور سے بی اے آنرز عربی (۱۹۱۶ء) کیا ۔ پھر بی ٹی اور بعد ازاں ایم اے عربی کی ڈگری لی ۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا میر حسن سیالکوٹی اور حافظ عبدالمنان وزیر آبادی شامل ہیں ۔ دینی مدارس سے بھی عربی کی تعلیم حاصل کی ۔ مختلف اوقات میں اسلامیہ ہائی اسکول بھاٹی گیٹ لاہور ، میونسپل ہائی اسکول پنڈی گھیپ ضلع اٹک ، سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور اور پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج لاہور میں تدریسی فرائض انجام دیے ۔ چند ماہ گورنمنٹ کالج اٹک کے پرنسپل بھی

رہے ۔ انجمن حمایتِ اسلام کے اعزازی سیکرٹری ، پنجاب یونی ورسٹی پریس کے انچارج اور "اردو انسائی کلوپیڈیا آف اسلام کمیٹی" کے سیکرٹری کی حیثیت سے خدمات انجام دیں ۔ مولانا مودودی سے ان کی براہ راست واقفیت اس وقت ہوئی ، جب وہ دکن سے ہجرت کر کے پنجاب تشریف لائے اور اسلامیہ پارک لاہور میں ، ان کے گھر سے ملحق مکان میں آکر اُترے ۔ اس وقت سے آپ کے درمیان گہرے برادرانہ تعلقات قائم ہوئے ۔ ظفر اقبال صاحب کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ریاض قدیر (سابق پرنسپل کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور) سے مولانا کے خاندانی تعلقات قائم ہو گئے ۔ جماعت اسلامی کا تاسیسی اجلاس (اگست ۱۹۴۱ء) بھی مولانا ظفر اقبال صاحب کے گھر میں منعقد ہوا ۔ انھوں نے متعدد کتابیں تصنیف اور تالیف کیں ، مثلاً * دروس العربیۃ * درجاۃ الادب * مرقاۃ الادب * منتخبات اردو ـــــ مگر ان کا بڑا کارنامہ بہترین انداز میں قرآن مجید کی طباعت کا دوبار اہتمام ہے ۔ ایک نسخہ انھوں نے انجمن حمایتِ اسلام کے لیے تیار کیا ، جس میں صحتِ متن ، اعراب اور رموز و اوقاف کا غیر معمولی اہتمام کیا گیا تھا ۔ یہ ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا تھا ۔ اسے بعد ازاں حکومتِ پاکستان نے اپنا سرکاری نسخہ قرار دیا ـــ ان کا تیار کردہ دوسرا نسخہ عکسی تجویدی قرآن مجید کے نام سے پیکجز لمیٹڈ لاہور نے ۱۹۷۲ء میں شائع کیا ۔ یہ نسخہ "یک صوت ، یک علامت" کے اصول پر ترتیب دیا گیا ہے ۔

۵ ۔ سید عابد علی عابد (۱۹۰۶ء ـــ ۱۹۷۱ء) معروف ادیب ، شاعر اور نقاد ۔ تعلیم : ایم اے ، ایل ایل بی ۔ استاد و پرنسپل دیال سنگھ کالج لاہور ۔ مدیر : "ادبی دنیا" "ہزار داستان" اور "صحیفہ" ـــ اہم تصانیف: * شعرِ اقبال * تلمیحات اقبال * اصول انتقادِ ادبیات * البدیع * اسلوب * شب نگار بنداں * ید بیضا ، وغیرہ ۔

٦ ۔ حاجی میاں سے مراد مولانا ابوالخیر مودودی کے صاحبزادے ابوالبرکات مودودی ہیں ، جو طویل عرصے تک Pakistan Times لاہور سے وابستہ رہے ۔ بعد ازاں ریڈیو بیجنگ سے منسلک ہو گئے تھے ۔

۷ ۔ مولانا مسعود عالم ندوی (تفصیل دیکھیے : "خطوط مودودی" اوّل) کے دورۂ شرقِ اوسط از ۱۸ اپریل تا ۱۴ دسمبر ۱۹۴۹ء کے تفصیلی حالات ان کے سفرنامے "دیارِ عرب میں چند ماہ" میں ملتے ہیں ۔

٦٨

اس خط کا پس منظر یہ ہے کہ مولانا مودودی کے برادرِ بزرگ نے Habeas Corpus (حکم نامہ حاضری ملزم) کی درخواست داخل کرنے کے لیے مولانا مودودی سے متعلقہ ضروری کاغذات مانگے تھے ۔ مولانا نے حکومت سے یہ کاغذات روانہ کرنے کی اجازت چاہی ۔ انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات ، ملتان کے

دورے پر آئے ، تو انھوں نے مولانا کو یقین دلایا کہ کاغذات ان تک پہنچا دیے جائیں گے ۔ اس کے بعد حکومت نے مولانا کو یہ اطلاع دی کہ صرف توسیعِ نظر بندی کے احکام کی نقل روانہ کی جا سکتی ہے ، لیکن اس خط کے متعلق مکمل سکوت اختیار کر لیا گیا ۔

نئی سنٹرل جیل، ملتان

۲۳ نومبر ۱۹۴۹ء

بھائی صاحب السلامُ علیکم ورحمۃ اللہ۔

پچھلے خط میں آپ کو اطلاع دے چکا ہوں کہ جو کاغذات آپ نے مانگے تھے، میں نے انھیں آپ کے حوالے کرنے کے لیے اجازت طلب کی تھی۔ اب ایک لمبی مُدت کے بعد اس کا جواب مِل گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ احکامِ نظر بندی کی نقلیں دی جا سکتی ہیں، رہی میری اُس چٹھی کی نقل جو میں نے حکومت کو بھیجی تھی، تو اس کے متعلق سکوت ہے، نہ صاف انکار ہی ہے اور نہ اجازت ہی۔ لہٰذا وہ تو میں آپ کو نہ دے سکوں گا، البتہ احکامِ نظر بندی کی نقلیں آپ لینا چاہیں تو آیندہ مُلاقات کے موقع پر وہ آپ کو دے دوں گا۔

آپ لوگ جب کبھی میری رہائی کے لیے کسی کوشش کا خیال ظاہر کرتے ہیں، میں آپ کو اس سے منع نہیں کرتا، صرف اِس وجہ سے کہ آپ لوگوں کی، اور خصوصاً والدہ صاحبہ کی دِل شکنی مجھے گوارا نہیں۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ میرے نزدیک یہ ایک فضول اور غیر ضروری کام ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ لوگ ذرا صبر سے کام لیں، دیکھتے رہیں کہ اس آغاز کا انجام کیا ہوتا ہے۔ میرا عُمر بھر کا مطالعہ مجھے بتاتا ہے کہ دُنیا میں کبھی وُہ طاقتیں زندہ نہیں رہ سکی ہیں جنھوں نے قلعوں میں پناہ لینے کی کوشش کی ہے، کیونکہ میدان کے مقابلہ سے جی چرانا اور قلعوں کے پیچھے چھپنا بُزدلی کی کھُلی علامت ہے اور خُدا نے اپنی یہ زمین بُزدلوں کی فرمانروائی کے لیے نہیں بنائی ہے ۔ اسی طرح میرا مطالعہ مجھے یہ بھی بتاتا ہے کہ جن لوگوں کا کاروبار جھُوٹ اور فریب اور مکر کے بل پر چلتا ہے

اور جن کے لیے حقیقت و صداقت کی روشنی میں آجانا "خطرے" کا حکم رکھتا ہے، اور جن کو اپنی حکمرانی کی حفاظت کے لیے "سیفٹی" قسم کے قوانین کی ضرورت پیش آتی ہے، ایسے اخلاقی بزدلوں کی چوبی ہنڈیا زیادہ دیر تک چولھے پر نہ کبھی چڑھی رہ سکی ہے اور نہ رہ سکتی ہے۔ یہ چیز عقل کے خلاف ہے۔ قانونِ فطرت کے خلاف ہے اور ہزارہا برس کے تاریخی تجربات اس پر شاہد ہیں کہ ان سہاروں پر جینے والے تھوڑی دیر کے لیے چاہے کتنا ہی زور باندھ لیں بہرحال وہ دیر تک نہیں جی سکتے۔ میں اپنی خاطر نہیں خود ان لوگوں کی خاطر ہی یہ چاہتا تھا کہ یہ ہوش کے ناخن لیں اور سیدھے سیدھے بھلے آدمیوں کی طرح کام کریں۔ اس لیے میں نے باہر بھی انھیں سمجھانے کی کوشش کی اور اب اندر سے بھی اتمامِ حجت کر دیا۔ اب اگر یہ دنیا کی ہزاروں مرتبہ آزمائی ہوئی حماقتوں کا تجربہ کرنے ہی پر مصر ہیں تو انھیں تجربہ کر لینے دو۔

ابوالاعلیٰ مودودی

---

۱ ۔ مذکورہ خط دستیاب نہیں ہوسکا ۔ غالباً سنسر میں روک لیا گیا اور ابوالخیر صاحب تک نہیں پہنچا ۔
۲ ۔ جب حکومت نے مولانا مودودی کی نظر بندی میں توسیع کی ، تو مولانا نے حکومت کے اس اقدام پر چیف سیکرٹری حکومت صوبہ پنجاب کے نام یہ خط لکھا تھا ۔ بعد ازاں اس کی نقل روزنامہ "تسنیم" لاہور ۱۰ جون ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی تھی ۔
۳ ۔ "والدہ صاحبہ" (دیکھیے : خط ۱۴۱)

۶۹

"تفہیم القرآن" اولاً "ترجمان القرآن" میں قسط وار چھپتی رہی ۔ اب اس کا پہلا حصہ کتابی شکل میں شائع ہو رہا تھا ۔ مندرجہ ذیل دو خط اسی اشاعت کے ضمن میں بعض ہدایات پر مشتمل ہیں:

Printed by the Supdt., Govt. Ptg. West Pb.—1949

FORM B

(*See* Rule 24 of the Punjab Communal Detenu Rules, 1946)

Full name of sender ابوالاعلیٰ مودودی

Full name, address and relationship of addressee and of any other persons men-
tioned in the letter جناب سید ابوالخیر صاحب مودودی

۵ اے، ذیلدار پارک اچھرہ لاہور

Jail نئی سنٹرل جیل ملتان

بھائی صاحب — السلام علیکم ورحمۃ اللہ — پچھلی ملاقات کے بعد مجھے ایک دو باتوں کا خیال آیا۔ انہی کے لیے یہ خط لکھ رہا ہوں۔

مجھے تفہیم القرآن کی صحت کے بارے میں بڑی فکر ہے۔ میں نے ناشر کو بہت تاکید کی ہے کہ وہ کاپیاں اور پروف علاوہ دیوبندی سے پڑھوائیں، اس سلسلے میں ان سے پروف کو دو دفعہ پڑھوا لیں۔ لیکن مجھ کو پورا اطمینان نہیں ہو کہ کتاب صحیح چھپی۔ میرا خیال یہ ہے کہ دو آدمی جو کاپیاں اور پروف دیکھیں ان میں سے ایک آپ کو ہونا چاہیے، کیونکہ میری زبان اور انداز تحریر سے آپ اچھی طرح واقف ہیں۔ اگر آپ اسے پسند کریں تو یہ تحریر ناشر تک پہنچا دیجیے۔

میری طرف سے عزیزوں سب کو سلام

Signature of censoring officer	Date	Name of sender
Muhammad Afzal	۱۶ فروری ۵۰ء	ابوالاعلیٰ مودودی

نئی سنٹرل جیل۔ ملتان
۱۶ فروری ۱۹۵۰ء

بھائی صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

پچھلی ملاقات کے بعد مجھے ایک دو باتوں کا خیال آیا۔ انھی کے لیے یہ خط لکھ رہا ہوں۔

مجھے "تفہیم القرآن" کی صحت کے بارے میں بڑی فکر ہے۔ میں نے ناشر[۱] کو یہ تاکید کی ہے کہ وہ کاپیاں اور پروف دو آدمیوں سے پڑھوائیں، اور ہر کاپی اور پروف کو دو دفعہ پڑھا جائے۔ لیکن پھر بھی مجھے پورا اطمینان نہیں ہے کہ کتاب صحیح چھپے گی۔ میرا خیال یہ ہے کہ دو آدمی جو کاپیاں اور پروف دیکھیں ان میں سے ایک آپ کو ہونا چاہیے، کیونکہ میری زبان اور اندازِ تحریر سے آپ اچھی طرح واقف ہیں۔ اگر آپ اسے پسند کریں تو میری یہ تجویز ناشر تک پہنچا دیجیے۔

میری طرف سے گھر میں سب کو سلام۔

ابوالاعلیٰ مودودی

۱۔ شیخ قمر الدین (۱۹۰۳ء — ۴ اپریل ۱۹۶۸ء لاہور) ابتدائی دور میں مولانا ابوالکلام آزاد سے متاثر تھے۔ اگست ۱۹۲۰ء میں ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر مولانا مودودی کی دعوت سے متاثر ہوئے، جماعت میں شمولیت اختیار کی، اور "تفہیم القرآن" کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔ اپنے دیگر اشاعتی منصوبوں اور کاروباری تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے، شیخ صاحب نے اپنی تمام صلاحیتیں تفہیم کی بہتر طباعت و اشاعت کے لیے وقف کر دیں۔ مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور (۱۹۴۵ء) کے بانی تھے — ۱۹۴۸ء میں سفرِ حج کے دوران میں شیخ قمر الدین صاحب، اخوان المسلمون کے مرشدِ عام امام حسن البنا شہید (۱۹۰۶ء — ۱۲ فروری ۱۹۴۹ء) سے ملے، اور مولانا مودودی کی بعض تصانیف "اسلام کا نظریہ سیاسی" اور "اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے" (عربی تراجم) انھیں پیش کیں۔ شیخ صاحب کے انتقال پر مولانا مودودی نے فرمایا "شیخ صاحب مرحوم جماعت کے پرانے رکن تھے، اور ہمیشہ اخلاص کے ساتھ کام کرتے رہے۔ ان کی وفات میرے لیے ایک گونہ ذاتی نقصان بھی ہے، کیونکہ ان کو میرے ساتھ غیر معمولی اخلاص

تھا ۔ تقسیم سے پہلے وہ اس بات کے شدت سے آرزو مند تھے کہ تفہیم کی اشاعت کا کام انھی کے سپرد کیا جائے ۔ تقسیم کے بعد تفہیم القرآن کا کام ان کے سپرد کیا گیا ، تو اس میں وہ ایسے منہمک ہوئے کہ ان کے دوسرے سارے کام قریب قریب ختم ہو کر رہ گئے ، اور آخر وقت تک ان کی ساری دلچسپیاں اسی ایک کام کے ساتھ وابستہ رہیں" (ایشیا ، ۱۴ اپریل ۱۹۶۸ء) ۔

۷۰

نئی سنٹرل جیل . ملتان

۸ مئی ۱۹۵۰ء

بھائی صاحب ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مَیں نے تفہیم القرآن کے معاملے میں ناشر کو ہدایت کی تھی کہ جو جو فرمے چھپتے جائیں ، وہ مجھے بھیجتے جائیں تاکہ مَیں انڈکس بنا دوں ۔ لیکن اب جو طریقہ ہمیں کتابیں دینے اور ہماری بھیجی ہوئی چیزوں کے باہر پہنچانے کے معاملہ میں برتا جا رہا ہے ، اس کو دیکھتے ہوئے میرا خیال یہ ہے کہ اگر مَیں نے خود انڈکس بنانے کی کوشش کی تو یہ کتاب بہت دیر میں شائع ہو سکے گی ، بلکہ عجب نہیں کہ میرا بنایا ہوا انڈکس آپ لوگوں کو پہنچ ہی نہ سکے ۔ اس لیے اب مَیں نے یہ خیال چھوڑ ہی دیا ہے میری رائے میں اب مناسب یہ ہے کہ آپ خود ہی انڈکس بنا دیں اور اس میں حسب ذیل باتوں کا لحاظ رکھیں :

۱ ۔ مصری کتابوں کی طرح فہرست اسماء ، فہرست مقامات اور فہرست موضوعات الگ الگ نہ بنائی جائیں ، بلکہ سب کو یکجا رکھا جائے تاکہ ناظرین کو ایک ایک چیز کے لیے الگ الگ فہرستیں دیکھنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے ۔

۲ ۔ ایک عنوان کے تحت ذیلی عنوانات کی فہرست بھی بنائی جائے ، مثلاً صرف اتنے ہی پر اکتفا نہ ہو کہ حضرت ابراہیمؑ کا نام جہاں جہاں آیا ہے ان صفحات کے

نمبر دے دیے جائیں، بلکہ جتنے مختلف پہلوؤں سے ان کا ذکر کتاب میں ہوا ہے ان کو الگ الگ درج کردیا جائے۔ اس طرح اعتقادی مسائل، فقہی احکام، اخلاقی ہدایات کو بھی جہاں تک ممکن ہو، کھول کر ہر ایک کے مختلف گوشوں کو نمایاں کردیا جائے۔

۳۔ ایک موضوع کے لیے ایک عام ناظر کے ذہن میں جتنے الفاظ آسکتے ہیں، ان سب کو ابجدی فہرست میں درج ضرور کردیا جائے۔ اگرچہ اس موضوع کے متعلق حوالے ایک ہی لفظ کے تحت درج ہوں، مثلاً عقیدۂ تقدیر کے متعلق جملہ تفصیلات تو کسی ایک ہی لفظ کے تحت دی جائیں لیکن قضا و قدر، مشیّت، تقدیر وغیرہ جتنے الفاظ بھی اس مسئلے پر سوچتے وقت عام ناظرین کے ذہن میں آتے ہیں، ان سب کو اپنے اپنے مقامات پر درج کرکے اس خاص لفظ کا حوالہ دے دیا جائے جس کے تحت تفصیلات درج کی گئی ہیں۔

۴۔ انڈکس میں آپ زبان میری ہی استعمال کریں۔

۵۔ جہاں تک ممکن ہو انڈکس اتنا جامع اور مفصّل بنایا جائے کہ کتاب کے تمام فوائد ناظرین کی دست رس میں آجائیں۔

میری صحت اب خدا کے فضل سے روبہ اصلاح ہے۔ آپ کے جانے کے بعد دوائیں لی گئی تھیں۔ ان کے استعمال سے کافی فائدہ ہُوا۔ کمیِ خون کی وجہ سے جو شکایات پیدا ہوگئی تھیں، اب وہ بڑی حد تک دور ہوچکی ہیں۔ اُمید ہے کہ جو باقی ہیں وہ بھی جلدی دور ہوجائیں گی۔ گھر میں سب کو اطمینان دِلا دیں۔

میری طرف سے والدہ صاحبہ قبلہ کی خدمت میں آداب عرض کردیں سب بچوں کو پیار۔

آپ کا

ابوالاعلیٰ

JAIL ـــــ نئی سنٹرل جیل ملتان

بھائی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ میں نے "تفہیم القرآن" کے سلسلہ میں ناشر کو ہدایت کی تھی کہ جو جو فارم چھپتے جائیں وہ مجھے بھیجے جائیں تاکہ میں انڈکس بنا دوں۔ لیکن اب جو طریقہ ہمیں کتابیں دینے اور ہماری بھیجی ہوئی چیزیں دینے کا ہے، بیچ میں مہینہ مہینہ پڑا رہتا ہے اس کو دیکھتے ہوئے میرا خیال یہ ہے کہ اگر میں نے خود انڈکس بنانے کی کوشش کی تو یہ کتاب بہت دیر میں شائع ہو سکے گی۔ بلکہ عجب نہیں کہ میرا بنایا ہوا انڈکس آپ لوگوں تک پہنچ ہی نہ سکے۔ اسلیے اب میں نے یہ خیال چھوڑ دیا ہے۔ میری رائے میں اب مناسب یہ ہے کہ آپ خود ہی انڈکس بنا دیں اور اس میں حسب ذیل باتوں کا لحاظ رکھیں:

۱ - مصری کتابوں کی طرح فہرست اسماء، فہرست مقامات اور فہرست موضوعات الگ الگ نہ بنائی جائیں بلکہ سب کو یکجا رکھا جائے تاکہ ناظرین کو ایک ایک چیز کے لیے الگ الگ فہرستیں دیکھنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

۲ - ایک عنوان کے تحت ذیلی عنوانات کی فہرست بھی بنائی جائے۔ مثلاً صرف اتنے ہی پر اکتفا نہ ہو کہ حضرت ابراہیم کا نام جہاں جہاں آیا ہے ان صفحات کے نمبر دیے جائیں، بلکہ جتنے مختلف پہلوؤں سے ان کا ذکر کتاب میں ہوا ہے ان کو الگ الگ درج کر دیا جائے۔ اسی طرح اعتقادی مسائل، فقہی احکام، اخلاقی ہدایات کو بھی جہاں تک ممکن ہو کھول کر ہر ایک کے مختلف گوشوں کو نمایاں کر دیا جائے۔

۳ - ایک موضوع کے لیے ایک عام ناظر کے ذہن میں جتنے الفاظ آ سکتے ہیں ان سب کو ابجدی فہرست میں درج ضرور کر دیا جائے، اگرچہ اس موضوع کے متعلق حوالے ایک ہی لفظ کے تحت درج ہوں۔ مثلاً عقیدۂ تقدیر کے متعلق جملہ تفصیلات تو کسی ایک ہی لفظ کے تحت دی جائیں لیکن قضا و قدر، مشیت، تقدیر، وغیرہ جتنے الفاظ بھی اس مسئلے پر سوچتے وقت عام ناظرین کے ذہن میں آتے ہیں ان سب کو اپنے اپنے مقامات پر درج کر کے اس خاص لفظ کا حوالہ دے دیا جائے جس کے تحت تفصیلات درج کی گئی ہیں۔

۴ - انڈکس میں آپ زبان نیری ہی استعمال کریں۔

۵ - جہاں تک ممکن ہو انڈکس اتنا جامع اور مفصل بنایا جائے کہ کتاب کے تمام فوائد ناظرین کی دسترس میں آ جائیں۔

میری صحت اب خدا کے فضل سے رو بہ صحت ہے۔ آپ کے جانے کے بعد دوائیں پہنچ گئی تھیں۔ ان کے استعمال سے کافی فائدہ ہوا۔

انجکشنوں کی وجہ سے جو شکایات پیدا ہو گئی تھیں اب وہ بڑی حد تک دور ہو چکی ہیں ۔ امید ہے کہ جو باقی ہیں وہ بھی جلدی دور ہو جائیں گی ۔ گھر میں سب کو اطمینان دلا دیں ۔

میری طرف سے والدہ صاحبہ قبلہ کی خدمت میں آداب عرض کر دیں اور سب کو سلام و دعا ۔ بچوں کو پیار

آپ کا

ابوالاعلیٰ

SIGNATURE OF CENSORING OFFICER	DATE	NAME OF SENDER
Muhammad Afzal 10/7/50	۹ جون ۱۹۵۰	ابوالاعلیٰ مودودی

آغا شورش کاشمیری

آغا عبدالکریم شورش کاشمیری (۱۴ اگست ۱۹۱۴ء ـــ ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۵ء لاہور) معروف صحافی، انشا پرداز، شاعر اور مقرر۔ عمر بھر آزادیِ وطن اور بنیادی حقوق کے تحفظ کی تحریکوں میں پیش پیش رہے۔ ہر ظلم و زیادتی کا پامردی سے مقابلہ کیا اور بارہا جیل بھگتی۔ بہ قول مولانا مودودی: "جاں کاہ اور روح فرسا مصائب و شدائد برداشت کیے" تصانیف دو درجن سے زائد ہیں۔ (دیکھیے: "چٹان" شورش کاشمیری نمبر، یکم نومبر ۱۹۷۶ء) ان کے بارے میں مولانا مودودی کا مضمون "شورش کاشمیری: شمشیر برہنہ" بھی مذکورہ خصوصی نمبر میں شامل ہے ــ خصوصاً آخری زمانے میں مولانا اور شورش کے درمیان "دوستانہ ہی نہیں، بلکہ برادرانہ تعلقات" قائم ہو گئے تھے۔ "مکاتیبِ مودودی" اوّل میں ان کے نام مولانا کے دو (۵۲ اور ۱۱۲) اور حصہ دوم میں تین (۳۰، ۱۵۰ اور ۱۹۹) خطوط شامل ہیں۔

۱۷

شورش کاشمیری نے اپنے نام مولانا کے مندرجہ ذیل خط کا پس منظر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ بتاتے ہیں:

"پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز کانفرنس، میں سیفٹی قوانین کی حمایت کرنے کے لیے [علی محمد] راشدی کے ساختہ پرداختہ اور مجلسِ قائمہ کے ذمہ دار رکن الحاج امین الدین صحرائی، مالک و مدیر "جدید نظام" نے کہا تھا، وہ ملتان جیل میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے ملے تو انھوں نے قائدِ اعظم کو برا بھلا کہا۔ میں نے "الحاج" کو ان کے "ارشادات" پر اسی وقت ٹوکا۔ مجھے یقین تھا کہ مولانا مودودی جیسا بلند پایہ انسان تصور میں بھی اس قسم کے گناہ کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ چناں چہ میں نے لاہور پہنچتے ہی مولانا مودودی کو سپرنٹنڈنٹ سنٹرل جیل ملتان کی وساطت سے یہ خط لکھا تھا:

دفتر چٹان، لاہور

۱۴۔ اپریل ۱۹۵۰ء

مخدومی مولانا، سلامِ اخلاص

شاید آپ کو اس خط کے "نزول" سے تعجب ہو، لیکن اس دفعہ پی این ای سی کے اجلاس میں

Received 24/4/50.

دفتر چٹان، لاہور

۱۲ اپریل ۱۹۵۰ء

مخدومی مولانا

سلام اخلاص

شاید آپ کو میرے اس "تنزل" سے تعجب ہو۔ لیکن اس دفعہ پی این اے سی کے اجلاس میں احتشام الدین مراد آبادی نے آپ کے متعلق بعض ایسی باتیں کہیں جنہیں قلب و دماغ نے قبول کرنے سے انکار کیا — کیا آپ ازراہ کرم مندرجہ تحت چند سوالات کا جواب مرحمت فرما سکتے ہیں؟

(۱) یہ صحیح ہے کہ آپ نے احتشام الدین مراد آبادی سے جیل میں ملاقات کی؟

(۲) یہ ملاقات ہوئی تو کب؟ اور کتنی دیر رہی؟

(۳) کیا آپ نے یا آپ کے "کراچی میں رفقا پیش کیے گئے" یا کسی اور کو تحریک کے احترام کا اظہار کیا؟

(۴) مراد آبادی صاحب نے پی این اے سی کے اجلاس میں حلفیہ کہا ہے کہ آپ نے ... کے متعلق کہا ہے اور کعبۃ اللہ کو ... اس کی اطلاع ہے۔

مجھے اس بات کا قطعاً علم نہیں لیکن معاملہ کی نوعیت ایسی ہو گئی ہے اور آپ کا جواب لازم ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی اور میاں محمد شفیع کو سلام پہنچے۔

نیاز مند

شورش کاشمیری

مولانا صاحب کے مذکورہ بیانات کا جواب دیا
ملاقات مورخہ ۱۸ اپریل ۵۰ء

الحاج امین الدین صحرائی نے آپ کے متعلق بعض ایسی باتیں کہیں، جنھیں قلب و دماغ نے قبول کرنے سے انکار کیا۔ کیا آپ مندرجہ ذیل چند سوالات کا جواب مرحمت فرما سکتے ہیں :

(۱) یہ صحیح ہے کہ آپ سے الحاج امین الدین صحرائی نے جیل میں ملاقات کی ؟

(۲) یہ ملاقات ہوئی تو کب ؟ اور کتنی دیر تک ؟

(۳) کیا آپ نے یا آپ کے گرامی قدر رفقاء میں سے کسی نے پاکستان کی تخریب کے عزائم کا ذکر کیا ؟

(۴) صحرائی صاحب نے پی این ای سی کے اجلاس میں حلفاً بیان کیا ہے کہ آپ نے قائداعظم کے متعلق کڑے اور بھدے الفاظ استعمال کیے، اس میں کہاں تک اصلیت ہے؟۔

مجھے اس جسارت کے لیے معاف کیجیے گا، لیکن معاملے کی نوعیت ہی ایسی ہو گئی ہے کہ آپ کا جواب لازم ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب اور میاں طفیل محمد صاحب کو سلام کہیے گا۔

شورش کاشمیری

("چٹان" ۲۲ مئی ۱۹۵۰ء، ص ۱۲)

نئی سنٹرل جیل ملتان

۲۸ اپریل ۱۹۵۰ء

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

عنایت نامہ مورخہ ۲۴ اپریل مجھے ۲۷ اپریل کو وصول ہوا۔ صحرائی صاحب کی مجھ سے یا میرے رفقاء سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔ اس بات کی تو سرکاری ذرائع سے بھی تحقیق کی جا سکتی ہے کہ آخر وہ مجھ سے کب ملے اور کیسے مل سکتے تھے؟ آپ کے باقی ماندہ سوالات ایسی صورت میں غیر متعلق ہو جاتے ہیں جبکہ سرے سے کوئی ملاقات ہوئی ہی نہیں۔

برادرم، میں اس وقت ایسی پوزیشن میں ہوں کہ اپنے خلاف کسی الزام کی تردید کرنا تو درکنار، اکثر حالات میں یہ جاننا بھی میرے لیے مشکل ہے کہ باہر کیا الزام مجھ پر لگایا جا رہا ہے۔ یہ ایک نادر موقع ہے کہ جس کے لیے بھی مجھ پر حملہ آور ہونا مفید ہو سکتا ہو اس کو ضرور اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ انسان کا گوشت ویسے ہی ایک لذیذ چیز ہے۔ پھر جب کہ وہ مفت بٹ رہا ہو تو ہمارے موجودہ اخلاقی ماحول میں بھلا ایسے زاہد کتنے نکل آئیں گے

جو اس سے متمتع ہونے میں تامل کر جائیں۔

صحرائی صاحب نے تو جو کچھ کیا اس کا مجھے کوئی رنج نہیں، کیونکہ وہ مجھے نہیں جانتے اور جانتے بھی ہوں تو ان کے کرنے کا کام وہی ہے جو انھوں نے کیا۔ مگر آپ نے جو مجھ سے یہ پوچھا کہ کیا تو نے پاکستان کی تخریب کے عزائم کا اظہار کیا اور کیا تو نے قائدِ اعظم مرحوم کو گالیاں دیں؛ اس سے فی الواقع مجھے بڑی اذیت ہوئی، کیونکہ آپ سے میری توقعات کچھ اور تھیں۔ برادرِ عزیز! کیا اب کوئی ذلیل سے ذلیل بہتان بھی میرے مرتبے سے اتنا فروتر نہیں رہا کہ آپ اُسے سُن کر سُبحانکَ ھٰذا بھتان عظیم کہہ سکیں اور مجھ سے اس کے دریافت کرنے کی ضرورت نہ سمجھیں؟ اور بالفرض اگر تحقیق کرنا ضروری ہی تھا تو مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں کوئی اجنبی اور غیر معروف آدمی تو نہیں ہوں۔ کم و بیش تیس سال سے پبلک لائف میں ہوں۔ برسوں اخبار نویسی کر چکا ہوں۔ سترہ اٹھارہ برس سے "ترجمان القرآن" نکال رہا ہوں۔ کتابوں اور رسالوں کی شکل میں میرے لکھے ہوئے ہزاروں صفحے موجود ہیں جن کو بلا مبالغہ لاکھوں آدمی پڑھ چکے ہیں۔ پاکستان اور ہندستان میں ہزارہا آدمی ایسے موجود ہیں جنھوں نے اپنے کانوں سے میری تقریریں سُنی ہیں۔ ہزاروں آدمی ذاتی طور پر میرے جاننے والے موجود ہیں۔ خود شہر لاہور میں برسوں رہ چکا ہوں۔ آپ نے کیوں نہ پبلک میں اعلان کیا کہ جو شخص ابوالاعلیٰ کو ایک بدزبان اور یاوہ گو انسان کی حیثیت سے جانتا ہو، یا جس نے اس کو کبھی اسلام اور مسلمانوں کے دشمن و بدخواہ کی حیثیت سے جانا ہو وہ اپنی شہادت پیش کرے؟ آپ نے کیوں نہ میرے نئے اور پرانے ہمسایوں سے پوچھا کہ انھوں نے کبھی کوئی گالی یا بیہودہ بات میری زبان سے سُنی ہے؟ آپ نے کیوں نہ میرے ذاتی ملازموں سے پوچھا کہ میں نے کبھی ان کو سخت سُست کہا ہے؟ نہیں، بلکہ جو لوگ وقتاً فوقتاً مجھ کو گالیاں دیتے رہے ہیں اور آج بھی گالیوں

سے نواز رہے ہیں، آپ نے انہی سے قسم دے کر پوچھ لیا ہوتا کہ کبھی میں نے بھی ان کی گالی کا جواب گالی سے دیا ہے؟ یہ ساری شہادتیں اگر دُنیا سے ناپید ہو چکی ہوتیں تو البتہ آپ حق بجانب تھے کہ مجھ سے دریافت فرماتے۔

"پاکستان کی تخریب کے عزائم کا اظہار" اور وہ بھی میری زبان سے؟

سُبحان اللہ! میرے عزیز! تھوڑی دیر کے لیے دین و ملت کے سوال کو بھی نظر انداز کر دیجیے۔ خالص مادّی نقطۂ نظر ہی سے دیکھیے تو بھلا یہ کوئی عقل میں آنے کی بات ہے کہ جو شخص خُود اپنے بال بچوں سمیت اِس کشتی میں سوار رہے وُہ اِس میں چھید کرے گا؟ کیا وہ خُود یہ چاہے گا کہ اس کا اور اس کی بیوی اور بیٹیوں اور بچوں کا وہی حشر ہو جو اس کی آنکھیں مشرقی پنجاب میں اپنی قوم کی بہنوں اور بیٹیوں کا دیکھ چکی ہیں؟ اِس قسم کا عجیب سوال مجھ سے کرنے کے بجائے آپ نے جیل کے ڈاکٹر سے پُوچھا ہوتا کہ ابُوالاعلیٰ اِس قید کے زمانہ میں کہیں پاگل تو نہیں ہو گیا ہے؟ اگر میں عقل و خرد سے محروم نہیں ہوں تو کیا غیرت، حمیت، شرافت سب آپ ہی لوگوں کے حصہ میں آ گئی ہے؟ میرے اندر اس کا شائبہ بھی نہیں رہا؟

ابوالاعلیٰ مودودی[2]

---

۱ ۔ ترجمہ: پاک ہے تیری ذات، یہ تو ایک بہتانِ عظیم ہے۔ (سورۃ نور: ۱۶) —— یہ آیت سورہ نور کے اس حصے میں آئی ہے، جس میں واقعۂ اِفک پر تبصرہ کیا گیا ہے، اور حضرت عائشہؓ پر مخالفین کی جانب سے جو الزام تراشی کی گئی، اس پر مسلمانوں سے کہا گیا، کہ یہ الزامات سنتے ہی تم نے کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو بہتانِ عظیم ہے۔

۲ ۔ ۲۸ اپریل کا تحریر کردہ یہ خط کئی روز تک سنسر والوں کے پاس پڑا رہا۔ سنسر افسر نے اس پر ٦ مئی کو دستخط کر کے، مکتوب الیہ کو روانہ کیا ——

باسمہ سبحانہ

لاہور
۲۹ جولائی ۱۹۶۸ء

محترمی و مکرمی - السلام علیکم و رحمۃ اللہ

میرے لیے یہ امر موجبِ مسرت ہے کہ "چٹان" تین ماہ کے جبری تعطل کے بعد اللہ کے فضل و کرم سے عدالتِ عالیہ کے فیصلے کی بنا پر دوبارہ منظرِ عام پر آگیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ چٹان کو دیکھ کر جب قارئین کا ذہن بے اختیار اس کے بے باک مدیر اور چٹان پریس کی طرف منتقل ہوگا۔ جو دونوں اس وقت تک پابندِ سلاسل ہیں تو سب کی خوشی داغدار ہو جاتے گی۔ تاہم ڈیکلریشن کی تنسیخ کے بعد چٹان کا دوبارہ نمودار ہونا بجائے خود قابلِ مسرت ہے اور ہماری یہ دعا اور تمنا ہے کہ یہ دورِ ابتلا ختم ہو کر رہے اور اللہ وہ وقت جلد لے آئے جب کہ "چٹان" اپنے مدیر کے زیرِ ادارت اپنے ہی پریس میں چھپ کر شائع ہو۔ "چٹان" کے ناظرین کو چاہیے کہ وہ اس مشکل دور میں ہمدردی اور تعاون کا ثبوت دیں اور جناب شورش کاشمیری اور ادارہ چٹان کے حق میں عافیت و استقامت کی دعا کرتے رہیں۔ اس موقع پر میں یہ بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ شورش صاحب کی نظربندی اور ان کے پریس کی ضبطی اپنی جگہ خواہ کتنی ہی افسوسناک ہو، لیکن اس سے بھی بڑھ کر جس چیز نے ہر مومن کے دِل میں زخم ڈال دِیے ہیں۔ وہ اِس اقدام کی وجہ ہے جسے حکومت نے بڑا ہلکا سمجھا ہے حالانکہ اِسلام کی نگاہ میں وہ اِنتہائی سنگین ہے۔

والی اللہ المشتکیٰ

خاکسار
ابوالاعلیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابوالاعلیٰ مودودی

5-اے ذیلدار پارک - اچھرہ

لاہور-12 (پاکستان)۔

فون نمبر: 2500

حوالہ ________

مورخہ ________

میری عزیز سوگوار بہن

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آج صبح اٹھتے ہی اخبار میں آپ کے عظیم القدر شوہر اور اپنے عزیز بھائی کی وفات کی خبر پاکر شدید صدمہ ہوا۔ میں اسی وقت آپ کے غم میں شریک ہونے کے لیے آنا چاہتا تھا۔ لیکن رات میرے اوپر انگزیما کا اچانک حملہ ہوگیا جس کی وجہ سے چلنا پھرنا دشوار ہوگیا ہے۔ اس لیے اس خط کے ذریعہ سے آپ کو اور بچوں اور بچیوں کو پیغام تعزیت بھیج رہا ہوں۔ حقیقت میں آپ ہی کے لیے نہیں میرے لیے بھی یہ ایک سانحہ ہے کہ اس پر میں اپنے آپ کو بھی تعزیت دے رہا ہوں۔ میرے اور ان کے درمیان سالہا سال سے دوستانہ نہیں بلکہ برادرانہ تعلقات تھے اور میرے ساتھ ان کی محبت ایک حقیقی بھائی کی محبت سے کسی طرح کم نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ ان کی روح کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے، ان پر اپنی رحمتوں کی بارش فرمائے، اسلام اور مسلمانوں کے لیے انکی خدمات اور قربانیوں کو شرف قبول بخشے، اور آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

شریک غم

۷۳

شورش کاشمیری کے انتقال پر مولانا نے مندرجہ ذیل تعزیتی خط ان کی اہلیہ کے نام روانہ کیا :

لاہور:
۲۵ اکتوبر ۱۹۷۵ء

میری عزیز سوگوار بہن

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آج صبح اٹھتے ہی اخبار میں آپ کے عظیم القدر شوہر اور اپنے عزیز بھائی کی وفات کی خبر پاکر شدید صدمہ ہوا۔ میں اسی وقت آپ کے غم میں شریک ہونے کے لیے آنا چاہتا تھا لیکن رات میرے اوپر ایگزیما کا اچانک حملہ ہوگیا جس کی وجہ سے چلنا پھرنا دشوار ہوگیا ہے۔ اس لیے میں اس خط کے ذریعہ سے آپ کو اور بچوں اور بچیوں کو پیغام تعزیت بھیج رہا ہوں۔ حقیقت میں آپ ہی کے لیے نہیں، میرے لیے بھی یہ ایسا سانحہ ہے کہ اس پر میں اپنے آپ کو بھی تعزیت دیتا ہوں۔ میرے اور ان کے درمیان سالہا سال سے دوستانہ ہی نہیں بلکہ برادرانہ تعلقات تھے اور میرے ساتھ ان کی محبت ایک حقیقی بھائی کی محبت سے کسی طرح کم نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ ان کی روح کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے، ان پر اپنی رحمتوں کی بارش فرمائے، اسلام اور مسلمانوں کے لیے ان کی خدمات اور قربانیوں کو شرفِ قبول بخشے اور آپ سب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

شریکِ غم
ابوالاعلیٰ

اسی طرح مولانا نے لکھا : ”شورش کاشمیری نے انگریز کے بدترین دورِ استبداد میں بھی قید میں کاٹیں، سخت ظلم سہے، مرحوم نے حق گوئی اور ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کے لیے جس راہ کو اختیار کیا، آخر دم تک اسی پر چلتے رہے۔ ہر اس تکلیف اور ہر مصیبت کو استقلال کے ساتھ جھیلا جو اس راہ میں پیش آئی“ (”چٹان“ یکم نومبر ۱۹۷۶ء)

نامعلوم

۷۴

یہ خط "نقوش" کے خطوط نمبر، دوم میں شائع ہوا (ص ۵٦۸) مکتوب الیہ کا نام درج نہیں :

[لاہور]
۲۵ مارچ ۱۹۵۱ء

[لاہور]
۲۵ مارچ ۵۱ء

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ مورخہ ۱۲ مارچ بروقت مل گیا تھا۔ جواب میں تاخیر کی وجہ میری عدیم الفرصتی ہے۔ امید ہے کہ میری مجبوریوں کو ملحوظ رکھ کر معاف فرمائیں گے۔

تقدیر کے مسئلے میں آپ کو جو اُلجھن ہے، اسے چند لفظوں میں دُور کرنا مشکل ہے۔ آپ اگر اُسے پوری طرح سمجھنا چاہتے ہیں تو میری کتاب "مسئلہ جبر و قدر" ملاحظہ فرمائیے۔ راولپنڈی میں جماعت اسلامی کے دارالمطالعہ سے اُسے حاصل کر سکتے ہیں۔

حدیث کے بارے میں یہ بات آپ کے ذہن نشین رہنی چاہیے کہ کسی مسئلے کے سارے پہلو کسی ایک ہی حدیث میں مذکور نہیں ہوتے، اس لیے جو شخص صرف ایک دو روایتوں کو لے کر ان سے کوئی نتیجہ نکالنا چاہے گا وہ غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جائے گا۔ جو اُلجھن آپ کو ایک حدیث سے پیش آئی ہے، اس سے بہت زیادہ اُلجھنیں اس صورت میں پیش آئیں گی جب کہ آپ قرآن مجید کی کسی ایک آیت سے کوئی بڑا مسئلہ حل کرنا چاہیں گے۔ اسی مسئلہ تقدیر کے متعلق قرآن مجید کی کوئی آیت سراسر جبر کا پہلو پیش کرتی ہے اور کوئی دوسری آیت انسانی اختیار کی اہمیت ظاہر کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ علم مسائل دین کے متعلق ایک جامع نظریہ قائم کرنے کے لیے یہ ضروری قرار

دیتے ہیں کہ ایک مسئلہ پر جتنی آیات اور احادیث سے روشنی پڑتی ہو اُن سب کو نگاہ میں رکھا جائے۔

جس خاص حدیث کے بارے میں آپ نے اپنی اُلجھن بیان فرمائی ہے اس پر آپ اس پہلو سے غور فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ جو بے شمار مخلوق روزانہ پیدا فرما رہا ہے، اگر اس کو ان میں سے ہر ہر چیز کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ کس چیز کی کیا استعداد ہے؟ کس کا دنیا میں کیا کام ہے؟ اور کس کو نظامِ کائنات میں کس جگہ رہنا ہے اور کیا خدمت انجام دینی ہے؟ تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اللہ (معاذ اللہ) اس بے خبری کے ساتھ ایک دن بھی اس عظیم الشان کائنات کا انتظام چلا سکتا ہے؟ یہ بات آخر کس طرح باور کی جا سکتی ہے کہ دنیا کا خالق اور مدبر اپنی مخلوق کے حال اور مستقبل سے لاعلم ہو، یہ تک نہ جانتا ہو کہ کل اس کی سلطنت میں کیا کچھ پیش آنے والا ہے؟ اور اس کو کسی کے اچھے یا بُرے کام کا صرف اسی وقت علم ہو جب وہ اپنا کام کر گزرے۔ یہ بات نہ صرف عقل کے خلاف ہے، بلکہ اگر آپ اس کے نتائج پر غور کریں تو اُن اُلجھنوں سے بہت زیادہ سخت اُلجھنیں اس سے پیدا ہوتی ہیں جو پیشگی نوشتۂ تقدیر کی خبر سُن کر آپ کے ذہن میں پیدا ہوتی ہیں۔

پس یہ تو بہر حال ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ جملہ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْن کا علم رکھتا ہے اور ہر متنفس کا مستقبل اس کو معلوم ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں ہے کہ اللہ کے اس علمِ سابق نے ہر متنفس کو وہی کام کرنے پر مجبور کر دیا ہے جو اللہ کو معلوم ہے کہ وہ کرے گا۔ اللہ کا علم اللہ کی قدرت کی نفی نہیں کرتا۔ اللہ کی قدرت نے ہر انسان کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ بھلائی اور برائی میں سے جس چیز کو چاہے انتخاب کرے، اور اللہ کا علم یہ جانتا ہے کہ کون شخص کیا کچھ انتخاب کرے گا؟ غلطی سے اس ذاتِ پاک کا علم بھی منزّہ ہے اور اس کی قدرت بھی۔

رہی یہ بات کہ لوگ عقیدۂ تقدیر کو غلط معنی میں لے رہے ہیں، اور اس کے بُرے نتائج نکل رہے ہیں، تو یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ایک حقیقت کو اس کی وجہ سے بدل ڈالا جائے، نہ حقیقتیں صرف اس بنیاد پر بدل سکتی ہیں کہ لوگ ان کے سمجھنے میں غلطی

کر رہے ہیں غلطی حقیقت کی نہیں بلکہ لوگوں کی سمجھ کی ہے اور وہی اصلاح طلب ہے۔

آپ نے جو نصیحتیں فرمائی ہیں، ان کی میں اس لحاظ سے قدر کرتا ہوں کہ جو دردِ دل اُن میں پایا جاتا ہے وہ بہت قیمتی ہے، لیکن اس حیثیت سے وہ میرے لیے کچھ زیادہ مفید نہیں ہیں کہ ان میں کسی غور و فکر کی علامات مجھے نظر نہیں آئیں۔ جن معاملات کے بارے میں آپ میری رہنمائی فرما رہے ہیں، ان کے متعلق فیصلہ کُن رائیں قائم کرنے کے لیے اس سے بہت زیادہ خونِ جگر کھپانے کی ضرورت ہے جتنا آپ نے کھپایا ہے۔ اگر آپ نے مشورہ دینے سے پہلے کچھ سوچ لیا ہوتا تو یہ فقرہ آپ کے قلم سے نہ نکلتا کہ:۔

"بہتر ہوتا آپ اپنا منشور کسی دوسری جماعت میں مُدغم کر کے آواز بلند کرتے۔"

اس پر میں اس کے سوا اور کیا کہوں کہ یا تو آپ نے ہمارا منشور نہیں پڑھا ہے یا دوسری موجود الوقت جماعتوں کو نہیں سمجھا ہے۔

مجھے آپ کے آخری فقروں کو پڑھ کر شبہ ہوتا ہے کہ آپ نے جماعتِ اسلامی کی شائع کردہ کسی چیز کو پڑھنے کی تکلیف گوارا نہیں فرمائی ہے اور ہمارے متعلق آپ کی معلومات کا سارا دار و مدار صرف ان اخباروں پر ہے جو ہر روز ایک نیا جھوٹ گھڑ کے شائع کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً آپ کا یہ ارشاد کہ "آپ میں تلوّن پیدا ہو چکا ہے، یعنی سب سے پہلے آپ کا اعلان کہ ہم انتخابات میں کوئی حصّہ نہیں لیں گے، پھر ہم کھڑے ہو گئے، بعدہٗ انکار، پھر اثبات، چہ معنی؟" صریحاً آپ کی بے خبری پر دلالت کرتا ہے۔ کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ یہ الزام جو آپ براہِ راست مجھ کو مخاطب کر کے میرے اُوپر لگا رہے ہیں، اس کے بارے میں آپ کا ذریعۂ معلومات کیا ہے؟ آپ کے اندر اتنا احساسِ ذمہ داری بھی نہیں ہے کہ ایک شخص کے مُنہ پر اس کے متعلق ایک بات کہنے سے پہلے اس کی اپنی شائع شدہ تحریروں ہی کو پڑھ لیتے تاکہ آپ کی بات غلط نہ نکلے اور اس کی نگاہ میں آپ کی بے وقری نہ ہو؟ آپ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ جماعتِ اسلامی نے مئی ۴۹ء میں ایک باقاعدہ ریزولیوشن کی شکل میں اپنی انتخابی پالیسی کا اعلان کر دیا تھا اور اس کے اندر آج تک ایک شوشے کا ردّ و بدل بھی نہیں کیا گیا۔ آپ نے "جماعت اسلامی کی انتخابی جدّوجہد

نامی پمفلٹ کا بھی ایک لفظ نہیں پڑھا جس میں اس انتخابی پالیسی کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے اور اس کی اشاعت کو کئی مہینے گزر چکے ہیں[1]۔ آپ نے میری وہ تقریریں بھی نہیں سنیں جو راولپنڈی میں نومبر ۵۰ء اور فروری ۵۱ء میں میں نے ہزاروں آدمیوں کے سامنے کی تھیں اور جس میں اسی انتخابی پالیسی کی پوری وضاحت کر دی تھی۔ یہ سب کچھ چھوڑ کر آپ ان اخبارات پر انحصار کر رہے ہیں جو نہایت بے شرمی کے ساتھ جان بوجھ کر دوسروں کی پوزیشن غلط بنا کر پیش کرتے رہتے ہیں۔ اس حالت میں جب آپ یہ فرماتے ہیں کہ "میں آپ کی ہمیشہ طرفداری کرتا ہوں" تو مجھے ملامت نہ کیجیے اگر میں یہ دعا کروں کہ خدایا مجھے ایسے طرفداروں سے بچا۔

میرے اور جماعت اسلامی کے خلاف جو بہتان تراشے جا رہے ہیں[2]، ان کے مقابلے میں ہماری خاموشی کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ہم ان کی تردید نہیں کر سکتے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ان کی تردید میں اپنے اوقات اور اپنی محنتوں اور وسائل کو ضائع کرنا پسند نہیں کرتے۔ ہمارے مخالفین خدا اور آخرت سے بے خوف ہو چکے ہیں۔ ان کے اندر صداقت و دیانت کا نہیں، حیا کا بھی فقدان ہے۔ وہ روز ایک نیا جھوٹ گھڑ سکتے ہیں اور اسے پوری بے باکی کے ساتھ شائع کر سکتے ہیں۔ ان کے پاس فضول کاموں کے لیے بہت وقت موجود ہے اور حرام کے روپے کی بھی کمی نہیں ہے جس سے وہ ہزاروں لاکھوں اشتہار اور پمفلٹ شائع کر سکتے ہیں۔ مگر ہم اپنے مفید کاموں کو چھوڑ کر ان کی تردید میں کہاں تک اپنا وقت اور اپنی محنتیں صرف کر سکتے ہیں، اور ہم اتنا روپیہ کہاں سے لائیں کہ ان کی بیہودگیوں کے مقابلہ میں پوسٹر کا جواب پوسٹر اور پمفلٹ کا جواب پمفلٹ سے دیتے رہیں، اور اگر بالفرض ہم ایسا کر بھی دیں تو یہ درحقیقت اُن کے منشا کی تکمیل ہو گی، کیوں کہ وہ تو یہ سب کچھ اسی لیے کر رہے ہیں کہ کسی طرح ہم کو بے کار بحثوں میں اور الزامات کے جواب اور جواب الجواب میں اُلجھا کر رکھ دیں اور وہ اصل کام ہمیں نہ کرنے دیں جس کو وہ اپنے لیے پیغام موت سمجھ رہے ہیں۔ اس لیے ہمارے

حق یہی تو یہ عین تقاضا ہے حکمت ہے کہ ہم اس جھوٹ کے طوفان کو خاموشی کے ساتھ ٹال دیں اور صبر کے ساتھ اپنا کام کیے چلے جائیں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ یہ پمفلٹ "جماعت اسلامی کی انتخابی جدوجہد ، اس کے مقاصد اور طریقِ کار" کے نام سے شعبۂ نشر و اشاعت جماعت اسلامی، کراچی نے شائع کیا تھا ۔ (۳۲ صفحات)

۲ ۔ اس کی تفصیل "رسائل و مسائل" دوم (ص ۴۳۳ تا ۵۳۷) میں دیکھی جا سکتی ہے ۔ چوں کہ مولانا مودودی کے خلاف الزام و اتہام کی اس مہم کی جڑیں بہت گہری تھیں ، اس لیے مولانا مودودی نے جنوری ۱۹۴۲ء ہی میں لکھ دیا تھا : "ہمیں امید تھی کہ اسلامی انقلاب کے لیے ایک جماعت کی تشکیل کا نام سن کر کمونسٹ اور سوشلسٹ کان کھڑے کریں گے ۔ نیشنلسٹ چوکنے ہوں گے ، فرعونی اقتدار اپنا اسلحہ تیز کرے گا ، اور مسلمانوں میں سے اگر کوئی گروہ مقابلے کے لیے اٹھے گا ، تو وہ مغربی جاہلیت سے ماؤف لوگوں کا گروہ ہو گا ، مگر ہم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جہاں جہاں سے ہم مخالفانہ پیش قدمی کا اندیشہ رکھتے تھے، وہاں تو ابھی سکون ہے ، اور حملے کا آغاز اُس دین دار گروہ کی طرف سے ہو رہا ہے ، جس سے ہم اپنے آپ کو بالکل مامون سمجھے بیٹھے تھے ۔۔۔۔" (اشارات: ترجمان القرآن ، جنوری فروری ۱۹۴۲ء)

۷۵

یہ خط ، جون ۱۹۵۵ء کے "چراغ راہ" میں بہ عنوان : "سرحد کے ایک نیاز مند کے نام" بہ حوالہ وشکریہ "رہبر" پشاور شائع ہوا تھا ۔ یہ نیاز مند کون تھے ؟ کوشش کے باوجود علم نہیں ہو سکا ۔

[لاہور]

۳۰ مارچ ۱۹۵۱ء

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ مؤرخہ ۲۳ مارچ وصول ہوا۔ عدیم الفرصتی کے سبب سے جلدی جواب نہ دے سکا۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم سے میرے ذاتی تعلقات کچھ بہت زیادہ وسیع تو نہ تھے البتہ قلبی حیثیت سے گہرے ضرور تھے۔ میں جب حیدر آباد سے رسالہ ترجمان القرآن نکالا کرتا تھا، اُس زمانہ میں مجھے خبر تک نہ تھی کہ ڈاکٹر صاحب مجھ سے واقف ہیں، مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ برابر اس رسالہ کو منگوا کر میرے مضامین دلچسپی کے ساتھ پڑھوا کر سنتے رہتے تھے۔ مجھے پہلی مرتبہ ان کی دلچسپی کا علم اس وقت ہوا جب ۱۹۳۷ء کے آغاز میں ان کا عنایت نامہ مجھے ملا جس میں انھوں نے اس خواہش کا اظہار فرمایا تھا کہ میں حیدر آباد چھوڑ کر پنجاب چلا آؤں اور لاہور میں رہ کر فقہ اسلامی کی تدوینِ جدید میں ان کے ساتھ تعاون کروں۔ اس کے بعد کچھ مراسلت شروع ہوئی اور ۱۹۳۷ء کے آخر میں لاہور آ کر دو تین مرتبہ ان سے ملا۔ اِن ملاقاتوں میں ایسا محسوس ہوا کہ جیسے میری اور

ان کی بہت پرانی واقفیت ہے اور ہم ایک دوسرے کے دل سے بہت قریب ہیں۔ یہاں میرے اور ان کے درمیان یہ بات طے ہو گئی کہ میں پنجاب منتقل ہو جاؤں اور پٹھان کوٹ کے قریب اس وقف کی عمارات میں، جس کا نام ہم نے بالاتفاق "دارالاسلام" تجویز کیا تھا، ایک ادارہ قائم کروں جہاں دینی تحقیقات اور تربیت کا کام کیا جائے، انھوں نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ میرے وہاں منتقل ہو جانے کے بعد وہ بھی ہر سال چند مہینے وہاں آ کر قیام فرمایا کریں گے۔ چنانچہ اس قرارداد کے مطابق میں نے حیدرآباد چھوڑ کر ہجرت کی تیاریاں شروع کر دیں اور مارچ ۱۹۳۸ء میں نقل مقام کر کے دارالاسلام پہنچ گیا، مگر افسوس کہ وہ مرحوم کی زندگی کے آخری ایام تھے۔ دوسرے ہی مہینے[۲] ان کا انتقال ہو گیا اور میں اس کام کے لیے تنہا رہ گیا جسے ان کے ساتھ مل کر کرنا چاہتا تھا۔

بس یہ میرے اور ان کے تعلقات کی مختصر داستان ہے[۳]۔ رحمہ اللہ علیہ۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ چند روز کے وقفے سے دو یا تین نشستوں میں یہ ملاقات ستمبر ۱۹۳۷ء میں ہوئی۔ چودھری نیاز علی خان بھی مولانا کے ہمراہ تھے۔ اس سے پہلے ایک ملاقات حیدر آباد، دکن میں ہوئی تھی۔ جب علامہ مدراس سے پلٹتے ہوئے وہاں اپنے معروف انگریزی خطبات سنانے کے لیے آئے تھے۔ زیرِ نظر خط میں مولانا نے ستمبر ۱۹۳۷ء کی دو تین نشستوں کے بارے میں لکھا ہے: "دو تین مرتبہ ان سے ملا"۔ ایک اور خط میں بتایا ہے کہ لاہور میں علامہ سے مل کر پٹھان کوٹ گئے، اور (چند روز بعد) واپس لاہور آ کر پھر ملاقات کی (مکتوب ۱۴۵ بنام صابر کلوروی) ۔۔۔ شورش کاشمیری کے نام ایک خط (مکاتیب مودودی اول: خط ۱۵۴) میں لاہور کی دو تین نشستوں کو "ایک ملاقات" خیال کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ علامہ مرحوم سے میری بس دو ہی ملاقاتیں ہوئی ہیں ۔۔۔۔ اس لحاظ سے مولانا کے بیانات: ۱۔ "دو تین مرتبہ ان سے ملا" اور ۲۔ "بس دو ہی ملاقاتیں" میں کوئی تضاد نہیں، اور ان سے کوئی غلط فہمی بھی نہیں ہونی چاہیے۔ "دو تین" یا "دو چار" جیسے الفاظ محاورتاً چند (Some) کے مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں۔

۲ ۔ مولانا ۱۶ مارچ ۱۹۳۸ء کو دارالاسلام پہنچے (وثائق مودودی: ص ۹۸)

۳ ۔ علامہ اقبال اور مولانا مودودی کے فکری روابط کے لیے دیکھیے: خط ۳۳، ۳۵، ۳۷، ۷۶، ۱۴۵، نیز: "اقبال نے کیا چاہا" (پنجاب یونی ورسٹی اسٹوڈنٹس یونین، لاہور ۱۹۷۷ء) ۔ "علامہ اقبال اور مودودی کا تقابلی مطالعہ" (عمر حیات غوری دہلی، ۱۹۸۱ء) "نوائے مشرق" (سعید احمد ۔ دہلی ۱۹۸۳ء) اور "اقبال اور مودودی" (ابو راشد فاروقی ۔ لاہور، ۱۹۷۷ء)

مولانا عزیز زبیدی

مولانا عزیز زبیدی (پ: ۱۹۳۱ء ساؤنوالہ جتوئی، ضلع مظفر گڑھ) مختلف دینی مدارس میں زیر تعلیم رہے ۔ مدرسہ محمدیہ جلالپور پیروالہ، مدرسہ رحمانیہ دہلی اور مدرسہ زبیدیہ سے علم حدیث میں درجہ تخصص حاصل کیا ۔ ۱۹۴۴ء میں پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج سے عربی فاضل کا امتحان پاس کر کے، اسکول میں پیشۂ تدریس سے وابستہ ہوئے ۔ اسی زمانے میں جماعتِ اسلامی کی رکنیت اختیار کی ۔ اس پر حکومت کے زیر عتاب آگئے ۔ بعد ازاں جماعت سے سبکدوش ہو کر پوری طرح سلفی مسلک کی خدمت کے لیے وقف ہو گئے ۔ ۱۹۵۸ء میں ہفت روزہ "الاعتصام" کی ادارت سنبھالی اور بعد ازاں مختلف ادوار میں ہفت روزہ "تنظیم"، "محدث"، ماہنامہ "الارشاد" ہفت روزہ "الاسلام" اور ماہنامہ "ترجمان الحدیث" کی ادارت سے وابستہ رہے ۔ متعدد مقالات، کتب اور عالمانہ فتاویٰ تحریر کیے ۔ صحیح بخاری شریف پر عربی تعلیقات لکھیں ۔ ۱۹۸٦ء میں "سننِ ترمذی" پر تعلیقات کا کام شروع کیا۔ بقول زبیدی صاحب: "نعیم صدیقی صاحب کے طلب کرنے پر مولانا مودودی کے وہ تمام مکاتیب، جو انھوں نے مجھے ارسال فرمائے تھے، اچھرہ کے پتے پر بھیج دیے تھے ۔ افسوس! نعیم صدیقی نے بسیار تلاش کے باوجود معذرت کر دی، اُف!" (مکتوب، ۱۸ ستمبر ۱۹۸۷ء) "مکاتیب مودودی" دوم میں زبیدی صاحب کے نام مولانا کا ایک خط (۹۹) شامل ہے ۔

۷٦

انھوں نے مولانا مودودی سے حسبِ ذیل تین سوال دریافت کیے تھے :

۱ ۔ کیا یہ صحیح ہے کہ علامہ اقبال مرحوم، لاہور میں آپ کی تشریف آوری کا سبب بنے تھے، اور یہ تمنائے رفاقت کہاں تک کامیاب ہوئی ؟

۲ ۔ اور وہ کون سے تأثرات اور دواعی تھے، جن کی بنا پر علامہ مرحوم نے آپ کو پنجاب میں تشریف لے آنے کی دعوت دی تھی ؟

۳ ۔ کیا آپ کو علامہ مرحوم کے ساتھ کبھی تبادلۂ خیالات کا موقع بھی ملا تھا (بالمشافہہ یا کسی اور طریقے سے) یا نہ ۔۔۔؟ مرحوم کو آپ کے نظریۂ حیات اور تشریح و تعبیر سے کس حد تک دلچسپی تھی، یا آپ کو مرحوم کے پیغام سے کہاں تک دلچسپی ہے ۔ آپ کے نزدیک مرحوم کا آخری پیغام کیا ہے ؟

مولانا مودودی نے اسی خط کی پشت پر جوابی سطریں تحریر کر کے زیدی صاحب کو واپس ارسال کر دیں:

باسمہٖ سُبحانہٗ

لاہور

۱۱ اپریل ۱۹۵۱ء

محترمی و مکرمی، السلامُ علیکم و رحمۃ اللہ

جوابات پُشت پر ملاحظہ فرمائیں۔ پُشت پر جواب لکھنے کی غرض یہ ہے کہ آپ کے سوالات آپ کے پیشِ نظر رہیں۔

(۱) جی ہاں! میں پنجاب سے کوئی دِلچسپی نہ رکھتا تھا بلکہ یہاں کی صحافت اور سیاست اور مذہبی مناظرہ بازیوں کا رنگ دیکھ کر دُور ہی سے اتنا بدگمان تھا کہ پنجاب آنا پسند بھی نہ کرتا تھا۔ مگر ۱۹۳۶ء کے اواخر میں پہلی مرتبہ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے مجھے توجہ دلائی کہ دکن کو چھوڑ کر پنجاب میں قیام کر دوں۔ پہلی نگاہ میں تو مجھے اس تجویز نے کچھ زیادہ متاثر نہ کیا مگر جب ۱۹۳۷ء کے اواخر میں میں نے دکن چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا اور کسی دُوسرے مُستقر کی تلاش میں حیدر آباد سے نکلا تو مرحوم سے مشورہ کے لیے لاہور حاضر ہُوا اور یہاں اُن سے بالمشافہ گفتگو کرنے کے بعد مجھے اِطمینان ہو گیا کہ آیندہ میرے لیے پنجاب ہی میں قیام کرنا زیادہ مناسب ہے۔

۲۔ اس کے متعلق مجھے کچھ معلوم نہیں۔ میں پہلے یہ بھی نہ جانتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم مُجھ سے واقف ہیں۔ یہ بات لاہور آ کر مجھے معلوم ہُوئی کہ وُہ ترجمان القرآن کا بڑی دِلچسپی کے ساتھ مطالعہ فرمایا کرتے تھے۔

۳۔ جی ہاں، مگر بہت کم۔ ۳۶ء کے اواخر میں، جیسا کہ اُوپر ذکر کر چکا ہوں، پہلی مرتبہ اُن کا نوازش نامہ آیا تھا۔ اس کے بعد کچھ تھوڑی سی مراسلت ہوتی

رہی۔ پھر ۳۷ء کے اواخر میں، میں لاہور آیا اور یہاں صرف دو مرتبہ ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد میں یہ فیصلہ کرکے حیدرآباد واپس گیا کہ جلدی سے جلدی پنجاب منتقل ہو جاؤں گا۔ چنانچہ مارچ ۳۸ء میں مَیں مُستقل طور پر ہجرت کرکے پنجاب آیا اور ابھی دم بھی نہ لینے پایا تھا کہ اپریل میں مرحوم اپنے رب سے جا ملے۔

مجھے جس حد تک معلوم ہُوا ہے۔ مرحوم میرے خیالات سے بڑی حد تک متفق تھے اور ترجمان القرآن کے مضامین کی تحسین و تصویب فرماتے رہتے تھے۔ رہا میں، تو میرے نزدیک وہ اکابر مفکرینِ اسلام میں سے تھے اور انھوں نے خصوصیت کے ساتھ شعر کی طاقت سے اِسلام کی خدمت انجام دینے میں بڑا کارنامہ انجام دیا۔

آپ کا یہ سوال کہ "ان کا آخری پیغام کیا ہے؟" میرے نزدیک کچھ عجیب سا ہے۔ اگر پیغام دینے والا خود بھی ظاہر نہ کر سکا ہو کہ اس کا پیغام کیا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اُس نے کچھ بھی نہ کیا۔ میرے نزدیک تو اُن کا پیغام اُن کے آخر زمانہ کے کلام میں بالکل واضح ہے۔

والسلام

خاکسار

ابوالاعلیٰ

سید منور بخاری

سید منور بخاری (پ: ۲۱ فروری ۱۹۳۵ء پاک پتن ۔ گھریلو نام غلام محمد شاہ) ۔ ۱۹۵۳ء میں میٹرک کیا۔ تربیتی کورس پاس کرنے کے بعد ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۶ء تک اسکول میں مدرّس رہے ۔ ۱۹۵۸ء میں جماعتِ اسلامی کی رکنیت اختیار کی ۔ ۱۹۶۶ء میں جماعت سے وابستہ ہوئے اور کئی برس مختلف حیثیتوں سے کام کیا۔ ۱۹۷۴ء میں ناظم دفتر صوبہ پنجاب مقرر ہو گئے ۔ بعد ازاں صوبائی جماعت کے نائب قیم مقرر ہوئے ۔

۷۷

منور بخاری ، جماعت نہم کے طالب علم تھے ، تو انھوں نے مولانا سے چند سوالات دریافت کیے تھے ۔ مولانا کے جوابات سے خط کی نوعیت واضح ہے:

[لاہور]

۳۰ر اپریل ۵۱ء

محترمی و مکرمی ۔ السّلامُ علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کے سوالات کا جواب حسبِ ذیل ہے :

(۱) نَخْلَعُ وَ نَتْرُکُ مَنْ یَّفْجُرُکَ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والوں سے قلبی تعلق نہ رکھا جائے، اُن کے ناجائز کاموں میں حصہ نہ لیا جائے، ان سے خلا ملا نہ رکھا جائے ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے ساتھ سلام کلام اور میل جول کبھی نہ رہے ۔ اصلاح کی نیت سے ان کے ساتھ تعلق رکھنا تو صرف جائز ہی نہیں ہے بلکہ شرعاً مطلوب بھی ہے ۔ اس کے بغیر ان کی اصلاح کی کوئی کوشش نہیں ہو سکتی، البتہ اس طرح کے تعلقات میں مداہنت کا رنگ نہ ہونا چاہیے ۔

۱۱۹۱/۷۰
۵۱۰۵-۱

از [illegible]

محترمی و مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کے سوالات کا جواب حسب ذیل ہے:

(۱) نخلع و نترک من یفجرک کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والوں سے قلبی تعلق نہ رکھا جائے، ان کے ناجائز کاموں میں حصہ نہ لیا جائے، ان سے خلط ملط نہ رکھا جائے [illegible] اور میل جول بھی نہ رکھے۔ اصلاح کی نیت سے ان کے ساتھ تعلق رکھنا تو صرف جائز ہی نہیں بلکہ شرعاً مطلوب بھی ہے۔ اس لئے بغرض اصلاح کوئی کوشش منع نہیں ہو سکتی۔ البتہ اس طرح کے تعلقات میں مداہنت کا رنگ نہ ہونا چاہیے۔

(۲) شادی ہونے کے بعد فوراً بیوی پر احکام اور پابندیوں کا سلسلہ شروع کر دینا بالعموم اچھے نتائج پیدا نہیں کرتا۔ بہتر یہ ہے کہ رفتہ رفتہ بیوی کو اپنا ہم خیال بنایا جائے اور اسکی اس درجہ اصلاح کردی جائے کہ وہ خود ناجائز باتوں سے رکنے لگے۔ پردہ کے لیے صرف گھونگھٹ نکالنا کافی ہے جبکہ سامنا ایسے اعزہ کا ہو جو قریبی رشتہ دار ہوں اور جن سے اجنبیوں کا سا پردہ کرنا ممکن نہ ہو۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

(۲) شادی ہونے کے بعد فوراً بیوی پر احکام اور پابندیوں کا سلسلہ شروع کر دینا بالعموم اچھے نتائج پیدا نہیں کرتا۔ بہتر یہ ہے کہ رفتہ رفتہ بیوی کو اپنا ہم خیال بنایا جائے اور اس کی اِس حد تک اصلاحِ خیال کر دی جائے کہ وہ خود ناجائز باتوں سے رُک جائے۔

پردہ کے لیے صرف گھونگھٹ نکال لینا کافی ہے جبکہ معاملہ ایسے اعزّہ کا ہو جو قریبی رشتہ دار ہوں اور جن سے اجنبیوں کا سا پردہ کرنا ممکن نہ ہو۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۷۸

اس خط کے مکتوب الیہ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا :

[لاہور]

۵ نومبر ۵۱ء

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ مؤرخہ ۸ر اکتوبر میری غیر موجودگی میں یہاں آیا تھا۔ اب اس کا جواب حاضر کرتا ہوں۔

۱۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے جس آیت کے حوالہ سے اپنا زمانِ ایزدی کا تخیل پیش کیا ہے[1] وہ سورۂ رعد رکوع ۶ کے آغاز میں وارد ہوئی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں۔

لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ، وَعِنْدَہٗٓ اُمُّ الْکِتَابِ" ہر مُدّتِ مقررہ کے لیے ایک نوشتہ ہے، اللہ جو کچھ چاہتا ہے محو کرتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے ثبت کرتا ہے (یا باقی و ثابت رکھتا ہے) اور اُمّ الکتاب (تمام نوشتوں کی اصل) اس کے پاس ہے۔

۲۔ دُوسری آیت جس کے متعلق آپ نے دریافت کیا ہے سُورۂ حج رکوع ۶ کے آخر میں آتی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں :

وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ

"اور حقیقت یہ ہے کہ تیرے رب کے ہاں ایک دن ایسا ہے جیسے تم لوگوں کے شمار کے مطابق ہزار سال۔"

اچھرہ - لاہور

مورخہ ۱۵ [illegible]

محترمی و مکرمی — السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ مورخہ ۸ اکتوبر میری غیر موجودگی میں یہاں آیا تھا۔ اب اس کا جواب عرض کرتا ہوں۔

۱۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے جس آیت کا حوالہ اپنے زمان ابدی کی تحقیق میں پیش کیا ہے وہ سورۂ رعد رکوع ۶ کے آغاز میں وارد ہوئی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں

لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ ، يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ

"ہر مدت مقررہ کے لیے ایک نوشتہ ہے، اللہ جو کچھ چاہتا ہے محو کرتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے ثبت کرتا ہے (یا باقی و ثابت رکھتا ہے) اور ام الکتاب (تمام نوشتوں کی اصل) اسی کے پاس ہے"۔

۲۔ دوسری آیت جس کے متعلق آپ نے دریافت کیا ہے سورۂ حج رکوع ۶ کے آخر میں آئی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ

"اور حقیقت یہ ہے کہ تیرے رب کے ہاں ایک دن ایسا ہے جیسے تم لوگوں کے شمار کے مطابق ہزار سال"۔

دوسرے ایک مقام پر ایک دن کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر بھی بیان کی گئی ہے۔ یہ آیت سورۂ معارج کی ابتداء میں آئی ہے۔ اس کا منشا یہ بتانا ہے کہ انسان اپنے محدود تصورات کے تحت جس مدت کو ایک بہت دراز سمجھتا ہے وہ اللہ کی شان میں محض ایک ذرا سا وقفہ ہے۔

۳۔ مولانا شبلی کی الکلام اور علم الکلام، دونوں میرے پاس موجود تھیں مگر افسوس ہے کہ مشرقی پنجاب میں میری جو کتابیں رہ گئی ہیں ان میں وہ بھی رہ گئیں اور اس سے بھی زیادہ افسوس یہ ہے کہ کراچی جیسے بڑے شہر اور ہماری مملکت کے مرکز میں کوئی لائبریری ایسی نہیں جہاں یہ چیزیں مل سکیں۔ لاہور کی پبلک لائبریری میں غالباً یہ مل سکیں گی، مگر آپ کے لیے اتنی دور سے آنا مشکل ہے اور یہاں سے ان کا بھیجنا بھی مشکل۔

خاکسار، ابوالاعلیٰ

دُوسرے ایک مقام پہ ایک دن کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر بھی بیان کی گئی ہے۔ یہ آیت سُورۂ معارج کی ابتدا میں آتی ہے۔ اس کا مُدعا یہ بتانا ہے کہ انسان اپنے محدود تصوّرات کے تحت جس مُدت کو ایک مُدتِ دراز سمجھتا ہے وہ اللہ کی نگاہ میں محض ایک ذراسا وقفہ ہے۔

۲۔ مولانا شبلی کی "الکلام" اور "علم الکلام" دونوں میرے پاس موجود تھیں۔ مگر افسوس ہے کہ مشرقی پنجاب میں میری جو کتابیں رہ گئی ہیں ان میں وہ بھی رہ گئیں اور اس سے زیادہ افسوس یہ ہے کہ کراچی جیسے بڑے شہر اور ہماری مملکت کے مرکز میں کوئی لائبریری ایسی نہیں جہاں یہ چیزیں مِل سکیں۔ لاہور کی پبلک لائبریری میں غالباً یہ مِل سکیں گی، مگر آپ کے لیے اتنی دُور سے آنا مشکل ہے اور یہاں سے ان کا بھجوانا بھی مشکل۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ علامہ محمد اقبال نے زمانِ ایزدی کا تخیل اپنے تیسرے خطبے The Conception of Time & the Meaning of Prayer میں بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں: "غیرمادی اجسام کے زمانے سے اگر بتدریج آگے بڑھا جائے تو بالآخر زمانِ ایزدی کی نوبت آئے گی جس میں مرور کا مطلق دخل نہیں۔ لہٰذا نہ تو اس کے تجزیے کا سوال پیدا ہوتا ہے، نہ تواتر اور تغیر کا۔ یہ زمانہ دوام (Eternity) سے بھی برتر ہے، کیونکہ نہ اس کی ابتدا ہے، نہ انتہا۔۔ ذاتِ الٰہیہ کی اوّلیت، زمانے کی اوّلیت نہیں، بلکہ زمانے کی اوّلیت، ذاتِ الٰہیہ کی اوّلیت کا نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید نے زمانِ ایزدی کو اُمّ الکتاب ٹھیرایا، جس میں سارا عالمِ تاریخ علّت و معلول کی قیدِ تواتر سے آزاد ہو کر ایک واحد اور دوام کی مافوق آن میں جمع ہوگیا ہے"۔

Reconstruction of Religious Thought in Islam, لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۶۰، ۶۱۔

۲۔ مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء بندوَل، ضلع اعظم گڑھ ـــ ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء، اعظم گڑھ) نامور عالم، ادیب، شاعر، متکلّم اور دارُالمصنفین اعظم گڑھ کے بانی۔ بہت سی کتب کے مصنف، "الفاروق" اور "سیرتُ النّبی" ان کا اصل کارنامہ ہے۔ (مؤخر الذکر کی تکمیل ان کے لائق شاگرد سید سلیمان ندوی کے ہاتھوں ہوئی) "الکلام" اور "علم الکلام" ۱۹۵۱ء کے بعد بارِ دگر چھپ کر اب عام طور پر دستیاب ہیں۔

محمد عاصم الحداد

محمد عاصم الحدّاد (ف: ۱۱ اپریل ۱۹۸۹ء، لاہور) مولانا مسعود عالم ندوی کی وفات (۱۶ مارچ ۱۹۵۵ء) کے بعد جماعتِ اسلامی کے شعبۂ عربی، "دارالعروبۃ" کے ناظم رہے۔ (دیکھیے: خطوطِ مودودی، اول۔ خط ۴۸ حاشیہ ۲) مرحوم کے علمی کاموں میں "اشرف الحواشی" (قرآن مجید پر، تعبیر سلف کے حامل حواشی) بھی قابلِ ذکر ہیں، جو انھوں نے مولانا محمد عطاء اللہ حنیف اور مولانا محمد اسماعیل سلفی کے ایما پر تحریر کیے (روایت: حافظ صلاح الدین یوسف: "الاعتصام" ۲۱ اپریل ۱۹۸۹ء) رابطۂ عالمِ اسلامی کی ملازمت سے سبک دوش ہونے کے بعد، وہ لاہور میں مقیم ہوئے اور علمی و تصنیفی کام کا آغاز کیا۔ اس سلسلے میں ان کی دو تصانیف "سنّتِ رسول کیا ہے؟" اور "اصولِ فقہ پر ایک نظر" شائع ہو چکی تھیں۔ (ناشر: اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور) مزید دو کتابیں "کتابُ الصّلوٰۃ" اور "کتابُ الطّہارۃ" زیرِ طبع ہیں۔

۷۹

[لاہور]

۲۱ دسمبر ۵۱ء

عزیزم! السلام علیکم

آپ کا خط مورخہ ۱۲ر دسمبر ملا۔ مصروفیات کی وجہ سے جلدی جواب نہ دے سکا۔ دو دستوری خاکوں پر نعیم صاحب کے مقدمے کا آپ خود خلاصہ نکال لیں۔ اس میں بس یہ لکھ دیجیے کہ اسلامی حکومت کے بنیادی اصولوں کو (جیسا کہ انھیں قرآن و حدیث سے سمجھا گیا ہے) نگاہ میں رکھ کر موجودہ دَور کی ایک حکومت کے خدوخال واضح کرنے کی ان دونوں خاکوں میں ایک کوشش کی گئی ہے۔ ایک خاکہ ان میں محمد اسد صاحب کا ہے، جو انھوں نے خود اپنے رسالہ "عرفات" میں پیش کیا تھا اور دُوسرا خاکہ ابوالاعلیٰ مودودی کی کتابوں میں جہاں جہاں دستوری مسائل

Phone : 2507 | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | فون ۲۵۰۷

جماعتِ اسلامی
پاکستان

ICHHRA
LAHORE

اچھرہ - لاہور

حوالہ ۲۳۵۱/۱

مورخہ ۱۳ دسمبر ۶۰ء

عزیزم، السلام علیکم

آپ کا خط مورخہ ۲۰ دسمبر ملا۔ مصروفیت کی وجہ سے جلد جواب نہ دے سکا۔

دو دستوری خاکوں پر نعیم صاحب کے مقدمات آپ خود ملاحظہ کر لیں۔ ان میں سب یہ لکھ دیجیے کہ اسلامی حکومت کے بنیادی اصولوں کو (جیسا کہ انہیں قرآن و حدیث سے سمجھا گیا ہے) نگاہ میں رکھ کر موجودہ دور کی ایک حکومت کے خدوخال واضح کرنے کی اِن دونوں خاکوں میں ایک کوشش کی گئی ہے۔ ایک خاکہ ان میں سے صاحب کا ہے جو انہوں نے خود پنج رسالہ ترجمان میں پیش کیا تھا۔ اور دوسرا خاکہ ابوالاعلیٰ مودودی کی کتابوں میں جہاں جہاں دستوری مسائل پر بحث ہے ان سے خود مرتب نے اقتباسات کر کے مرتب کیا ہے۔ ان دونوں خاکوں کو عربی زبان میں اسی لیے ترجمہ کر کے شائع کیا جا رہا ہے کہ دنیائے اسلام کے مفکرین ان پر غور کریں اور ایک صحیح اسلامی حکومت کا نقشہ مرتب کرنے میں ان سے مدد مل سکے۔

"اسلامی مملکت کے بنیادی اصول" پر میرا جو مقدمہ ہے وہی کافی ہے۔ مناسب ہے اس کو عربی میں منتقل کر دیں۔ صرف اس کی زبان میں تھوڑا سا رد و بدل کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اس میں ایک دو مقامات پر جو "مبادرت" کا انداز پایا جاتا ہے اسے تبدیل کر دیا جائے کیونکہ وہ ایک مقامی چیز ہے۔ عربی ترجمہ میں اس کی ضرورت نہیں ہے۔

تعجب ہے کہ دارالعروبہ کے کارکنوں کو اس وقت کی صحیح آپ کو عبدالواحد خان صاحب نے کچھ نہیں لکھا۔ ہم نے اکثر پرسوں سے دونوں میں اضافہ کیا ہے۔ آپ کو صرف آٹھ اضافے نہ دیے گئے بلکہ آخر پر سے ایک کا پتہ بھی دیا جائے گا۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

پر بحث ہے، ان سے خود مرتب نے اقتباس کر کے مرتب کیا ہے۔

اِن دونوں خاکوں کو عربی زبان میں اس لیے ترجمہ کر کے شائع کیا جا رہا ہے کہ دُنیائے اسلام کے مفکرین اِن پر غور کریں اور ایک صحیح اسلامی حکومت کا نقشہ مرتب کرنے میں ان سے مدد لی جاسکے۔

"اسلامی مملکت کے بنیادی اصُول" پر میرا جو مقدمہ ہے، وہی کافی ہے۔ آپ اسی کو عربی میں منتقل کر دیں۔ صرف اس کی زبان میں تھوڑا سا ردّ و بدل کرنے کی ضرورت ہے، یعنی اس میں ایک دو مقامات پر جو "مبارزت" کا انداز پایا جاتا ہے، اسے بدل دیا جائے کیونکہ وہ ایک مقامی چیز ہے۔ عربی ترجمہ میں اس کی ضرورت نہیں ہے۔

تعجب ہے کہ دارالعرُوبہ کے کارکنوں کے معاوضہ کے متعلق آپ کو عبدالوحید خاں صاحب[۳] نے کچھ نہیں لکھا۔ ہم نے اکتوبر ۵۱ء سے معاوضوں میں اضافہ کیا ہے۔ آپ کو صرف آگے ہی اضافہ نہ دیا جائے گا، بلکہ اکتوبر سے اب تک کا بقایا بھی دیا جائے گا۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ یہ کتابچہ جناب نعیم صدیقی نے ۱۹۵۰ء میں "دو دستوری خاکے" کے عنوان سے مرتب کیا تھا ۔ اس کتابچے کا ملخص ترجمہ مقصود تھا ، جس کے بارے میں مولانا مودودی نے عاصم صاحب کو ہدایات لکھیں:

۲ ۔ علامہ محمد اسد ، دیکھیے :خط ۱۰ ، حاشیہ ۳ ۔

۳ ۔ عبدالوحید خان ، دیکھیے :خطوطِ مودودی ، اوّل ۔ خط ۴۰ ، حاشیہ ۵ ۔

شیخ سلطان احمد

شیخ سلطان احمد ، جماعتِ اسلامی کراچی و صوبہ سندھ کے امیر رہے ۔ ۲۸ مارچ ۱۹۵۳ء کو جب مارشل لا کے تحت مولانا مودودی اور ان کے رفقاء کو گرفتار کر لیا گیا (اسی گرفتاری میں مولانا مودودی کو سزائے موت سنائی گئی ، جو بعد میں عمر قید میں تبدیل ہوئی) تو مرکزی مجلسِ شوریٰ نے ۲ اپریل ۱۹۵۳ء کو سلطان احمد صاحب کو امیر جماعتِ اسلامی پاکستان منتخب کیا ۔ انھوں نے یہ ذمہ داری مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی رہائی (اپریل ۱۹۵۴ء) تک ادا کی ۔ سلطان احمد صاحب ۱۹۵۷ء میں جماعت سے الگ ہو گئے ۔

۸۰

۲۶ فروری ۱۹۵۳ء تک "تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت" کی مجلس کا کوئی باقاعدہ اجلاس نہ ہو سکا تھا ۔ چند علماء ، مجلسِ عمل کے نام پر پُر تشدّد ، دھمکیوں اور راست اقدام کے نوٹس دیتے رہے ۔ اس طرزِ عمل پر جماعتِ اسلامی کو اعتراض ہوا ۔ ۱۷ فروری کو مجلس کا ایک اجلاس لاہور میں طلب کیا گیا ۔ مولانا مودودی نے مذکورہ بے ضابطگیوں سے مجلسِ عمل کو باخبر کرنے کے لیے میاں طفیل محمد اور نصراللہ خاں عزیز کے ذریعے ، اپنا تحریری بیان بھیجا ، لیکن اجلاس منعقد ہی نہ ہوا ۔ پھر فوری طور پر ۲۶ فروری کو کراچی میں اجلاس بلایا گیا ۔ اس اجلاس میں نمایندگی کے لیے شیخ سلطان احمد (امیر جماعتِ اسلامی ، کراچی و سندھ) کو شریک ہونے کی ہدایت کی گئی اور انھیں مجلس کی جملہ بے ضابطگیوں کے بارے میں (تفصیل: رپورٹ تحقیقاتی عدالت ، فساداتِ پنجاب ۱۹۵۳، ص ۱۳۷) حسبِ ذیل خط ۲۳ فروری کو ایکسپریس ڈاک سے کراچی روانہ کیا گیا ، لیکن محکمہ سنسر نے اسے روک لیا اور مجلسِ عمل کا اجلاس ختم ہونے کے بعد مکتوب الیہ کو پہنچایا گیا ("یہ گرفتاریاں کیوں؟" ۔ طبع دوم ، مئی ۱۹۵۳ء ۔ ص ۳۶) ۔۔۔ آل پارٹیز کنونشن کراچی (۱۶ تا ۱۸ جنوری ۱۹۵۳ء) میں شریک جماعتوں کے نام : جمعیت علمائے اسلام ، جماعت اسلامی ، جمعیت علمائے پاکستان ، جمعیت اہل سنّت ، موتمر اہل حدیث ، مجلس تحفظ ختم نبوت ، مجلس احرار اور ادارہ تحفظِ حقوقِ شیعہ ۔ مجلس عمل بیس افراد پر مشتمل تھی ، جس میں متذکرہ بالا جماعتوں کے نمایندے شامل تھے ۔

لاہور]

۲۲ فروری ۱۹۵۳ء

محترمی و مکرمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

میرے پاس مرکزی مجلسِ عمل کے اجلاس کی شرکت کے لیے دعوت نامہ آیا ہے، مگر میرے پاؤں کی تکلیف آج کل اتنی زیادہ ہے کہ میں سفر نہیں کر سکتا۔ اس لیے براہِ کرم آپ میری طرف سے اس مجلس کے اجلاس میں نمایندگی کریں۔ اجلاس کا مقام بندر روڈ بالمقابل ریڈیو اسٹیشن، دفتر تحفظ ختم نبوت ہے۔ جو امور وہاں پیش کرنے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) آل پارٹیز کنونشن کا اجلاس پچھلے جنوری میں کراچی میں ہوا تھا۔ اس کے بعد مرکزی مجلسِ عمل کا کوئی اجلاس کم از کم میرے علم کی حد تک ایسا نہیں ہوا ہے جس میں قادیانی مسئلے سے متعلق جد وجہد کا پروگرام بنایا گیا ہو۔ اب یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس نے وہ پروگرام طے کیا تھا جس کے مطابق پنجاب میں جگہ جگہ جلسے کر کے لوگوں کو اس امر کا متوقع کر دیا گیا کہ ۲۲ فروری گزرتے ہی ایک "جنگِ عظیم" شروع ہو جائے گی۔ یہ توقعات پیدا کر کے عوام میں اس درجہ جوش اُبھار دیا گیا ہے کہ اب اگر کوئی جنگ نہ چھیڑی گئی تو اصل مقصد کو نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہے اور اگر جنگ چھیڑ دی گئی (جس کے لیے اس وقت فضا ہرگز تیار نہیں ہے) تو نہ صرف اس امر کا اندیشہ ہے کہ شکست ہو جائے گی بلکہ پھر دوبارہ اس مقصد کے لیے کام کرنا بھی مشکل ہو جائے گا۔

(۲) یہ بات کب طے ہوئی تھی کہ مجلسِ عمل کی طرف سے لوگوں سے حلف نامے لیے جائیں اور خود ان جماعتوں کے کارکنوں کو بھی جو مجلسِ عمل میں شریک ہیں۔ براہِ راست مجلسِ عمل کے تحت کام کرنے کا پابند کر لیا جائے؟ ہم

اِس مجلس میں یہ سمجھتے ہُوئے شریک ہُوتے ہیں کہ اِس مقصدِ خاص کے لیے جو پروگرام بھی ہم مِل کر طے کریں گے اسے اپنی اپنی جماعتوں کے ذریعہ سے ہم خُود روبہ عمل لائیں گے۔ یہ بات ہمارے پیشِ نظر ہرگز نہیں تھی کہ ہمارے جماعتی نظام مجلسِ عمل میں ضم ہوجائیں اور براہِ راست مجلسِ عمل کے احکام کے ماتحت ہمارے جماعتی نظام کے کارکن بھی کام کرنے لگیں۔ یہ بات اگر پہلے ہمارے سامنے آتی تو ہم اسی وقت مجلسِ عمل کی شرکت سے اِنکار کر دیتے۔

(۳) یہ بات بھی کبھی مرکزی مجلسِ عمل میں طے نہیں ہُوئی کہ خواجہ ناظم الدین[1] صاحب کو خاص طور پر اِس تحریک کا نشانہ بنا کر ان کے خلاف مظاہرے کیے جائیں۔ یہ نہ صرف ایک بے ضابطہ کارروائی کی گئی ہے بلکہ اس کی ذمہ داری میں خواہ مخواہ ان تمام جماعتوں کو لپیٹ لیا گیا ہے جو مجلسِ عمل میں شریک ہیں۔ حالانکہ ہمارے نزدیک یہ سخت غلط اور غیر مدبرانہ کارروائی ہے۔ اس طرح کے اگر چند مظاہرے اور کر ڈالے گئے تو بعید نہیں کہ بنگال میں اس کا بالکل اُلٹا ردِ عمل پیدا ہوجائے اور ہم قادیانیوں کے مسئلے میں بنگال کی تائید حاصل کرنے سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ خُود پنجاب میں بکثرت لوگ ان مظاہرات کے متعلق یہ رائے رکھتے ہیں کہ یہ دراصل دولتانہ صاحب[2] کے اشارے سے مجلسِ عمل والوں نے کیے ہیں کیونکہ دولتانہ صاحب اس وقت خواجہ ناظم الدین پر دھونس جمانا چاہتے ہیں اور پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جس چیز کی ذمہ داری میں پُوری مرکزی کیبنٹ اور پھر مجلسِ دستور ساز کی بیسک پرنسپل کمیٹی شریک ہے، اس پر تنہا خواجہ ناظم الدین کو کیسے ہدف بنایا جاتا ہے۔

(۴) یہ بات بھی مرکزی مجلسِ عمل میں ہرگز طے نہیں ہوئی تھی کہ قادیانیوں کے بارے میں کنونیشن کے مطالبات میں سے اِس خاص مطالبہ کو سب سے

زیادہ نمایاں کیا جائے جو سر ظفر اللہ خاںؔ کی علیحدگی سے متعلق ہے۔ لیکن پنجاب میں جو جلسے ہوئے، ان سب میں یہی حرکت کی گئی ہے۔ ہمارے نزدیک یہ ایک بڑی غلطی ہے۔ اصل مطالبہ جس پر زور دیا جانا چاہیے وہ قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا ہے: اِس کو پیچھے ڈال کر محض ایک شخص کی علیحدگی کے سوال کو اُبھارنا یہ معنی رکھتا ہے کہ اگر کل ظفر اللہ خان ہٹا دیے جائیں تو سارا پبلک جوش یک لخت ٹھنڈا ہو جائے اور اصل معاملہ یوں ہی رہ جائے۔

(۵) میں اس سے پہلے بھی مجلسِ عمل کے ذمہ دار حضرات کو لکھ چکا ہوں اور اب پھر آخری طور پر عرض کرتا ہوں کہ اس وقت کسی سخت ایجی ٹیشن کے لیے فضا بالکل تیار نہیں ہے۔ اس کے دو وجوہ ہیں۔ اوّل یہ کہ پنجاب سمیت پُورے ملک میں تعلیم یافتہ پبلک کو قادیانیوں کے بارے میں ہمارے مطالبے کی صحت پر اب تک مطمئن نہیں کیا جا سکا ہے۔ دوم یہ کہ عوام الناس بھی صرف پنجاب اور بہاولپور ہی میں اس مطالبے کی حمایت کے لیے تیار کیے جا سکے ہیں، باقی دُوسرے تمام صُوبوں اور سب سے بڑھ کر بنگال کے عوام اس سے بالکل غیر متاثر ہیں۔ اِس صُورت میں صرف پنجاب اور بہاول پور کے عوام کو "لڑا کر" آخر کیسے کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔ ۲۲ر فروری کو "آغازِ جنگ" کی تاریخ قرار دے کر پنجاب اور بہاول پور کے عوام کو کسی سخت کارروائی کی توقع دلانے کی غلطی جن حضرات نے بھی کی ہو اس کی ذمہ داری وہ خُود اپنے ہی سر لیں لیکن اگر محض اپنے اعلانات کی شرم رکھنے کے لیے وہ اس وقت کوئی ڈائرکٹ ایکشن شروع کر دیں گے تو مذکورہ بالا دونوں وجوہ کو دیکھتے ہُوئے میں یہ توقع نہیں رکھتا کہ ہم شکست سے بچ سکیں گے۔ میں صاف طور پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ شکست کی ذمہ داری میں شریک ہونے کے لیے نہ میں ذاتی طور پر تیار ہوں اور

نہ جماعت اسلامی اس میں شریک ہونے کے لیے تیار ہو گی۔

مذکورۂ بالا امور پر آپ مجلسِ عمل میں گفتگو کیجیے اور قابلِ اطمینان اور واضح فیصلے کرانے کی کوشش کیجیے۔ لیکن اگر قابلِ اطمینان اور واضح فیصلے نہ ہو سکیں تو اسی وقت مجلسِ عمل سے جماعت کی علیٰحدگی کا اعلان کر دیجیے اور مجھے اس اعلان کی بذریعہ تار اطلاع دیجیے۔ اس معاملہ میں آپ صاف صاف بات کرنے سے ہرگز نہ جھجکیں اور دوٹوک فیصلہ کرائیں۔ ہمارے لیے اُن لوگوں کی بے قاعدگیوں اور غیر مدبرانہ حرکتوں کا ساتھ دینا اب قطعی ناممکن ہو چکا ہے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ خواجہ ناظم الدین (۱۹ جولائی ۱۸۹۴ء ۔۔۔ ۲۲ اکتوبر ۱۹۶۴ء) متحدہ بنگال کے وزیر تعلیم، وزیر داخلہ اور وزیر اعلیٰ رہے۔ ۱۹۴۸ء تا ۱۹۵۱ء پاکستان کے گورنر جنرل اور ۱۹۵۱ء تا ۱۹۵۳ء وزیر اعظم پاکستان رہے۔

۲۔ میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ (پ: ۲۳ فروری ۱۹۱۶ء) معروف مسلم لیگی لیڈر۔ ۱۹۵۱ء تا ۱۹۵۳ء پنجاب کے وزیر اعلیٰ اور ۱۹۵۷ء میں دو ماہ کے لیے مرکزی وزیرِ دفاع رہے۔ ۱۹۷۰ء میں قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے، مگر ہوا کا رخ پہچان کر برسرِ اقتدار پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کی، جس کے صلے میں ۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۶ء برطانیہ میں سفیر رہے۔

۳۔ سر ظفر اللہ خان، مرکزی کابینہ میں وزیرِ خارجہ تھے، دیکھیے: خط ۶۵ حاشیہ ۱۔

ماہر القادری

ماہر القادری (۱۹۰۶ء کسیر کلاں ، ضلع بلند شہر، یو پی —— ۱۱ مئی ۱۹۷۸ء ، جدّہ) پیدایشی نام : منظور حسین معروف ادیب ، شاعر ، صحافی اور "فاران" کے بانی مدیر ۔ علی گڑھ سے حصولِ تعلیم کے بعد حیدر آباد دکن میں ملازمت اختیار کی۔ "مدینہ" بجنور اور "غنچہ" کی ادارت کی ۔ کچھ عرصہ بمبئی کی فلمی دنیا سے بھی وابستہ رہے ۔ قیامِ پاکستان کے بعد کراچی میں مقیم ہوئے اور اپریل ۱۹۴۹ء میں "فاران" جاری کیا ۔ ۱۹۶۹ء میں بعض دینی اور ادبی انجمنوں کی دعوت پر جنوبی افریقہ کا دورہ کیا ۔ ۱۹۷۷ء میں لندن کا سفر پیش آیا ۔ گو وہ جماعتِ اسلامی میں باقاعدہ شامل نہیں ہوئے ، لیکن جماعتِ اسلامی کی دعوت سے متاثر، اس کی پالیسیوں کے مؤید اور مولانا مودودی کے معتقد و مدّاح تھے ۔ مولانا بھی ان کے قدر دان تھے —— تصانیف : *دُرِّ یتیم *ذکرِ جمیل *فردوس *یادِ رفتگاں (دو حصے) *محسوساتِ ماہر * نغماتِ ماہر * کاروانِ حجاز ، وغیرہ ۔ ان کے نام مولانا کے ۶ خط مکاتیبِ مودودی" اول میں (۳۶، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۵) اور "مکاتیبِ مودودی" ، دوم میں ۵ خطوط (۱۲۸، ۱۴۶، ۱۵۲، ۱۸۸، ۲۵۰) شامل ہیں ۔

۸۱

مندرجہ ذیل مکتوب "فاران" کے سیرت نمبر ، جنوری ۱۹۵۶ء کے لیے مولانا مودودی سے ایک مقالے کی فرمایش سے متعلق ہے:

[لاہور]

۱۱ اکتوبر ۱۹۵۵ء

برادرم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۲۶ ستمبر مجھے کوئٹہ میں اُس وقت ملا تھا جبکہ مَیں لاہور

کے لیے روانہ ہو رہا تھا۔ یہاں آتے ہی خطوط کا ایک ڈھیر میرے آگے رکھ دیا گیا جو پونے دو مہینے میں جمع ہُوا تھا۔ سلسلہ وار سب کو جواب دینے کے بعد اب آپ کے خط کی باری آئی ہی تھی کہ آپ کا دوسرا عنایت نامہ مل گیا۔ آپ کے ان دونوں خطوں میں شکایت کا انداز پا کر مجھے تکلیف ہُوئی، کیونکہ آپ جیسے مخلص دوست بلکہ بھائی کو مَیں کبھی شکایت کا موقع نہیں دینا چاہتا۔ اس لیے دو باتیں آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہُوں۔ تاکہ آپ کو یہ غلط فہمی نہ رہ جائے کہ مَیں نے محض تساہل کی وجہ سے آپ کی فرمائش پُوری کرنے سے گریز کیا۔

پہلی بات یہ ہے کہ سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر کچھ لکھنے کا معاملہ ایسا نہیں ہے کہ محض سرسری طور پر کوئی مضمون گھسیٹ دیا جائے آپ خود غور کیجیے کہ بحالتِ سفر جبکہ کوئی کتاب میرے پاس نہ تھی، حتیٰ کہ قرآن مجید کا کوئی انڈکس بھی نہ تھا کہ حسبِ ضرورت کوئی آیت تلاش کر لیتا، کوئی مضمون اس اہم موضوع پر مَیں کیسے لکھ دیتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے میری حالت کو اپنی بیماری کی کیفیت پر قیاس کر کے میری حالت کا صحیح اندازہ نہیں کیا۔ مجھ پر مسلسل چار مہینے یہ ظلم ہوتا رہا ہے کہ سخت خرابیِ صحت کے باوجود مجھے دَوروں اور جلسوں اور ملاقاتوں کا تختۂ مشق بنایا گیا۔ مجھ سے عین دورانِ سر کی حالت میں تقریریں کرائی گئیں۔ سخت اعصابی تھکاوٹ کی حالت میں مجھ کو گھنٹوں بیٹھ بیٹھ کر لوگوں سے ملاقاتیں کرنی پڑیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ بالآخر میرے جسم اور دماغ کی قوت بالکل جواب دے گئی۔ آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ جو شخص ایک دو دن نہیں بلکہ ہفتوں اور مہینوں زبردستی اپنے آپ سے کام لیتا رہے اس کا کیا حال ہوتا ہے، آپ اسے محض out of practice ہونے کی کیفیت سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ دراصل nervous breakdown کی کیفیت تھی اور مَیں اس کا مستحق تھا کہ کم از کم اس حالت کو پہنچ جانے پر ہی میرے

دوست مجھ پر کچھ رحم کھاتے۔

اب خدا کا فضل ہے کہ میری صحت بہت کچھ سنبھل گئی ہے۔ اگرچہ اب بھی تھوڑا کام کر کے زیادہ تھک جاتا ہوں، تاہم آپ کی فرمائش پوری ہی کر سکوں گا۔ مجھے اکتوبر کے اختتام تک کی مہلت دیں[1]۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ مولانا مودودی کا مختصر مضمون "بارگاہِ رسالتؐ کے عقیدت مندوں سے" "فاران" کے سیرت نمبر جنوری ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔

۸۲

[لاہور]

۱۶ نومبر ۱۹۵۶ء

برادرم! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

"فاران" کے توحید نمبر[1] کے لیے آپ کی نئی تجویز کا ذکر چودھری غلام محمد صاحب[2] نے مجلسِ شوریٰ کے درمیان میں مجھ سے کیا تھا اور میں بس ایک آہِ سرد بھر کر رہ گیا تھا۔ خط انھوں نے مجھے نہیں دیا، ورنہ جواب ضرور دیتا۔ اب آپ کا تازہ عنایت نامہ ملا تو احساس ہوا کہ آپ کو اِس تجویز کا جواب ملنا چاہیے تھا۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے، سوالنامہ بھیج دیں۔ اسے دیکھ کر ہی عرض کر سکوں گا کہ اس کا جواب لکھنا میرے لیے ممکن ہے یا نہیں۔ اگر یہ خدمت انجام دینا میرے لیے ممکن ہوا تو انشاء اللہ العزیز اس سے فرار نہ کروں گا اور اس صورت میں بہرحال "فاران" کا حق مقدم ہو گا۔

"تفہیم القرآن" جلد اوّل صفحہ ۲۵۶ کی جس عبارت[3] کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے اُس کو نکال کر دیکھا تو اُس میں مجھے ایک کے بجائے دو مقامات کھٹکے "شریک" کا لفظ ناموزوں ہے ہی، اللہ تعالیٰ کے لیے "کوشش کرنے" کے الفاظ بھی نامناسب ہیں۔ اب میں نے پُوری عبارت کو بدل کر یوں کر دیا ہے:

"اس کے بجائے وہ دلیل اور نصیحت سے انسان کو اِس بات کا قائل کرنا چاہتا ہے...... اِس طرح فہمایش اور نصیحت سے بندوں کو راہِ راست پر لانے کی تدبیر کرنا...... اور جو بندے اس کام میں اللہ کا ساتھ دیں۔"

آپ کا بہت بہت شکریہ کہ ایک فرو گذاشت کی طرف توجہ دلا کر آپ نے مجھے دو فرو گذاشتوں کی اصلاح کا موقع بہم پہنچایا۔ جزاکم اللہ۔ آپ چاہیں تو اِس تصحیح کو شائع بھی فرما سکتے ہیں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ "فاران" کا "توحید نمبر" جون ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا، ۲۰۸ صفحات۔

۲۔ چودھری غلام محمد مرحوم، دیکھیے: خط ۹۲۔

۳۔ اس سے قبل سورہ آلِ عمران کے حاشیہ ۵۰ کی عبارت یہ تھی: "اس بات کا قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے"۔

۸۳

پاکستانی ڈاکٹروں پر مشتمل ایک میڈیکل بورڈ کی ہدایت پر، مولانا مودودی علاج کی غرض سے ۲۵ اگست ۱۹۶۸ء کو لندن پہنچے، معروف Uriologist ڈاکٹر الیگسنڈر ریڈناک ان کے معالج تھے۔ اس سلسلے میں ۸ ستمبر کو آپریشن کے لیے لندن کلینک میں داخل ہوئے، اور ۹ ستمبر کو پہلا آپریشن ہوا۔

لنڈن
یکم دسمبر ۷۶

باسمہ سبحانہ

برادرم ناصر صاحب   السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ مورخہ ۲۵ نومبر ملا۔ خدا کے فضل سے میری صحت اچھی رفتار سے درست ہو رہی ہے۔ مگر آپریشن کے مقام پر ابھی ورم باقی ہے۔ جس کی وجہ سے اٹھتے بیٹھتے اور چلنے پھرنے میں تکلیف ہوتی ہے اور رات کو سونے میں اچھی طرح نہیں آتی۔ کیونکہ ہر کروٹ پر ورم میں دکھن ہوتی ہے۔ ڈاکٹر کا اندازہ ہے کہ ۲۰ دسمبر تک یہ ورم آہستہ آہستہ تحلیل ہو جائے گا۔

چودھری صاحب کا دوسرا آپریشن انشاء اللہ ۹ دسمبر کو ہوگا یہ کوئی نیا ورم تھا جو دوسرا آپریشن کیا جا رہا ہے۔ اللہ کے فضل سے توقع ہے کہ دس بارہ روز میں وہ ہسپتال سے واپس آ جائیں گے۔

ہم نے ۲۶ دسمبر کے لیے ہوائی جہاز میں نشستیں محفوظ کرا لی ہیں۔ اگر کوئی خاص امر مانع نہ ہو گیا تو اسی تاریخ کو ہم دن کے بارہ بجے یہاں سے روانہ ہوں گے اور ۲۷ کو صبح پانچ بجے کراچی پہنچ جائیں گے انشاء اللہ۔ اگر ایئرپورٹ پر تشریف لا سکیں تو بہتر ہے۔ میں انشاء اللہ ایک دو روز کراچی میں ٹھہروں گا۔ وہاں سب سے آپ کی ملاقات ہو جائے گی۔

"[illegible]" کا وہ پرچہ مجھے نہیں ملا جس کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ بلکہ یہاں آنے کے بعد سے اب تک صرف ایک ہی پرچہ ملا ہے جو غالباً ستمبر کا تھا۔

خورشید صاحب سلام کہتے ہیں۔ لیسٹر یونیورسٹی میں داخل ہو چکے ہیں۔ بس ہفتے اتوار کو یہاں آ جاتے ہیں۔

دعاگو
ابوالاعلیٰ

میاں طفیل محمد صاحب کے نام ایک خط میں انھوں نے بتایا: "میرے مثانے سے جو پتھری نکالی گئی، وہ ۴۴ گرام وزن کی سیاہ خار دار پتھری تھی ۔۔۔۔۔۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے غدہ قدامیہ (Prostate Gland) بھی پورا پورا نکال دیا" (آئین، ۲۳ ستمبر ۱۹۶۸ء) ۲۲ اکتوبر کو دوسرا آپریشن ہوا۔ اس میں آپ کے بائیں ناقص گردے کو جسم سے الگ کر دیا گیا۔ صحت یابی کے بعد ۲۸ دسمبر ۱۹۶۸ء کو مولانا واپس پاکستان پہنچے۔

باسمہٖ سبحانہٗ

لندن
یکم دسمبر ۶۸ء

برادرم ماہر صاحب! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عنایت نامہ مورخہ ۵ر رمضان ملا۔ خدا کے فضل سے میری صحت اچھی رفتار سے درست ہو رہی ہے مگر آپریشن کے مقام پر ابھی ورم باقی ہے، جس کی وجہ سے اُٹھنے، بیٹھنے اور چلنے پھرنے میں تکلیف ہوتی ہے اور رات کو نیند بھی اچھی طرح نہیں آتی، کیونکہ ہر کروٹ پر ورم میں دُکھن ہوتی ہے۔ ڈاکٹر کا اندازہ ہے کہ ۲۰ر دسمبر تک یہ ورم آہستہ آہستہ تحلیل ہو جائے گا۔

چودھری غلام محمد صاحب کا دُوسرا آپریشن اِنشاءاللہ ۹ر دسمبر کو ہو گا یہ کوئی زیادہ لمبا چوڑا آپریشن نہیں ہے۔ اللہ کے فضل سے توقع ہے کہ دس بارہ روز میں وُہ ہسپتال سے واپس آ جائیں گے۔

ہم نے ۲۶ر دسمبر کے لیے ہوائی جہاز میں نشستیں محفوظ کرا لی ہیں، اگر کوئی خاص امر مانع نہ ہو گیا تو اِس تاریخ کو ہم دن کے بارہ بجے یہاں سے روانہ ہوں گے اور ۲۷ کو صبح پانچ بجے کراچی پہنچ جائیں گے۔ احباب اگر ایئر پورٹ نہ تشریف لائیں تو بہتر ہے۔ میں انشاءاللہ ایک دو روز کراچی میں ٹھیروں گا۔ وہاں سب سے بآسانی ملاقات ہو جائے گی۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

پروفیسر خورشید احمد

پروفیسر خورشید احمد (پ: مارچ ۱۹۳۲ء دہلی) ابتدائی تعلیم اینگلو عربک سیکنڈری اسکول اجمیری گیٹ، دہلی میں ہوئی۔ تقسیمِ ہند کے موقع پر ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ کچھ عرصہ پنجاب یونی ورسٹی ہیلی کالج آف کامرس میں زیرِ تعلیم رہے، پھر کراچی منتقل ہو گئے۔ وہاں یونی ورسٹی سے ایم اے معاشیات (۱۹۵۵ء) ایل ایل بی (۱۹۵۸ء) اور ایم اے اسلامیات (۱۹۶۴ء) کیا۔ ۱۹۴۹ء میں اسلامی جمعیت طلبہ میں شمولیت اختیار کی۔ ۱۹۵۳ء تا ۱۹۵۵ء جمعیت کے ناظمِ اعلیٰ رہے۔ جمعیت کے ترجمان Students' Voice کے پہلے مدیر بنے۔ بعد ازاں New Era اور Voice of Islam کی ادارت بھی کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد جماعتِ اسلامی سے وابستہ ہو گئے۔ آج کل جماعت کے نائب امیر، اور مجالسِ عاملہ و شوریٰ کے رکن ہیں۔ "چراغِ راہ" کے زمانۂ ادارت میں بعض معرکہ آرا نمبر (نظریۂ پاکستان نمبر، اسلامی قانون نمبر، سوشل اِزم نمبر، تحریکِ اسلامی نمبر، اور شرقِ اوسط نمبر) مرتب کیے۔ کچھ عرصہ اردو سائنس کالج اور پھر کراچی یونیورسٹی میں معاشیات کے استاد رہے۔ اسلامک فاؤنڈیشن، لیسٹر (برطانیہ) کے تاسیسی ڈائریکٹر ہیں۔ متعدد بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کر چکے ہیں۔ ان دنوں انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد کے چیرمین ہیں۔ ۱۹۸۵ء میں سینٹ آف پاکستان کے رکن منتخب ہوئے۔ مارچ ۱۹۹۰ء میں انھیں اسلامی خدمات کا "شاہ فیصل ایوارڈ" دیا گیا۔ تیس سے زائد اردو، انگریزی کتابوں کے مصنف ہیں۔ (تفصیل دیکھیے: "جب وہ ناظمِ اعلیٰ تھے" اول۔ ص ۱۱۴-۱۱۵)

۸۴

لاہور

۱۸ اگست ۵۲ء

عزیزم، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا خط مؤرخہ ۱۳ رجولائی بروقت مل گیا تھا، مگر آج ۱۸ راگست کو اس کا جواب لکھنے کی مہلت ملی ہے۔ اس سے آپ میری مصروفیت کا اندازہ کر

سکتے ہیں۔

Student's Voice برابر آ رہا ہے۔ آپ لوگوں کی اس کامیاب کوشش کو دیکھ کر دلی مسرت ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اُمید ہے کہ جو لوگ اس پرچے میں لکھنے کی مشق کریں گے وہ آگے انگریزی صحافت میں اسلام کی عمدہ ترجمانی کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔

پرچے کے لیے کوئی مستقل مضمون لکھ کر بھیجنا میرے لیے مشکل ہے۔ مجھ پر اتنی مختلف ذمہ داریوں کا بار ہے کہ ان کے ساتھ ترجمان القرآن کا نکالنا بھی میرے لیے دشوار ہو رہا ہے۔ اس حالت میں محض مضمون لکھنے کے لیے تو کوئی مضمون لکھ نہیں سکتا۔ البتہ کسی موقع پر کوئی خاص مسئلہ اگر تقاضا کرتا ہے تو دوسرے کام روک کر بھی اس پر مجبوراً لکھ دیتا ہوں۔ ایسی ہی کوئی صورت پیش آئی تو آپ کو بھی کوئی مضمون بھیجنے میں انشاء اللہ کوتاہی نہ ہوگی۔

آپ لوگ اپنے پرچہ میں دو پہلوؤں کو ایک ساتھ سنبھالنے کی کوشش کریں۔ ایک یہ کہ اسلام کے متعلق موجودہ تعلیم یافتہ اور زیر تعلیم نسل کی غلط فہمیوں کو دور کیا جائے اور افکارِ جدید کا سحر توڑا جائے۔ دوسرے یہ کہ موجودہ غلط نظامِ تعلیم اور درسگاہوں کے بگڑے ہوئے ماحول پر سختی کے ساتھ تنقید کی جائے۔

"ترجمان القرآن" میں تبصرے کا کام نعیم صاحبؒ کے سپرد ہے۔ وہ انشاء اللہ آپکے پرچے پر اچھا تبصرہ کریں گے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ پندرہ روزہ Students' Voice، جولائی ۱۹۵۲ء میں خورشید احمد اور ظفر اسحاق انصاری کی ادارت میں کراچی سے جاری ہوا تھا ۔ بقول پروفیسر خورشید احمد: "Voice نے مواد اور زبان و بیان کا معیار اور موضوعات میں تنوع پیش کرنے کے علاوہ ، ملکی اور ملی امور پر جس انداز سے بر وقت رہنمائی دی ، اس

نے موافق و مخالف دونوں جانب اس کی دھاک بٹھادی ، پھر طلبہ کے مسائل کو مدلل انداز سے پیش کیا ۔ نظام تعلیم کی تبدیلی کو بنیادی اہمیت دی ۔ آج پڑھے لکھے طبقے میں اسلامی نظامِ تعلیم کے بارے میں جس نرم گوشے کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں ، یہ بھی بڑی حد تک Voice ہی کا کریڈٹ ہے۔ "("جب وہ ناظم اعلیٰ تھے" اوّل ۔ ص ۱۲۹ تا ۱۳۳ اور ۱۸۹) ایوب خان کے مارشل لا کے دوران جنوری ۱۹۵۹ء میں یہ پرچہ بند ہو گیا ۔

۲۔ نعیم صدیقی (تعارف دیکھیے : خط ۱۳۵)

۸۵

"مخلوط تعلیم" کے موضوع پر جناب احمد انس (پروفیسر/ مسلم سجاد دیکھیے : خط ۱۰۳) کا ایک مفصل مقالہ بالاقساط "چراغ راہ" میں شائع ہوا تھا ۔ جون کی اشاعت میں شائع شدہ قسط اوّل دیکھ کر مولانا نے مدیر کو لکھا :

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اُمید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے جون کے چراغ راہ میں مخلوط تعلیم پر جو مقالہ آیا ہے اسے اردو عربی ورانگریزی میں پمفلٹ کی شکل میں چھاپ دیا جاتے ہوئے اور کثرت سے تعلیمی حلقوں میں پھیلایا جائے۔

والسلام

ابوالاعلیٰ

[لاہور]

۱۲ جون ۱۹۶۵ء

۱۔ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر مولانا نے مزید کچھ لوازمہ اور حوالے مقالہ نگار کو روانہ کیے ، تاکہ وہ اس کی روشنی میں مقالے میں اضافے کر کے ، اسے مزید بہتر بنا سکیں ۔ مصنف کی نظر ثانی اور اضافوں کے بعد کتابی صورت میں اسے "مخلوط تعلیم" کے نام سے ادارہ مطبوعات طلبہ لاہور ، نے کئی بار شائع کیا ہے ، البتہ اس کا انگریزی یا عربی ترجمہ اب تک نہیں ہو سکا ۔

ماہنامہ "چراغِ راہ" کراچی نے دسمبر ۱۹۶۷ء میں "سوشلزم نمبر" شائع کیا تھا۔ مولانا مودودی نے اس پر تبصرہ و تنقید اور بعض مشوروں کے ساتھ پروفیسر خورشید احمد صاحب کو حسبِ ذیل خط لکھا:

(لاہور)

۱۲ مارچ ۱۹۶۸ء

عزیزم خورشید صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ کا "سوشلزم نمبر" میں نے بغور پڑھا۔ آپ کی محنت قابلِ داد اور طباعت کے معاملہ میں شدید تساہل قابلِ فریاد ہے۔

اپنی ہی محنت کو اس تساہل کی بدولت جس طرح آپ لوگوں نے برباد کیا ہے، اگر وہ کوئی اتفاقی واقعہ ہوتا تو شاید صبر بھی کیا جاسکتا تھا، لیکن اس سے پہلے بارہا میں آپ لوگوں کو توجہ دلا چکا ہوں کہ کتابت کی صحت اور طباعت کی درستی کے معاملہ میں بے پروائی برت کر آپ لوگ اپنے کیے کرائے پر پانی پھیر لیتے ہیں۔

اس نمبر کے چند مضامین ایسے ہیں جن کو از سرِ نو درست کر کے الگ الگ مستقل کتابوں کی شکل میں آفسٹ یا فون ڈائمک پر شائع ہونا چاہیے۔

آپ کا مضمون "سوشلزم یا اسلام" بہت اچھا ہے مگر بعض جگہ نسبتاً زیادہ تفصیل کی ضرورت ہے خصوصاً ایسے مقامات پر جہاں آپ نے ایک جامع حکم تو لگا دیا ہے مگر اس کو substantiate کرنے کے لیے کم از کم ضروری ثبوت بھی نہیں دیے ہیں۔ یہ آپ نے بغرضِ اختصار کیا ہے لیکن مخالف کو انھی مقامات پر حرف زنی کا موقع مل سکتا ہے۔ اب کتابی صورت میں آپ اس کو مرتب کریں اور اس تشنگی کو دور کریں۔ اشاعت کے لیے دیتے وقت پورے

مضمون کی تصحیح کر دیجیے۔ مگر تصحیح اپنے قلمِ خاص سے کرنے کی بجائے کسی صاف نویس سے کرائیے تاکہ کاتب غریب فتنہ میں نہ پڑے۔

حسین حسانؒ کا مضمون بہت مفید ہے اس پر نظر ثانی کرا لیجیے اور اسے بھی الگ کتابی صورت میں شائع کیجیے۔ آباد شاہ پوریؒ کے دونوں مضامین یک جا کتابی صورت میں شائع ہونے چاہییں۔

ایک کتاب مسلمان ملکوں میں اشتراکیت کے تجربات پر مرتب ہونی چاہیے جس میں خلیل صاحبؒ کے وہ مضامین جو ترجمان القرآن اور سوشلزم نمبر میں شائع ہوتے ہیں اور حسانؒ کلیمی صاحب، ظفر اسحاق انصاریؒ صاحب اور ممتاز احمدؒ صاحب کے مضامین یکجا کر دیے جائیں۔

ان مضامین کے علاوہ دو تین موضوعات ایسے ہیں جن پر مزید کچھ چیزیں تیار کرنے کی ضرورت ہے۔

رُوس میں اشتراکی انقلاب اور اشتراکی تجربے کی تاریخ۔ اس میں یہ بتایا جائے کہ وہاں اشتراکی انقلاب کس طرح برپا ہوا۔ بالشویکوں نے زمامِ کار پر کیسے قبضہ کیا اور قبضہ کرنے کے بعد کس سنگ دِلی و بے دردی کے ساتھ رُوس کی آبادی کو اپنے اناڑی پن کے اشتراکی تجربوں کا تختۂ مشق بنایا اور ان تجربوں میں انسانی جان و مال اور اخلاق کا کتنے بڑے پیمانے پر ضیاع ہُوا۔ اسی سلسلے میں اس جابرانہ نظام کی تفصیلات بھی پیش کی جائیں جو پہلے لینن کے تحت اور پھر اسٹالن کے تحت قائم ہوا۔

مارکسزم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے لینن کے انقلابی ہتھکنڈے۔ یہ ایک بڑا دلچسپ موضوع ہے۔ جس کا تفصیلی مطالعہ کر کے یہ بتایا جائے کہ مارکسزم کے نظریات کو لینن نے عملی صورت میں ڈھالنے کے لیے اس میں کیا کیا ترمیمات کیں اور پھر انقلاب برپا کرنے کے لیے کیسی شدید شیطانی اسکیم بنائی۔ اس اسکیم کا ہر جُز و شیطنت کا ایسا نمونہ ہے جس کی نظیر پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی مگر ابھی

تک کسی نے اس کو کھل کر بیان نہیں کیا ہے۔ کوئی صاحب اگر اس پر کام کرنے کو تیار ہوں تو میرے پاس بھی اس سلسلے میں کچھ مواد موجود ہے۔

چین کا کمیون سسٹم۔ اس کا بھی تفصیلی مطالعہ کر کے یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ یہ نظام کس طرح انسان کو اجتماعی مشین کا ایک پرزہ بنا کر اس کی انسانیت کو فنا کر دیتا ہے۔ لوگ صرف مجموعی نتائج کو دیکھ کر ان پر فریفتہ ہوتے ہیں مگر یہ نہیں دیکھتے کہ یہ نتائج جن طریقوں سے حاصل کیے جاتے ہیں، ان میں انسان کا کیا حشر ہوتا ہے۔

ایک مستقل مضمون Soviet Imperialism پر بھی ہونا چاہیے جس میں یہ بتایا جائے کہ دنیا میں اس وقت صرف سفید سامراج ہی نہیں ہے بلکہ ایک سرخ سامراج بھی موجود ہے جو قوموں اور ملکوں پر اس طرح ہاتھ صاف کر رہا ہے جس طرح سفید سامراجیوں نے ہاتھ صاف کیا ہے۔ آپ نگاہ ڈال کر دیکھیں کہ ان مضامین کی تیاری کے لیے کون کون لوگ موزوں ہیں، ان پر کام بانٹ دیجیے اور ان پر تیاری کے لیے کافی وقت دیجیے۔ پوری تفصیل کے ساتھ معلومات جمع کر کے ایک ایک موضوع پر لکھنے کی ضرورت ہے۔

مذہب کے بارے میں اشتراکی نقطۂ نظر اور اسلام پر روسی مستشرقین کی تنقیدات کو آپ کے سوشلزم نمبر میں موضوع بحث تو بنایا گیا ہے مگر دونوں مضمون سرسری ہیں۔ ضرورت ہے کہ زیادہ وسیع اور گہرے مطالعہ کے بعد ان دونوں موضوعات پر مختصر کتابیں طبع کی جائیں۔

اِس سلسلے میں جو مصارف ہوں گے، وہ اِن شاءاللہ ہم برداشت کریں گے۔

ابوالاعلیٰ

۱۔ پروفیسر خورشید احمد کا یہ مقالہ "سوشلزم یا اسلام" کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔
۲۔ حسین خان (پ: ۲ فروری ۱۹۳۳ء، حیدر آباد دکن) میٹرک علی گڑھ سے کیا اور انٹر نس حیدر آباد دکن

ہے ۔ ۱۹۵۰ء میں ہجرت کر کے پاکستان آ گئے ۔ یہاں اردو کالج کراچی سے بی اے کیا ۔ کچھ عرصہ کراچی یونی ورسٹی میں زیر تعلیم رہنے کے بعد اسلامی جمعیت طلبہ کی تنظیم و استحکام کے لیے ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) منتقل ہو گئے ۔ بعد ازاں ٹوکیو یونی ورسٹی جاپان سے معاشیات میں ایم اے کیا ۔ حسین خان تین مرتبہ اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے (اکتوبر ۱۹۵۵ء تا دسمبر ۱۹۵۶ء اور پھر اکتوبر ۱۹۵۸ء تا دسمبر ۱۹۶۲ء) ۔ انھوں نے سب سے زیادہ طویل عرصے تک نظامتِ اعلیٰ کی ذمہ داری ادا کی ۔ ۱۹۶۴ء میں جاپان منتقل ہو گئے ، وہاں کاروباری مصروفیات کے ساتھ ساتھ جاپان میں اسلام کی دعوت و تنظیم کے کام کو آگے بڑھایا ۔ تصنیف : * سوشلزم اور معاشی ترقی (مزید دیکھیے: جب وہ ناظم اعلیٰ تھے ، اول ، ص ۱۶۴ تا ۱۸۵)

۳۔ آباد شاہ پوری (پ: ۴ جون ۱۹۲۳ء ، کٹھہ مصرال ، ضلع خوشاب) اصل نام : خورشید الزمان ۔ مختلف اوقات میں "کوثر" "تسنیم" "عوام" "ایشیا" اور "اردو ڈائجسٹ" کی مجالسِ ادارت سے وابستہ رہے ۔ ایک زمانے میں "سلسبیل" کے نام سے ادبی پرچہ بھی جاری کیا تھا، مگر یہ زیادہ دیر تک نہ چل سکا ۔ اس دور میں انھوں نے شاعری کی اور افسانے بھی لکھے ۔ سیّد احمد شہید کی تحریکِ مجاہدین کے آخری سالار مولانا فضلِ الٰہی وزیر آبادی نے آباد صاحب کو مولانا مودودی کی تحریروں سے متعارف کرایا اور وہ رکن بن گئے ۔ تاریخِ اسلام اور اشتراکیت ان کے خصوصی موضوعات ہیں ۔ اِن دنوں انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد سے وابستہ ہیں ، اور تاریخ جماعتِ اسلامی پر تحقیق و تالیف میں مصروف ہیں ۔ اہم تصانیف : * مسلم اُمّہ: سوویٹ روس میں * ترکستان میں مسلم مزاحمت * روس میں مسلمان قومیں * سیّد بادشاہ کا قافلہ * مجددالفِ ثانی کے سیاسی مکتوبات ، تاریخ جماعت اسلامی (اول) وغیرہ

۴۔ استاذ خلیل احمد حامدی (دیکھیے : خط ۸۸)

۵۔ حسّان کلیمی ، ادیب اور افسانہ نگار ، بعد ازاں دنیائے ادب سے قطع تعلق کر کے صحافت سے وابستہ ہو گئے ۔ اب ایک عرصے سے راولپنڈی میں قیام پذیر ہیں ۔

۶۔ ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری (پ: ۲۷ دسمبر ۱۹۳۲ء) مولانا ظفر احمد انصاری کے بڑے صاحبزادے ، زمانۂ طالب علمی میں اسلامی جمعیت طلبہ کے رہنما تھے ۔ کراچی یونی ورسٹی سے ایم اے معاشیات کے بعد ، میک گِل یونی ورسٹی (کینیڈا) سے اسلامی تاریخ میں ڈاکٹریٹ کی ۔ اردو کالج کراچی میں لیکچرار اور کراچی یونی ورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر رہے ۔ بعد ازاں پرنسٹن یونی ورسٹی نیوجرسی ، امریکا اور کِنگ عبد العزیز یونی ورسٹی ، جدہ اور یونی ورسٹی آف پٹرولیم اینڈ منرل ، دہران میں تدریسی فرائض انجام دیے ۔ میل برن یونی ورسٹی (آسٹریلیا) اور میک گِل یونی ورسٹی میں وِزٹنگ پروفیسر ، یونی ورسٹی آف شکاگو میں وِزٹنگ ریسرچ اسکالر اور انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی اسلام آباد میں پروفیسر اور ڈین فیکلٹی آف شریعہ رہے ۔ ۱۹۸۸ء میں ڈائریکٹر جنرل ادارہ تحقیقاتِ اسلامیہ اسلام آباد مقرر ہوئے ـــــ انسائی کلوپیڈیا برٹانیکا اور انسائی کلوپیڈیا آف دی ریلیجن میں بھی ان کے تحقیقی مقالات

شامل ہیں ۔ "تفہیم القرآن" کے ابتدائی حصے کا ترجمہ Towards Understanding Quran دو جلدوں میں اسلامک فاؤنڈیشن ، برطانیہ سے شائع ہوا ہے ۔ پروفیسر خورشید احمد کے اشتراک سے ان کی تالیف Islamic Perspectives: Studies in Honours of Sayyid Abul Ala Mawdudi ، ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی ۔

۷۔ ممتاز احمد (دیکھیے :خط ۱۲۷)

۸۔ نکولائی ولادیمیر لینن (۱۸۷۰ء ——۱۹۲۴ء) اشتراکی روس کے بانی ۔

۹۔ جوزف اسٹالن (۱۸۷۹ء ——۱۹۵۳ء) لینن کے بعد سوویٹ روس کے سربراہ ۔

۸۷

شیخ امان اللہ (حافظ آباد) جماعت اسلامی کے حامی رہے، بعد ازاں مسلم لیگ سے بھی روابط قائم کیے ۔ حافظ آباد بلدیہ کے چیرمین بنے ۔ ایک زمانے میں بعض فتنہ جو لوگوں نے وزیر اعظم پاکستان چودھری محمد علی صاحب سے مولانا مودودی کی نجی ملاقاتوں کو "خفیہ ملاقاتوں" کا رنگ دے کر اسے سیاست بازی کا موضوع بنانے کی کوشش کی ۔ اس ضمن میں شیخ امان اللہ نے بھی مولانا مودودی کو ایک خط تحریر کیا۔ مولانا نے جواباً حسب ذیل وضاحت کی :

[لاہور]

۲۷ دسمبر ۱۹۵۵ء

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ چودھری محمد علی صاحب سے میرے ذاتی تعلقات پندرہ سولہ برس پرانے ہیں اور برادرانہ حد تک ہیں۔ پاکستان بننے سے پہلے بھی وہ میرے ہاں تشریف لاتے تھے اور میں ان کے ہاں جاتا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد بھی وہ ہمیشہ مجھ سے ملتے رہے۔ ان کی سرکاری پوزیشن اور میری سیاسی پوزیشن کبھی ان تعلقات میں مانع نہیں ہوئی۔ اب ان کے وزیر اعظم بن جانے کے بعد آخر یہ ذاتی دوستی کیوں ختم ہو جائے؟

بعض لوگوں نے از راہِ شرارت میری اور ان کی ملاقات کو "خفیہ ملاقات" قرار دیا ہے اور اکتوبر کی ایک ملاقات کا ذکر اس طرح کیا ہے گویا میرے اور ان کے درمیان کوئی سازباز ہوتی تھی حالانکہ میں جب کبھی کراچی جاتا ہوں ان سے ایک دو ملاقاتیں ضرور ہوتی ہیں، اور چونکہ رات ہی کا وقت میری اور اُن کی فرصت

کا ہو سکتا ہے اس لیے رات ہی کے وقت ہوتی ہیں اس ذاتی میل جول کی کوئی سیاسی حیثیت نہیں ہے اس لیے کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس کا ذکر اخبارات میں آئے۔ البتہ جس روز امیر جماعت اسلامی اور وزیر اعظم پاکستان کی کوئی بات چیت سیاسی گفت و شنید کی نوعیت کی ہوگی، تو ان شاءاللہ وہ منظر عام پر ہوگی۔

افسوس ہے کہ سیاست بازوں کو ہر چیز میں سیاست بازی اور گٹھ جوڑ ہی نظر آتا ہے مگر میں ان کا "ہم جنس" نہیں ہوں، نہ کسی کے طعن و تشنیع سے اپنی وضع میں تغیر کر سکتا ہوں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ چودھری محمد علی (۱۵ جولائی ۱۹۰۵ء ۔ یکم دسمبر ۱۹۸۰ء) دیکھیے: خطوطِ مودودی، اول ۔ خط ۳۰، حاشیہ ۳۔

محمد یوسف

محمد یوسف (پ ۲۸ جولائی ۱۹۳۳ء پونا، بمبئی) ۱۹۵۱ء میں جماعت اسلامی میں شامل ہوئے ۔ نادر و نایاب کتابیں اور رسالے (خصوصاً جماعت اسلامی اور مولانا مودودی سے متعلق) جمع کرنا اُن کا مشغلہ ہے اور خاص ذوق بھی ۔ واہ چھاؤنی میں مقامی جماعت کے امیر رہے ۔ ۱۹۸۱ء سے ادارہ معارفِ اسلامی منصورہ لاہور سے وابستہ ہیں ۔

۸۸

[لاہور]
۱۴ اپریل ۱۹۵۶ء

محترمی و مکرمی السلامُ علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ موصول ہُوا ۔ حضرت یُونس کا قِصّہ قرآن مجید میں چار مقامات پر آیا ہے ۔ یونسؑ، آیت : ۹۸ ۔ الانبیاء، آیت : ۸۷ ۔ الصافات، آیت : ۱۳۹ ۔ ۱۴۸ اور القلم، آیت : ۴۸ ۔ ۵۰ ۔ آپ ان سب مقامات کو پہلے خُود ہی غور سے پڑھیں ۔ اس کے بعد مجھے بتائیں کہ آپ کو میری تحریر پر کیا اِعتراض ہے ۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے پیغمبروں کے مرتبے کا لحاظ مجُھ سے اور آپ سے بہت زیادہ ہے ۔ مگر اس نے جس طرح اس واقعہ کا ذِکر کیا ہے وُہ آپ خُود دیکھ سکتے ہیں ۔ مفسّرین نے بالعموم اِس قِصے کے متعلّق یہی لکھا ہے کہ حضرت یونس نے ہجرت کی اجازت آنے سے پہلے بطورِ خود اپنا مستقر چھوڑ دیا تھا ۔ لیکن قرآن میں قِصّے کی کوئی تفصیل نہیں دی گئی ہے بلکہ یہ بات اندازِ بیان سے مترشح ہوتی ہے کہ کوئی نہ کوئی ایسا قصور ان سے سرزد ہُوا تھا جس کی بنا پر ایک طرف انھیں مچھلی کے پیٹ میں پہنچا دیا گیا اور دُوسری طرف ان کی قوم کے لیے عام قانون ہیں

یہ ترمیم کر دی گئی کہ عذاب دیکھ لینے کے باوجود اس کا ایمان قبول کر لیا گیا، حالانکہ سُنّت اللہ یہ ہے کہ عذاب دیکھ لینے کے بعد کسی کا ایمان قبول نہیں کیا جاتا۔

والسّلام

ابوالاعلیٰ

بقلم خلیل احمد حامدی[۱]

۱۔ استاذ خلیل احمد حامدی (۲۳ جون ۱۹۲۹ء، موضع حامد، ضلع فیروز پور)۔ ان کے والد مولانا فتح محمد (ف: نومبر ۱۹۳۷ء) مولانا انور شاہ کاشمیری کے شاگرد تھے۔ اسکول کی ابتدائی تعلیم کے بعد قرآن پاک حفظ کیا۔ جماعتِ اسلامی کے ایک تاسیسی رکن مولانا محمد علی (ف: ۲۰ اپریل ۱۹۸۲ء) کے توسط سے ۱۹۴۳ء میں جماعت سے متعارف ہوئے۔ پہلے کل ہند اجتماع (۱۹ تا ۲۱ اپریل ۱۹۴۵ء، دارالاسلام) میں شریک ہوئے۔ مارچ ۱۹۴۹ء میں رکنیت اختیار کی اور جماعتِ اسلامی لاہور کے دفتر سے وابستہ ہو گئے۔ بعد ازاں مولانا امین احسن اصلاحی کے علمی معاون رہے۔ ۱۹۵۲ء میں انجمن حمایتِ اسلام کے ایک اسکول میں استاد مقرر ہوئے۔ مارچ ۱۹۵۵ء میں جماعت اسلامی کے عربی شعبے دارالعروبہ لِلدّعوۃ الاسلامیہ سے منسلک ہوئے۔ اس زمانے میں محمد عاصم الحدادؒ ناظم دارالعروبہ تھے۔ دسمبر ۱۹۶۰ء تا ستمبر ۱۹۶۹ء مولانا مودودی کے، افریقی اور عرب ممالک کے دوروں، میں ان کے شریکِ سفر رہے۔ اس وقت حامدی صاحب دار العروبۃ کے ناظم، ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور کے ڈائریکٹر جنرل اور سید مودودی انٹرنیشنل اسلامک انسٹی ٹیوٹ لاہور کے چیرمین ہیں۔ چند اہم تصانیف، تالیف اور تراجم: * جہادِ اسلامی * ترکی قدیم وجدید * اخوان المسلمون، تاریخ، دعوت، خدمات، * نظامِ اسلامی: مشاہیر کی نظر میں * تحریک اور کارکن، * عصرِ حاضر میں امّتِ مسلمہ کے مسائل —— * جادہ و منزل (سید قطب) * رودادِ ابتلا (احمد رائف مصری)، * حسن البناء کی ڈائری * رودادِ قفس (زینب الغزالی) حامدی صاحب نے مولانا مودودی کی چھوٹی بڑی ۳۶ کتب کو عربی زبان میں منتقل کیا ہے۔ وفات ۲۵ نومبر ۹۴ء

محمد سلیمان دانش

پروفیسر محمد سلیمان دانش (پ : ۶ دسمبر ۱۹۳۵ء ، تناول ، ضلع مانسہرہ) ابتدائی تعلیم صوبہ سرحد ہی میں حاصل کی ۔ پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج سے ایم اے فارسی (۱۹۶۰ء) اور ایم اے اردو (۱۹۶۱ء) کیا۔ تہران یونی ورسٹی سے جدید فارسی میں سرٹی فیکیٹ (۱۹۷۷ء) حاصل کیا ۔ پیشۂ معلمی سے وابستہ رہے ۔ مزید دیکھیے ضمیمہ

۸۹

مولانا مودودی کے زیرِ نظر خط کا پس منظر بیان کرتے ہوئے مکتوب الیہ نے بتایا : "مئی یا جون ۱۹۵۷ء کے روزنامہ "امروز" لاہور میں پروفیسر محمد عثمان کا ایک مضمون "اسلام میں پردہ" شائع ہوا ۔ موصوف قرآن پاک کی آیت یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ الا ما ظَہَرَ منھا ۔ اور یُدْنِین عَلَیْھِنَّ مِنْ جلابیبھن سے عقلی استدلال کی دور سے کوڑی لائے : ـــــ پردہ یہ ہے کہ آدمی غَضِّ بصر کرے ، دوسرے یہ کہ جب بھی کوئی عورت گھر سے باہر نکلے تو لازماً اس کے ہاتھ پاؤں اور چہرہ کھلے رہیں ، کیونکہ ان کے نزدیک : قرآن میں اسی کی ہدایت کی گئی ہے ، باقی زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ چادر اوڑھ کر باہر نکلنا چاہیے ۔ چہرہ چھپانے کا ذکر قرآن میں کہیں نہیں وغیرہ وغیرہ ۔۔۔ اس ضمن میں پروفیسر محمد عثمان نے چند احادیث سے بھی اپنے مؤقف کو "استدلال" فراہم کیا تھا ۔ میں چوں کہ اُن دنوں بی اے کا طالب علم تھا اور مضمون نگار کے حسنِ استدلال سے متاثر ہوا تھا ، اس لیے مولانا مودودی کے سامنے اپنے اِشکالات بذریعہ خط ارسال کیے ۔

لاہور

۱۳ جون ۱۹۵۷ء

مکرمی و محترمی — السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ مولانا مودودی صاحب کو ملا۔ ان کی جانب سے جواب درجِ ذیل ہے :۔

(۱) "یہ عجیب اِستدلال ہے۔ اگر یہ طرزِ استدلال صحیح ہو تو پھر کپڑے پہننے کی بھی کیا ضرورت ہے۔ لوگوں کو برہنہ پھرنا چاہیے اور ہر ایک کو دُوسرے کی برہنگی سے غضِّ بصر کرنا چاہیے۔

اِس فِقرے میں استثناء زینت سے ہے نہ کہ جسم کے بعض حصوں سے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان کی زینت میں جو کچھ خود ظاہر ہو جائے اس پر گرفت نہیں ہے۔ اس سے خواہ مخواہ چہرہ مُراد لینے کے لیے کوئی دلیل نہیں۔

اِس آیت میں تو چہرے ہی کا نہیں شرمگاہ کے چھپانے کا بھی ذکر نہیں ہے۔ صِرف اس کی حفاظت کا ذِکر ہے۔ اِس لیے پروفیسر صاحب نے اپنی دلیل کو اَور زیادہ آگے کیوں نہ بڑھایا۔ رہی صنفی کشش تو ہر آدمی جانتا ہے کہ عورت کے چہرے سے بڑھ کر وہ کسی اور چیز میں نہیں ہے۔ محض سینے کا اُبھار دیکھ کر شاید ہی کوئی شخص عاشق ہُوا ہو۔ چہرے کے حُسن پر ہزاروں مرے مٹے ہیں۔

یہ حدیث رِشتہ داروں کے لیے نہ کہ اجنبیوں کے لیے پروفیسر صاحب نے پوری حدیث میں سے ایک ٹکڑا نکال لیا ہے۔

یہ سب اَحادیث رِشتہ داروں کے لیے ہیں۔ اجنبیوں کے سامنے نقاب ڈال کر آنے کا رَواج خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہُوا تھا اور بکثرت اَحادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

اس کا ماخذ کیا ہے کہ چہرے کو چھوڑ کر باقی جسم پر لٹکا لی جاتے ہیں؟ چہرے کا چھوڑنے کا ذِکر کس جگہ ہے اور چہرے کو چھوڑ کر چادر لٹکانے کے معنی یہ ہیں کہ چہرے کے ساتھ سر بھی کُھلا رہے۔ ایک چادر لے کر اپنے اوپر خود لٹکا کر دیکھ لیں۔

جی ہاں دیانت داری کے ساتھ پیش کیے ہیں مگر ان کے سر پر مغربیت سوار ہے۔

(۲) اِس مسئلہ پر میری کتاب "اِسلام اور ضبطِ ولادت" دیکھ لیں۔

خاکسار

(برائے مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی)

محمد یحییٰ

۱۔ مولانا مودودی کی یہ رائے واقعی حسبِ کلام ثابت ہوئی، کیونکہ بعد میں پروفیسر محمد عثمان (۱۶ اپریل ۱۹۲۳ء جموں --- ۲۰ جون ۱۹۸۷ء لاہور) نے جو کچھ لکھا، اُس سے ان کا تجدد پسندانہ رجحان واضح ہوتا ہے۔

۲۔ محمد یحییٰ (۱۹۱۸ء سکندر پور ضلع مین پوری، آگرہ ---، جولائی ۱۹۸۹ء، مکہ مکرمہ) تعلیم: میٹرک۔ والد صاحب کے اصرار کے باوجود انگریز کی نوکری اختیار نہیں کی، اور کاشت کاری کرنے لگے۔ "ترجمان القرآن" کے ذریعے مولانا مودودی سے متعارف ہوئے اور ۱۹۴۲ء میں جماعتِ اسلامی کی رکنیت اختیار کی۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۳ء کو دارالاسلام، پٹھان کوٹ آ گئے، اور مستقل طور پر مرکزِ جماعتِ اسلامی سے وابستہ ہو گئے۔ مختلف حیثیتوں سے یہ وابستگی ۱۹۵۸ء تک برقرار رہی۔ درمیان میں، مرکز کی ہدایت پر مرکزی دفتر جماعت میں دو سال تک خدمات انجام دیں۔ ۱۹۵۸ء کے مارشل لا کے نتیجے میں مرکزِ جماعت کے عملے میں تخفیف عمل میں آئی، تو یحییٰ صاحب کو بھی علاحدہ ہونا پڑا۔ ازاں بعد موضع سندھو نزد بھائی پھیرو، ضلع قصور میں اپنی زمین پر کاشت کاری کرتے رہے۔ ۱۹۸۹ء میں دوسری بار حج کے لیے گئے تھے کہ حرم شریف میں عارضۂ قلب سے بے ہوش ہو گئے، اور کچھ دیر بعد ہسپتال میں خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

۹۰

پروفیسر دانش نے اس خط کا پس منظر بیان کرتے ہوئے بتایا: "ترجمان القرآن، فروری ۱۹۷۴ء میں "دعوتِ حق" کے عنوان سے سیرتِ پاکؐ پر مولانا مودودی کی تحریر شائع ہوئی (مشمولہ: "سیرت سرورِ عالم"، دوم، ص ۳۷ - ۴۷) میں نے مولانا کو لکھا کہ عربی طرزِ تحریر کی اہم خصوصیت، صداقتِ بیان، بے باکیِ اظہار اور حریتِ فکر ہے، یہی خوبیاں آپ کی تحریروں کا جزو بن گئی ہیں، اس کے برعکس ہندی عجمی اثرات کے تحت اردو کا مزاج بہت پست اور کسر و انکسار سے عبارت ہے، لہٰذا ہم جیسے اردو خواں طبقے کو

بسا اوقات آپ کے فقروں میں کھٹک محسوس ہوتی ہے ۔ آپ نے مذکورہ پرچے میں لکھا: "اور حضورؐ کو تبلیغ کا صحیح طریقہ بتانے کے ساتھ ساتھ اس طریقے کی غلطی سمجھائی گئی ہے ، جو اپنی رسالت کی ابتدا میں آپ اختیار فرما رہے تھے" ـــــ میں نے تجویز کیا کہ اس فقرے میں اگر "غلطی" کو "خامی" سے بدل دیا جائے تو کیسا رہے گا ؟ جیسا کہ مولانا کے خط سے ظاہر ہے انھوں نے مجھ جیسے عامی فرد کا اعتراض قبول کر لیا ، اور حسبِ تجویز اپنی تحریر میں درستی کرلی ۔ اسی شمارے میں مولانا نے لکھا تھا: "یہی وہ اصل نکتہ ہے ، جسے رسولؐ اللہ نے تبلیغِ دین کے معاملے میں اس موقع پر نظر انداز کر دیا تھا" ۔ اس ضمن میں میں نے تجویز کیا تھا کہ فقرہ یوں بدل دیا جائے: "تبلیغِ دین کے معاملے میں نظر انداز کیے جانے کا خدشہ تھا" ، البتہ یہاں مولانا نے مجھ سے اتفاق نہیں کیا"۔

[لاہور]
[۶ رمارچ ۱۹۷۴ء]

محترمی و مکرّمی السلامُ علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ آپ کے مشوروں کے لیے شکرگزار ہوں۔ آپ کی تجویز کے مطابق "غلطی" کو خامی سے بدل دیا جائے گا لیکن آپ کا دُوسرا مشورہ موقع و محل کے لحاظ سے مناسب معلوم نہیں ہوتا ۔ سُورہ عبس کا ابتدائی حِصّہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ تبلیغ دین کے معاملے میں اِس نکتہ کو نظر انداز کر دینے ہی پر ٹوکا گیا ہے ، نہ کہ نظر انداز کیے جانے کے خدشے پر۔

خاکسار

ابُوالاعلیٰ

سیکرٹری رلی. جس کانفرنس

۹۱

اس خط پر تاریخ درج نہیں ہے، لیکن یہاں جس کانفرنس کا ذکر ہے، وہ ۱۵ نومبر ۱۹۵۷ء کو دہلی میں منعقد ہوئی تھی۔ کانفرنس کا افتتاح بھارتی صدر راجندر پرشاد نے کیا تھا۔ یہ خط "ایشیا" لاہور، ۴ ستمبر ۱۹۵۷ء میں چھپا تھا۔ اس لیے قیاس ہے کہ یہ ستمبر کے اوائل ہی میں لکھا گیا ہوگا:

[۔۔۔]

[ستمبر ۱۹۵ء]

مکرمی و محترمی، تسلیمات

افسوس ہے کہ میں آپ کی کانفرنس میں حاضر نہ ہو سکوں گا کیونکہ میں اکتوبر کے آغاز سے دسمبر کے وسط تک ایک جلسے دَورہ کا پروگرام پہلے ہی بنا چکا ہوں۔ مگر مجھے اس مقصد سے پُوری ہمدردی ہے کہ دنیا میں دہریت (Atheism) کے بڑھتے ہُوئے سیلاب کو روکا جائے اور اُن عالمگیر اخلاقی قدروں کو بحال کیا جائے جن کے احترام پر انسانیت کے امن کا انحصار ہے لیکن میرے نزدیک ان مقاصد میں عملاً اس وقت تک کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی، جب تک مختلف مذاہب کے پیروؤں کو دُوسروں کے مذاہب اور مذہبی پیشواؤں کے خلاف حملے کرنے اور معاندانہ پروپیگنڈا کرنے سے باز نہ رکھا جائے۔ اور مذہبی تعصب کی بنا پر ایک دُوسرے کے درپئے آزار ہونے سے نہ روکا جائے۔ اگر عملاً ہم اس صُورتِ حال کی اصلاح نہ کر سکیں تو محض باتیں کوئی حقیقی نتیجہ پیدا نہیں کر سکتیں۔ ہر قوم کے شریف اور نیک نہاد عناصر کو اس بات پر متفق ہونا چاہیے اور عملاً اس طریقہ کار پر کاربند بھی ہونا چاہیے کہ وہ اپنی اپنی قوموں

کو انصاف پر قائم رکھنے کی کوشش کریں۔ دُوسری قوموں کے ساتھ بے انصافی کرنے سے روکیں اور قومی غدّاری کے الزام کا خطرہ مول لے کر بھی پوری جرأت کے ساتھ اِنصاف کی بات کہیں خواہ ان کی یہ بات ان کی قوم کے مفاد کے خلاف ہی کیوں نہ پڑے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اس کا اگر کوئی عملی نمونہ بھی دُنیا کے چند ایماندار آدمی پیش کریں تو یہ ہزار اخلاقی وعظوں سے زیادہ کارگر ہو سکتا ہے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

CamScanner

چودھری غلام محمد

چودھری غلام محمد (یکم اکتوبر ۱۹۱۶ء دکوہا ، ضلع جالندھر --- ۲۹ جنوری ۱۹۷۰ء ، کراچی) میٹرک (۱۹۳۳ء) کے بعد والدِ گرامی چودھری میراں بخش فوت ہو گئے ، تو معاشی مجبوریوں کے سبب ریلوے میں بہ طور بکنگ کلرک ملازمت اختیار کرلی ۔ ابتدا میں خاکسار تحریک سے متاثر تھے ، لیکن بہت جلد اس سے قطع تعلق کر لیا ۔ ۱۹۴۴ء میں جماعتِ اسلامی کی رکنیت اختیار کی ۔ ۱۹۴۶ء میں صوبہ سندھ جماعتِ اسلامی کے قیّم اور ۱۹۵۳ء میں صوبہ سندھ و حلقہ کراچی کے امیر منتخب ہوئے ۔ ۱۹۵۷ء میں دو ماہ کے لیے جماعت اسلامی پاکستان کے امیر مقرر ہوئے ۔ بعد ازاں ایک عرصے تک جماعت اسلامی کراچی کے امیر رہے ۔ مختلف اوقات میں نظر بند رہے ، نیز ۱۹۶۴ء میں جماعت پر پابندی لگی ، تو پابندِ سلاسل ہوئے ۔ چودھری صاحب نے جماعت کو بین الاقوامی سطح پر متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا اور مولانا مودودی کے ذاتی نمایندے کی حیثیت سے متعدد بین الاقوامی کانفرنسوں میں شمولیت کی ۔ اسلامک فاؤنڈیشن ، لیسٹر (برطانیہ) اور اسلامک فاؤنڈیشن ، نیروبی کے قیام میں چودھری صاحب کی منصوبہ سازی کو دخل ہے ۔ ۱۹۶۷ء میں عرب اسرائیل جنگ کے بعد ڈاکٹر محمد ناصر (سابق وزیر اعظم ، انڈونیشیا) کے ہمراہ مسلم ملکوں کا وسیع دورہ کیا ۔ علاوہ ازیں شاہ ولی اللہ اورینٹل کالج منصورہ ، صوبہ سندھ (۱۵ نومبر ۱۹۵۹ء) ، ادارہ معارف اسلامی ، کراچی (۱۹۶۳ء) روزنامہ "جسارت" ملتان ، کراچی (۱۹۷۰ء) بنگلہ روزنامہ "سنگرام" ڈھاکہ (۱۹۷۰ء) اور ماہنامہ "چراغِ راہ" کراچی کے اجرا اور قیام و استحکام میں بھی ان کا اہم رول ہے ۔ آپ کی نگرانی میں سواحلی ، اور یوگنڈی زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم شائع ہوئے ۔ عمر کے آخری حصے میں سرطان کا شکار ہو گئے ۔ بہ ایں ہمہ ، خدمتِ دین کے لیے آخری دم تک حتّی الوسع جدوجہد کرتے رہے ۔ متفرق کتابچوں کے علاوہ انگریزی کتاب The Middle East Crisis ان کی تصنیفی یادگار ہے ۔ غلام محمد مرحوم کے جنازے میں شرکت کے لیے مولانا مودودی لاہور سے کراچی پہنچے اور نمازِ جنازہ پڑھانے کے بعد فرمایا:

"چودھری غلام محمد مرحوم نے جس جوش ، محنت اور وقت و مال کی قربانی کے ساتھ دین کی خدمت کی ہے ، اس کی میں تعریف نہیں کر سکتا ۔ میں گواہی دیتا ہوں اور اس ملک کے لاکھوں باشندے گواہ ہیں کہ چودھری صاحب نے دین کی خدمت میں دانستہ کوئی کوتاہی نہیں کی ۔ اپنی حیات کا خطرہ مول لے کر انھوں نے یہ کام کیا ۔ خرابیِ صحت کے باوجود انھوں نے بیرونی ملکوں کے سفر کیے ۔ ان

کی کوششوں نے افریقہ میں اسلامی مرکز قائم ہوا ۔ چودھری صاحب فلسطین کے مسئلے پر تمام اسلامی ممالک میں رائے عامہ ہموار کرتے رہے ۔۔۔ خدا کے یہاں اس کے بندوں کی گواہی مقبول ہوتی ہے ، اور آپ سب گواہ ہیں کہ چودھری صاحب نے حتی الوسع دین کی خدمت کی میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ان کی خدمات کو قبول کرے اور اگر کوئی کوتاہی ہوئی ہے ، تو وہ انھیں معاف کر دے"۔ (مزید دیکھیے: "چودھری غلام محمد: ایک شخص ، ایک تحریک" از محمد موسیٰ بھٹو ۔ حیدر آباد ، ۱۹۸۳ء)

۹۲

[لاہور]

۱۹ر ستمبر ۱۹۵۸ء

محترمی و مکرمی السلام علیکم و رحمۃ اللہ

میں نے آپ سے کوئٹہ میں کہا تھا کہ آپ اجمل خاں صاحب سے ان کے استعفا کے مسئلے کو یک سو کرانے کی کوشش کریں۔ میں توقع رکھتا تھا کہ آپ سے گفتگو کرنے کے بعد وہ اس معاملہ میں کوئی آخری فیصلہ کرلیں گے اور اس کی اطلاع مرکز تک پہنچ جائے گی۔ لیکن ابھی تک ان کی طرف سے خاموشی ہی ہے۔ ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہمیں لازماً جلدی ہی مجلسِ شوریٰ بلانی ہے اور ہم ایک نشست کے معاملہ کو اب معلق نہیں رکھ سکتے۔ ان کو بہرحال اب فیصلہ کرنا چاہیے کہ وہ جماعت میں رہنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ستمبر کے آخر تک اس کا فیصلہ نہ کریں گے تو اکتوبر کے آغاز میں مجھے ان کا استعفا قبول کرکے ان کی نشست خالی قرار دینی پڑے گی اور اس پر نیا انتخاب کرانا ہوگا۔

آپ اس معاملہ میں انھیں پھر لکھیں کہ آخر یہ تذبذب کا سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔ ان کا اصل معاملہ جماعت سے ہے، مجھ سے نہیں ہے۔ جماعت میں کسی شخص کے رہنے یا نہ رہنے کا انحصار اس پر نہیں ہے کہ میرے ساتھ اس کے ذاتی تعلقات اچھے ہوں یا نہ ہوں، یا اس کو مجھ پر اعتماد ہو یا نہ ہو۔ میری ذات اور جماعت ایک چیز نہیں ہیں۔ اگر ان کو جماعت پر بھی اعتماد نہیں رہا ہے، یا وہ اب

اس کے ساتھ تعلق رکھنا پسند نہیں کرتے، تب تو بات دوسری ہے۔ اس صورت میں بہتر یہی ہے کہ وہ الگ ہو جائیں۔ لیکن اگر جماعت ان کے نزدیک درست ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس سے تعلق توڑ لیں۔ مجھ سے شخصی تعلق رکھنا ان کے لیے اور ان سے شخصی تعلق رکھنا میرے لیے کچھ ضروری نہیں ہے اور ان کے لیے اس امر میں بھی کوئی چیز مانع نہیں ہے کہ اگر وہ مجھ پر اعتماد نہیں رکھتے تو مجلس شوریٰ میں میرے خلاف اعتماد کی تحریک لائیں یا دستور کے اندر رہتے ہوئے امارت کی تبدیلی کے لیے آئینی کوشش کریں۔ بلکہ میں تو انھیں اس کی اجازت بھی دینے کے لیے تیار ہوں کہ میرے اندر انھوں نے جو کچھ بھی عیوب دیکھے ہیں انھیں ضبطِ تحریر میں لا کر تمام ارکانِ جماعت تک پہنچا دیں۔ اس غرض کے لیے میں ان کو تمام ارکانِ جماعت کی فہرست فراہم کر دوں گا، اور انشاءاللہ ان کے کسی الزام کی تردید بھی نہ کروں گا۔ میں تو اس شخص کو اپنا محسن سمجھوں گا جو کسی طرح رفقاءِ جماعت کو مجھے اس امارت سے سبکدوش کرنے پر راضی کر دے۔

میرا مدعا یہ ہے کہ اجمل خاں صاحب محض میری وجہ سے جماعت کو نہ چھوڑیں۔ جماعت کی یہ غلطی ضرور ہے کہ وہ مجھے امیر رکھنے پر بے جا اصرار کر رہی ہے۔ لیکن اس غلطی کی اصلاح ہو سکتی ہے اور میں خود اس کی اصلاح کے لیے کوشاں ہوں۔ محض یہ چیز اس کے لیے کافی نہیں ہے کہ لوگ جماعت سے مایوس ہو کر اسے چھوڑ دینے پر اُتر آئیں۔

ایک اور تکلیف آپ کو یہ دینی ہے کہ میں نے کراچی میں نقی صاحب سے کچھ کپڑا خرید کر منگوا دینے کے لیے کہا تھا۔ وہ میرے چلنے کے وقت تک نہ آسکا تھا اور نقی صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ وہ وُول ہاؤس لاہور کی وساطت سے مجھے یہیں بھجوا دیں گے۔ لیکن ابھی تک وہ یہاں نہیں پہنچا ہے۔ آپ انھیں فون پر یاد دہانی کرا دیں۔ نیز انھیں یہ بھی کہہ دیجیے کہ کپڑا بھیجنے کے ساتھ وہ اس کا حساب بھی نوٹ کر دیں تا کہ اگر کچھ زائد خرچ ہوا ہو تو وہ

ٹیلیفون: ۲۵۰۷ — بسم اللہ الرحمن الرحیم — Phone: 2507

جماعتِ اسلامی پاکستان

JAMAAT-E-ISLAMI PAKISTAN

اچھرہ لاہور — Ichhra, Lahore

حوالہ.......................... — مورخہ ۱۹/ستمبر ۵۸ء

محترمی و مکرمی — السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں نے آپ سے کوئٹہ میں کہا تھا کہ آپ اجمل خان صاحب سے ان کے استعفیٰ کے مسئلے کو یکسو کرانے کی کوشش کریں۔ میں توقع رکھتا تھا کہ آپ سے گفتگو کرنے کے بعد وہ اس معاملہ میں کوئی آخری فیصلہ کر لیں گے اور اس کی اطلاع مرکز تک پہنچ جائے گی۔ لیکن ابھی تک ان کی طرف سے خاموشی ہی ہے۔ ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہمیں لازماً جلدی ہی مجلس شوریٰ بلانی ہے اور ہم ایک نشست کے معاملہ کو اب معلق نہیں رکھ سکتے۔ ان کو بہرحال اب فیصلہ کرنا چاہیے کہ وہ جماعت میں رہنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ستمبر کے آخر تک اس کا فیصلہ نہ کر سکے تو اکتوبر کے آغاز میں مجھے ان کا استعفیٰ قبول کر کے ان کی نشست خالی قرار دینی پڑے گی اور اس پر نیا انتخاب کرانا ہوگا۔

آپ اس معاملہ میں انہیں بھی لکھیں کہ آخر یہ تذبذب؟ یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا - ان کا اصل معاملہ جماعت سے ہے، مجھ سے نہیں ہے - جماعت میں کسی شخص کے رہنے یا نہ رہنے کا انحصار اس پر نہیں ہے کہ میرے ساتھ اس کا ذاتی تعلق اچھا ہو یا نہ ہو، یا اس کو مجھ پر اعتماد ہو یا نہ ہو - میری ذات اور جماعت ایک چیز نہیں ہیں - اگر ان کو جماعت پر بھی اعتماد نہیں رہا ہے، یا وہ اب اس کے ساتھ تعلق رکھنا پسند نہیں کرتے تو بات دوسری ہے - اس صورت میں بہتر یہی ہے کہ وہ الگ ہو جائیں - لیکن اگر جماعت ان کے نزدیک درست ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس سے تعلق توڑ لیں - مجھ سے شخصی تعلق رکھنا ان کے لیے اور ان سے شخصی تعلق رکھنا میرے لیے کچھ ضروری نہیں ہے، اور ان کے لیے اس امر میں بھی کوئی چیز مانع نہیں ہے کہ اگر وہ مجھ پر اعتماد نہیں رکھتے تو مجلس شوریٰ میں میرے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کریں یا دستور کے اندر رہتے ہوئے امارت کی تبدیلی کے لیے آئینی کوشش کریں - بلکہ میں تو انہیں اس کی اجازت بھی دینے کے لیے تیار ہوں کہ میرے اندر انہوں نے جو کچھ بھی عیوب دیکھے ہیں انہیں ضبط تحریر میں لا کر تمام ارکان جماعت تک پہنچا دیں - اس غرض کے لیے میں ان کو تمام ارکان جماعت کی فہرست فراہم کر دوں گا اور ان کے واسطے ان کا کسی الزام کی تردید بھی نہ کروں گا - میں تو اس شخص کو اپنا محسن سمجھوں گا جو کسی طرح رفقاء جماعت کو مجھے اس امارت سے سبکدوش کرنے پر راضی کر دے -

میرا مدعا یہ ہے کہ اصل خان صاحب محض میری وجہ سے جماعت کو نہ چھوڑیں - جماعت کی یہ غلطی ضرور ہے کہ وہ مجھے امیر رکھنے پر بے جا اصرار کر رہی ہے - لیکن اس غلطی کی اصلاح ہو سکتی ہے اور میں خود اس کی اصلاح کے لیے کوشاں ہوں -

محض یہ چیز اس کے لیے کافی نہیں ہے کہ لوگ جماعت سے مایوس ہو کر اسے چھوڑ دینے پر اتر آئیں۔

ایک اور تکلیف آپ کو یہ دینی ہے کہ میں نے کراچی میں نقی صاحب سے کچھ کپڑا خرید کر منگوا دینے کے لیے کہا تھا۔ وہ میرے پہنچنے کے وقت تک نہ آسکا تھا اور نقی صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ وہ دو ایک دن میں لاہور کی رسالت سے مجھے بھجوا دیں گے۔ لیکن ابھی تک وہ یہاں نہیں پہنچا ہے۔ آپ انہیں فون پر یاد دہانی کرا دیں۔ نیز انہیں یہ بھی کہہ دیجیے کہ کپڑا بھیجنے کے ساتھ وہ اس کا حساب بھی نوٹ کر دیں تاکہ اگر کچھ زائد خرچ ہوا ہو تو وہ بھیج دوں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

اس خط کی ترسیل سے قبل اور جماعت کو

پروفیسر صاحب سے فون پر بات کرنے کا موقع مل گیا اس لیے

انہوں نے اس سلسلے میں زبانی گفتگو کر لی ہے

اب اس خط کو روک کر ارسال کر دیا جائے۔

غلام علی

۲۰ دسمبر ۵۸ء

بھیج دوں۔

خاکسار
ابو الاعلیٰ

۱۔ سردار محمد اجمل خان لغاری (۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء رحیم یار خاں ۔ ۲۸ مارچ ۱۹۸۸ء اجمل باغ ، رحیم یار خاں) ۔ تعلیم کوہاٹ ، لاہور اور بہاول پور میں ہوئی ۔ ابتدائی دور میں جماعتِ اسلامی کی دعوت سے متاثر ہوئے ۔ انگریزی ملازمت (انکم ٹیکس آفیسر) چھوڑ دی اور رکنِ جماعت بن گئے ۔ سابق ریاست بہاول پور میں جماعتِ اسلامی کے کام کی داغ بیل ڈالی ۔ مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن بھی رہے ۔ فروری ۱۹۵۸ء میں جماعت سے علاحدگی اختیار کر کے گوشہ نشین ہو گئے ۔ بہاول پور سے ممبر لیجس لیٹیو اسمبلی (ایم ایل اے) منتخب ہوئے ۔ زرعی یونی ورسٹی ، فیصل آباد کی سینٹ کے ممبر بھی رہے ۔ ذاتی دلچسپی سے ۳۶ برس تک اجمل باغ ہائی اسکول چلایا ، اور خود بھی تدریس میں شریک رہے ۔

۲۔ سید نقی علی (۲۲ فروری ۱۹۱۲ء رام پور ۔۔۔۔ ۳ اپریل ۱۹۸۲ء لندن) ابتدائی دور میں تدریس کے پیشے سے وابستہ رہے ۔ ۱۹۴۶ء میں ملازمت ترک کر کے دارالاسلام ، پٹھان کوٹ میں جماعت کی مرکزی درس گاہ سے وابستہ ہو گئے ۔ بعد ازاں مرکز جماعتِ اسلامی میں مختلف حیثیتوں سے کام کیا ۔ "قادیانی مسئلہ" کے ناشر کے طور پر ۱۹۵۳ء میں تحریکِ ختم نبوت میں گرفتار ہوئے ۔ لاہور میں نیا مدرسہ کے نام سے ایک اسکول قائم کیا ، جس کے صدر مدرس رہے ۔ بعض تحریکی ذمہ داریوں کے سلسلے میں کئی برس انگلستان میں مقیم رہے ۔ آخری زمانے میں جماعتِ اسلامی کی تاریخ لکھ رہے تھے ، کہ ایک نجی سفر کے دوران لندن میں انتقال کر گئے ۔ تصانیف: *جیل خانہ ، ۱۹۵۴ء *مولانا مودودی کا عہد ، ۱۹۷۹ء

—— ۹۳ ——

[لاہور]
۱۴ جنوری ۶۹ء

برادرم چودھری صاحب ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

۱۱ جنوری کی شام کو آپ کے ٹیلیفون سے یہ اطلاع پا کر اطمینان ہوا کہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابوالاعلیٰ مودودی
۵-اے ذیلدار پارک - اچھرہ
لاہور-۱۲ (پاکستان)

فون نمبر: ۲۵۰۰۰
حوالہ 86
مورخہ ۱۳ جنوری ۶۰

برادرم چوہدری صاحب السلام علیکم و رحمۃ اللہ

اس روز شام کو آپ کے ٹیلیفون سے یہ اطلاع پا کر اطمینان ہوا کہ بحمد اللہ آپ بخیریت کراچی پہنچ گئے ہیں۔ امید ہے کہ اب آپ کی صحت اُس حالت سے بہتر ہوگی جس میں میں آپ کو لندن چھوڑ کر آیا تھا۔ میری دلی خواہش تھی کہ میری واپسی بھی آپ کے ساتھ ہی ہو، مگر یہاں پہنچ کر آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ میرا جلدی واپس آنا کس قدر ضروری تھا۔

ابھی مجھے ایک امریکن نو مسلم کا خط ملا ہے جس کی ایک نقل آپ کو بھیج رہا ہوں۔ آپ وہاں اپنے حلقۂ ملاقات میں معلوم کریں کہ آیا ان دونوں میاں بیوی کے لیے وہاں کوئی انتظام ہو سکتا ہے یا نہیں۔ خدا کرے کہ ان بیچاروں کو اس

تجربہ سے سابقہ پیش نہ آئے جو عمر اور فاطمہ حیدر کو ہو چکا ہے ۔ میں نے ان کو لکھ دیا ہے کہ میں اپنی کوشش کے نتائج سے ان کو بعد میں مطلع کروں گا ۔ اسی سلسلے میں بادانی صاحب کے علاوہ ناظم علوی صاحب، نقی صاحب اور ابوبکر صاحب سے بھی مشورہ کر لیں تو بہتر ہوگا ۔ شاید کسی کی مدد سے ان کے لیے کوئی مناسب بندوبست ہو جائے ۔

میں نے معاشیات کے متعلق اپنے مضامین کا جو مجموعہ مرتب کرنے کے لیے خورشید صاحب کو دیا تھا، اس کو اب شائع ہونے کی ضرورت ہے ۔ مگر مجھے معلوم نہیں کہ وہ اب کہاں ہے ۔ اسے تلاش کرائیے اور جس حالت میں بھی ہو مجھے بھیج دیجیے ۔ اس کے علاوہ چراغ راہ کے سوشلزم نمبر کے جن مضامین کو الگ الگ کتابی صورت میں لانے کی ضرورت میں نے پہلے ظاہر کی تھی ان کو بھی اب بلا تاخیر شائع کر دینا چاہیے ۔

میرا بکس جو آپ کے ساتھ آ رہا تھا وہ اگر پہنچ گیا ہو تو اسے بھی بھیج دیں ۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

بحمد اللہ آپ بخیریت کراچی پہنچ گئے ہیں۔ اُمید ہے کہ اب آپ کی صحت اس حالت سے بہتر ہوگی جس میں میں آپ کو لندن چھوڑ کر آیا تھا۔ میری دِلی خواہش تھی کہ میری واپسی بھی آپ کے ساتھ ہی ہو، مگر یہاں پہنچ کر آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ میرا جلدی واپس آنا کس قدر ضروری تھا[1]۔

ابھی مجھے ایک امریکن نومسلم کا خط مِلا ہے جس کی ایک نقل آپ کو بھیج رہا ہوں۔ آپ وہاں اپنے حلقۂ ملاقات میں معلوم کریں کہ آیا ان دونوں میاں بیوی کے لیے وہاں کوئی انتظام ہو سکتا ہے یا نہیں۔ خدا کرے ان بیچاروں کو اس تجربے سے سابقہ پیش نہ آئے جو عمرؓ اور فاطمہ ہیرسنؒ کو ہو چکا ہے۔ میں نے ان کو لکھ دیا ہے کہ میں اپنی کوشش کے نتائج سے ان کو بعد میں مطلع کروں گا۔ اس سلسلے میں باوانی صاحب کے علاوہ حاتم علوی صاحب، نقی صاحب اور ابوبکر صاحبؒ سے بھی مشورہ کر لیں تو بہتر ہوگا۔ شاید کسی کی مدد سے ان کے لیے کوئی مناسب بندوبست ہو جائے۔

میں نے معاشیات کے متعلق اپنے مضامین کا جو مجموعہ مرتب کرنے کے لیے خورشید صاحب کو دیا تھا، اس کے اب شائع ہونے کی ضرورت ہے مگر مجھے معلوم نہیں کہ وہ اب کہاں ہے۔ اسے تلاش کرائیے اور جس حالت میں بھی ہو مجھے بھیج دیجیے۔ اس کے علاوہ چراغ راہ کے سوشلزم نمبر کے جن مضامین کو الگ کتابی صورت میں لانے کی ضرورت میں نے پہلے ظاہر کی تھی ان کو بھی اب بلا تاخیر شائع کر دینا چاہیے۔

میرا جو سامان آپ کے ساتھ آرہا تھا وہ اگر پہنچ گیا ہو تو اسے بھی بھیج دیں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ ان دنوں پاکستان میں ایک طرف صدر جنرل محمد ایوب خاں (۱۹۰۷ء ریحانہ، ہری پور ——— ۱۹۷۴ء،

اسلام آباد) کے خلاف ایجی ٹیشن (نومبر ۱۹۶۸ء ۔ مارچ ۱۹۶۹ء) چل رہا تھا ۔ دوسری جانب ملک میں کھلے عام سوشلزم ، گھیراؤ جلاؤ اور علاحدگی کے نعرے زور پکڑ رہے تھے ۔ سیاسی میدان میں عجیب افراتفری کا عالم تھا ۔ جماعتِ اسلامی "پاکستان تحریک جمہوریت" (PDM) اور "جمہوری مجلسِ عمل" (DAC) کی سیاسی جدوجہد میں شامل تھی ۔ یہاں مولانا نے اسی پس منظر میں، لندن سے اپنی واپسی کو ضروری قرار دیا ہے ۔

۲ ۔ جرمن نژاد ڈاکٹر عمر ہیرن سارکا (Umer Heeren Sarka) نے ۱۹۵۰ء کے اوائل میں اسلام قبول کیا ۔ ذاتی شوق سے عربی زبان و ادب اور علومِ اسلامیہ کا مطالعہ کیا اور مغربی جرمنی میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف رہے ۔ بعد ازاں اسلامی ماحول کی تلاش میں ہجرت کر کے ۱۹۶۳ء میں پاکستان پہنچے ۔ کراچی، کوئٹہ، لاہور، ڈھاکہ میں قیام کیا، اور یہاں ملازمت بھی کی ، مگر ماحول راس نہ آیا ۔ ۱۹۶۵ء میں حج کے لیے حرمین شریفین گئے ، تو مولانا مودودی کے ایما پر شاہ فیصل شہید نے آپ کو سرکاری مہمان بنایا ۔ اِسی برس جرمنی واپس چلے گئے ۔

۳ ۔ فاطمہ ہیرن سارکا (اب؛ فاطمہ گریم Grimm : پ ۲۵ جولائی ۱۹۳۴ء میونخ ، جرمنی) آپ کا پیدائشی نام ، ہیلگا وولف Helga Wolff تھا ۔ والد گرامی ، ہٹلر کے مشہور جرنیلوں میں سے تھے ۔ فاطمہ کے بقول : "والد صاحب نے اپنے انتقال (۱۹۸۴ء) سے دو ماہ قبل اسلام قبول کر لیا تھا"۔ فاطمہ اسکول کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد انگریزی زبان کی تحصیل کے لیے برطانیہ آگئیں ۔ زمانہ طالب علمی ہی میں سچائی اور اُخروی نجات کے صحیح راستے کی متلاشی ہوئیں ۔ مختصر عرصے کے لیے جرمن عیسائیوں کے ایک اصلاح پسند حلقے سے بھی منسلک رہیں ۔ ۱۹۶۰ء میں نو مسلم جرمن ڈاکٹر عمر ہیرن سارکا کی دعوت پر اسلام کی دعوت قبول کی اور کچھ عرصہ بعد انھی سے شادی ہوئی ۔ مغربی ماحول کی گھٹن سے تنگ آکر اور بہتر معاشرتی ماحول کی تلاش میں ڈاکٹر عمر اور فاطمہ صاحبہ ۱۹۶۳ء پاکستان چلے آئے ۔ جب ڈاکٹر عمر یہاں کے ماحول سے اکتا کر وطن واپس گئے تو فاطمہ بھی بچوں کے ہمراہ ستمبر ۱۹۶۵ء میں جرمنی چلی گئیں ۔ گھریلو ناچاقی کے باعث ۳۱ دسمبر ۱۹۸۳ء کو ڈاکٹر عمر اور فاطمہ میں علاحدگی ہو گئی ۔ فاطمہ نے چند ماہ بعد جرمن نو مسلم محمد عبدالکریم گریم سے عقدِ ثانی کیا، اور ہیم برگ منتقل ہو گئیں ۔ صحافت سے تعلق رہا اور ہفت روزہ Young Pakistan ڈھاکہ کے لیے مضامین تحریر کیے ۔ انگریزی اور جرمنی میں اسلام پر متعدد علمی مقالے لکھے ۔ محترمہ عائشہ لی مون کے اشتراک سے Women in Islam تحریر کی ۔ مولانا مودودی کی تصنیف "دینیات" کا جرمن زبان میں ترجمہ Weltanschauung and Leben in Islam کیا ۔ آج کل قرآن مجید کا جرمن زبان میں ترجمہ و تفسیر لکھ رہی ہیں ۔ (خط بنام : سلیم منصور ، ۱۲ مئی ۱۹۸۸ء) ۔ فاطمہ کے نام مولانا مودودی کے دو خطوط ۶۳ اور ۶۹ "مکاتیب مودودی" دوم میں شامل ہیں ۔

۴۔ کراچی کے بعض مخیّر حضرات اور مولانا مودودی سے نیاز مندانہ تعلقات رکھنے والے اصحاب ۔

۵۔ معاشیات کے موضوع پر مولانا مودودی کی جملہ تحریروں اور تقاریر کو پروفیسر خورشید احمد نے "معاشیاتِ اسلام" کے نام سے مرتب کیا۔ (اشاعتِ اوّل : دسمبر ۱۹۶۹ء لاہور) اس کے بارے میں مولانا نے لکھا ہے : "پروفیسر خورشید احمد صاحب نے نہایت محنت اور توجہ کے ساتھ یہ مجموعہ ایسی خوبی کے ساتھ مرتب کر دیا ہے کہ میں خود بھی اس سے بہتر ترتیب نہ دے سکتا تھا" (دیباچہ "معاشیاتِ اسلام" ۔ ۳ مارچ ۱۹۶۹ء)

۹۴

[لاہور]

۲۶ جنوری ۶۹ء

برادرم چودھری صاحب ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط اور سامان مل گیا ۔ یہ معلوم کر کے تشویش ہوئی کہ کراچی پہنچ کر آپ کی صحت پر اچھا اثر ہونے کے بجائے اُلٹا بُرا اثر ہوا۔ اب آپ حتی الامکان مصروفیتوں کو کم کر کے زیادہ تر توجہ اپنی طاقت اور صحت بحال کرنے پر صَرف کریں۔ مگر میں آپ کو کیا مشورہ دوں، میں خود یہاں آ کر بُری طرح مصروفیتوں میں گھِر گیا ہوں اور آج ایک مہینہ گزرنے پر بھی مجھے آرام ملنے کی کوئی صورت نہیں بن سکی ہے۔ میری صحت کا تقاضا یہ تھا کہ میں ابھی یہاں نہ واپس آتا۔ مگر حالات کا تقاضا یہ تھا کہ مجھے لازماً اس وقت یہاں موجود رہنا چاہیے۔ اگرچہ ذِمّہ داریاں میں نے نہیں سنبھالی ہیں لیکن اِس نازک وقت کا ایک ایک لمحہ یہ چاہتا ہے کہ میں اپنے رُفقاء کی مدد اور مشورے کے لیے مستعد رہوں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ اِس شدید آزمائش کے مرحلے، بلکہ طوفان سے جماعت کی کشتی کو بچا کر لے جانے کی کیا صورت پیدا فرماتا ہے۔

سوشلزم نمبر کے جن مضامین کو کتاب کی شکل میں لانے کا میں نے مشورہ دیا

تھا ان کی کتابت آف سٹ یا فون ڈآنک پر کرائیے اور تصحیح کا خاص اہتمام کیجیے ان کو بار بار شائع کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ اس کے علاوہ میں چاہتا ہوں کہ ان کے مواد کو [illegible] کر کے ایک ایک موضوع پر چھوٹے چھوٹے پمفلٹ بھی شائع کیے جائیں۔ مثلاً یہ کہ زمین اور کسانوں کے معاملہ میں اشتراکیوں کی اصل پالیسی کیا ہے، اس پر کس بے دردی سے انھوں نے عمل کیا، پھر زراعت کے معاملہ میں ان کی پالیسی کس طرح ناکام ہوئی اور اس نے کیا نتائج پیدا کیے، پھر جھک مار کر انھوں نے اس میں کیا ترمیم کی اور اِس ترمیم نے کس طرح پوری سوشلسٹ تھیوری کو غلط ثابت کر کے رکھ دیا۔ اِس موضوع پر ایک مستقل پمفلٹ الگ بھی شائع ہونا چاہیے، تاکہ کسانوں میں اسے پھیلایا جائے اور ہمارے دَر کر کسانوں میں جا کر بتائیں کہ یہ سوشلسٹ تمھیں کیا دھوکا دے رہے ہیں۔ اِسی طرح مزدوروں کے بارے میں سارا مواد الگ نکال کر یکجا پمفلٹ کی صورت میں لانا چاہیے۔ قومی ملکیت کا صنعتوں پر کیا اثر پڑا ہے، اسے الگ شائع کرنا چاہیے اِس طرح ان چیزوں کو بڑے پیمانے پر پھیلانے کا موقع مِل جائے گا۔[1]

معاشیات کے متعلق میرے مضامین خورشید صاحب کے پاس انگلستان ہی میں ہیں، مگر انھوں نے مجھے لکھا ہے کہ پورا مواد ان کے پاس یکجا نہیں ہے، بلکہ بعض چیزیں ان کے اس سامان میں ہیں جو انھیں ابھی نہیں پہنچا ہے۔ آپ کراچی میں ان کے سامان کے اندر اسے تلاش کرائیے۔ میں خورشید صاحب کو لکھ رہا ہوں کہ ان کے پاس جو کچھ شکل میں بھی ہے اسے مرتب کر کے مجھے جلدی بھیج دیں۔ میں خود یہاں اِس مجموعہ کو مکمل بھی کر دوں گا اور ترتیب بھی دے لوں گا۔ اب اس کام میں کوئی تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔

اصغر خاں صاحب[2] کے متعلق سارے حالات اور معاملات کو میں خود بڑے غور سے دیکھ رہا ہوں اور مختلف پارٹیوں کے ایک دوسرے کے ساتھ گٹھ جوڑ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابوالاعلیٰ مودودی
۵-اے ذیلدار پارک - اچھرہ
لاہور-۱۲ (پاکستان)

فون نمبر: ۲۵۰۰
حوالہ ______
مورخہ ۲۶ جنوری ۶۹

برادرم جوہری صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط اور بادام مل گئے۔ یہ معلوم کر کے تشویش ہوئی کہ کراچی پہنچ کر آپ کی صحت پر اچھا اثر ہونے کے بجائے الٹا برا اثر ہوا۔ اب آپ حتی الامکان مصروفیتوں کو کم کر کے زیادہ تر توجہ اپنی طاقت اور صحت بحال کرنے پر صرف کریں۔ مگر میں آپ کو کیا مشورہ دوں، میں خود یہاں آ کر بری طرح مصروفیتوں میں گھر گیا ہوں اور آج ایک مہینہ گزرنے پر بھی مجھے آرام لینے کی کوئی صورت نہیں مل سکی ہے۔ میری صحت کا تقاضا یہ تھا کہ میں ابھی یہاں نہ واپس آتا۔ مگر حالات کا تقاضا یہ تھا کہ مجھے لازماً اس وقت یہاں پر موجود رہنا چاہیے۔ اگرچہ ذمہ داریاں میں نے نہیں سنبھالی ہیں۔ لیکن اس نازک وقت کا ایک ایک لمحہ یہ چاہتا ہے کہ میں اپنے رفقاء کی مدد اور مشورے کے لیے مستعد رہوں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ اس شدید آزمائش کے مرحلے، بلکہ طوفان سے جماعت کی کشتی کو بچا کر لے جانے کی کیا صورت پیدا فرماتا ہے۔

سوشلزم نمبر کے جن مضامین کو کتاب کی شکل میں لانے کا میں نے مشورہ دیا تھا ان کی کتابت آفسٹ یا فوٹو ڈائنگ پر کرائیے اور تصحیح کا خاص اہتمام کیجیے۔ ان کو بار بار شائع کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ اسکے علاوہ میں چاہتا ہوں کہ ان کے مواد کو [illegible] کر کے ایک ایک موضوع پر چھوٹے چھوٹے پمفلٹ بھی شائع کیے جائیں۔ مثلاً یہ کہ زمین اور کارخانوں کے معاملہ میں اشتراکیوں کی اصل پالیسی کیا ہے، اس پر کس بے دردی سے انہوں نے عمل کیا، پھر زراعت کے معاملہ میں ان کی پالیسی کس طرح ناکام ہوئی اور اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے، پھر جھک مار کر انہوں نے اس میں کیا ترمیم کی اور اس ترمیم نے کس طرح پوری سوشلسٹ تھیوری کو غلط ثابت کر کے رکھ دیا۔ اس موضوع پر ایک مستقل پمفلٹ الگ بھی شائع ہونا چاہیے، تاکہ کسانوں میں اسے پھیلایا جائے اور ہمارے ورکر کسانوں میں جا کر بتائیں کہ یہ سوشلسٹ انہیں کیا دھوکا دے رہے ہیں۔ اسی طرح مزدوروں کے بارے میں سارا مواد الگ نکال کر ایک پمفلٹ کی صورت میں لانا چاہیے۔ قومی ملکیت کے صنعتوں پر کیا اثر پڑا ہے، اسے الگ شائع کرنا چاہیے۔ اس طرح ان چیزوں کو بڑے پیمانے پر پھیلانے کا موقع مل جائے گا۔

معاشیات کے متعلق میرے مضامین خود سعید صاحب کے پاس انگلستان ہی میں ہیں، مگر انہوں نے مجھے لکھا ہے کہ وہ سب ان کے پاس یکجا نہیں ہے، بلکہ بعض چیزیں ان کے اس سامان میں ہیں جو ابھی انہیں نہیں پہنچا ہے۔ آپ

کراچی میں ان کے بعد ان کے اندر اسے تلاش کرائیے - میں خود سیٹھ صاحب کو لکھ رہا ہوں کہ ان کے پاس جو کچھ جس شکل میں بھی ہے اسے مرتب کر کے مجھے جلد ہی بھیج دیں - میں خود یہاں اس مجموعہ کو مکمل بھی کروں گا اور ترتیب بھی دے دوں گا - اب اس کام میں کوئی تاخیر نہیں ہونا چاہیے -

اصغر خاں صاحب کے متعلق سارے حالات اور معاملات کو میں خود بڑے غور سے دیکھ رہا ہوں اور مختلف پارٹیوں کے ایک دوسرے کے ساتھ گٹھ جوڑ کو بھی اچھی طرح سمجھتا ہوں - لیکن ہر چیز کے معاملہ میں فیصلہ کرنے اور قدم اٹھانے کا یہ مناسب وقت اور موقع کا انتظار کرنا ضروری ہوتا ہے - بعض اوقات جلد بازی میں ایک قدم اٹھا دینا اس مقصد کے بالکل برعکس نتائج پیدا کر دیتا ہے جس کے لیے وہ قدم اٹھایا جاتا ہے -

میرے گھٹنوں اور کولہے کی تکلیف میں ابھی کوئی خاص کمی نہیں ہوئی ہے - لندن میں ڈاکٹر بانیکل حسین نے جو دوا تجویز کی تھی، ڈاکٹر ابوبکر، ڈاکٹر فضل الٰہی، اور ڈاکٹر افتخار صاحبان کے نزدیک وہ گردے کے لیے مضر ہے، اسلیے اسے تو میں نے چھوڑ دیا ہے اور ڈاکٹر ابوبکر کی تجویز کردہ دوا استعمال کر رہا ہوں - مگر اس سے بھی کوئی نمایاں فرق واقع نہیں ہوا ہے -

خاکسار

ابوالاعلیٰ

کو بھی اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ لیکن ہر چیز کے معاملہ میں فیصلہ کرنے اور قدم اُٹھانے کے لیے مناسب وقت اور موقع کا انتظار کرنا ضروری ہوتا ہے۔ بعض اوقات جلد بازی میں ایک قدم اُٹھا دینا اِس مقصد کے بالکل برعکس نتائج پیدا کر دیتا ہے جس کے لیے وُہ قدم اُٹھایا جاتا ہے۔

میرے جوڑوں اور گھٹنے کی تکلیف میں ابھی کوئی خاص کمی نہیں ہوتی ہے۔ لندن میں ڈاکٹر ماتیکل میین نے جو دوا تجویز کی تھی ڈاکٹر ابوبکر، ڈاکٹر فضل الٰہی اور ڈاکٹر افتخار صاحبان[3] کے نزدیک وُہ گردے کے لیے مضر ہے، اِس لیے اسے تو میں نے چھوڑ دیا ہے اور ڈاکٹر ابوبکر کی تجویز کردہ دوا استعمال کر رہا ہوں، مگر اس سے بھی کوئی نمایاں فرق واقع نہیں ہوا ہے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ اس زمانے میں پاکستان کے بعض سیاسی اور مذہبی حلقوں نے سوشلزم کے حق میں مہم چلائی، تو مولانا مودودی کی تجویز پر ادارۂ دارالفکر، لاہور نے اس کی تردید میں بہت سا لٹریچر تیار کر کے شائع کیا۔ نعیم صدیقی اس ادارے کے انچارج تھے۔

۲۔ ایر مارشل (سابق) اصغر خاں، پاکستان فضائیہ اور پی آئی اے کے سربراہ رہے۔ ۱۹۶۸ء میں ملکی سیاست میں عملی حصہ لینا شروع کیا۔ ۱۹۶۹ء میں جسٹس پارٹی بنائی، پھر اسے پاکستان جمہوری پارٹی میں ضم کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد ایک غیر سیاسی جماعت تحریکِ استقلال قائم کی، لیکن چند ماہ بعد اسے سیاسی جماعت بنا دیا۔ اصغر خاں اس کے صدر ہیں۔ تصانیف: * Generals in Politics * First Round * Second Round وغیرہ۔

۳۔ مولانا مودودی اپنے معالجین کے مشورے پر ۱۹۶۸ء میں آپریشن کے لیے لندن گئے تھے۔

ام حامد

۹۵

اس خط کی مخاطب، کرنل ڈاکٹر محمد حامد (پ : ۱۳ جنوری ۱۹۴۴ء) کی والدۂ محترمہ ہیں ۔ (حامد صاحب متعدد بلند پایہ کتب کے مصنف ہیں ، جن میں "امام شامل" "عثمان و فتنہ" "بھارت اسرائیل کے خفیہ تعلقات" اور "افکارِ اقبال" شامل ہیں) ۔ ان کی والدہ اپنے بیٹے کے بارے میں متفکر رہتی تھیں کہ وہ دینی سرگرمیوں ، گھریلو ذمہ داریوں اور درسی مطالعے میں توازن کا خیال نہیں رکھتے ۔ انھوں نے مولانا سے درخواست کی کہ وہ ان کے بیٹے کو متوازن زندگی گزارنے اور تعلیم کی جانب توجہ دینے کی نصیحت کریں ۔ مولانا نے انھیں حسب ذیل جواب دیا :

[لاہور]

۲۳ مارچ ۱۹۵۹ء

محترمہ بہن، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ آپ نے جو حالات لکھے ہیں، انھیں پڑھ کر بہت افسوس ہوا مگر آپ نے اپنے صاحبزادے کا نام اور ان کا ضروری تعارف کچھ بھی نہیں لکھا کہ میں ان سے خود ان کی پوزیشن بھی معلوم کرتا اور پھر اصلاحِ حال کے لیے کوئی کوشش کرتا۔ اب تو میں ان حالات کی بنا پر جو آپ نے تحریر فرمائے ہیں یہی کہہ سکتا ہوں کہ اگر یہ صحیح ہیں تو یہ ایک نوجوان کے ضرورت سے زیادہ جوش کے نتائج ہیں۔ بسا اوقات جوشیلے جوان جب نئے نئے کسی خیال سے متاثر ہوجاتے ہیں تو حدِ اعتدال میں نہیں رہتے اور اپنی سرگرمی کا مظاہرہ ایسے طریقوں سے کرنے لگتے ہیں جو حکمت کے خلاف ہوتے ہیں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

ڈاکٹر نذیر احمد شہید

ڈاکٹر نذیر احمد شہید (۱۲ فروری ۱۹۲۹ء، انوکھروال، ضلع جالندھر ——— ۸ جون ۱۹۷۲ء ڈیرہ غازی خاں)۔ لینگلو مڈل اسکول پھرالہ، گورنمنٹ ہائی اسکول راجن پور اور ایمرسن کالج ملتان میں زیرِ تعلیم رہے۔ کالج کے زمانے میں طلبہ کے اخلاق و کردار کی تعمیر کے لیے اپنے طور پر، طلبہ کی ایک تنظیم "جمعیتِ اسلامی" کے نام سے قائم کی۔ ۱۹۴۵ء میں ایف اے کی تعلیم ادھوری چھوڑ کر سنٹرل ہومیوپیتھک کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ انھی دنوں مولانا مودودی کی دعوت سے متعارف و متاثر ہوئے اور اپنی تمام صلاحیتوں کو جماعتِ اسلامی کے لیے وقف کیا۔ ۱۹۴۶ء میں صوبہ بہار کے امدادی کیمپوں میں خدمات انجام دیں۔ بعدازاں مولانا مودودی کی ہدایت پر ڈیرہ غازی خاں کو مرکزِ دعوت و تبلیغ بنایا اور کسبِ معاش کے لیے ہومیوپیتھک پریکٹس شروع کی۔ مرحوم انتہائی بے باک، مخلص اور جری انسان تھے۔ شخصی خوبیوں اور عظمتِ کردار کے باعث عوام میں اس قدر مقبول تھے کہ ۱۹۷۰ء میں جاگیرداروں اور سرداروں کے مضبوط گروپ کو شکست دے کر رکن قومی اسمبلی منتخب ہوئے۔ ۱۹۶۲ء سے ۱۹۷۰ء تک تیرہ مرتبہ گرفتار ہوئے۔ پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت میں آپ کو گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔ مختلف اوقات میں جماعتِ اسلامی، کے مقامی اور ضلعی امیر، مرکزی مجلسِ شوریٰ اور مجلسِ عاملہ کے رکن اور صوبہ پنجاب کے نائب امیر رہے۔ مرحوم شعر بھی کہتے تھے۔ ڈاکٹر شہید کے مکاتیب کا مجموعہ "لبِ زنداں" شائع ہو چکا ہے۔ تفصیل دیکھیے: "سوانح ڈاکٹر نذیر شہید" از چودھری خالد فاروق، لاہور ۱۹۷۷ء۔

۹۶

[لاہور]

۳۱۔ مارچ ۶۰ء

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ،

آپ کا ۲۹ مارچ کا لکھا ہوا خط ملا۔ اللہ بخش خان صاحب کے حادثہ کی اطلاع پہلی مرتبہ آپ کے خط سے ملی۔ میں ان شاء اللہ ان کو خط لکھ کر خیریت

فون ۲۵۰۷
Phone : 2507

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسالہ ترجمان القرآن ماہوار

اچھرہ - لاہور
ICHHRA
LAHORE

حوالہ ____________

مورخہ ۱۳ مارچ ۶۰ء

محترمی و مکرمی   السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کا ۵ مارچ کا لکھا ہوا خط ملا - اللہ بخش خاں صاحب کے حادثہ کی اطلاع پہلی مرتبہ آپ کے خط سے ملی - میں الف اللہ ان کو خدا
کو مغفرت و بازیافت کرو شفا - اللہ تعالیٰ انہیں شفا عطا فرمائے - یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ اس مرتبہ آپ نے رمضان میں اعتکاف
کیا اور آپ کی صحت اس حد تک درست رہی کہ آپ خوب محنت کرتے رہے - دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو پوری صحت عطا فرمائے اور
دین و دنیا کی زیادہ سے زیادہ بھلائیاں حاصل کرنے کی قوت و توفیق بخشے - آپ کے ہاں لڑکے کی پیدائش کی خبر سے بھی دلی مسرت
ہوئی - اللہ تعالیٰ اس کو سعادت عطا فرمائے اور صالحین میں شامل کرے - آپ نے نام بہت اچھا رکھا ہے - و سکی برکتا

امید ہے کہ اپنا پورا رنگ دکھائیں اور جس نیت سے آپ نے یہ نام مبارک انتخاب کیا ہے وہ اللہ کے ہاں مقبول ہوگی۔

اختلاف میں آپ نے جو دعا مانگی ہے اس میں کے آخری حصے سے آپ اجتناب ہی کرتے تو بہتر تھا۔ ہمارا طریقہ دعا کرنا نہیں ہے۔ ہمیں ہر وقت اللہ سے اپنے حق میں بھی دعائے خیر کرنی چاہیے اور دوسروں کے حق میں بھی۔ ہمیں بیمار سے نہیں، اس کی بیماری سے نفرت ہے۔ انسانی ہمدردی اور اسلامی اخوت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم بدتر سے بدتر بیمار پر بھی رحم کھائیں اور خدا سے یہی چاہیں کہ وہ اس کی بیماری کو دفع کر دے۔ باقی رہا خدا کا اور اس کا معاملہ، تو وہ ان شاء اللہ پورے انصاف کے ساتھ ہوگا اور جس نے جس نیت کی بنا پر جس طرح دین حق کے کام میں خرابی ڈالی ہوگی اور مرنے سے پہلے توبہ و اصلاح نہ کی ہوگی وہ خدا کی پکڑ سے نہ بچ سکے گا۔

میرے حق میں آپ نے سراسر اخلاص کی بنا پر جو کلمات خیر کہے ہیں اللہ مجھے ان کا واقعی مصداق بنائے اور آپ کو اس اخلاص کا اجر دے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

دریافت کروں گا۔ اللہ تعالیٰ انھیں شفا عطا فرمائے۔ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ اس مرتبہ آپ نے رمضان میں اعتکاف کیا اور آپ کی صحت اس حد تک درست رہی کہ آپ خوب محنت کرتے رہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو پوری صحت عطا فرمائے اور دین و دنیا کی زیادہ سے زیادہ بھلائیاں حاصل کرنے کی قوت و توفیق بخشے۔ آپ کے ہاں لڑکے کی پیدائش کی خبر سے بھی دلی مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس کو سعادت عطا فرمائے اور صالحین میں شامل کرے۔ آپ نے نام بہت اچھا رکھا ہے۔ اس کی برکت آمید ہے کہ اپنا پورا رنگ دکھائے گی اور جس نیت سے آپ نے یہ نام مبارک انتخاب کیا ہے، وہ اللہ کے ہاں مقبول ہو گی۔

اعتکاف میں آپ نے جو دعا مانگی ہے، اس کے آخری حصے سے آپ اجتناب ہی کرتے تو بہتر تھا۔ ہمارا کام بددعا کرنا نہیں ہے۔ ہمیں ہر وقت اللہ سے اپنے حق میں بھی دعائے خیر کرنی چاہیے اور دوسروں کے حق میں بھی۔ ہمیں بیمار سے نہیں، اس کی بیماری سے نفرت ہے۔ انسانی ہمدردی اور اسلامی اخوت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم بدتر سے بدتر بیمار پر بھی رحم کھائیں اور خدا سے یہی چاہیں کہ وہ اس کی بیماری کو رفع کر دے۔ باقی رہا خدا کا اور اس کا معاملہ، تو وہ انشاء اللہ پورے انصاف کے ساتھ ہو گا اور جس نے بھی نیت کی خرابی کے ساتھ دینِ حق کے کام میں خرابی ڈالی ہو گی اور مرنے سے پہلے توبہ و اصلاح نہ کی ہو گی، وہ خدا کی پکڑ سے نہ بچ سکے گا۔

میرے حق میں آپ نے سراسر اخلاص کی بنا پر جو کلماتِ خیر کہے ہیں، اللہ مجھے ان کا واقعی مصداق بنائے اور آپ کو اس اخلاص کا اجر دے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ اللہ بخش خاں صاحب کے بارے میں معلومات دستیاب نہیں ہو سکیں ۔

۲۔ مراد ہیں ڈاکٹر نذیر کے بڑے صاحبزادے میاں محمد ابوبکر (پ: ۱۳ مارچ ۱۹۶۰ء) ایل ایل بی کرنے کے بعد ہومیو پیتھی کی تعلیم بھی حاصل کی ۔ کسبِ معاش کے لیے کاشت کاری اور تجارت کو ذریعہ بنایا ۔ جماعتِ اسلامی سے وابستہ ہیں ۔

مریم جمیلہ

محترمہ مریم جمیلہ (سابق: مارگریٹ مارکس Margarate Marcus پ :۲۳ مئی ۱۹۳۴ء نیویارک) ان کا تعلق ایک یہودی نژاد گھرانے سے تھا ۔ ۱۹۵۲ء مارمارونک ہائی اسکول سے گریجوایشن کیا ۔ ۱۹۵۳ء تا ۱۹۵۵ء واشنگٹن اسکوایر کالج میں زیر تعلیم رہیں ۔ مولانا مودودی کا مضمون Life After Death (زندگی بعد موت کا عقلی ثبوت) پڑھ کر ان سے متعارف ہوئیں ۔ اسلام کا مطالعہ اس سے پیشتر بھی کر رہی تھیں ۔ ۱۹۶۰ء میں مولانا سے خط کتابت شروع ہوئی ۔ ان کے اپنے بہ قول: "مولانا مودودی نے مجھے جو خطوط امریکہ لکھے ۔ ان کے طرزِ استدلال کے نتیجے میں بفضلِ تعالٰی میں نے اسلام قبول کیا ۔ مولانا کی دعوت پر جون ۱۹۶۲ء میں ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائیں، اور مولانا ہی کی تجویز پر ۱۹۶۳ء جماعت اسلامی لاہور کے ایک رکن محمد یوسف خان صاحب سے ان کی شادی ہوئی ۔ خان صاحب پہلے سے شادی شدہ اور صاحبِ اولاد تھے ۔ اِس طرح لاہور میں ان کی پہلی اہلیہ کے ہمراہ ایک ہی گھر میں سکونت اختیار کی (دیکھیے : "مجلہ تذکرہ سید مودودی" اوّل ص ۵۸۵) ــــ چند اہم تصانیف :

* Islam Versus the West * Islam and Modernism * Islam in Theory and Practice * Islam and the Orientalism * Islam versus Ah'Alkitab * Western Civilization Condemned by Itself 2 VOL * Who is Maududi * Ahmed Khalil * Correspondence Between Maulana Maududi and Maryam Jameela * Autobiography

مولانا سے مریم جمیلہ کی خط کتابت کا اردو ترجمہ بھی "مراسلت مولانا مودودی و مریم جمیلہ" (مترجم: عبدالغنی فاروق ۔ ۱۹۸۵ء لاہور) شائع ہو چکا ہے ـــــــــــ مندرجہ ذیل خط کا متن متذکرہ بالا مراسلت میں شامل نہیں ہے ، البتہ پہلے خط کے بعض مضامین و موضوعات ، مذکورہ بالا مراسلت کے بعض خطوط (خصوصاً ۲۴ اکتوبر ۱۹۶۱ء) میں زیرِ بحث آئے ہیں ، جن کے بارے میں اندازہ ہے کہ وہ مولانا کے زیرِ نظر اردو خط کی بنیاد پر انگریزی میں تحریر کیے گئے ہوں گے ۔

باسمہٖ سبحانہٗ

[لاہور]

[اکتوبر ۱۹۶۱ء]

[عزیزہ بی بی. السلام علیکم ورحمۃ اللہ]

آپ کا خط مورخہ ۲۹ ستمبر مجھے ایسے وقت ملا تھا جبکہ مَیں چند روز پہلے آپ کو ایک مفصل خط لکھ چکا تھا۔ دوسرا خط مورخہ ۹ اکتوبر میرے خط کے جواب میں اب ملا ہے۔ دونوں کا جواب ایک ساتھ دے رہا ہوں۔

مجھے آپ کے ذاتی حالات کی وجہ سے بڑی فکر تھی۔ اب آپ کے تازہ خط سے یہ معلوم کر کے بہت اطمینان ہوا کہ تبدیلیِ دین کے باوجود آپ کے والدین[1] کا رویہ آپ کے ساتھ بہت ہمدردانہ ہے اور آپ کو ڈاکٹر شربیبہ اور ایک خاتون دوست کی وجہ سے بھی دلی تقویت حاصل ہے[2]۔ یہ بات کہ ایک مخالف ماحول میں آپ بالکل تنہا نہیں ہیں بلکہ کچھ ہمدرد بھی آپ کو ملے ہوئے ہیں، اللہ کی ایک نعمت ہے جس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اللہ سے اپنے والدین کے لیے دعا مانگتی رہیے کہ وہ آپ کے والدین کا دل بھی حق کے لیے کھول دے اور ان کو ہدایت بخشے۔ اگرچہ خدا کی طرف سے ہدایت انہی کو ملتی ہے جو خلوص کے ساتھ اس کے طالب ہوں، لیکن حضرت ابراہیم کی طرح اولاد کی دلی تمنا یہی ہونی چاہیے کہ اس کے والدین ایسی گمراہی میں مبتلا نہ رہیں جس سے وہ آخرت میں اللہ کی رحمت و مغفرت سے محروم رہ جائیں۔

شادی کے معاملہ میں میرا مخلصانہ مشورہ آپ کو یہی ہے کہ خواہ آپ کو کتنا ہی انتظار کرنا پڑے، آپ اُس وقت تک شادی نہ کریں، جب تک آپ کو ایک صحیح خیالات رکھنے والا، باعمل، حلیم نوجوان نہ مل جائے۔ اگر خدانخواستہ کسی دین بیزار نوجوان یا اچھے خیالات رکھنے والے بے عمل نوجوان سے آپ نے زندگی وابستہ کرلی

آپ کا خط مورخہ ۹ ستمبر ملا۔ یہ وقت ... میں ملا اور پہلے آپ کو ایک مفصل خط لکھا۔ دوسرا خط مورخہ ۹ اکتوبر ملا۔ میرے خط کا جواب مل گیا ہوگا۔ دونوں کا جواب ایک ساتھ دے رہا ہوں۔

مجھے آپ کے ذاتی حالات کی وجہ سے بڑی فکر ہے۔ اب آپ کے تازہ خط سے یہ معلوم کر کے بہت اطمینان ہوا کہ شدید بیماری کے باوجود آپ کے والدین کا رویہ آپ کے ساتھ بہت ہمدردانہ ہے اور آپ کو ڈاکٹر شریف اور ان کی خاتون دوست کی وجہ سے بھی دلی تقویت حاصل ہے۔ یہ ایک بات کہ ایک مخالف ماحول میں آپ بالکل تنہا نہیں ہیں بلکہ کچھ ہمدرد بھی آپ کو مل گئے ہیں اللہ کی ایک نعمت ہے جس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اللہ سے اپنے والدین کے لیے دعا مانگتی رہیے کہ وہ آپ کے والدین کا دل بھی حق کے لیے کھول دے اور ان کو ہدایت بخشے۔ اگرچہ خدا کی طرف سے ہدایت انہی کو ملتی ہے جو خلوص کے ساتھ اس کے طالب ہوں، لیکن حضرت ابراہیم کی طرح اولاد کی دلی تمنا یہی ہونی چاہیے کہ اس کے والدین ایسی گمراہی میں مبتلا نہ رہیں جس سے وہ آخرت میں اللہ کی رحمت و مغفرت سے محروم رہ جائیں۔

شادی کے معاملے میں میرا مخلصانہ مشورہ آپ کو یہی ہے کہ خواہ آپ کو کتنا ہی انتظار کرنا پڑے، آپ اس وقت تک شادی نہ کریں جب تک آپ کو ایک صحیح خیالات رکھنے والا [illegible] مسلم نوجوان نہ مل جائے۔ اگر خدانخواستہ کسی ماڈرنسٹ نوجوان یا اچھی دولت رکھنے والے بدعمل نوجوان سے آپ نے زندگی وابستہ کر لی تو آپ کو سخت مشکلات سے سابقہ پیش آ جائے گا۔ صبر کے ساتھ کسی اچھے ساتھی کا انتظار کیجیے۔ مجھے اللہ سے پوری توقع ہے کہ وہ آپ کے اخلاص ایمانی کی قدر کرے گا اور یہ آزمائشوں کا دور جلدی ختم کر دے گا۔ آپ اللہ سے وہی دعا مانگا کیجیے جو حضرت موسیٰ نے مدین میں مانگی تھی:

رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ (۲۸ : ۲۴)

امریکہ میں مسلم ممالک سے آئے ہوئے جو نوجوان تعلیم پا رہے ہیں ان کی جیسی کچھ حالت آپ نے بیان کی ہے وہ میری توقعات کے عین مطابق ہے۔ جو تعلیم و تربیت ان لوگوں کو اپنے ملک میں ملتی ہے اسے میں یہاں اور مڈل ایسٹ میں خود دیکھتا رہا ہوں۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہی ہونا ہے کہ یہ لوگ اپنے دین سے نہ صرف جاہل رہیں بلکہ منحرف ہو کر اس کو اور اسلام کو مسخ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ یورپ اور امریکہ جا کر ان کی یہ ذہنی اور اخلاقی حالت اور بھی زیادہ خراب ہو جاتی ہے۔ پھر یہ واپس آ کر اپنے اپنے ملکوں کی زندگی میں بلند ترین اور نمایاں ترین اور طاقتور ترین مقام حاصل کرتے ہیں۔ یہی چیز مسلم ممالک میں قوم اور برسر اقتدار طبقے کا Conflict بڑھاتی چلی جا رہی ہے۔ لیکن میں

تو آپ کو سخت مشکلات سے سابقہ پیش آجائے گا۔ صبر کے ساتھ کسی اچھے ساتھی کا انتظار کیجیے۔ مجھے اللہ سے پوری توقع ہے کہ وہ آپ کے اخلاص ایمانی کی قدر کرے گا اور یہ آزمایشوں کا دور جلدی ختم کردے گا۔ آپ اللہ سے وہی دعا مانگا کیجیے جو حضرت موسیٰؑ نے مدین میں مانگی تھی:

رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ[3] (۲۸: ۲۴)

امریکہ میں مسلم ممالک سے آئے ہوئے جو نوجوان تعلیم پا رہے ہیں ان کی جیسی کچھ حالت آپ نے بیان کی ہے، وہ میری توقعات کے عین مطابق ہے۔ جو تعلیم و تربیت ان لوگوں کو اپنے ملک میں ملتی ہے اسے میں یہاں اور مڈل ایسٹ میں خود دیکھتا رہا ہوں۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہی کچھ ہے کہ یہ لوگ اپنے دین سے نہ صرف جاہل رہیں بلکہ منحرف ہو کر اٹھیں اور اسلام کو مسخ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ یورپ اور امریکہ جا کر ان کی یہ ذہنی اور اخلاقی حالت اور بھی زیادہ خراب ہو جاتی ہے۔ پھر یہ واپس آکر اپنے اپنے ملکوں کی زندگی میں بلند ترین اور نمایاں ترین اور طاقتور ترین مقام حاصل کرتے ہیں۔ یہی چیز مسلم ممالک میں قوم اور برسراقتدار طبقے کا conflict[4] بڑھاتی چلی جارہی ہے۔ لیکن میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ اپنے ملک میں ہم انھی تعلیم گاہوں کے اندر ہی نوجوانوں کی ایک ایسی ہی نسل بھی برآمد کر رہے ہیں جو اصلی اسلام کی شیدائی ہے، اور ایسی ہی ایک نسل مصر، شام اور دوسرے مسلم ممالک میں بھی اٹھ رہی ہے۔ مجھ سے ان عناصر کا قریبی رابطہ ہے اور میں ان نوجوانوں سے اچھی امیدیں رکھتا ہوں۔ مشکل بس یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے بہت ہی کم کو امریکہ اور یورپ جانے کے مواقع ملتے ہیں۔ کیونکہ بیرونی ممالک میں تعلیم کے لیے جانا جس patronage[5] کا طالب ہے وہ بگڑے ہوئے نوجوانوں ہی کے لیے مخصوص ہے۔ اسی لیے آپ کو امریکہ میں اس طبقے کے نوجوانوں سے اب تک سابقہ پیش نہیں آسکا ہے۔

چند روز قبل اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ کے مینیجنگ ڈائرکٹر مسٹر طفیل محمد پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیے گئے[۶] اور چھ مہینے کے لیے نظر بند کر دیے گئے (اس قانون کے تحت جس کو پکڑا جاتا ہے اس کا کوئی جرم واضح طور پر نہیں بتایا جاتا اور نہ کسی عدالت میں اس پر مقدمہ چلایا جاتا ہے۔ بس ایگزیکٹو ہی کے حکم سے وہ پکڑا بھی جاتا ہے اور نظر بند بھی کر دیا جاتا ہے)۔ یہ بیس سال سے میرے بہت ہی قریبی رفیق اور دوست بلکہ دستِ راست رہے ہیں۔ ان کی گرفتاری کے باعث کمپنی کے معاملات کو re-settle[۷] ہونے میں کچھ دیر لگے گی۔ میں کوشش کروں گا کہ آپ کی دونوں کتابوں کے متعلق جلدی کچھ فیصلہ ہو جائے۔

آپ کی Anthology کو[۸] میں ان شاء اللہ خود دیکھوں گا اور یہ رائے قائم کروں گا کہ کہاں کہاں ایسی غلط بیانیاں اور misrepresentations[۹] ہیں جن کی واقعاتی تردید حواشی میں ضروری ہے۔ Apology[۱۰] کا میں خود بھی قائل نہیں ہوں، بلکہ سخت مخالف ہوں۔ مگر ہمارے نوجوان اور انگریزی تعلیم یافتہ لوگ اسلام سے سخت جاہل ہیں، اس لیے پبلشر کا یہ خیال درست تھا کہ مخالفین اسلام کی غلط بیانیاں پڑھ کر ان میں سے بہت سے لوگوں کا غلط فہمی میں پڑ جانا متوقع ہے اور ایسے مقامات پر تردیدی نوٹ ضروری ہیں۔ یہ نوٹ یا تو میں خود لکھوں گا ورنہ کسی موزوں آدمی سے لکھوا کر انہیں دیکھ لوں گا۔[۱۱]

آپ کا ناول[۱۲] بھی نئے مینیجنگ ڈائرکٹر سے میں واپس منگوا کر دیکھوں گا اور اپنی رائے سے آپ کو مطلع کروں گا۔

آپ نے اپنے خطبۂ جمعہ میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے، ٹھیک یہی خیالات ہیں جن کی تبلیغ میں گذشتہ تیس سال سے پیہم کر رہا ہوں اور اسی وجہ سے ہمارا ماڈرنسٹ طبقہ مجھے ایک "خطرہ" سمجھتا ہے۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ امریکی معاشرے میں پیدا ہونے اور پرورش پانے کے باوجود آپ اسلام اور مغربی تہذیب و تمدن کے

بارے میں اس قدر صاف اور صحیح نقطۂ نظر رکھتی ہیں۔ یہی چیز ہے جس نے آپ کے لیے میرے دل میں بڑی قدر پیدا کر دی ہے۔

ابوالاعلیٰ

۱۔ مریم جمیلہ کے والد کا نام مسٹر ہربرٹ ایس مارکس (پ : ۸ دسمبر ۱۸۹۴ء) اور والدہ کا نام مادام میرا شوب (۲۹ نومبر ۱۹۰۱ء ——۲۷ مارچ ۱۹۸۵ء) تھا۔

۲۔ ڈاکٹر شریبہ، الازہر یونی ورسٹی کے گریجوایٹ اور مصری نژاد تھے۔ نیویارک میں واقع مسلمانوں کے مرکزی ادارے اور مسجد کے امام (۱۹۶۱ء۔۱۹۶۲ء) رہے۔

۳۔ ترجمہ: "پروردگار، جو خیر بھی تو مجھ پر نازل کردے، میں اس کا محتاج ہوں"۔

۴۔ ٹکراؤ یا تضاد۔

۵۔ مراد ہے: سرپرستی۔

۶۔ میاں طفیل محمد صاحب کی گرفتاری، اکتوبر ۱۹۶۱ء۔

۷۔ یعنی: معاملات طے ہونا۔

۸۔ مریم جمیلہ کی تالیف Western Civilization Condemned by Itself کی جانب اشارہ ہے۔ یہ کتاب مغربی مصنفین کے ایسے مقالات پر مشتمل ہے، جن میں انھوں نے خود مغربی تہذیب کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔

۹۔ یعنی: غلط نمایندگی۔

۱۰۔ معذرت یا مداہنت۔

۱۱۔ مولانا، موعودہ حواشی نہ لکھ سکے۔ موجودہ حواشی مریم جمیلہ صاحبہ کے تحریر کردہ ہیں۔

۱۲۔ مریم جمیلہ کا انگریزی ناول Ahmed Khalil: The story of A Palestinian Refugee and his Family.

۹۸

حسبِ ذیل خط بھی مذکورہ بالا مجموعۂ مراسلت میں شامل نہیں ہے۔ انگریزی متن مولانا کے اپنے قلم سے ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابو الاعلیٰ مودودی
۵-اے ذیلدار پارک - اچھرہ
لاہور ۱۴ (پاکستان)

فون نمبر: ۲۵۰۰۶
حوالہ 644
مورخہ 26-Aug-78

My dear daughter in Islam

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

Received your kind letter with your recent book, for which I am thankful to you. I am suffering from a severe attack of arthritis since December last. The continuous pain in both the legs has made my almost immobile and weakness is growing. In this condition I am unable to continue my work on the Seerah. I am, however, studying source books and marking important passages. May Allah grant me health and strength to complete this work.

I am happy to hear from you that you are learning urdu. It will be most helpful for you to study the vast Islamic literature in this language.

Yours Sincerely

Abulala

[Lahore]

26. Aug. 1978

My dear daughter in Islam [1]

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

Received your kind letter with your recent book, [2] for which, I am thankful to you. I am suffering from a serious attack of arthritis since December last. The continuous pain in both the legs has made me almost immobile and weakness is growing. In this condition, I am unable to continue my work on the Seerat. I am, however, studying source books and marking important passages. May Allah grant me health and strenght to complete this work.

I am happy to hear from you, that you are learning Urdu. It will be most helpful for you to study the vast Islamic Lilerature in this Language.

Sincerely

Abul Ala

[لاہور]

۲۶ اگست ۷۸ء

عزیز بیٹی ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کتاب کے ساتھ آپ کا عنایت نامہ ملا، اس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں ۔ گذشتہ دسمبر سے میں وجع المفاصل کے شدید حملے کا شکار ہوں، دونوں ٹانگوں میں مسلسل درد رہتا ہے، اس بنا پر چلنے پھرنے سے تقریباً عاجز ہوں ، اور کمزوری بڑھتی جارہی ہے ۔ اس حالت میں میرے لیے سیرتِ پاک پر کام جاری رکھنا ممکن نہیں ہے ۔ تاہم میں کتبِ مآخذ کا مطالعہ کر کے ان کے اہم حصوں پر نشانات لگا رہا ہوں ۔ خدا مجھے صحت عطا فرمائے اور اتنی طاقت دے کہ اس کام کو مکمل کر سکوں ۔

مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ اردو سیکھ رہی ہیں ۔ اردو زبان میں اسلامی علوم پر جو وسیع ذخیرۂ کتب ہے ، اس طرح آپ کو اُس کا مطالعہ کرنے میں بہت مدد ملے گی ۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۲ ۔ مراد ہے Islam in Theory and Practice کا نیا ایڈیشن ۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ آباد شاہ پوری نے کیا ہے اور "اسلام ایک نظریہ، ایک تحریک" کے نام سے شائع ہو چکا ہے ۔

مجید نظامی

مندرجہ ذیل چار خطوط کے مکتوب الیہ معروف صحافی مجید نظامی ہیں ۔ وہ روزنامہ "ندائے ملت" کے بانی مدیر بھی تھے ۔ اِن دنوں روزنامہ "نوائے وقت" (لاہور، ملتان ، راولپنڈی ، کراچی) اور The Nation کے مدیرِ اعلیٰ ہیں ۔

۹۹

[لاہور]

[جون ۱۹۶۳ء]

مکرمی و محترمی ، السّلام علیکم ورحمۃ اللہ

۱۰۔ جون کے نوائے وقت میں آپ نے "قومی آواز" لکھنؤ سے ایک انٹرویو نقل کیا ہے۔ جس کا عنوان ہے "رابطۂ عالم اسلامی صدر ناصرؔ کی ضد میں قائم ہوا ہے" اس انٹرویو کے متعلق پہلی بات قابلِ ذکر یہ ہے کہ جن صاحب نے مدینہ منورہ سے اس کو مرتب کر کے بھیجا ہے، انھوں نے قطعاً کوئی انٹرویو مجھ سے نہیں مانگا۔ نہ یہ کہا کہ وہ کسی اخبار کے نمایندے ہیں اور اس حیثیت سے مجھ سے انٹرویو لے رہے ہیں۔ کچھ لوگوں کی موجودگی میں وہ تشریف لائے۔ جو گفتگو ہو رہی تھی اس میں انھوں نے بھی حصہ لیا اور بعد میں واپس جا کر بطورِ خود ایک انٹرویو مرتب کر کے اخبارات کو بھیج دیا۔ اخبارات کے نامہ نگاروں کے لیے یہ طریقہ بہت ہی نامناسب ہے۔ اگر وہ کسی اخبار کے نمایندے ہوں تو انھیں اپنی حیثیت واضح کرنی چاہیے۔ اور انٹرویو لینا ہو تو انٹرویو طریقے سے لینا چاہیے ۔

دوسری باتوں کو چھوڑتے ہوئے رابطۂ[۲] عالم اسلامی کے بارے میں جو باتیں انھوں نے میری جانب منسوب کی ہیں ان کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں ۔

یہ بات انھوں نے خود کہی تھی کہ رابطہ صدر ناصر کی ضد میں قائم ہُوا ہے۔ مَیں نے ان سے کہا کہ ابھی تک کوئی ایسی بات ہمارے سامنے نہیں آئی ہے جس سے ثابت ہو کہ رابطہ صدر ناصر صاحب کی ضد میں قائم ہُوا ہے۔ اگر بالفرض اندرونی طور پر ایسا کوئی محرک ہو اور وہ ہمارے سامنے کسی صاف شکل میں نہ آ رہا ہو تو ہمیں اسے ٹٹولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہماری کوشش یہ ہے کہ اسلام اور عالمِ اسلام کے لیے جتنا کچھ مفید کام بھی اس کے ذریعے سے کیا جا سکے، وہ کیا جائے اور جو وسیع ذرائع جزیرۃ العرب میں اللہ تعالیٰ نے فراہم کیے ہیں ان کے بہاؤ کا رُخ اسلام اور عالمِ اسلامی کی خدمت کی طرف پھیرا جا سکتا ہو تو ایسے مواقع سے فائدہ اٹھایا جائے۔

دوسری بات جو انھوں نے میری طرف منسوب کی ہے وہ یہ ہے کہ مَیں رابطہ میں دو مقاصد کے لیے شریک ہُوا ہوں۔ جن میں ایک ناصریت کی مخالفت ہے خواہ وہ کسی شکل میں ہو۔ یہ بات بھی اُنھوں نے صحیح طور پر نقل نہیں کی۔ رابطہ کے سیاق و سباق سے الگ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ کیا بادشاہی کی حمایت کرنا صحیح ہے؟ مَیں نے اس پر یہ کہا کہ اوّل تو بادشاہت اور آمریت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بادشاہی کی حمایت جتنی کچھ غلط ہو سکتی ہے، اتنی ہی غلط ڈکٹیٹر شپ کی حمایت بھی ہے۔ دوسرے ہمارے سامنے فوری مسئلہ اس وقت یہ نہیں ہے کہ جزیرۃ العرب میں بادشاہی ہو یا جمہوریت، بلکہ فوری مسئلہ یہ ہے کہ ایک طرف حجاز میں وہ حکومت ہے جو مظاہرِ اسلام کی حفاظت کر رہی ہے اور فواحش کو علی الاعلان اُبھرنے سے روک رہی ہے۔ اور دوسری طرف عرب قوم پرستی کی تحریک ہے جو جاہلی قومیت کے ساتھ ساتھ الحاد اور فسق و فجور کا سیلاب بھی لا رہی ہے۔ اب کیا کوئی شخص پسند کرے گا کہ جو مناظر اس وقت اسکندریہ اور قاہرہ میں دیکھے جاتے ہیں وہ آیندہ حج کرنے والے مکّہ اور مدینہ میں بھی دیکھنے لگیں۔

آج ہر سیّاح دیکھ سکتا ہے کہ قاہرہ کے ریلوے اسٹیشن کے سامنے فرعون

رعمسیس کا بت نصب ہے اور مصر کی تاریخ پر نظر رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ یہ فرعون رعمسیس وہی ہے جس کے متعلق قرآن مجید کا یہ بیان ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے اور صرف لڑکیوں کو زندہ رکھنے کا حکم دیا تھا۔[3] اب جو تحریک مصر میں اس فرعون کو ہیرو بنا سکتی ہے اگر وہ عرب میں کامیاب ہو جائے تو کیا خطرہ نہیں ہے کہ مکہ میں ابوجہل اور ابولہب اور مدینہ میں عبداللہ بن ابی قومی ہیرو قرار پائیں۔[4]

اس صورتِ حال کو ہم بہر حال کسی طرح برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور ہمارے لیے یہ مسئلہ بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ ہم عرب کو اس انجام تک پہنچنے سے بچائیں۔

ابوالاعلیٰ

۱۔ جمال عبدالناصر (۱۵ جنوری ۱۹۱۸ء ——— ۲۸ ستمبر ۱۹۷۰ء) نے ۲۳ جولائی ۱۹۵۲ء کو مصری افواج کے کمانڈر جنرل نجیب سے مل کر شاہ فاروق کی حکومت کا تختہ الٹا اور اقتدار پر قبضہ کیا۔ ان کے دورِ حکومت میں "اخوان المسلمون" پر بدترین مظالم ڈھائے گئے۔ جسٹس عبدالقادر عودہ اور سید قطب جیسے بلند پایہ اور جید اسلامی اسکالرز کو پھانسی پر لٹکایا گیا ——— تفصیلات دیکھیے: "یادوں کی امانت" عمر تلمسانی، "رودادِ قفس" زینب الغزالی اور "اخوان المسلمون: تاریخ، دعوت، خدمات" خلیل احمد حامدی۔

۲۔ رابطۂ عالمِ اسلامی، کی تاسیس مکۃ المکرمہ میں، مئی ۱۹۶۲ء میں ہوئی ——— تاسیسی ارکان: محمد بن ابراہیم (سعودی عرب) وزیر اعظم احمد و بیلو (نائجیریا) ابراہیم ایناس (سینی گال) ابوالاعلیٰ مودودی (پاکستان) ابوالحسن علی ندوی (بھارت) سید امین الحسینی (فلسطین) حسنین محمد (مصر) عبدالرحمان اریانی (یمن) محمد مکی کتانی (شام) محمد بشیر ابراہیمی (الجزائر) محمد صادق مجددی (افغانستان) علال فاسی (مراکش) محمد فال (موریطانیہ) ڈاکٹر سعید رمضان (فلسطین) ابراہیم سقاف (سنگاپور) محمد محمود الصواف (عراق) احمد الوتو (فلپائن) محمد حنیفہ (سری لنکا) عبداللہ قلقیلی (اردن) کامل الشریف (اردن) احمد بشیر طیب (سوڈان) ڈاکٹر صالح اوزجان (ترکی) عبدالعزیز بن باز (سعودی عرب) محمد علی الحرکان (سعودی عرب) صالح شان شواؤ (چین) بشیر سعدی (لبنان) —— بحوالہ: "ایشیا" لاہور۔ ۲۸ فروری ۱۹۶۴ء۔

۳۔ فرعونِ اعظم، رعمسیس دوم (ف: ۱۲۳۷ ق م) کو صدر جمال ناصر نے مصر کا قومی ہیرو قرار دیا تھا۔

۴۔ اس سے کچھ عرصہ قبل صدر ناصر کے بارے میں ایک خط میں مولانا مودودی نے لکھا تھا: "اسلام کا حامی

ہونا تو دور کی بات ہے ، اس [ناصر] ظالم کے ہاتھ تو بے گناہ شہیدوں کے خون میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں ۔۔۔ اس کے منہ میں کم از کم چار زبانیں ہیں ۔ جب یہ اہلِ مصر سے خطاب کرتا ہے تو کہتا ہے : "ہم فرعونوں کے بیٹے ہیں" اور اس کے عملی اظہار کے طور پر اس نے قاہرہ کے چوراہوں میں اُس فرعون رَعمیسس دوم کے دیوہیکل مجسّمے نصب کرائے ہیں، جس نے بنی اسرائیل کے خلاف ظلم و ستم کی انتہا کر دی تھی ۔ جب اس کا روئے سخن عربوں کی جانب ہوتا ہے، اپنے آپ کو "عظیم عرب قوم" کا اٹوٹ حصہ قرار دیتا ہے ۔ مگر جب افریقیوں سے بات کرتا ہے ، تو ان کے خود ساختہ رہنما اور ترجمان کا بہروپ دھار لیتا ہے ۔ حال ہی میں اس نے قاہرہ ریڈیو پر "صوتُ الاسلام" کا کھٹراک رچایا ہے"۔ (انگریزی سے ترجمہ : خط بنام مریم جمیلہ ، ۲۵ فروری ۱۹۶۱ء ، مشمولہ ، "مراسلت مولانا مودودی و مریم جمیلہ" ترجمہ : عبدالغنی فاروق ص ۲۴)

۱۰۰

[لاہور]
۱۸ اگست ۱۹۷۰ء

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آج (۱۸ راگست) کے ندائے مِلّت میں "بات سے بات" کے زیرِ عنوان، آپ کے کالم نویس صاحب لحے نے یہ لکھا ہے کہ تحریکِ پاکستان کے زمانے میں کسی وقت میں نے ایک سوال کے جواب میں یہ کہا تھا کہ "کانگرس کی راہ ایک کی راہ ہے اور ایک کی راہ پھوٹ (مسلم لیگ) کی راہ سے بہرحال بہتر ہے۔"

مجھے معلوم نہیں کہ آپ کے یہ کالم نویس کون ہیں، اِس لیے ان کو خطاب کرنے کے بجائے مجبوراً میں آپ کو خطاب کر رہا ہوں۔ براہِ کرم ان سے دریافت کر کے مجھے یہ بتائیں کہ میں نے یہ بات کب، کہاں کہی ہے اور اس کے متعلق ان کی معلومات کا ذریعہ کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بات میرے علم میں بھی پہلی مرتبہ انہی کے ارشاد سے آئی ہے کہ میں نے کبھی یہ الفاظ کہے اور لکھے تھے، ورنہ میں

خود اس سے قطعی ناواقف تھا۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ میرے دماغ میں کبھی کبھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ کانگریس کی راہ ایکے کی راہ ہے اور وہ پھوٹ کی راہ، یعنی مسلم لیگ کی راہ سے بہر حال بہتر ہے۔

میں یہ مطالبہ نہیں کردں گا کہ آپ اس کی تردید شائع کریں۔ میری درخواست صرف یہ ہے کہ "ہنسی دِل لگی" کی خاطر آپ کے کالم نویس کو کسی شخص کی طرف کوئی بات منسوب کرتے ہوئے کم از کم یہ تحقیق کر لینا چاہیے کہ وہ اس کی طرف صحیح بات منسوب کر رہا ہے یا غلط۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ مودودی

۱۔ یہ کالم نویس، وقار انبالوی (۱۸۹۶ء چنار تھل، انبالہ --- ۲۹ جون ۱۹۸۸ء، لاہور) تھے۔ ۱۹۱۵ء میں انگریزی فوج اور ۱۹۱۸ء انگریزی پولیس میں بھرتی ہوئے۔ بعدازاں ملازمت ترک کر کے صحافت سے وابستہ ہو گئے۔ اپنی صحافتی زندگی کے مختلف ادوار میں مولانا مودودی کے خلاف لکھتے رہے۔ انھوں نے جنرل ایوب نے کے دورِ آمریت میں مولانا کے خلاف پمفلٹ لکھے، جنھیں حکومت نے بڑے پیمانے پر پھیلایا۔ تادمِ آخر روزنامہ "نوائے وقت" سے وابستہ رہے۔ بالعموم فکاہیہ کالم "سرِ راہے" اور "قطعہ" لکھتے تھے۔

۱۰۱

[لاہور]

یکم اگست ۱۹۷۶ء

محترمی و مکرمی۔ السلام علیکم

عنایت نامہ مؤرخہ ۳۰ جولائی ملا۔ میں اگرچہ بیماری کے باوجود اپنا تمام وقت اور اپنی ساری قوتیں سیرتِ پاک کی تکمیل میں صرف کر رہا ہوں اور حتی الامکان دوسری مصروفیتوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں، لیکن آپ کی فرمائش پر "تحریکِ

پاکستان اور جماعتِ اسلامی" کے زیرِ عنوان ایک مختصر مضمون ارسال کروں گا۔ جہاں تک دوسرے موضوع "قائدِ اعظم اور میں" کا تعلق ہے، اس پر کچھ لکھنا میں مناسب نہیں سمجھتا، کیونکہ یہ ایک طرح سے شخصی بحث ہو جاتی ہے تاہم آپ کی معلومات کے لیے اتنا کہنا کافی سمجھتا ہوں کہ ہوش سنبھالنے کے بعد جب سے میں نے ملکی سیاست میں دلچسپی لینی شروع کی تھی، میرے دِل میں مسلمانوں کے جن لیڈروں کا احترام سب سے زیادہ تھا، ان میں سے ایک قائدِ اعظم مرحوم بھی تھے، میں نے ہمیشہ ان کو ایک بااصول، راستباز اور مضبوط سیرت و کردار کا مالک انسان سمجھا اور ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۸ء تک کبھی میرے دِل میں ان کے متعلق یہ بد گمانی پیدا نہیں ہوئی کہ وہ اپنے ضمیر کے خلاف بھی کوئی بات کہہ سکتے ہیں۔ رائے کا اختلاف تو بڑے سے بڑے آدمیوں سے بھی ہو سکتا ہے، خواہ وہ زندہ ہوں یا اپنے رب کے پاس جا چکے ہیں۔ اس قسم کا اختلاف مجھے جس کسی سے بھی ہوا ہے میں نے دلیل اور شائستگی کے ساتھ اس کا اظہار کیا ہے، لیکن اس کو مخالفت کا ہم معنی سمجھنا اور یہ خیال کرنا کہ جس کی رائے سے میں اختلاف کرتا ہوں اس کو بدنیت اور غیر مخلص سمجھتا ہوں، دراصل ایک بے بنیاد سوءِ ظن ہے۔ قائدِ اعظم مرحوم کے متعلق مجھے کبھی یہ شبہ نہیں ہوا کہ وہ پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کے معاملے میں مخلص نہ تھے، البتہ ان کے "پسماندگان" کے متعلق مجھے یہ شبہ ضرور ہے کہ وہ ان کی ہمنوائی میں مخلص نہ تھے اور یہ شبہ ان حضرات کے ان اعمال کی بنا پر ہے جو اقتدار حاصل کرنے کے بعد وہ کرتے رہے۔ ان پر تنقید کے معنی قائدِ اعظم پر تنقید کے نہیں ہیں اور نہ ان کے عدمِ اخلاص کا شکوہ قائد کی ذات تک پہنچتا ہے۔ لہ

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ مولانا نے قائدِ اعظم محمد علی جناح کی شخصی خوبیوں اور ان کی قائدانہ صلاحیتوں کا اعتراف کرنے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا ۔ (دیکھیے: مکاتیب مودودی، دوم ۔ خط ۱۶۸)

۱۰۲.

جماعتِ اسلامی اور مولانا مودودی پر "نوائے وقت" میں شائع شدہ میاں امیر الدین (۱۸۸۹ء ــــ ۱۹۸۹ء) کی ایک تنقید کے جواب میں میاں طفیل محمد نے وضاحتی مضمون تحریر کیا (مطبوعہ: ۲۰ مئی ۱۹۷۸ء) ۔ جس پر ایک سابق پولیس آفیسر ذوالقرنین خاں نے اپنے مضمون (نوائے وقت ، ۲۹ مئی) میں مولانا پر چند اور الزامات عائد کیے ۔ مولانا نے مندرجہ ذیل خط (نوائے وقت ، ۳۱ مئی) میں ان الزامات کی وضاحت کی ہے :

[لاہور]
۲۹ مئی ۱۹۷۸ء

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

روزنامہ نوائے وقت ۲۹ مئی میں ایک سابق سی آئی ڈی افسر کا بیان شائع ہوا ہے، جس میں انھوں نے میرا نام لے کر متعین طور پر چند الزامات مجھ پر لگائے ہیں۔ اگرچہ میری یہ عادت نہیں ہے کہ میں اُن الزامات کا جواب دوں جو میرے اُوپر تقریروں اور تحریروں میں ایک مدت دراز سے لگائے جاتے رہے ہیں، لیکن میں اس وجہ سے اس بیان کا جواب دے رہا ہوں کہ اس میں ایک فرد سرکاری افسر نے اپنے اُس بیان کا حوالہ دیا ہے جو انھوں نے ۱۹۴۸ء میں میری نظربندی کے وجوہ بیان کرتے ہوئے ہائی کورٹ میں دیا تھا۔ اس میں موصوف نے کہا ہے کہ "مولانا مودودی پشاور میں تشریف لے گئے ہوئے تھے اور فلاں مسجد میں جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ کسی نے سوال کر دیا کہ کشمیر کی لڑائی جہاد ہے یا نہیں؟ مولانا نے جواب دیا کہ کشمیر کی لڑائی جہاد نہیں ہے۔" یہ صریح

غلط بیانی ہے اور ان کے اپنے ارشاد کے مطابق یہ غلط بیانی انھوں نے ہائی کورٹ میں کی تھی، اِس لیے وہ حلف دروغی کے بھی مرتکب ہوتے ہیں۔

میں اپنی نظر بندی سے پہلے مئی ۱۹۴۸ء کے دُوسرے ہفتے میں پشاور گیا تھا وہاں میں نے کسی مسجد میں جمعہ کا خُطبہ نہیں دیا اور ظاہر بات ہے کہ جب خُطبہ ہی نہیں دیا تو کوئی شخص کشمیر کے متعلق سوال کیسے کر سکتا تھا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک صاحب مجھ سے میری قیام گاہ پر ملے اور مجھ سے کہا کہ میں تخلیے میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں، میں نے انھیں تخلیے کا موقع دیا۔ انھوں نے اپنا تعارف یہ کہہ کر کروایا کہ میرا نام نبی بخش نظامی ہے اور میں آزاد کشمیر گورنمنٹ کے نشر و اشاعت کا انچارج ہوں، اِس تعارف کے بعد انھوں نے مجھ سے پُوچھا کہ آپ جہادِ کشمیر میں حصّہ کیوں نہیں لیتے؟ میں نے کہا کہ آپ اِس سوال کا جواب دینے پر مجھے مجبور نہ کریں، میری اِس معاملے میں جو رائے ہے میں اسے ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھتا، انھوں نے پھر اصرار کیا، میں نے پھر معذرت کر دی، پھر انھوں نے کہا کہ اگر یہ کوئی شرعی مسئلہ ہے تو آپ اسے کیوں چھپاتے ہیں، میں نے انھیں بتایا کہ جو مُسلمان ایک باقاعدہ مُسلم ریاست میں رہتے ہوں، وہ بطورِ خُود جہاد نہیں کر سکتے جب تک کہ ریاست جہاد نہ کرے۔ انھوں نے کہا کہ میں آپ کی اس رائے کو اخبارات میں شائع کر دوں گا، میں نے کہا کہ مجھے اس کی اشاعت مطلوب ہوتی تو میں خُود کرتا، مجھے آپ کو زحمت دینے کی ضرورت نہ تھی۔ میں نے نجی صحبت میں آپ کو سوال کا جواب دیا ہے۔ اسے آپ شائع کریں گے تو غلطی کریں گے، دُوسرے روز اخبارات میں میری طرف منسوب کرتے ہُوئے انھوں نے ایک من گھڑت بیان شائع کرا دیا اور اِس طرح سری نگر ریڈیو کو دُہرہ پروپیگنڈہ کرنے کا موقع مِل گیا جس کی شکایت صاحبِ موصوف نے ہائی کورٹ کے سامنے پیش کی تھی۔ ان افسر صاحب نے اس پر اکتفا نہیں کیا کہ عدالت میں غلط بیانی کی بلکہ انھوں نے پُوری بات کو عدالت سے مخفی بھی رکھا۔ پُوری

بات یہ ہے کہ میں نے اپنی طرف منسوب کردہ اس نام نہاد فتویٰ کی تردید اخبارات کو فوراً بھیج دی جو بعض اخبارات کے علاوہ روزنامہ "سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور میں بھی شائع ہوئی، پھر انھوں نے عدالت کو یہ بھی نہیں بتایا کہ میں نے ریڈیو پاکستان لاہور سے بھی یہ درخواست کی تھی کہ سری نگر ریڈیو سے میرے نام پر جو جھوٹا پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے اس کی تردید مجھے خود ریڈیو پر کرنے کا موقع دیا جائے، لیکن یہ درخواست قبول نہ کی گئی۔ اب اس افسر کے بارے میں کیا رائے قائم کی جائے جو کچھ تو ایک واقعہ کو غلط بیان کرتا ہے اور کچھ باتیں جو اسی واقعہ سے متعلق ہیں عدالت سے چھپاتا ہے، میں حیران ہوں کہ ان افسر صاحب کو جو یہ کارنامہ انجام دے چکے ہیں' اخبار میں بیان دینے کی جرأت کیسے ہوئی۔

دوسری بات انھوں نے یہ لکھی ہے کہ "مولانا سے ان کے عقیدت مندوں نے پوچھا ہے کہ حکومت پاکستان اپنے ملازمین سے حلفِ وفاداری مانگ رہی ہے لہٰذا ہمیں حلفِ وفاداری اٹھانا چاہیے یا نہیں؟ مولانا نے جواب دیا، جب تک پاکستان کا آئین اسلامی نہیں ہو جاتا اور اس کا نفاذ نہیں ہوتا اس وقت تک حلفِ وفاداری نہ اٹھایا جائے۔" اس معاملے میں افسر موصوف نے آدھی بات صحیح بیان کی ہے اور آدھی غلط۔ میں نے یہ ضرور کہا تھا اور ہمیشہ کہتا رہا ہوں اور آئندہ بھی کہوں گا کہ مسلمان کسی ایسی ریاست کا وفادار نہیں ہو سکتا جو اللہ کی وفادار نہ ہو، میں نے صرف اتنی ہی بات کہنے پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ فروری ۱۹۴۸ء میں باقاعدہ یہ مطالبہ بھی کیا تھا کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کو اپنی ایک قرارداد میں سب سے پہلے اِس بات کا اقرار کرنا چاہیے کہ حاکمیت اللہ کی ہے اور شریعتِ خداوندی اس ملک میں ریاست کا اساسی قانون ہوگی۔ اِس قرارداد کے بغیر پاکستان اسلامی ریاست نہیں بن سکتا۔ افسر موصوف نے یہ بات اپنی طرف سے بڑھائی ہے کہ جب تک پاکستان کا آئین اسلامی نہیں ہو جاتا اور اس کا نفاذ نہیں ہوتا اس وقت تک حلفِ وفاداری

نہ اُٹھائیں" نفاذ نہیں ہوجاتا" کی شرط میں نے نہیں لگائی تھی، کیونکہ نافذ کرنا حکومت کا کام ہوتا ہے۔ ریاست تو اُس وقت مسلمان ہوجاتی ہے جب وہ خُدا کی حاکمیت کا اقرار کرلیتی ہے اور یہ طے کردیتی ہے کہ اسلامی شریعت ملک کا اساسی قانون ہوگی۔

تیسری بات صاحبِ موصوف نے یہ بیان کی ہے کہ "مولانا سے ان کے عقیدت مندوں نے پُوچھا ہے کہ پاکستان کی فوج میں بھرتی ہونا چاہیے یا نہیں؟ مولانا نے جواب دیا کہ جب تک پاکستان کا آئین اسلامی نہیں ہوجاتا اور اس کا نفاذ نہیں ہوجاتا پاکستان کی فوج میں بھرتی نہیں ہونا چاہیے"۔ یہ بھی قطعی غلط بیانی ہے، مجھ سے یہ پُوچھا گیا تھا کہ ہم نیشنل گارڈ میں بھرتی ہوں یا نہ ہوں ؟ میں نے کہا : سردست آپ نیشنل گارڈ میں بھرتی ہونے کی بجائے ہوم گارڈ میں بھرتی ہوکر ٹریننگ لیں پھر اگر خُدانخواستہ کسی وقت مُلک کو کوئی خطرہ پیش آگیا تو نیشنل گارڈ یا باقاعدہ فوج میں بھرتی ہوجائیے۔ مزید تشریح کرتے ہُوئے میں نے کہا کہ ایک کافر ملک میں تو ہم قطعی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ فوج میں بھرتی ہونا ناجائز ہے لیکن ایک مسلمان ملک میں، جس کو ہم اسلامی ریاست بنانے کی کوشش کررہے ہیں، ہم فوج میں شامل ہونے سے روک بھی نہیں سکتے کیونکہ ہمیں اس کے اسلامی ریاست ہونے کی اُمید ہے اور شامل ہونے کا مشورہ بھی نہیں دے سکتے کیونکہ ابھی وہ باقاعدہ اسلامی ریاست نہیں بنی ہے۔ صاحبِ موصوف ریاست اور حکومت کے فرق کو نہیں سمجھتے، ہم ریاست کو اسلامی بنانا چاہتے ہیں ، اِسلامی احکام کا نفاذ ریاست نہیں کرتی بلکہ حکومت کرتی ہے، وُہ اگر غلط لوگوں کے ہاتھوں میں ہو تو ہم برسوں ان کے خلاف جدوجہد کرتے رہیں گے ۔ مگر جب ریاست اسلامی ہوجائے تو پھر اس کے احکام وہی ہوں گے جو اسلامی مملکت کے لیے ہوتے ہیں۔

ابُوالاعلیٰ

پروفیسر مسلم سجاد

پروفیسر مسلم سجاد (۱۵ اکتوبر ۱۹۳۹ء، بھوپال) قلمی نام: احمد انس، استاد شعبۂ حیوانیات گورنمنٹ سُپیریر سائنس کالج کراچی۔ ماہرِ تعلیم، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد کے ششماہی مجلّے "تعلیم: اسلامی تناظر میں" کے شریک مدیر اور Voice of Islam کراچی کے مدیرِ اعلیٰ۔ کئی سال تک "چراغِ راہ" کراچی کی مجلسِ ادارت کے رکن رہے۔ زمانۂ طالب علمی میں اسلامی جمعیتِ طلبہ پاکستان کے سیکرٹری جنرل تھے۔ تصانیف: * اسلامی ریاست میں نظامِ تعلیم * مخلوط تعلیم، وغیرہ۔

دیکھیے: ضمیمہ

۱۰۳

مکتوب الیہ نے "چراغِ راہ" سے وابستگی کے زمانے میں مولانا سے مضمون کا تقاضا کیا، تو جواب میں مولانا نے لکھا:

[لاہور]

۱۴ جون ۱۹۶۷ء

محترمی ومکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط ملا۔ ایک طرف میری صحت روز بروز بگڑتی جا رہی ہے، دوسری طرف میرے اوپر زیادہ سے زیادہ مصروفیتوں کا بار بڑھتا جا رہا ہے۔ اِس حالت میں آپ لوگ میرے بچے کھچے وقت پر بھی چھاپے مارنے کی سکیمیں بناتے رہتے ہیں۔ براہِ کرم میرے اوپر مزید بار ڈالنے کی اب کوشش نہ کریں ورنہ اس کے نیچے بالکل دب کر رہ جانے کا خدشہ ہے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

محمد یوسف اصلاحی

مولانا محمد یوسف اصلاحی (پ: ۹ جولائی ۱۹۳۲ء پرملی ، ضلع اٹک، پنجاب) ۔ ۱۹۳۶ء میں والدِ گرامی شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم (ف: ۱۹۸۹ء) کے ہمراہ بریلی منتقل ہو گئے ۔ ابتدائی تعلیم دارالعلوم سہارن پور سے حاصل کی ، بعد ازاں مدرستہ الاصلاح ، سرائے میر سے سندِ فضیلت پائی ۔ ۱۹۵۱ء میں مولانا مودودی سے متعارف ہوئے اور ۱۹۵۴ء میں جماعتِ اسلامی کے رکن بنے ۔ ۱۹۵۹ء سے رام پور ، یو پی میں مقیم ہیں ۔ ماہنامہ "ذکریٰ" (ڈائجسٹ) کے مدیر ہیں ۔ تصانیف: * قرآنی تعلیمات (دو حصے) * آدابِ زندگی * داعیِ اعظم * آسان فقہ (دو حصے) وغیرہ ۔

۱۰۴

[لاہور]

[۲۔ اگست ۱۹۶۷ء]

محترمی و مکرمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا ارسال کردہ قرآنی تعلیمات[۱] کا ایک سیٹ وصول ہوا۔ آپ نے یہ ایک بڑا مفید مجموعہ مرتب کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اِس خدمت کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور خلقِ خدا کو اس سے فائدہ پہنچائے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ مکتوب الیہ کی مذکورہ تصنیف ، پاکستان میں بھی شائع ہو چکی ہے ۔ (ناشر، اسلامک پبلی کیشنز ، لاہور)

[لاہور]

[۱۷. جون ۱۹۷۸ء]

عزیزم محمد یوسف اصلاحی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آپ کا خط "ذکریٰ" کے پرچوں سمیت مجھے ملا۔ آپ کی دعائے خیر کے لیے بہت شکر گزار ہوں۔ ریاض الصالحین[1] کا اردو میں ترجمہ ہوچکا ہے مگر میں نے دیکھا نہیں ہے اس لیے مجھے نہیں معلوم کہ اس میں تشریحی نوٹس ہیں یا نہیں؟ اور ہیں تو کیسے ہیں؟ ایک ترجمہ ہمارے مرحوم و مغفور پروفیسر عبدالحمید صدیقی صاحب[2] نے بھی کیا ہے، جو ابھی شائع نہیں ہوا۔ امام بخاری کی الادب المفرد کا ترجمہ[3] بھی ہو چکا ہے۔

آپ کی تفسیر سورۂ یاسین پر موجودہ حالت میں کچھ لکھنا میرے لیے مشکل ہے۔ بکثرت لوگوں کی کتابیں میرے پاس اس غرض کے لیے آئی رکھی ہیں کہ میں ان پر کچھ لکھوں لیکن چھ مہینے کی مسلسل بیماری نے مجھے کسی کام کے قابل نہیں رکھا ہے حتیٰ کہ خطوط بھی دو دو ہفتے پڑے رہتے ہیں اور انھیں دیکھنے اور جواب دینے کی ہمت نہیں پڑتی۔

یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ آپ مولانا اختر احسن اصلاحی صاحب[4] مرحوم و مغفور کے شاگرد ہیں۔ فی الواقع وہ اس زمانے کے اولیاء اللہ میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ "ریاض الصالحین" مرتبہ: امام نووی، ایسی احادیث کا مجموعہ ہے، جن پر امام بخاری اور امام مسلم؛ دونوں کا اتفاق ہے۔

۲۔ پروفیسر عبدالحمید صدیقی مرحوم (دیکھیے : خط ۱۴۶)
۳۔ "الادب المفرد" (انتخابِ احادیث) مرتبہ : امام بخاری ۔
۴۔ مولانا اختر احسن اصلاحی (۱۹۰۱ء ، موضع: چکیا، ضلع اعظم گڑھ —— ۱۹ اکتوبر ۱۹۵۸ء) ابتدائی تعلیم اپنے ننھیال ، سیدھا سلطان پور میں حاصل کی ۔ ۱۹۲۲ء میں مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر سے سندِ فضیلت پائی، اور وہیں تدریسی خدمات انجام دینے لگے ۔ بعد ازاں صدر مدرس (پرنسپل) مقرر ہوئے ۔ ساری زندگی مدرسے کی خدمت میں گزار دی ۔ مولانا حمید الدین فراہی کے دو قابلِ فخر اور خصوصی طور پر تربیت یافتہ شاگردوں میں سے ایک تھے (دوسرے: امین احسن اصلاحی صاحب) —— مولانا اختر احسن، مولانا مودودی کے دورۂ مدرسۃ الاصلاح کے بعد جماعتِ اسلامی سے وابستہ ہوئے ، رکن بنے ، پھر رکن مرکزی مجلسِ شوریٰ منتخب ہوئے اور یہ تعلق تاحینِ حیات قائم رہا ۔ اختر احسن مرحوم نے درس و تدریس کے علاوہ مولانا فراہی کے عربی مسودات کی ترتیب و تہذیب کی خدمت بھی انجام دی ۔ مزید تفصیل دیکھیے: شیدائے قرآن : مولانا اختر احسن اصلاحی از محمد عنایت اللہ سُبحانی ۔ رام پور، ۱۹۸۱ء ۔

۱۰۶

[لاہور]
[۱۲ جولائی ۱۹۷۸ء]

عزیزِ گرامی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آپ کا ارسال کردہ تحفہ آسان فقہ[۱] حصّہ اوّل و دوم ملا اور ساتھ ہی ذکریٰ کا تازہ پرچہ بھی ۔ میں اس کے لیے آپ کا بہت شکر گزار ہوں ۔ دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس بیماری سے نجات دے تاکہ میں کچھ خدمت انجام دے سکوں ۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۱۔ "آسان فقہ" بعد ازاں پاکستان میں بھی شائع ہوگئی ۔ ناشر: اسلامک پبلی کیشنز ، لاہور ۔

۱۰۷

[لاہور]
۲۳۔ دسمبر ۱۹۷۸ء

عزیزم مولانا محمد یوسف صاحب اصلاحی

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

چودھری رفیع الدین صاحب[۱] کے ذریعہ سے آپ کی ارسال کردہ کتابیں مل گئیں۔ شکریہ۔

میری صحت کا حال ابھی تک جوں کا توں ہے۔ کسی علاج سے بھی فائدہ نہیں ہو رہا ہے۔ ایک سال اسی حالت میں گزر چکا ہے۔ اللہ ہی شفا عطا فرمانے والا ہے۔ اسی کے کرم کا امیدوار ہوں۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۱۔ ڈاکٹر چودھری رفیع الدین، جماعتِ اسلامی کے ابتدائی ارکان میں سے ہیں۔ وطنِ مالوف، بارہ بنکی ہے۔ رام پور، یوپی میں رہایش ہے اور ہومیو پیتھک پریکٹس کرتے ہیں۔

۱۰۸

[لاہور]
۲۳۔ جنوری ۱۹۷۸ء

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ سیرت[۱] کی جلدوں پر میں دستخط تو کر دوں گا مگر ان کے آپ تک پہنچنے کی قابلِ اطمینان صورت یہ ہے کہ کوئی صاحب رام پور جانے

والے مِل جائیں اور مجھ سے دستی لے جائیں۔

میں دُعا کرتا ہُوں کہ آپ نے سیرتِ پاک پر جو مختصر کتاب لکھی ہے[2]، وُہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہو۔

خاکسار

ابُوالاعلیٰ

۱۔ مراد ہے: "سیرت سرورِ عالم" (دو حصے) از مولانا مودودی، لاہور، ۱۹۷۸ء۔
۲۔ "داعیِ اعظم" سیرتِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم پر یہ کتاب پاکستان میں چھپ چکی ہے۔ ناشر: اسلامک پبلی کیشنز، لاہور۔

حکیم سرو سہارن پوری

حکیم سرو سہارن پوری (پ: ۸ مارچ ۱۹۳۲ء ، سہارن پور۔ اصل نام: سیّد محمود احمد) اجمل طبیہ کالج دہلی سے سندِ فراغت حاصل کی ۔ ۱۹۵۶ء میں مولانا مودودی کی تصنیف "تنقیحات" پڑھ کر جماعت کے قریب آئے ۔ ۱۹۷۰ء میں رکنیت اختیار کی ۔ جماعتِ اسلامی راولپنڈی کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے ۔ راولپنڈی میں مقیم ہیں ۔ دیکھیے ضمیمہ

۱۰۹

ان کی فرمایش پر مولانا مودودی نے ان کے مجموعۂ نعت و قصائد "زخمۂ دل" پر پیش لفظ تحریر کیا ، جو مندرجہ ذیل خط کی صورت میں ہے :

[لاہور]

۲. ستمبر ۶۷ء

مخترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

آپ کے قصائدِ منقبت درشانِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم مَیں نے دیکھے۔ جہاں تک آپ کی شاعری کے کمالات کا تعلق ہے، ان کے بارے میں تو کسی اظہار رائے کا مَیں اہل نہیں ہُوں۔ البتہ مَیں نے اس نقطۂ نظر سے ان قصائد کو دیکھا کہ ان میں کہیں وہ بے اعتدالیاں تو نہیں ہیں جو عمُوماً نعت میں کی جاتی ہیں۔ الحمدللہ کہ مَیں نے آپ کے کلام کو ان سے خالی پایا۔ آپ نے بہت ہی عمدہ اور محتاط پیرایے میں حضورؐ اور آپؐ کے خلفاء کی مدح فرمائی ہے اور بڑے اچھے جذبات کو بڑی خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ فجزاکم اللہ خیرالجزاء۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فون نمبر : ٢٥٠٠٧

الاعلیٰ مودودیؒ
ذیلدار پارک - اچھرہ
ہور (پاکستان)

حوالہ ______

مورخہ ۱۷/ستمبر ۶۷ء

محترمی و مکرمی — السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے قصائد منقبت در شان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں نے دیکھے۔ جہاں تک آپ کی شاعری کے کمالات کا تعلق ہے، ان کے بارے میں تو کسی اظہار رائے کا میں اہل نہیں ہوں۔ البتہ میں نے اس نقطۂ نظر سے ان قصائد کو دیکھا کہ ان میں کہیں وہ بےجا عقیدت ایسی تو نہیں ہے جو عموماً نعتوں میں کی جاتی ہے۔ الحمدللہ کہ میں نے آپ کے کلام کو اس سے خالی پایا۔ آپ نے بہت ہی عمدہ اور محتاط پیرایہ میں حضورؐ اور آپ کے خلفاء کی مدح فرمائی ہے اور بڑے اچھے جذبات کو بڑی خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جزاکم اللہ خیرالجزاء

خاکسار

ابوالاعلیٰ

ملک غلام محمد باہتر

غلام محمد (پ: ۱۹۱۶ء تلہ، ضلع اٹک) بی اے کے بعد ڈیرہ دون میں فوج میں کمیشن لیا۔ "ترجمان القرآن" کے دیرینہ قاری تھے، اس لیے ۱۹۴۳ء میں انگریز کی ملازمت سے مستعفی ہو گئے، اور جماعت اسلامی میں شمولیت اختیار کی۔ مستقل سکونت، باہتر (دھریک) ضلع اٹک میں ہے۔ مزید دیکھیے: تذکرہ سید مودودی اوّل۔ ص ۶۸۴، ۶۸۵۔

۱۱۰

[لاہور]

[۳۱ جولائی ۱۹۶۸ء]

محترمی و مکرّمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ ہومیوپیتھک علاج سے ابھی تک پتھری کے اخراج میں کامیابی نہیں ہوتی ہے۔ لندن جا کر آپریشن کرانے کے لیے میں نے اسٹیٹ بنک سے اجازت کی درخواست کی ہے۔ ابھی تک جواب نہیں آیا ہے۔ اجازت ملنے کے بعد ہی جانے کی تاریخ مقرر کر دں گا۔ اور ان شاء اللہ آپ کو اس کی اطلاع ہو جائے گی۔ آپ سب کی دعاؤں کا بہت شکر گزار ہوں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۱۱

[لاہور]

[۱۳. دسمبر ۱۹۶۹ء]

محترمی و مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عید کارڈ ملا۔ جواب میں میری طرف سے بھی عید الفطر کی مبارکباد قبول فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اس عیدِ سعید کو پاکستان اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے حق میں خیر و برکت کی تمہید بنائے اور جن مشکلات و مصائب سے وہ دوچار ہیں ان میں ان کی ہدایت و اعانت فرمائے۔

خاکسار

ابُوالاعلیٰ

۱۱۲

[لاہور]

[۱۹. فروری ۱۹۷۰ء]

محترمی و مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا ارسال کردہ تہنیت نامۂ عید الاضحیٰ ملا۔ اس کے لیے میں آپ کا شکرگزار ہوں۔ میری طرف سے بھی عید کی مبارک باد قبول فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ مسلمانوں کی رہنمائی فرمائے، ان میں اقامتِ دین کا عملی جذبہ پیدا فرمائے اور اسلام دشمن قوتوں کو خاسر و خائب کرے۔

خاکسار

ابُوالاعلیٰ

۱۱۳

[لاہور]

[۲۳ر نومبر ۱۹۷۱ء]

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عید الفطر کے مبارک موقع پر آپ کا تہنیت نامہ ملا۔ اس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں اور جواب میں آپ کو بھی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس عید کو تمام عالمِ اسلام کے مسلمانوں کے لیے خیر و برکت کا موجب بنائے، بالخصوص پاکستان جن سنگین حالات سے دوچار ہے، اللہ تعالیٰ ان میں ہمارا حامی و ناصر ہو۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۱۴

[لاہور]

[۳. نومبر ۱۹۷۳ء]

عزیزم غلام محمد صاحب، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ آپ کے صاحبزادے کے ذریعہ سے ملا۔ افسوس ہوا کہ آپ کی بلڈ پریشر کی تکلیف زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے، اور آپ کو شفا بخشے۔ والدہ صاحبہ کی وفات پر آپ کا غم ایک فطری امر ہے، خصوصاً ایسی نیک اور باخدا خاتون کا سایہ سر سے اٹھ جانا بہت بڑا المیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور سب اہلِ خاندان کو صبر عطا فرمائے اور مرحومہ کو اپنی رحمتوں سے نوازے۔ جماعت کے حق میں ان کی دعائیں اور خاص طور پر میرے

ساتھ ان کا خلوص اور آخری وقت ان کا سلام ایسی چیز ہے جس کا شکریہ میں اللہ تعالیٰ کے واسطے سے ان کو پہنچاتا ہوں۔ میرا سلام بھی اللہ تعالیٰ انھیں پہنچا دے اور ان کو اس اخلاص للہ کا اجرِ جزیل عطا فرمائے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۱۵

[لاہور]

[۸۔ جنوری ۱۹۷۴ء]

محترمی و مکرمی، السّلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ آپ کی بیماری کا حال معلوم کر کے افسوس ہوا۔ اور یہ معلوم کر کے خوشی بھی ہوئی کہ آپ کی طبیعت پہلے سے قدرے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحتِ کاملہ عاجلہ نصیب کرے۔

عید کی تہنیت کے جواب میں میری طرف سے بھی مبارک باد قبول کریں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ مسلمانوں میں ایثار و قربانی کا سچا جذبہ پیدا فرمائے، موجودہ پُرخطر حالات میں ان کا حامی و ناصر ہو اور دشمنانِ اسلام کی سازشوں اور مسلمانوں کے خلاف منصوبوں کو خاسر و خائب کرے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

CamScanner

۱۱۶

[لاہور]

[۲۰.مارچ ۱۹۷۴ء]

محترمی و مکرمی، السّلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ شہد کے تحفے کے ساتھ ملا۔ جس کے لیے بہت شکرگزار ہوں۔ آپ کی مسلسل گرتی ہوئی صحت کا حال معلوم کر کے بہت تشویش ہوئی۔ دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحتِ کاملہ عطا فرماتے اور آپ اجتماع[۱] میں شمولیت کر سکیں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ مراد ہے: کل پاکستان اجتماع ارکانِ جماعتِ اسلامی پاکستان، منعقدہ: منصورہ، لاہور، ۲۹ تا ۳۱ مارچ ۱۹۷۴ء۔

۱۱۷

[لاہور]

۲۸ر اگست ۱۹۷۴ء

محترمی و مکرمی، السّلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کے صاحبزادے سے ملاقات ہوئی اور ان کے ذریعے سے آپ کا خط اور شہد بھی وصول ہوا۔ آپ کی صحت کا حال معلوم کر کے افسوس ہوا۔ اللہ سے دُعا ہے کہ وہ آپ کو شفائے کامل عطا فرماتے اور آپ کو خدمتِ دین کی ہمت و توفیق بخشے۔ آپ نے میری صحت و عافیت کے لیے جس مخلصانہ

فکرمندی کا اظہار کیا ہے، اس کے لیے شکرگزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ شہد کے تحفے کے لیے بھی شکریہ ادا کرتا ہوں اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو سکونِ قلب دے اور ذہنی و جسمانی عوارض کو رفع فرما دے۔

آپ اپنی صحت کے معاملے میں تساہل نہ برتیں اور علاج معالجہ جاری رکھیں۔ آپ کا خود بیماری کی حالت میں سفر کرنا اور یہاں آنا مناسب نہیں۔ آپ کی والدہ مرحومہ کے حق میں ہمیشہ دعائے مغفرت کرتا ہوں۔ آپ میرے حق میں دعائے خیر کرتے رہیں۔ آپ کو فطری طریق پر نیند آتی رہے تو بہتر ہے۔ خواب آور دواؤں سے جتنا پرہیز کر سکیں، اتنا ہی بہتر ہے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۱۸

[لاہور]

[۱۹ اکتوبر ۱۹۷۴ء]

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ملا۔ آپ کی بیماری کا حال پڑھ کر افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کی صحت پوری طرح بحال کر دے۔ آپ کو اور آپ کے خاندان کو اور خصوصاً آپ کی والدہ مرحومہ کو مجھ سے اور جماعت اسلامی سے جو گہرا قلبی تعلق رہا ہے، اس کی میرے دل میں بڑی قدر ہے۔ اللہ اس کی جزائے خیر آپ سب لوگوں کو دے اور آپ کی والدہ مرحومہ کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۱۹

[لاہور]

[۳، جنوری ۱۹۷۵ء]

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ اللہ کے فضل سے چند روز سے جوڑوں کے درد میں قدرے افاقہ ہے۔ آپ کی صحت اور آرام کی اطلاع پاکر خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحتِ کاملہ عطا فرمائے اور ہر قسم کی پریشانیاں رفع فرمائے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۲۰

[لاہور]

[۹، مارچ ۱۹۷۵ء]

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ نے اپنے صاحبزادے کے ہاتھ شہد کا جو تحفہ بھیجا ہے وہ مجھے مل گیا ہے۔ اور زحمت کے لیے بہت شکر گزار ہوں اور آپ کے حق میں دعائے خیر کرتا ہوں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

[لاہور]

[۱۵۔ دسمبر ۱۹۷۷ء]

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کے صاحبزادے ناصر محمود صاحب آئے تھے اور آپ کا سلام اور دعائیں پہنچائیں۔ میری صحت کے بارے میں آپ کی فکرمندی اور پُرخلوص دعائیں قابلِ قدر اور باعثِ تشکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے آپ کی صحت و عافیت کے لیے بھی دعا کرتا ہوں۔ آج کل جوڑوں کے درد میں کافی شدت ہے، یہی وجہ ہے کہ عزیزم ناصر محمود ملاقات نہ کر سکے۔ علاج برابر ہو رہا ہے۔ امید ہے اللہ تعالیٰ اسے شفا کا ذریعہ بنائے گا۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

چودھری رحمت الٰہی

چودھری رحمت الٰہی (پ: ۱۵ دسمبر ۱۹۲۲ء، تگرالہ، ضلع جہلم)، میٹرک کے بعد برطانوی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ ۱۹۴۴ء میں بہ سلسلہ ملازمت ملایا میں تھے۔ ایک روز یونٹ کی حاضری لگ رہی تھی کہ نمازِ مغرب کا وقت ہو گیا۔ نماز کی اجازت طلب کی۔ انکار پر فوجی ڈسپلن کو نظر انداز کرتے ہوئے نماز کے لیے چلے گئے۔ اس "جرم" پر چودھری صاحب کا کورٹ مارشل ہوا۔ تین ماہ قید بامشقت بھگتنے کے بعد فوج سے فارغ ہو گئے۔ ۱۹۴۷ء میں مولانا مودودی نے مہاجرین کو سکھوں کے نرغے سے نکالنے کے لیے چودھری صاحب کی خدمات حکومت کے سپرد کیں۔ جماعت سے تعلق کے ابتدائی دور میں آپ نے مولانا مسعود عالم ندوی اور مولانا محمد ناظم ندوی سے عربی پڑھی۔ ۱۹۵۳ء میں بی اے کیا۔ ۱۹۵۳ء ہی میں شیخ سلطان احمد صاحب کے دورِ امارت میں، چودھری صاحب جماعت کے قیم رہے۔ ۱۹۶۴ء میں جماعتِ اسلامی کو خلافِ قانون قرار دے دیا گیا، اور پوری قیادت پابندِ سلاسل کر دی گئی۔ عدالتِ عالیہ اور پھر عدالتِ عظمیٰ میں مقدمہ دائر ہوا۔ جماعت کی طرف سے چودھری صاحب نے مقدمے کی پیروی کی۔ دسمبر ۱۹۶۵ء تا ۱۹۷۸ء جماعت کے سیکرٹری جنرل (قیم) رہے۔ ۱۹۷۹ء سے جماعت کے نائب امیر چلے آرہے ہیں۔ "پاکستان قومی اتحاد" کی حکومت میں جماعت کی طرف سے اگست ۱۹۷۸ء تا اپریل ۱۹۷۹ء پانی و بجلی، پٹرولیم اور قدرتی وسائل کے وفاقی وزیر رہے۔

۱۲۲

باسمہٖ سبحانہٗ

لندن

۱۸. نومبر ۶۸ء

برادرم رحمت الٰہی صاحب! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا خط مؤرخہ ۱۲ر نومبر ملا۔ خدا کے فضل سے میری حالت روز بروز درست ہو رہی ہے اور بتدریج ضعف کم ہوتا جا رہا ہے۔ اب زخم تو بالکل

بھر چکا ہے، لیکن نہ صرف آپریشن کے مقام پر، بلکہ پیٹ پر بھی ابھی کچھ ورم اور سختی اور کسی حد تک درد بھی باقی ہے جس کی وجہ سے زیادہ چل پھر نہیں سکتا۔ نماز بھی کرسی پر بیٹھ کر اشارے سے پڑھتا ہوں۔ چند مرتبہ رکوع و سجود کرنے کی کوشش کی تو پیٹ کا ورم کچھ بڑھ گیا۔ اس لیے کرسی پر بیٹھ کر ہی پھر نماز پڑھنی شروع کر دی۔

اب میں شاید دسمبر کے آخر تک ہی واپس ہو سکوں گا۔[1] چودھری غلام محمد صاحب کا دوسرا آپریشن غالباً یکم یا ۲؍دسمبر کو ہوگا۔ اگرچہ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ وہ دس یا بارہ روز میں ہسپتال سے نکل آئیں گے، لیکن سفر کے قابل ہونے میں ان کو کم از کم دو ہفتے درکار ہیں۔

میرے دفتر میں ایئر کنڈیشنر کے قریب والی الماری میں وِل ڈورانٹ کی اسٹوری آف سویلیزیشن[2] کی غالباً ۴ یا ۵ جلدیں رکھی ہیں۔ ان کے پورے نام لکھ کر مجھے جلدی بھیج دیں تاکہ اس کی بقیہ جلدیں جو میرے پاس نہیں ہیں، یہاں سے لیتا آؤں۔

مرکز میں سب رفقا کو سلام کہہ دیں اور گھر میں میری تازہ کیفیت سے مطلع کر دیں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

مکرر: ڈربن والوں کو یہاں سے جواب بھیج دیا جائے گا۔[3] "کوہستان" کا تراشا میں نے لیتے کے اسلامک مشن والوں کو دے دیا ہے وہ اصل معاملہ کی وضاحت ایک مراسلہ کے ذریعہ سے کر دیں گے جو روزنامہ "کوہستان" اور "نوائے وقت" ہفت روزہ "ایشیا" اور "آئین" کو بھیج دیا جائے گا۔[4]

۱۔ مولانا ۲۹ دسمبر ۱۹۶۸ء کو واپس لاہور پہنچے۔

۲۔ ولیم جیمز ول ڈورانٹ (۵ نومبر ۱۸۸۵ء — ۷ نومبر ۱۹۸۱ء) امریکی مورخ، متعدد کتب کے مصنف ۔ ۱۹۶۸ء میں "پلٹزر پرائز" ملا ۔ ان کی مذکورہ کتاب گیارہ جلدوں پر مشتمل ہے ۔

۳۔ مولانا مودودی کو ، نومبر ۱۹۶۸ء میں Islamic Propagation Center ڈربن کی طرف سے فریضۂ حج کے فوراً بعد ، جنوبی افریقہ کا تبلیغی دورہ کرنے کی دعوت دی گئی تھی ۔ چونکہ مولانا لندن میں زیرِ علاج تھے ، اس لیے انھیں دعوت نامہ وہیں بھیجا گیا تھا، مگر مولانا اس سفر پہ نہ جا سکے ۔

۴۔ لندن میں مقیم ایک پاکستانی نے نومبر ۱۹۶۸ء میں ، پاکستانی اخبارات کو ایک مراسلہ لکھا کہ: "میں یکم ستمبر ۱۹۶۸ء کو اسلامک سنٹر میں مولانا کے ارشادات سننے گیا تھا ، کہ مجھے اندر نہ جانے دیا گیا اور وہاں پہ موجود افراد نے مجھے زدو کوب کیا ۔ پولیس نے مجھے چھڑایا ۔ میں نے اسلامک سنٹر کو بدنامی سے بچانے کے لیے قانونی چارہ جوئی نہ کی ۔" —— یو کے اسلامک مشن برطانیہ کے سیکرٹری جنرل رشید احمد صدیقی نے اخبارات میں اس کذب بیانی کی تردید کرتے ہوئے کہا "اسلامک مشن کی پانچویں سالانہ کانفرنس ۳۱ اگست تا ۲ ستمبر ۱۹۶۸ء کے دوسرے روز ، جبکہ مولانا مودودی کو کانفرنس میں نہ آنا تھا، اس روز چودھری غلام محمد نے شرکت فرمائی ۔ یہ نشست صرف ارکان پر مشتمل تھی، عام نہ تھی ۔ چودھری صاحب شرقِ اوسط پر تقریر کے بعد سوالات کے جواب دے رہے تھے کہ اسی دوران ایک صاحب ، جو پوری طرح ہوش میں نہ تھے ، اور جو یہاں اس حیثیت سے معروف ہیں کہ مختلف جلسوں میں ہنگامہ کرانے کا ذریعہ بنتے ہیں ، انھوں نے اس خصوصی نشست میں مداخلت کی کوشش کی اور شرکت پر بضد ہوئے ۔ ہال میں کوئی ہنگامہ نہ ہوا ، اور نہ کوئی ہاتھا پائی ہوئی ۔ دو افراد ان کو باہر لے گئے ، اور اجلاس جاری رہا ۔ لیکن باہر جاتے ہی ان صاحب نے ہُلّڑ بازی شروع کر دی ۔ انھوں نے پاکستانی اخبارات کو جتنی باتیں لکھیں ، وہ محض افترا پر مبنی ہیں۔" "ایشیا" لاہور ۔ یکم دسمبر ۱۹۶۸ء ۔

خواجہ عابد نظامی

عابد نظامی (پ ۲۱ اگست ۱۹۳۶ء ، لاہور) ابتدائی تعلیم کے بعد صحافت کا پیشہ اختیار کیا ۔ ہفت روزہ "شہاب" ، ماہنامہ "تعمیر انسانیت" اور "سیارہ ڈائجسٹ" سے منسلک رہے ۔ ۱۹۷۱ء تا ۱۹۸۸ء ماہنامہ "ضیائے حرم" ، لاہور کے مدیر رہے ۔ مستند ہومیو پیتھک ڈاکٹر بھی ہیں ، اور ان دنوں لاہور میں پریکٹس کرتے ہیں ۔ ان کا شمار ممتاز نعت گو شعراء میں ہوتا ہے ۔ تصانیف و تالیفات * ہمارے حضورؐ * یارانِ نبی * اولیائے امت * اعترافِ عظمت ، وغیرہ ۔ بچوں کے لیے بھی متعدد کتب تحریر کی ہیں۔

۱۲۳

مکتوب الیہ ، علامہ اقبال اور مولانا مودودی کے روابط پر مضمون لکھنا چاہتے تھے، اس ضمن میں انھوں نے مولانا مودودی سے چند استفسارات کیے ، مولانا نے اس کا حسبِ ذیل جواب دیا:

[لاہور]

۳ر مئی ۱۹۶۹ء]

محترمی و مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا ۔ علامہ اقبالؒ مرحوم سے میری خط و کتابت ایک سے زائد مرتبہ ہوئی تھی ۔ وہ مراسلت میرے پاس محفوظ تھی، مگر مشرقی پنجاب کے ہنگاموں میں جب پٹھان کوٹ سے نکلنا پڑا تو میری بہت سی قیمتی کتابوں اور اہم ریکارڈ کے ساتھ ساتھ یہ مراسلت بھی وہیں رہ گئی۔

آپ ۳۷۔ اے جوہر آباد میں چودھری نیاز علی خان صاحب کو لکھ کر دریافت کریں ۔ شاید وہ دارالاسلام کے کاغذات پٹھان کوٹ سے لانے میں کامیاب ہوتے

ہوں اور اُن کے پاس اس مراسلت کی کچھ نقلیں محفوظ ہوں۔[1]

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ بعدازاں عابد نظامی نے: "کیا مولانا مودودی علامہ اقبال کی دعوت پر پنجاب آئے تھے؟" کے زیرِ عنوان ایک مضمون تحریر کیا ("ایشیا" ۱۹ اپریل ۱۹۷۰ء) یہ مضمون پروفیسر رحیم بخش شاہین کی مرتبہ کتاب "اوراقِ گم گشتہ" میں بھی شامل ہے۔

امجد حسین

سید امجد حسین (پ: مئی ۱۹۱۹ء رم داس ، امر تسر) ایم اے او کالج امرت سر، اور دیال سنگھ کالج لاہور سے تعلیم پائی ۔ ۱۹۴۹ء میں روزنامہ "امروز" لاہور سے وابستہ ہو گئے ۔ ترقی پسند تحریک سے بھی تعلق رہا ۔ ۱۹۵۳ء تا ۱۹۸۰ء "پاکستان ٹائمز" لاہور کے رپورٹر، چیف رپورٹر ، اور قائم مقام ایڈیٹر کی ذمہ داریوں پر فائز رہے ۔ آل انڈیا ریڈیو ، اور بعد ازاں پاکستان ٹیلی ویژن میں بھی ملازمت کی ۔ ریٹائرمنٹ کے بعد ہفت روزہ "پاکستان گلف اکانومسٹ" سے وابستہ ہو گئے ۔ تصانیف : * جملۂ معترضہ * میرا گریبان * پنجابی ڈرامے ۔

۱۲۴

اکتوبر ۱۹۵۸ء میں جنرل محمد ایوب خاں نے ۱۹۵۶ء کا دستور منسوخ کر کے مارشل لا نافذ کر دیا۔ ۱۹۶۲ء میں مارشل لا سے نجات ملی ، اور ۱۹۶۲ء کا دستور نافذ ہوا، لیکن ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو جنرل آغا محمد یحییٰ خاں نے ۱۹۶۲ء کا دستور منسوخ کر کے پاکستان کی تاریخ کا دوسرا مارشل لا نافذ کر دیا ۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ملکی مسائل و معاملات الجھتے گئے ، اور ان میں شدّت بھی پیدا ہوتی گئی ۔ ملک آئینی اور سیاسی انتشار کا شکار تھا ۔ چند ماہ بعد "پاکستان ٹائمز" کے چیف رپورٹر امجد حسین صاحب نے مختلف سیاست دانوں کو مندرجہ ذیل سوال نامہ روانہ کیا ۔ (اصل سوال نامہ انگریزی میں تھا):

"۱ ۔ آپ کے نزدیک ملکی انتخابات کے فوری انعقاد کے لیے کون سے اقدامات ضروری ہیں ۔؟

۲ ۔ کیا آپ ایک ایسی نئی دستور ساز اسمبلی کے حق میں ہیں، جس کی مدّتِ کار متعین ہو؟ اور اگر آپ کا خیال اس کے برعکس ہے ، تو اس کے اسباب کیا ہیں؟

۳ ۔ کیا متبادل کے طور پر آپ پارلیمنٹ کے انتخابات کے حامی ہیں؟ تو پھر دستوری مسائل میں کس طریقے سے اتفاق رائے حاصل کیا جا سکے گا ؟

۴ ۔ وہ کون سے بڑے مسائل ہیں، جو تصفیہ طلب ہیں ؟

۵ ۔ کیا آپ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان برابری یعنی Parity ، کے حامی ہیں یا اسمبلی میں نمائندگی ، آبادی کی بنیاد پر ہونی چاہیے ؟

۶ ۔ کیا آپ "ون یونٹ" کے حامی ہیں ؟ اگر نہیں ، تو آپ کے نزدیک متبادل نظامِ کار کیا ہونا چاہیے؟ مغربی پاکستان میں مواصلات ، بجلی اور آب پاشی کے شعبوں کو کیسے چلایا جائے ؟

۷ ۔ آپ کے نزدیک صوبائی خود مختاری کی حدود کیا ہونی چاہییں؟ کیا اس مسئلے کا حل موجودہ مارشل لا حکومت کو کر لینا چاہیے یا آیندہ پارلیمان پر چھوڑ دینا چاہیے ؟

۸ ۔ آپ پاکستان میں پارلیمانی طرزِ حکومت کی کامیابی اور استحکام کا کس قدر امکان پاتے ہیں؟ جب کہ اس ملک میں بارہ سے زائد سیاسی پارٹیاں موجود ہیں؟"

مولانا کو بھی یہ سوال نامہ موصول ہوا، آپ نے اردو میں اس کا حسبِ ذیل جواب دیا :

[لاہور]

[۱۲. نومبر ۱۹۶۹ء]

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

۱۔ میرے نزدیک انتخابات جلدی سے جلدی منعقد ہونے کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ ۱۹۵۶ء کے دستور کو ان کی بنیاد قرار دے کر انتخابات کرا لیے جائیں۔ اس میں جتنی دیر بھی لگائی جائے گی۔ نئے نئے جھگڑے اور اختلافات اُبھرتے چلے جائیں گے اور انتخابات کی راہ میں بے اندازہ مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔

۲۔ مجھے اِس تجویز سے سخت اختلاف ہے۔ نئی دستور ساز اسمبلی کے معنی یہ ہیں کہ پہلے جن مسائل کا تصفیہ کر کے دستور بنا چکا تھا وہ سب بھی از سرِ نو بحث و نزاع کے لیے کھل جائیں، اور مزید نئے اختلافی مسائل بھی سامنے آجائیں۔ اِس طرح نیا دستور بنانے میں پہلے سے بھی زیادہ مشکلات حائل ہو جائیں گی۔ اگر نئی دستور ساز اسمبلی کے لیے کوئی مدت مقرر کر دی جائے جس کے اندر دستور بنا دینے کی وہ پابند کر دی گئی ہو، تو اِس صورت میں دو ہی صورتیں پیش آسکتی ہیں، اور وہ دونوں ملک کے لیے تباہ کن ہیں۔ ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اِس مدت کے اندر اسمبلی دستور نہ بنا سکے اور مدت ختم ہونے کے

ساتھ ہی آپ سے آپ اس کا وجود ختم ہو جاتے۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ملک میں فوجی حکومت جاری رہے اور مستقبل میں اندھیرے کے سوا کچھ نہ ہو۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس مدت کا بڑا حصہ اسمبلی اختلافی بحثوں میں گنوا دے اور جب مدت ختم کے قریب آجائے تو ایک کچا پکا دستور بنا کر پھینک دے۔ اس صورت میں جو دستور بنے گا وہ مشکل ہی سے کسی کو مطمئن کر سکے گا اور اس پر عمل در آمد سخت دشوار ہو گا۔

۳۔ یہ تجویز بھی قابلِ عمل نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ نیا دستور بنانے تک پارلیمنٹ کو ملک کا نظام چلانے کے لیے کسی عبوری دستور کی ضرورت ہو گی۔ یہ عبوری دستور آخر کون دے گا اور کس اختیار کی بنا پر دے گا؟ کوئی دستور، خواہ وہ عبوری نوعیت کا ہی ہو، اگر عوام کے نمائندوں کا بنایا ہوا نہ ہو تو اس کی پشت پر کسی قسم کی عوامی تائید نہ ہو گی، بلکہ وہ اوپر سے مسلط کیا ہوا دستور ہو گا۔ جو دستور ساز اسمبلی با اختیار پارلیمنٹ کی حیثیت رکھتی ہو اسے اس بات کا پابند بھی نہ کیا جا سکے گا کہ وہ ایک خاص مدت کے اندر دستور بنا دے۔ یہ پابندی اگر لگائی جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اصل اختیارات پارلیمنٹ کے پاس نہیں ہیں، بلکہ اس طاقت کے پاس ہیں جو اسے پابند کرنے والی ہے اور مدتِ مقررہ کے اندر دستور نہ بنانے کی صورت میں وہ طاقت پارلیمنٹ کو رخصت کر کے پھر اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لینے کی مجاز ہے، اور اگر ایسی کوئی پابندی نہ ہو تو نہیں کہا جا سکتا کہ کتنی مدت تک عبوری دستور ہی ملک میں نافذ رہے گا، جو کسی نمائندہ اسمبلی کا بنایا ہوا نہ ہو گا۔

۴۔ بڑے بڑے مسائل جو اس وقت تصفیہ طلب ہیں، وہ یہ ہیں:

۱۔ وَن یونٹ توڑ دیا جائے یا نہیں؟ اگر توڑ دیا جائے تو متبادل انتظام کیا ہو؟

۲۔ مشرقی اور مغربی پاکستان میں جو مساوات ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۲ء کے دستوروں میں قائم کی گئی تھی وہ باقی رکھی جائے یا ختم کر دی

جائے؟ اگر اسے ختم کر دیا جائے تو متبادل صورت کیا ہونی چاہیئے؟

۴۔ صوبائی خود مختاری کے حدود کیا ہوں؟

۵-۶-۷۔ ان مسائل کے بارے میں اس حد تک تو قریب قریب تمام سیاسی جماعتوں کے درمیان اتفاق ہے کہ جب مغربی پاکستان کے سابق چھوٹے صوبوں کے لوگ وَن یونٹ سے راضی نہیں ہیں، تو اسے توڑ دیا جائے، اور مشرقی پاکستان کے لوگ اگر آبادی کی بنیاد پر نمائندگی چاہتے ہیں تو ان کی بھی یہ خواہش ضرور پوری کی جائے اسی طرح مشرقی پاکستان کو زیادہ سے زیادہ علاقائی خود مختاری دینے پر بھی سب کا اتفاق ہے۔ لیکن اصل تصفیہ طلب سوالات یہ ہیں کہ وَن یونٹ اور پیریٹی کی جگہ متبادل انتظامات کیا ہوں اور علاقائی خود مختاری کی حدود کیا رکھی جائیں۔ میری قطعی رائے یہ ہے کہ ان امور کا فیصلہ کرنا ایک نمائندہ اسمبلی ہی کا کام ہے جو انتخابات کے بعد وجود میں آئے۔ انتخابات سے پہلے کسی کی کوئی نمائندہ حیثیت نہیں ہے کہ اس کی رائے اور صوابدید کے مطابق یہ مسائل پہلے ہی طے کر دیے جائیں۔ زیادہ سے زیادہ جو کچھ ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ سیاسی جماعتیں ان امور پر باہم کوئی سمجھوتہ کر کے اس بات کی پابندی قبول کر لیں کہ انتخابات میں ان کے جو نمائندے کامیاب ہو کر اسمبلی میں جائیں گے وہ اس سمجھوتے کے مطابق ۱۹۵۶ء کے دستور میں ترمیم کرنے کی کوشش کریں گے۔

۸۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس وقت ملک میں جو بارہ پارٹیاں پائی جاتی ہیں ان میں سے اکثر کا کوئی وجود اخبارات کے کالموں کے سوا کہیں نہیں ہے۔ انتخابات میں یہ کاغذی پارٹیاں آپ سے آپ ختم ہو جائیں گی اور چند ہی پارٹیاں ایسی رہ جائیں گی جن کی معتدبہ تعداد اسمبلی میں داخل ہو گی۔ ان پارٹیوں کو اوّل تو ملک کا نظام چلانے کے لیے قابلِ عمل ذمہ دارانہ رویہ اختیار کرنا ہو گا، لیکن اگر وہ ایسا نہ کریں تو اسمبلی کو توڑ کر از سرِ نو انتخابات کرانے ہوں گے تاکہ رائے دہندے زیادہ بصیرت کے ساتھ اپنے نمائندے منتخب کریں۔

QUESTIONNAIRE

1 What steps, in your opinion, should be taken to enable elections to be held as early as possible?

2. Do you favour election of a Constituent Assembly with a fixed deadline for the completion of its task? If not, state your reasons.

3. Alternatively, do you favour election to a Parliament-cum-C.A.? If so, on what provisional constitutional basis will the Parliament function? How can a consensus be secured on this basis?

4. What are the main issues on which a consensus would be required?

5. Are you in favour of parity or representation on population basis?

6. Are you in favour of One Unit? If not, what alternative arrangement do you envisage? Who will be responsible for West Pakistan's communication, power and irrigation networks, to mention three obvious common subjects?

7. What are your views on the extent of autonomy which the Provinces should have? Should this issue be decided now or left to the elected representatives of the people?

8. How would you ensure stability of government under the parliamentary system in view of the fact that there are as many as 12 political parties in the country?

۱ - میرے نزدیک انتہائی اشتباہ ہے کہ جلد یا منعقد ہونے کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ ۱۹۵۶ کے دستور کو ان کی بنیاد قرار دے کر انتخابات کرا لیے جائیں -
اس میں جتنی دیر لگائی جائے گی نئے نئے جھگڑے اور اختلافات ابھرتے چلے جائیں گے اور انتخابات کی راہ میں بے اندازہ مشکلات پیدا ہو جائیں گی -

۲ - مجھے اس تجویز سے سخت اختلاف ہے - نئی دستور ساز اسمبلی کے معنی یہ ہیں کہ پہلے جن مسائل کا تصفیہ کر کے دستور بنایا جا چکا تھا وہ سب بھی از سر نو بحث و نزاع کے لیے کھل جائیں اور مزید نئے اختلافی مسائل بھی سامنے آ جائیں - اس طرح نیا دستور بنانے میں پہلے سے بھی زیادہ مشکلات پیش آئیں گی - اگر نئی دستور ساز اسمبلی کے لیے کوئی متعین مدت مقرر کر دی جائے جس کے اندر دستور بنا دینے کی وہ پابند کر دی گئی ہو، تو اس صورت میں دو ہی صورتیں پیش آ سکتی ہیں، اور وہ دونوں ملک کے لیے تباہ کن ہیں -
ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس مدت کے اندر اسمبلی دستور نہ بنا سکے اور مدت ختم ہونے کے ساتھ ہی آپ سے آپ اس کا وجود ختم ہو جائے - اس کا معنی یہ ہوں گے کہ ملک میں فوجی حکومت جاری رہے اور مستقبل میں اندھیرے کے سوا کچھ نہ ہو - دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس مدت کا بڑا حصہ اسمبلی اختلافی بحثوں میں گزار دے اور جب مدت ختم کے قریب آئے تو ایک کچا پکا دستور بنا کر پھینک دے - اس صورت میں جو دستور بنے گا وہ مشکل ہی سے کسی کو مطمئن کر سکے گا، اور اس پر عمل درآمد سخت دشوار رہے گا -

۳ - یہ تجویز بھی قابل عمل نہیں ہے - کہ پہلے نیا دستور بنانے تک پارلیمنٹ کو ملک کا نظام چلانے کے لیے کسی عبوری دستور کی ضرورت ہو گی - یہ عبوری دستور آخر کون دے گا اور کس اختیار

بنا پر دے گا؟ کوئی دستور، خواہ وہ عبوری نوعیت کا ہی ہو، اگر عوام کے منتخب نمائندوں کا بنایا ہوا نہ ہو تو اس کی پشت پر کسی قسم کی عوامی تائید نہ ہوگی، بلکہ وہ اوپر سے مسلط کیا ہوا دستور رہے گا۔ جو دستور ساز اسمبلی بااختیار پارلیمنٹ کی حیثیت رکھتی ہو اسے اس بات کا پابند بھی نہ کیا جا سکے گا کہ وہ ایک خاص مدت کے اندر دستور بنا دے۔ یہ پابندی اگر لگائی بھی جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اصل اختیارات پارلیمنٹ کے پاس نہیں ہیں بلکہ اس طاقت کے پاس ہیں جو اسے پابند کرنے والی ہے، اور مدت مقررہ کے اندر دستور نہ بنا سکنے کی صورت میں وہ طاقت پارلیمنٹ کو ختم کرکے پھر اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لینے کی مجاز ہے۔ اور اگر ایسی کوئی پابندی نہ ہو تو نہیں کہا جا سکتا کہ کتنی مدت تک عبوری دستور اپنی جگہ نافذ رہے گا، جو کسی نمائندہ اسمبلی کا بنایا ہوا نہ ہوگا۔

~~[illegible]~~

۴ - بعض اہم مسائل جو اس وقت تصفیہ طلب ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) ون یونٹ توڑ دیا جائے یا نہیں؟ اگر توڑ دیا جائے تو متبادل انتظام کیا ہو؟

(۲) مشرقی اور مغربی پاکستان میں جو مساوات ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۲ء کے دستوروں میں قائم کی گئی تھی وہ باقی رکھی جائے یا ختم کر دی جائے؟ اگر ختم کر دیا جائے تو متبادل صورت کیا ہونی چاہیے؟

(۳) صوبائی خودمختاری کے حدود کیا ہوں؟

۵ - ۶ - ۷ - میں ان مسائل کے متعلق اپنی ایک انفرادی رائے ضرور رکھتا ہوں، لیکن چونکہ میں ایک جماعت

کا سربراہ ہوں۔ اسلیے جب تک میری جماعت کی مجلس شوریٰ ان مسائل کے متعلق اپنا موقف متعین نہ کر دے اس وقت تک میں اپنی ذاتی آراء کا اظہار مناسب نہیں سمجھتا۔ اس مرحلے پر جو بات میں ذمہ داری کے ساتھ کہہ سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ ان مسائل کا فیصلہ کرنا ایک نمائندہ اسمبلی ہی کا کام ہے جو انتخابات کے بعد وجود میں آئے۔ انتخابات سے پہلے کسی کی کوئی نمائندہ حیثیت نہیں ہے کہ اسکی رائے اور جواب دہی کے مطابق یہ مسائل
اسوقت ۱۹۵۶ء کا دستور تسلیم کر کے انتخابات کرا لیے جائیں اور
پہلے ہی طے کر دیے جائیں۔ زیادہ سے زیادہ جو کچھ ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ سیاسی جماعتیں ان امور پر باہم کوئی سمجھوتہ کر لیں اس بات کی پابندی قبول کر لیں کہ انتخابات میں ان کے جو نمائندے کامیاب ہو کر اسمبلی میں پہنچیں وہ اس سمجھوتے کے مطابق ۱۹۵۶ء کے دستور میں ترمیم کرنے کی کوشش کریں گے

* داخل ہو گی۔ ان پارٹیوں کو اول تو ملک کا انتظام چلانے کے لیے قابل عمل ذمہ دارانہ رویہ اختیار کرنا ہوگا۔ لیکن اگر وہ ایسا نہ کریں تو اسمبلی کو توڑ کر از سر نو انتخابات کرانے ہوں گے تاکہ رائے دہندے زیادہ بصیرت کے ساتھ اپنے نمائندے منتخب کریں

۸۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت ملک میں جو بارہ پارٹیاں پائی جاتی ہیں ان میں سے اکثر کا کوئی وجود اخبارات کے کالموں کے سوا کہیں نہیں ہے۔ انتخابات میں یہ ختم ہو جائیں گی اور چند ہی پارٹیاں ایسی رہ جائیں گی جن کی معتد بہ تعداد اسمبلی میں آ سکے گی *

والسلام

خاکسار

ابوالاعلیٰ

---

۱ - پاکستان میں آئین سازی کے عمل میں درپیش بعض رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے ۱۹۵۴ء میں، ملک کے دونوں حصوں (مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان) کے لیے مقننہ میں مساوی نمایندگی (Parity) کا اصول طے ہوگیا تھا۔ چودھری محمد علی کی وزارتِ عظمیٰ کے زمانے میں پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے ۳۰ ستمبر ۱۹۵۵ء کو وحدتِ مغربی پاکستان کا ایکٹ منظور کیا۔ اس کا نفاذ ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو ہوا، اس طرح صوبہ پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کے علاوہ مغربی پاکستان کی ریاستوں مثلاً بہاول پور، قلات، وغیرہ کی حکومتیں ختم ہوگئیں اور صوبہ مغربی پاکستان کے نام سے "ون یونٹ" کا قیام عمل میں آیا لیکن بعد ازاں دوسرے مارشل لا ایڈ منسٹریٹر جنرل یحییٰ خاں نے ۲۸ نومبر ۱۹۶۹ء کو ایک فرمان کے ذریعے ون یونٹ کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔

۱۲۵

[لاہور]

[۱۷۔ مارچ ۱۹۷۰ء]

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ جو قادیانی مرزا غلام احمد کو نبی مانتے ہیں۔ وہ میرے نزدیک قطعی کافر ہیں۔ خواہ وہ مسلمانوں کو کافر کہیں یا نہ کہیں۔

رہے لاہوری مرزائی تو میں ان کو منافق کہتا ہوں۔ علماء ان کو کافر قرار دیتے ہیں۔ مجھے اس سے بھی اختلاف نہیں ہے کیونکہ منافق اصل میں کافر ہی ہوتا ہے۔

جو شخص مسلمان سے مرزائی ہو گا وہ مرتد ہو گا اور مرتد کی سزا کے متعلق کوئی شخص میرا مسلک معلوم کرنا چاہے تو وہ میری کتاب "مرتد کی سزا اسلامی قانون میں" دیکھ لے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

محمد اشرف

محمد اشرف خاں کا تعلق کوٹ نجیب اللہ، ضلع ہزارہ سے ہے۔ "درس اقبال" کے نام سے انھوں نے ایک کتاب علامہ اقبال پر عنایت اللہ مشرقی کے اعتراضات کے جواب میں لکھی، جو راولپنڈی سے ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئی تھی۔

۱۲۶

[لاہور]
[۲۲ جولائی ۱۹۷۰ء]

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ مل گیا تھا۔ آپ نے جس جذبے کے تحت اسے تحریر فرمایا ہے وہ قابلِ قدر ہے لیکن آپ نے جس انداز سے اور جن دلائل کی بنا پر مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے باب میں بے ادب اور گستاخ قرار دیا ہے، یہ میرے لیے انتہائی صدمے اور رنج و ملال کا باعث ہے۔ ایک مسلمان کے خلاف ایسا سنگین الزام عائد کر دینا اسے ماں بہن کی گالی دینے سے بھی اشد ہے۔ کیا کوئی مسلمان بارگاہِ نبوت میں سوءِ ادب کا ارتکاب کر سکتا ہے اور کرنے کے بعد مسلمان بھی رہ سکتا ہے؟

آپ لکھتے ہیں کہ جب بھی میں نے تیری تحریر پڑھی ..... لیکن آپ نے میری صرف دو عبارتوں کا حوالہ دیا ہے جو در اصل لمبے مضمون کے ٹکڑے ہیں جنھیں

الگ کر کے شائع کر دیا گیا ہے۔ ان چند فقروں میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چونکہ صیغہ واحد غائب استعمال ہوا ہے، تو آپ نے بس یہ سمجھ لیا کہ میں ہمیشہ آنحضورؐ کے لیے یہی صیغہ استعمال کرتا ہوں اور اس کے بعد آپ نے یہ بھی فیصلہ کر دیا کہ واحد صیغے کا استعمال بے ادبی و گستاخی ہے حالانکہ یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر آپ میری تحریروں کا کچھ مزید مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ بالعموم میں رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جمع ہی کا صیغہ استعمال کرتا ہوں۔ البتہ یہ بات بھی درست ہے کہ بعض اوقات ادبی زبان اور اسلوب بیان کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے صیغہ واحد بھی استعمال کیا ہے اور انسان کی نیت ہی میں فتور نہ ہو تو صیغہ واحد بھی ادب و احترام کے منافی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے بڑھ کر کس کا احترام و اکرام واجب ہوگا مگر اس کے لیے ہم واحد ہی کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔ جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کا تعلق ہے، آپ کے متعلق ہماری اُردو زبان کے علماء و ادباء کے کلام میں صیغہ واحد کی مثالیں بکثرت مل سکتی ہیں۔ آپ نے چونکہ بعض شعرا کے اشعار درج کیے جن میں بارگاہ نبویؐ میں ہدیہ عقیدت پیش کیا گیا ہے، اس لیے میں آپ کے سامنے چند ایسے اشعار رکھتا ہوں جن میں صیغہ واحد مستعمل ہے:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مُرادیں غریبوں کی بر لانے والا
اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا!!
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا!

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہے
اُمت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

(مولانا حالیؔ)

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں!

(مولانا ظفر علی خان)

کرم اے شہِ عرب و عجم، کہ کھڑے ہیں منتظرِ کرم!
وہ گدا کہ تُو نے عطا کیا ہے جنھیں دماغِ سکندری

(اقبالؔ)

آپ خود بتائیں کہ یہ اشعار کیا محبت و عقیدت سے مملو اور لبریز نہیں ہیں حالانکہ ان میں صیغۂ واحد ہی آیا ہے؟

آپ نے یہ بجا طور پر لکھا ہے کہ آپ کسی بحث میں الجھنا نہیں چاہتے بلکہ جس فعل کو غلط سمجھا لکھ دیا۔ میری جوابی گذارش بھی یہی ہے کہ مَیں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مقصد بھی بحث کو بڑھانا نہیں۔ بس مَیں نے یہ مناسب سمجھا کہ ایک مسلمان بھائی بلا وجہ بدگمانی کا شکار نہ رہے اور ایک ایسے مسلمان بھائی کو توہینِ رسالتؐ کا مرتکب نہ قرار دے جسے ختمِ نبوّت کے تحفظ و اثبات اور ایک متنبّی کاذب کے ابطال کی خاطر پھانسی کی سزا سنائی گئی۔ اس لیے اپنی حد تک اپنے اوپر غلط الزام رفع کرنے کی سعی کر دی واللہ اعلم بالصواب۔

مجھے چونکہ ہر ماہ سینکڑوں خطوط کے جواب دینے پڑتے ہیں اور میری صحت کمزور اور مصروفیت شدید رہتی ہے، اس لیے افسوس ہے کہ اس خط کی ترسیل میں تاخیر ہو گئی جس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ "مسدس حالی" کا ذکر کرتے ہوئے ، ایک بار مولانا مودودی نے اس خیال کا اظہار کیا: "اس موضوع پر [اردو میں] آج تک اس مرتبے کی اور کتاب نہیں لکھی گئی ، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں حالی نے کمال یہ کیا ہے کہ کوئی چیز شریعت کے خلاف نہیں ہے ، حالانکہ شاعری میں عام طور پر مبالغہ اور تجاوز ہو ہی جاتا ہے ۔ حالی شیعہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے، مگر خود سنی ہو گئے تھے۔" (گفتار و افکار ۔ ص ۱۴۲) ——ایک اور موقع پر فرمایا: "مولانا حالی نے نعت میں نہایت درجے احتیاط ملحوظ رکھی ہے ، ان کی نعت : اے خاصۂ خاصان رسل ، وقتِ دعا ہے، بہت اچھی نظم ہے ۔" (ایضاً ۔ ص ۱۴۴)

۲ ۔ خط موصول ہونے کے بعد اشرف صاحب نے مولانا کو لکھا: "مجھے آپ کے عشقِ رسولؐ کو جانچنے کا نہ کوئی حق ہے، نہ میں نے ایسی کوشش کی ۔ میں آپ سے کلّی طور پر متفق ہوں کہ جس دل میں یہ چنگاری نہ ہو، وہ مسلمان نہیں ہو سکتا ۔ اللہ تعالیٰ اس نعمت سے کسی کو محروم نہ رکھے۔ مجھے افسوس ہے کہ میرا عریضہ ، میرے احساسات کو الفاظ کے پردوں میں پنہاں نہ کر سکا ، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے"۔ (غیر مطبوعہ خط :۲۸ جولائی ۱۹۷۰ء)

ڈاکٹر ممتاز احمد

ممتاز احمد (وطن: گوجر خاں، پنجاب) ایم اے سیاسیات کراچی یونی ورسٹی ۔ بعد ازاں امریکن یونی ورسٹی بیروت سے حصولِ تعلیم کے بعد "نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن" (NIPA) کراچی میں انسٹرکٹر مقرر ہوئے ۔ چند سال بعد پی ایچ ڈی کے لیے شکاگو یونی ورسٹی چلے گئے ۔ پھر کولمبیا کالج شکاگو اور شکاگو اسٹیٹ یونی ورسٹی میں تدریسی فرائض انجام دیے ۔ ساؤتھ ویسٹ ایشین افیرز، واشنگٹن کے مشیر اور اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ کے فارن سروس انسٹی ٹیوٹ میں استاد رہے ۔ امریکا جانے سے پیشتر ادارہ معارفِ اسلامی، کراچی کے رفیق اور "چراغ راہ" کی مجلسِ ادارت سے بھی منسلک رہے ۔ تصانیف : * مسئلہ کشمیر (۱۹۶۹ء)

* Bureaucracy and Political Development in Pakistan (1974) * Studies in Local Government and Rural Development in Pakistan (1976) * State, Politics and Islam, (ed) 1987.

۱۲۷

بقول مکتوب الیہ : اس خط کا سیاق و سباق یہ ہے کہ ادارہ معارف اسلامی ، کراچی میں قیام کے دوران خاکسار نے "مسئلہ کشمیر" کا مسودہ تیار کیا تھا ۔ مولانا مودودی مرحوم ادارے کے صدر تھے اور مسئلہ کشمیر میں بہت دلچسپی رکھتے تھے ، چنانچہ میں نے مسودے کے مکمل ہونے کے بعد ساری فائل مولانا کو بھجوا دی کہ وہ دیکھ لیں (مولانا نے اس خواہش کا اظہار خود بھی کیا تھا) ۔ مولانا نے پورے مسودے کو حرفاً حرفاً پڑھا ، زبان و بیان کی اصلاح فرمائی اور متعدد جگہوں پر حاشیے میں بہت مفید اور تجزیاتی نوٹ لکھے ، کہ "یہاں یہ بڑھا دیں یا حذف کر دیں" ۔ مولانا نے کئی مقامات پر نئے نکات بھی تجویز فرمائے ۔ زبان کی کچھ غلطیاں ایسی تھیں، جنھیں میں نے کتاب کے مسودے میں بار بار دُہرایا تھا: مولانا نے ہر جگہ ان کی اصلاح کی ۔ اس سب کچھ کے باوجود میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں اپنے پیش لفظ میں تو مولانا مودودی کا شکریہ ادا کروں گا، مگر کتاب کے سرورق پر یہ ہرگز نہ لکھنے دوں گا کہ اس کتاب کی نظر ثانی مولانا نے کی ہے ۔ اس کی

وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں یہ کچھ دستور سا بن چلا تھا کہ کچھ لوگ اپنی کتاب کی پبلسٹی کی خاطر، اور پبلشر حضرات، جماعت کے سیدھے سادے کارکنوں کی جیبوں پر ڈاکا مارنے کی خاطر، کتب کے سرورق پر ""نظرثانی از مولانا مودودی" وغیرہ لکھ دیا کرتے تھے۔ میں مولانا مودودی کے نام کو اس Cheap انداز میں بیچنا غلط سمجھتا تھا۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۶۹ء میں جب میں بیروت کے لیے روانہ ہوا، تو میں نے اپنے پبلشر سے صاف صاف کہہ دیا کہ سرِورق پر مولانا کا نام نہیں آئے گا۔ کتاب بکے گی تو اپنے وزن اور معیار پر بکے گی۔ تاہم پاکستان سے میری غیر حاضری کے دوران پبلشر صاحب نے جو کچھ کرنا تھا وہ کیا، یعنی مجھ سے پوچھے بغیر مولانا کا نام "مسئلہ کشمیر" کے اندر کے ٹائٹل پر چھاپ دیا۔۔۔۔ مجھے کتاب ۱۹۷۰ء میں بیروت میں ملی، تو میں نے ایک خط پبلشر کو لکھ احتجاج کیا اور ایک خط مولانا مودودی کی خدمت میں لکھا: "اگرچہ میں اس بات کو اپنے لیے بہت بڑی سعادت سمجھتا ہوں کہ آپ کا نام میری کتاب کے سرِورق پر چھپے اور میرے نام کے ساتھ چھپے، لیکن میں اخلاقی طور پر اسے درست نہیں سمجھتا تھا، اس لیے میں نے پبلشر صاحب کو منع کر دیا تھا۔" میں دراصل مولانا کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ اس فعل میں میری مرضی شامل نہ تھی، اور ان سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ کیا کسی نے ان سے اجازت تو نہیں لی، مولانا نے، جیسا کہ خط سے ظاہر ہے لکھا: "ان سے بھی کسی نے نہیں پوچھا تھا۔" مکتوب بنام، رفیع الدین ہاشمی، ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۷ء۔

لاہور

۸ اکتوبر ۱۹۷۰ء

عزیزم ممتاز صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط مورخہ ۲۸ ستمبر ملا، جس سے یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ آپ امریکی جامعہ بیروت میں بڑی کامیابی کے ساتھ اپنی تعلیم مکمل کر رہے ہیں دعا کرتا ہوں کہ آپ کا مقالہ بھی خوبی کے ساتھ مکمل ہو اور آپ امتیازی کامیابی حاصل کریں۔

آپ کی کتاب کے سرورق پر میری نظر ثانی کا ذکر جن صاحب نے بھی کیا ہے، مجھ سے پوچھے بغیر ہی کیا ہے۔ اب آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ بھی اس معاملے سے بے خبر تھے، معلوم نہیں کہ جن صاحب نے بھی یہ کام کیا ہے، انھوں نے اس کی ضرورت کیوں محسوس کی۔

میری طرف سے فتحی یکن صاحب[2] اور ابراہیم المصری[3] صاحب اور دوسرے احباب کو سلام پہنچا دیں۔ محمود برات[4] صاحب کا اس زمانے میں سوڈان جانا، کچھ احتیاط کے خلاف ہی تھا، خدا کرے وہاں خیریت سے رہیں، اپنی اہلیہ سے میرا سلام کہہ دیں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ جناب ظفراللہ خاں (پ: یکم اکتوبر ۱۹۳۵ء بجنور) اس کے ناشر تھے۔ المحراب لاہور نے اسے شائع کیا تھا۔ موصوف اُردو ڈائجسٹ، لاہور کی مجلسِ ادارت سے وابستہ ہیں۔ مزید دیکھیے: "جب وہ ناظمِ اعلیٰ تھے" اوّل۔

۲۔ فتحی یکن، لبنان کی الجماعۃ الاسلامیۃ کے امیر رہے، متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔

۳۔ ابراہیم المصری اُس زمانے میں "اخوان المسلمون" کے ہفت روزہ "الشہاب" (بیروت) کے مدیر تھے۔

۴۔ ڈاکٹر محمود عبداللہ برات (ف: جون ۱۹۸۸ء) سوڈان میں اخوان المسلمون کے ممتاز رہنما اور بلند پایہ لیڈر تھے۔ ۱۹۶۷ء میں ڈاکٹر مالک بدری کے ہمراہ پاکستان آئے اور یہاں جماعتِ اسلامی کے نظم اور طریقِ کار کا گہرا مطالعہ کیا۔ امریکن یونی ورسٹی بیروت سے ایم اے ایجوکیشن کے بعد ۱۹۷۰ء میں وطن واپس جانے کی تیاری کرنے لگے۔ سوڈان میں اس زمانے میں جنرل جعفر النمیری کے سوشلزم کا دور دورہ تھا، اور اخوان کے کارکنوں کی پکڑ دھکڑ جاری تھی۔ دوستوں نے انھیں منع کیا، مگر وہ جانے پر مُصر رہے۔ سوڈان پہنچتے ہی گرفتار کر لیے گئے اور کافی عرصہ جیل میں رہے۔ بہت دلیر، بہادر اور دین کی راہ میں ساری زندگی لگا دینے والے مجاہد تھے۔ ان پر جیل میں سخت تشدد کیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب، خرطوم یونی ورسٹی میں نفسیات اور تعلیم کے پروفیسر بھی رہے۔

جمیل احمد رانا

جمیل احمد رانا (پ : ۳۰ اپریل ۱۹۳۴ء ، جونڈلہ ، ضلع کرنال) ایر فورس میں ملازمت اختیار کی ۔ ۱۹۵۳ء میں مولانا کی تصنیف "پردہ" سے متاثر ہوئے ، اور اسی وقت سے زیرِ مطالعہ کتب کے نوٹس لینا معمول بنالیا ۔ اس وقت تک "مطالعۂ جمیل" کے زیر عنوان تقریباً تین ہزار صفحات پر مشتمل ان کے نوٹس کا ضخیم قلمی مسودہ ایک دلچسپ اور قیمتی یاد داشت کی صورت میں موجود ہے ۔ ۱۹۶۳ء میں مولانا مودودی کو ڈیرہ اسماعیل خاں میں پہلی مرتبہ دیکھا ، سنا اور ان کی تقریر "ایشیا" کے لیے رپورٹ کی ۔ نومبر ۱۹۶۴ء میں محترمہ فاطمہ جناح کی صدارتی انتخابی مہم کے لیے تھل کے دُور دراز علاقوں تک سفر کیا ۔ فروری ۱۹۶۶ء میں دو روزہ آل پاکستان نیشنل کانفرنس، لاہور میں اپنے ضلع کی نمایندگی کی ۔ بعد ازاں اپریل ۱۹۶۸ء میں "پاکستان تحریکِ جمہوریت" ضلع میانوالی کے سیکرٹری اطلاعات منتخب ہوئے ۔ مارچ ۱۹۶۹ء میں 'ادارہ دار الفکر لاہور' کے لیے متعدد مفید کتابچے مرتب کیے ۔ اکتوبر ۱۹۷۰ء کے بعد "آئین" "افریشیا" "نقیبِ ملت" اور "بادبان" وغیرہ کی مجالسِ ادارت کے رکن رہے ۔ ماہنامہ "راجپوت" اور "نوائے راجپوت" کی بھی ادارت کی ۔ بعد ازاں ادارہ معارفِ اسلامی منصورہ ، لاہور سے وابستگی اختیار کی ۔ تصانیف و تالیفات * عادلانہ دفاع اور علمائے اہلِ سنت * تذکرۂ سید مودودی (شریکِ مرتب) ، * "آئین" تفہیم القرآن نمبر (شریک مرتب) وغیرہ ۔

۱۲۸

رانا صاحب نے مولانا کو خط لکھا اور بہ قلمِ خود جواب دینے کی درخواست کی ۔ مولانا مودودی نے کمال شفقت سے انھی کے خط پر جواب حاشیے میں لکھ کر واپس روانہ کیا، اس لیے اس پر آداب و خطاب نہیں ہے ۔

(۱) ایصالِ ثواب دراصل ایک دُعا ہے جو اللہ تعالیٰ سے کی جاتی ہے کہ فلاں نیک عمل جو میں نے کیا ہے اس کا ثواب فلاں مرحوم کو عطا کر دیا جائے۔ اس دُعا کا قبول کرنا یا نہ کرنا ، اور اس مرحوم کو اس کی اطلاع دینا یا نہ دینا اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے ۔

داعیِ اسلام محترم مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ !

خدا آپ کا سایہ عالمِ اسلام پر تادیر قائم رکھے !!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

ایک طویل مدت سے یہ خواہش اپنے سینے میں دبائے بیٹھا ہوں کہ اپنے نام آپ کا عنایت نامہ اور اپنے لئے آپ کی دُعائیں حاصل کرنے کا اعزاز حاصل کروں، بس اسی طرح سوچتے خواہش کرتے سات برس بیت گئے ۔ اس عرصہ میں سوال کوئی سوجھا نہیں۔ یونہی بلاوجہ آپ کا قیمتی وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اب اباجی (رحمۃ اللہ علیہ) کی رحلت کے بعد کچھ سوالات ذہن میں پیدا ہوئے، جن کے جواب کے لئے آپ سے رجوع کر رہا ہوں۔

(۱) مرحوم کی رُوح کو اگر ایصالِ ثواب کیا جائے تو کیا اُس رُوح کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ایصالِ ثواب میرے فلاں عقیدت مند، بیٹے بیٹی، شوہر، بیوی یا دوست نے کیا ہے ؟

(۱) ایصالِ ثواب دراصل ایک دعا ہے جو اللہ تعالیٰ سے کی جاتی ہے کہ فلاں نیک عمل جو میں نے کیا ہے اس کا ثواب فلاں مرحوم کو عطا کر دیا جائے۔ اس دعا کا قبول کرنا یا نہ کرنا، اور اس مرحوم کو اس کی اطلاع دینا یا نہ دینا اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔

(۲) روح کو اگر اس کی اطلاع ہو تو کچھ بعید نہیں کہ وہ بھی جواب میں ایصالِ ثواب کرنے والے کے لیے دعا کرے

(۳) یقیناً روحوں پر مسرت اور رنج کی کیفیات طاری ہوتی ہیں۔

(۴) اس کے متعلق کچھ کہنا مشکل ہے کہ ارواح کا تعلق اس دنیا اور اس کے لوگوں سے باقی رہتا ہے یا نہیں، اور رہتا ہے تو وہ کس طرح کا ہوتا ہے۔ البتہ بعض لوگوں کو خواب میں فوت شدہ لوگ نظر آتے ہیں اور بعض اوقات وہ کوئی خبر یا کوئی رہنمائی یا مشورہ بھی دیتے ہیں۔ لیکن کوئی ایسی بات جو خواب میں کسی بزرگ نے کہی ہو، اس وقت تک قابلِ قبول نہیں ہے جب تک وہ شریعت کے مطابق نہ ہو۔ مطابق ہونے کی صورت میں عمل کیا جا سکتا ہے بلکہ کرنا چاہیے اور مطابق نہ ہونے کی صورت میں نہیں کیا جا سکتا اور نہیں کرنا چاہیے۔

(۲) کیا روح بھی ایصالِ ثواب کرنے والے کے لیے خدا کے حضور کوئی دعا کر سکتی ہے؟

(۳) کیا روحوں پر کیفیتِ مسرت و کرب بھی طاری ہوتی ہے؟

(۴) کیا روح کا کسی قسم کا کوئی تعلق اس دنیائے آب و گل سے بھی قائم رہتا ہے یعنی کیا مرحوم فکری راہنما، دینی پیشوا یا والدین حالتِ خواب میں اپنے عقیدت مند یا اولاد کو دنیاوی اُمور میں کوئی رہنمائی دے سکتے ہیں؟

اگر جواب اثبات میں ہے تو

(ا) کیا ایسی رہنمائی یا ہدایت پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے؟ اور اگر اس ہدایت کے مطابق عمل نہیں کیا جاتا تو یہ فعل مرحوم کی ناراضی کے ذیل میں تو نہیں آتا؟ یا اس پر عمل نہ کرنے سے مرحوم کی روح کو دکھ تو نہیں پہنچتا؟

اگر جواب نفی میں ہے تو

(ب) پھر ایسے خوابوں کی کیا حقیقت ہے کہ جس میں مرحوم کسی فعل پر اظہارِ پسندیدگی یا ناپسندیدگی کرتے ہیں اور بعض اوقات ان کا مشورہ واقعی

صائب اور سُود مند ثابت ہوتا ہے، مثلاً

میرے دو چھوٹے بھائیوں کا ایک ایسا کاروبار کرنے کا ارادہ تھا کہ جس میں حرام پیسے کی آمدن کا ہر وقت احتمال ہو سکتا تھا۔ ابا مرحوم نے خواب میں والدہ محترمہ سے کہا کہ اپنے بیٹوں کو منع کر دو کہ وہ جس کاروبار کا ارادہ کر رہے ہیں وہ نہ کریں اس میں حرام آمدنی کا اندیشہ ہے ۔ والدہ محترمہ کو بھائیوں کے اس ارادے یا کاروبار کی نوعیت کا علم بھی نہ تھا ۔ انہوں نے بھائیوں سے پوچھا، اعتراف کر لینے کے بعد ارادہ ترک کر دیا۔

یہ سچا خواب تھا اور اس میں جو ہدایت دی گئی تھی وہ شریعت کے مطابق تھی۔ اس لیے اس پر عمل کرنا چاہیے۔ عمل نہ کرنے کی صورت میں جائز آپ کے والد مرحوم کو اس کا علم ہو یا نہ ہو، اور وہ اس پر ناراض ہوں یا نہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ تو ناراض ہوں گے ہی ۔

آپ کی محنت اور مصروفیتوں سے آگاہ ہونے اور پورا پورا احساس رکھنے کے باوجود ۔ دست بستہ اور مودبانہ گذارش یہ ہے کہ اس مراسلے کا جواب اپنے قلم سے ہی عنایت فرمایئے گا (یعنی ٹائپ شدہ نہ ہو) ۔ یہ اشکال آپ کے حضور بالمشافہ شام کی نشست میں بھی پیش کر سکتا تھا لیکن چونکہ اصل مقصد آپ کی تحریر حاصل کرنے کا اعزاز حاصل کرنا ہے

اس لئے قلم و قرطاس کا سہارا لیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ
مایوس نہیں فرمائیں گے۔ اس زحمت بے جا کے لئے معذرت خواہ
ہوں۔

خدا آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے!

والسلام مع الاکرام

احقر الناس:- جمیل احمد رانا

ملکوکوٹ (ضلع میانوالی)

معرفت دفتر روزنامہ آئین، نسیم مارکیٹ ۲۱ ریلوے روڈ لاہور

۲۲ جنوری ۱۹۷۱ء

جمیل رانا صاحب کا اصل خط
بہ جواب سمیت ان کو واپس
کر دیا جائے

ابوالاعلیٰ

(۲) رُوح کو اگر اس کی اطلاع ہو تو کچھ بعید نہیں کہ وُہ بھی جواب میں ایصالِ ثواب کرنے والے کے لیے دُعا کرے۔

(۳) یقیناً رُوح پر مسرت اور رنج کی کیفیات طاری ہوتی ہیں۔

(۴) اس کے متعلق کچھ کہنا مشکل ہے کہ اَرواح کا تعلق اِس دُنیا اور اس کے لوگوں سے باقی رہتا ہے یا نہیں، اور رہتا ہے تو وہ کس طرح کا ہوتا ہے۔ البتہ بعض لوگوں کو خواب میں فوت شدہ لوگ نظر آتے ہیں اور بسا اوقات وہ کوئی خبر یا کوئی رہنمائی، یا مشورہ بھی دیتے ہیں لیکن کوئی ایسی بات جو خواب میں کسی بزرگ نے کہی ہو، اس وقت تک قابلِ قبول نہیں ہے جب تک وُہ شریعت کے مطابق نہ ہو۔ مطابق ہونے کی صُورت میں عمل کیا جاسکتا ہے بلکہ کرنا چاہیے۔ اور مطابق نہ ہونے کی صُورت میں نہیں کیا جاسکتا اور نہیں کرنا چاہیے۔

یہ سچا خواب تھا اور اس میں جو ہدایت دی گئی تھی وُہ شریعت کے مطابق تھی اس لیے اس پر عمل کرنا چاہیے۔ عمل نہ کرنے کی صُورت میں چاہے آپ کے والد[۱] مرحوم کو اس کا عِلم ہو یا نہ ہو، اور وُہ اس پر ناراض ہوں یا نہ ہوں، اللہ تعالیٰ تو ناراض ہو گا ہی۔

جمیل رانا صاحب کا اصل خط ہی میرے جواب سمیت ان کو واپس کر دیا جائے۔

ابوالاعلیٰ

[لاہور]

[۲۲ جنوری ۱۹۷۰ء]

۱۔ رانا چاند خاں (۲۱ ستمبر ۱۸۹۶ء، جلمانہ، ضلع کرنال ——— ۱۳ اگست ۱۹۶۹ء کلور کوٹ) ۔ جمیل احمد رانا کے والدِ گرامی ۔ عمر بھر پیشۂ تدریس سے وابستہ رہے ۔ ۱۹۵۷ء میں رٹائرمنٹ کے بعد بلدیہ کلور کوٹ کے ناظم مقرر ہوگئے ۔ مولانا مودودی کے مدّاح اور پابندِ صوم و صلوٰۃ تھے۔ متعدد فلاحی کاموں میں حصہ لیا ۔ گنج پورہ، کرنال میں انھی کی تعمیر کردہ سڑک "چاند روڈ" انھی سے منسوب ہے ۔

مولانا عبدالحمید لدھیانوی

مولانا مفتی عبدالحمید لدھیانوی (ف: ۱٦ اگست ۱۹۸٦ء ٹوبہ ٹیک سنگھ) ۔ ان کے جدِامجد عبدالقادر لدھیانوی نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں بھرپور حصہ لیا تھا ۔ دادا نے مرزا غلام احمد قادیانی کی جعلی نبوت کے متعلق پہلا فتویٰ کفر جاری کیا تھا ۔ مفتی صاحب وہ پہلے دیوبندی عالم تھے ، جنھوں نے علامہ شبیر احمد عثمانی کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے، آل انڈیا مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی ، اور قیامِ پاکستان سے پہلے عام انتخابات میں لدھیانے سے احراری لیڈر تاج الدین انصاری کی شکست اور مسلم لیگی امیدوار سردار شوکت حیات اور غلام بھیک نیرنگ کی کامیابی میں اہم کردار ادا کیا ۔ قیامِ پاکستان کے بعد اسلام کے بارے میں اکثر مسلم لیگی زعماء کی منفی روش دیکھ کر ، وہ مسلم لیگ سے علاحدہ ہو گئے ، تاہم پاکستان میں نفاذِ اسلام کی مختلف کوششوں میں شریک رہے ۔ جمہوریت اور بنیادی حقوق کی بحالی کے لیے مسلسل جدوجہد کرتے رہے ۔ مفتی صاحب ، مولانا مودودی کی علمیّت اور دینی خدمات کے زبردست مدّاح و معترف تھے ۔

۱۲۹

۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں عوامی لیگ کو مشرقی پاکستان میں اور پیپلزپارٹی کو مغربی پاکستان کے اکثریتی صوبوں سندھ و پنجاب میں کامیابی حاصل ہوئی۔ یعنی دونوں بازوؤں میں دو علاقائی پارٹیاں ابھر کر سامنے آئیں ، جبکہ ملک گیر و اعتدال پسند پارٹیوں کو عبرت ناک شکست کا سامنا کرنا پڑا ۔ عوام کے اس جذباتی فیصلے پر محبِ وطن اور محبِ اسلام حلقوں کو شدید صدمہ ہوا ۔ مزید دیکھیے: "مکاتیب مودودی" دوم خط ۱۹۹ ۔ اسی پس منظر میں مفتی صاحب نے مولانا کو ایک خط لکھا اور مولانا نے اس کا حسبِ ذیل جواب دیا:

[لاہور]

[۱۸ فروری ۱۹۷۱ء]

محترمی و مکرمی۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا مطبوعہ گرامی نامہ ملا۔ میں تمام حالات پر ٹھنڈے دل سے اور

توجہ الی اللہ کے ساتھ غور کر تا رہا ہوں۔ میرا احساس یہ ہے کہ انتخابات کے بدترین نتائج سامنے آجانے کے باوجود اس رویے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے جو ان نتائج کا سبب بنا ہے۔ مجھے خوف ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اور شدید تر چوٹ لگنے والی ہے[1]۔ جس کے بعد ممکن ہے کہ لوگوں کی آنکھیں کھل جائیں۔ سر دست تو مجھے اس کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے ہیں کہ آنکھیں کھل گئی ہیں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ اس کے گیارہ ماہ بعد سقوطِ مشرقی پاکستان کا المناک سانحہ (۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء) پیش آیا، اور پاکستانی فوج کو بھارتی فوج کے سامنے ہزیمت اٹھانی پڑی۔

محمد قاسم، غلام ربانی

محمد قاسم و غلام ربانی: سقوطِ مشرقی پاکستان (۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء) کے نتیجے میں بھارت کی قید میں جانے والے جنگی قیدیوں میں سے تھے۔ یہ خط ان کے استفسارات کے جواب میں لکھا گیا:

۱۳۰

[لاہور]

[۲۸. اپریل ۱۹۷۲ء]

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ حضرات کا قید میں قیام بلاارادہ اور غیر اختیاری ہے۔ اس لیے آپ چار فرض والی نمازوں کے فرائض قصر کر کے آدھے پڑھیں۔ سُنّت پوری پڑھیں نوافل جتنے چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔ جس جگہ قیام اپنی نیّت اور ارادے سے نہ ہو، وہاں کے لیے یہی حکم ہے۔ اس پر اکثر فقہا و محدثین کا اتفاق ہے کہ جس مقام پر مجبوراً ٹھیرنا پڑے اور ہر وقت یہ نیت ہو کہ رُکاوٹ دُور ہوتے ہی اِنشاءاللہ واپسی ہو گی، تو وہاں جتنی مدّت بھی قیام ہو، قصر ہو گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہٗ ایک علاقے میں برف کی وجہ سے چند مہینے تک رُکے رہے اور قصر پڑھتے رہے۔ جنگی حالات میں بعض صحابہ کرامؓ کو بعض مقامات پر مجبوراً ٹھیرنا پڑا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہٗ دو سال تک شام میں رُکے رہے اور قصر نماز ادا کرتے رہے۔

جمعہ آپ پر واجب نہیں ہے لیکن پڑھ سکیں تو پڑھنا بہتر اور باعث ثواب ہے۔ نمازِ باجماعت اگر ممکن ہو تو آپ ضرور قائم کریں اور جو صاحب بھی دین کا زیادہ علم رکھتے ہوں، وہ امام بن جایا کریں۔ اگرچہ ہمارے دِل آپ لوگوں

کی جدائی پر غمگین ہیں مگر مومن اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ ہمارے لیے یہ خبر بھی موجبِ تسلی ہے کہ آپ اللہ کی یاد سے غافل نہیں اور آپ کو اطاعتِ الٰہی کا جو موقع بھی ملے، اس کو ضائع نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ثابت قدم رکھے اور جلد ہم سے ملاتے، آمین۔

سب برادرانِ اسلام تک ہمارا اسلام اور دُعا پہنچا دیں۔ خدا حافظ۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

نامعلوم

۱۳۱

[لاہور]

[۲۶ر اگست ۱۹۷۲ء]

محترمی و مکرمی۔ السّلامُ علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ مِلا۔ میں نے ایک دو مرتبہ بعض حضرات کی خواہش پر اپنے مختصر اور نامکمّل حالات لکھے تھے جو شائع بھی ہوتے تھے[۱] مگر اب مجھے اس کام کے کرنے کرانے میں دلچسپی نہیں۔ اِس سے زیادہ ضروری کام کرنے کے ہیں جن کے آغاز و تکمیل کی قوت نہیں۔ میری عمر بھر کی تحریریں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی اللہ کا بندہ اگر جماعت اسلامی کی تاریخ مرتّب کرے گا تو میری سوانح حیات کے ضروری اجزاء آپ سے آپ اس میں آہی جائیں گے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ دیکھیے "مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں" ص ۲۱ تا ۵۲ اس سلسلے میں خط ۱۴۳ بھی دیکھیے۔

پروفیسر فروغ احمد

پروفیسر فروغ احمد (پ:۱۵ دسمبر۱۹۳۶ء، شیخ پورہ ، ضلع مونگیر، بہار) ابتدائی تعلیم ، آبائی وطن میں حاصل کی اور ایم اے اردو ، علی گڑھ یونی ورسٹی سے امتیازی حیثیت میں پاس کیا ۔ اسکول کے زمانے ہی میں مولانا مودودی کی تحریروں سے متعارف ہو چکے تھے ۔ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۹ء تک علی گڑھ یونی ورسٹی کے "حلقۂ ہمدردانِ جماعتِ اسلامی" سے وابستہ رہے ۔ پھر ڈھاکا چلے گئے ۔ ۱۹۵۱ء میں جماعت کی رکنیت اختیار کی ۔ کچھ عرصہ صوبائی دفترِ جماعت میں آفس سیکرٹری اور پھر ۱۹۵۳ تا ۱۹۵۸ء ناظم شعبۂ تنظیم رہے ۔ بہ حیثیت استاد کچھ عرصہ رحمت اللہ ہائی اسکول میں کام کیا ، پھر قائداعظم کالج، ڈھاکا سے وابستہ ہو گئے ۔ بعد ازاں شعبۂ اردو ، ڈھاکا یونی ورسٹی میں جزو وقتی استاد کے فرائض انجام دیے ۔ اسکول کے زمانے میں قلمی ماہنامے "ہماری دنیا" اور اسکول میں تدریس کے دوران ماہنامہ "شاہین" کے ایڈیٹر رہے ۔ علاوہ ازیں ہفت روزہ The Muslim ڈھاکا کے ایڈیٹر ، روزنامہ "پاسبان" ڈھاکا کے ڈپٹی ایڈیٹر ، رہے ۔ ۱۹۵۷ء میں روزنامہ "تسنیم" لاہور کے عبوری مدیر ، ماہنامہ Trade and Commerce کے معاون مدیر، اور ۱۹۷۰ء میں ہفت روزہ "انصاف" ڈھاکا کے مدیر کی ذمہ داریاں ادا کیں ۔ سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد ۱۹۷۲ء میں ہجرت کر کے لاہور آ بسے ۔ سہ ماہی "سیارہ" لاہور اور ماہنامہ "بتول" کے مدیر مسئول بھی رہے ۔ تصانیف : * سواء السبیل * تفہیم اقبال * افکار جوانوں کے * نوائے بُردہ (قصیدہ بردہ کا منظوم ترجمہ) وغیرہ ۔ وفات ۲ نومبر ۱۹۹۴ء

۱۳۲

[لاہور]

۱۱ دسمبر ۷۲ء

برادرم فروغ صاحب ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط مورخہ ۵ ستمبر پاکر اور یہ معلوم کر کے کہ آپ بخیریت ہیں، اتنی خوشی ہوئی کہ عید کی خوشی بھی اس کے مقابلہ میں کم ہی ہوگی۔ جو رفقاء وہاں رہ گئے ہیں، خصوصًا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فون نمبر : ۵۲۵۰۷

ابوالاعلیٰ مودودی
۵ - اے ذیلدار پارک - اچھرہ
لاہور - ۱۲ (پاکستان)

حوالہ 2556

مورخہ ۱۱ دسمبر ۷۲

برادرم فرخ صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط پا کر اور یہ معلوم کر کے کہ آپ بخیریت ہیں اتنی خوشی ہوئی کہ عید کی خوشی بھی اس مقابلہ میں کم ہی ہوگی۔ جو رفقاء وہاں رہ گئے ہیں، خصوصاً غیر بنگالی رفقاء ان کے متعلق تو ایک طرح سے مایوسی ہو چکی تھی کہ اب ~~یہاں~~ کبھی اس زندگی میں ان سے ملنا ہو بھی سکے گا۔ ایک ایک آدمی کا خیال آتا ہے اور سوچتا ہوں کہ نہ معلوم وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں۔ اللہ کا احسان ہے کہ آپ اس جہنم زار میں بخیریت ہیں۔ وہاں سے آپ کے نکلنے کی جو صورت بھی ممکن ہو وہ ہمیں بتائیں۔ لندن میں ایسے ہمدرد موجود ہیں جو اس کام میں ہر طرح کی مدد کرنے کے لیے تیار ہیں۔ وہاں سے یہاں براہ راست آنے کی بہ نسبت لندن جا کر آنا آسان ہے۔ آپ کے جو دوست بھی وہاں ہیں ان کو لکھیے کہ وہ لندن میں

U.K. Islamic Mission
148 Liverpool Road
London N.1

سے رابطہ قائم کریں اور میرا یہ خط دکھا کر وہاں جو بھی ذمہ دار ہوں ان سے کہیں کہ آپ کو مشرقی پاکستان سے نکالنے کے لیے جو انتظامات ضروری ہوں وہ بلا تاخیر کریں۔

میاں صاحب، نعیم صاحب، اسعد صاحب اور دوسرے سب احباب کی طرف سے سلام قبول کریں۔

ابوالاعلیٰ

غیر بنگالی رفقاء ان کے متعلق ہمیں تو ایک طرح سے مایوسی ہو چکی تھی کہ اب کبھی اس زندگی میں ان سے ملنا ہو بھی سکے گا یا نہیں۔ ایک ایک آدمی کا خیال آتا ہے اور سوچتا ہوں کہ نہ معلوم وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں۔ اللہ کا سراسر احسان ہے کہ آپ اس جہنم زار میں بخیر ہیں۔ وہاں سے آپ کے نکلنے کی جو صورت بھی ممکن ہو وہ ہمیں بتائیں۔ لندن میں ایسے ہمدرد موجود ہیں جو اس کام میں ہر طرح کی مالی مدد کرنے کے لیے تیار ہیں۔ وہاں سے یہاں براہِ راست آنے کی بہ نسبت لندن جا کر آنا زیادہ آسان ہے۔ آپ کے جو دوست بھی وہاں ہیں ان کو لکھیے کہ وہ لندن میں

U.K. Islamic Mission

148, Liverpool Road

London N. 1

سے رابطہ قائم کریں اور میرا یہ خط دکھا کر وہاں جو بھی ذمہ دار ہوں ان سے کہیں کہ آپ کو مشرقی پاکستان سے نکالنے کے لیے جو انتظامات ضروری ہوں وہ بلا تاخیر کریں۔

میاں صاحب[1]، نعیم صاحب[2]، اسعد صاحب[3] اور دوسرے سب احباب کی طرف سے سلام قبول کریں۔

ابوالاعلیٰ

۱۔ میاں طفیل صاحب مراد ہیں (دیکھیے: خطوطِ مودودی، اوّل، خط ۲۱ حاشیہ ۳)

۲۔ نعیم صدیقی (تعارف دیکھیے: خط ۱۳۵)

۳۔ سید اسعد گیلانی، اصل نام احمد حسن (پ: ۱۰ اپریل ۱۹۲۲ء، آچھ، گجرات، پنجاب) تعلیم: ایم اے اردو، سیاسیات۔ ۱۹۴۳ء میں جماعت اسلامی سے متعارف ہوئے، اور ۱۹۴۷ء میں رکنیت اختیار کی۔ اسعد صاحب ۱۹۵۰ء تا ۱۹۵۴ء امیر مضافات کراچی۔ ۱۹۵۴ء تا ۱۹۵۶ء امیر راجشاہی ڈویژن۔ ۱۹۵۶ء تا ۱۹۷۰ء امیر سرگودھا ڈویژن۔ ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۳ء امیر صوبہ پنجاب اور ۱۹۷۷ء تا ۱۹۸۷ء امیر لاہور رہے۔ ۱۹۵۶ء سے تاحال مرکزی مجلسِ شوریٰ کے رکن اور رکن عاملہ بھی رہے ہیں۔ ۱۹۴۸ء میں کراچی سے ہفت روزہ "جہانِ نو" جاری کیا، حلقۂ ادبِ اسلامی کو منظم کیا، اور اس کے جنرل سیکرٹری رہے۔ وہ قومی اسمبلی کے رکن بھی رہے۔ اِن دنوں (۱۹۹۰ء) لاہور جماعت کے امیر ہیں۔ اہم تصانیف و تالیفات: * رسولِ اکرم کی حکمتِ انقلاب * مسلمان کے شب و روز * سوانح چودھری علی احمد خاں * سید مودودی دعوت و تحریک * اقبال دارالاسلام اور مودودی * انتظار * ٹوٹی ہوئی اینٹیں، وغیرہ۔ دیکھیے ضمیمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

جناب فروغ احمد صاحب نے اپنی اس بیش قیمت نظم میں اس حقیقت کو واضح کرنے کی سعی کی ہے کہ نوعِ انسان آج جس المناک اضطراب میں مبتلا ہے اور روز بروز زیادہ مبتلا ہوتی چلی جا رہی ہے اس کا اصل سبب اعتدال کی سیدھی راہ سے اس کا بھٹک جانا ہے۔ اور یہ سیدھی راہ اگرچہ نگاہوں کے سامنے موجود ہے، لیکن جو لوگ بندگیٔ نفس اور فریبِ نظر میں مبتلا ہیں وہ اول تو اسے دیکھنا نہیں چاہتے، اور دیکھ بھی لیں تو اس پر آنا نہیں چاہتے۔ اس سیدھی راہ پر آنے کے بجائے وہ ایک انتہا سے دوسری انتہا کی طرف بھٹکتے پھرنے کو ترجیح دیتے ہیں، خواہ اس کا نتیجہ خود ان کے لیے اور ساری دنیا کے لیے کرب و الم میں روز افزوں اضافے کے سوا کچھ نہ ہو۔ اس حالت میں فروغ صاحب اُن لوگوں کو جنہیں سواء السبیل کی معرفت حاصل ہے، اُن کی یہ ذمہ داری یاد دلاتے ہیں کہ وہ ہمت اور قوت کے ساتھ عالمِ انسانی کو اس کج روی سے روک کر سیدھی راہ پر چلائیں۔

فروغ صاحب قابلِ مبارکباد ہیں کہ انہوں نے اپنی عمدہ شاعرانہ صلاحیت کو انسانیت کے بھٹکانے میں نہیں بلکہ اس کو راہِ راست کی طرف لانے میں استعمال کیا ہے۔ کوئی شعر و ادب محض اپنی لفظی و معنوی خوبیوں کی بنا پر قابلِ قدر نہیں ہے۔ وہ اگر زندگی کی صلاح و فلاح کے لیے کام نہیں کرتا تو ذہن کی عیاشی اور اربابِ نشاط کی سی عشوہ گری ہے۔ اور اگر زندگی کو بگاڑنے کے لیے کام کرتا ہے تو میٹھی زہر ہے۔ قدر کے قابل وہ صرف اسی وقت ہوتا ہے جب اس کا حسن زندگی کے جمال میں اضافے کا موجب ہو رہا ہو۔

ابوالاعلیٰ

احمد سعید قریشی

احمد سعید قریشی کا تعلق کراچی سے ہے اور صحافت سے وابستہ ہیں ۔ روزنامہ "جسارت" کراچی سے منسلک رہے ۔ احمد رضاخاں بریلوی کی فرقہ وارانہ تحریک ان کا خصوصی موضوع مطالعہ ہے ۔ جب وہ کراچی یونی ورسٹی اسٹوڈنٹس یونین کے میگزین "الجامعہ" کے ایڈیٹر تھے، تو ان کی فرمایش پر مولانا نے درج ذیل خط میں رسالے کے لیے پیغام لکھ بھیجا :

۱۳۳

[لاہور]

[۲۵ جنوری ۱۹۷۳ء]

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا مراسلہ مورخہ ۲۰ جنوری ملا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اپنی بیماری کے باعث آپ کو اِس سے پہلے پیغام نہ بھیج سکا اور اس وقت بھی چند الفاظ ہی پر اکتفا کر رہا ہوں۔ میرے لیے یہ امر خوشی کا باعث ہے کہ کراچی اسٹوڈنٹس یونین اپنا سالانہ مجلّہ شائع کر رہی ہے ۔ طالب علم ہونے کی حیثیت میں آپ لوگوں کا اوّلین فریضہ تحصیلِ علم ہے، لیکن ہمارا وطنِ عزیز جس اندوہناک سلسلۂ حادثات سے دوچار ہے اس سے پاکستان کا کوئی بھی نوجوان، بوڑھا، پڑھا لکھا یا اَن پڑھ بے تعلق یا غیر متاثر نہیں رہ سکتا۔ اِس وقت ہمارے جسدِ ملت کا آدھا حصہ کاٹ کر الگ کر دیا گیا ہے اور بقیہ کی جان کے لالے پڑ چکے ہیں۔

اِس لیے پوری قوم کے ساتھ اس کے تعلیم یافتہ اور جوان طبقے کو بھی پورے غور و فکر کے ساتھ اور آنکھیں کھول کر یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کیا اسباب

ہیں جن کی بنا پر ہمیں یہ دن دیکھنے پڑے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری رسوائی و ناکامی کی بنیادی وجہ منافقت اور ہمارے قول و فعل کا تضاد ہے۔ ہم کفار کے تسلط اور بھائی چارے سے یہ کہہ کر الگ ہوتے تھے کہ ہمارا راستہ ہر لحاظ سے اُن سے جُدا ہے۔ لیکن آزادی و استقلال کے بعد ہم نے وہ نظامِ تعلیم، وہ نظامِ حکومت، وہ نظامِ معیشت و معاشرت اختیار کیسے رکھا اور اسی پر اب تک مُصر ہیں جو کفار کے لیے بھی باعثِ عار ہو، مگر نام ہم اب تک اسلام، اسلامی مساوات، اسلامی ثقافت اور اسلامی اقدار کا لیے چلے جا رہے ہیں۔ جب تک اس دورنگی کا خاتمہ نہ ہوگا، ہمارے مصائب و آلام کا بھی خاتمہ نہ ہوگا۔ کُفر کے مقابلے میں اسلام غالب آ سکتا ہے مگر کُفر کے بالمقابل نفاق سُرخرو نہیں ہو سکتا۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

رفیع الدین ہاشمی

رفیع الدین ہاشمی (پ: ۹ فروری ۱۹۴۰ء ۔ مصریال ، ضلع اٹک) تعلیم : ایم اے ، پی ایچ ڈی ۔ چند سال صحافت (روزنامہ "وفاق" ماہنامہ "تعمیر انسانیت" ، ماہنامہ ، "سیارہ" ، ہفت روزہ "آئین" اور ماہنامہ "اردو ڈائجسٹ") سے وابستگی کے بعد تدریس کا پیشہ اختیار کیا (غزالی کالج جھنگ ، انبالہ مسلم کالج سرگودھا، گورنمنٹ کالج مری، گورنمنٹ کالج سرگودھا ، گورنمنٹ کالج لاہور) —— موجودہ مصروفیت : استاد شعبۂ اردو، پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج، لاہور —— تصانیف و تالیفات : *اقبال کی طویل نظمیں * سرور اور فسانۂ عجائب * خطوطِ اقبال * کتابیاتِ اقبال * خطوطِ مودودی (شریک مرتب) * ۵ ۔ اے ذیلدار پارک، دوم * تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ * ۱۹۸۵ء کا اقبالیاتی ادب * ۱۹۸۶ء کا اقبالیاتی ادب ، * اقبال شناسی اور محور * اقبال شناسی اور جرنل آف ریسرچ ۔ مزید دیکھیے ضمیمہ

۱۳۴

۱۹۷۳ء میں "علامہ اقبال اور تفہیم القرآن" (بعد ازاں مطبوعہ ماہنامہ "فاران" کراچی ۔ مئی ۱۹۷۴ء) کے عنوان سے ایک مضمون لکھتے ہوئے ، ذہن میں سوال پیدا ہوا : علامہ اقبال اور مولانا مودودی کی باہمی ملاقاتوں میں بعض علمی منصوبے زیر بحث آئے ہوں گے ۔ کیا کبھی قرآنِ حکیم کی تفسیر و تشریح پر بھی بات ہوئی؟ بہ الفاظِ دیگر تفسیر قرآن لکھنے کا خیال مولانا کو علامہ نے سجھایا ، یا یہ مولانا کا طبع زاد خیال (Origiorial Idea) تھا؟ —— اسی ضمن میں مولانا کی خدمت میں ایک استفسار روانہ کیا ، تو جواب ملا:

[لاہور]

[۱۱ مارچ ۱۹۷۳ء]

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ ۱۹۳۷ء میں جب علامہ اقبال مرحوم سے ملاقات ہوئی تھی تفہیم القرآن لکھنے کا اس وقت تک کوئی خیال میرے ذہن میں نہیں تھا۔

علامہ مرحوم سے اس وقت زیادہ تر فقہِ اسلامی کی تدوینِ جدید پر ہی بات ہوتی تھی۔ "تفہیم القرآن" لکھنے کا ارادہ میرے دِل میں ۱۹۴۱ء میں پیدا ہوا تھا۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

نعیم صدیقی

نعیم صدیقی، اصل نام فضل الرحمٰن (۴ جون ۱۹۱۶ء۔ خان پور، ضلع چکوال) فارسی اور عربی میں رسمی اور غیر رسمی تعلیم حاصل کی، بعد ازاں انگریزی میں بھی استعداد بہم پہنچائی۔ جماعت اسلامی کے تاسیسی رکن ہیں۔ جماعت کے مرکزی ناظم نشر و اشاعت اور مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ "ادارہ تحقیق و اشاعت" اور "دارالفکر" لاہور کے سربراہ کے طور پر بھی خدمات انجام دیں۔ مختلف اوقات میں سہ روزہ "مسلمان" سہ روزہ "کوثر"، سہ روزہ "ایشیا" ہفت روزہ "شہاب" اور ماہنامہ "چراغِ راہ" وغیرہ کی ادارت سے منسلک رہے۔ آج کل "ترجمان القرآن" اور "سیارہ" کے مدیر ہیں۔ تصانیف و تالیفات: * محسنِ انسانیت * معرکہ دین و سیاست * المودودی * فکر و نظر * ٹھنڈی آگ * شعلۂ خیال * نور کی ندیاں رواں * معاشی ناہمواریوں کا اسلامی حل، وغیرہ۔ تیس سے زائد کتب کے مصنف ہیں۔ مزید دیکھیے: نعیم صدیقی، تحقیقی مقالہ، ایم اے اردو از روبینہ شاہین، ۱۹۸۸ء، پنجاب یونی ورسٹی لاہور۔ دیکھیے ضمیمہ

۱۳۵

[لاہور]

[۱۹۷۳ء]

برادرم نعیم صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

خدا کرے کہ آپ کا آپریشن ہر لحاظ سے کامیاب ہوا ہو اور آپ پوری طرح صحت یاب ہو جائیں، افسوس ہے کہ میں خود آپ کو دیکھنے کے لیے نہیں آسکتا تھا۔ البتہ آپ کا حال برابر پوچھتا رہا ہوں۔[۱]

ایک صاحب نے بڑے خلوص کے ساتھ آپ کے لیے دو سو روپے دیے ہیں جو آپ کو بھیج رہا ہوں۔ اپنا نام وہ ظاہر کرنا نہیں چاہتے۔

ابوالاعلیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جماعتِ اسلامی پاکستان

۵۔اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور

فون نمبر : ۲۵۰۸

حوالہ ________

تاریخ ________

برادرم نعیم صاحب   السلام علیکم و رحمۃ اللہ

خدا کرے کہ آپ کا آپریشن ہر لحاظ سے کامیاب ہوا ہو اور آپ پوری طرح صحتیاب ہو چکے ہوں۔ افسوس ہے کہ میں خود آپ کو دیکھنے کے لیے نہیں آ سکتا تھا۔ البتہ آپ کا حال برابر پوچھتا رہا ہوں۔

ایک صاحب نے بڑے خلوص کے ساتھ آپ کے لیے دو سو روپے دیے ہیں جو آپ کو بھیج رہا ہوں۔ اپنا نام وہ ظاہر کرنا نہیں چاہتے۔

ابوالاعلیٰ

نعیم صدیقی کی آنکھ کا پہلا آپریشن ۱۹۷۴ء میں، اور دوسرا آپریشن اکتوبر ۱۹۷۴ء میں ہوا۔

۱۳۶

مکتوب الیہ نے "سیارہ" اقبال نمبر (فروری، مارچ ۱۹۷۸ء) کے لیے مولانا مودودی سے پیغام کی فرمایش تھی۔ جواب میں مولانا نے یہ خط لکھا:

[لاہور]

[۲۳ جنوری ۱۹۷۸ء]

محترمی و مکرمی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوتی ہے کہ آپ اقبالؒ مرحوم کی یاد میں سیّارہ کا خصوصی نمبر شائع کر رہے ہیں۔ اقبال پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل و کرم تھا کہ مغربی علوم و افکار پر عبور حاصل کرنے اور جدید تہذیب و تمدن کا ذائقہ چکھ لینے کے باوجود اسلام کے عطا کردہ اصول و مبادی پر اُن کا ایمان نہ صرف برقرار رہا بلکہ زندگی کے آخری لمحات تک اس میں اضافہ و استحکام کا عمل جاری رہا۔

انھوں نے اپنے قلم کی قوت اور شعر و سخن کی خدا داد صلاحیت کو اسلامی اقدار کی خدمت و نصرت میں صرف کیا اور مسلمان، بالخصوص ان کی نئی تعلیم یافتہ نسل، جس پر بے حسی اور خود فراموشی طاری تھی، ان میں اسلامی وحدت اور ملّی انفرادیت کا جذبہ بیدار کیا اور انھیں اغیار کی نقّالی کرنے کے بجائے اپنے قابلِ فخر دینی و تہذیبی نظریات پر تعمیرِ مستقبل کی دعوت دی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جن اسلامی مقاصد کے لیے علّامہ مرحوم کی فکری و علمی کاوشیں وقف رہیں، وہ سرزمینِ پاکستان میں بار آور ہوں اور اُن کی روح کے لیے باعثِ تسکین و اطمینان ہوں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

مولانا محمد یوسف

مولانا محمد یوسف ، جماعتِ اسلامی کی تاسیس کے بعد جلد ہی جماعت سے وابستہ ہو گئے تھے۔ ۱۹۷۲ء سے ۱۹۸۱ء تک جماعتِ اسلامی بھارت کے امیر رہے ۔

۱۳۸

[لاہور]

[۲۷ اکتوبر ۱۹۷۴ء]

برادرم، السلامُ علیکم ورحمۃ اللہ!

میں آپ کا بہت شکرگزار ہوں کہ آپ نے جماعت اسلامی ہند کے سالانہ اجتماع میں شرکت کی مجھے دعوت دی۔ میری خود بھی برسوں سے یہ تمنا تھی کہ کبھی ہندوستان جانے اور اپنے بھائیوں اور دوستوں سے ملنے کا موقع ملے۔ خصوصاً آپ کی جماعت کے سالانہ اجتماع میں حاضری تو ایک نعمتِ غیر مترقبہ تھی، جس کی میں کبھی توقع نہ رکھتا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ اِس معاملے میں بہت سے عوائق حائل ہیں۔ اوّل تو میری جوڑوں کی تکلیف آج کل بہت بڑھی ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے چلنا پھرنا، اُٹھنا بیٹھنا تک مشکل ہو گیا ہے، حتیٰ کہ نماز میں سجدہ اور قعدہ تک کرسی پر بیٹھ کر ہی کر سکتا ہوں۔ دُوسرے، میرے پاسپورٹ میں ہندوستان کا اندراج نہیں ہے۔ تیسرے، ابھی تک پاکستان اور ہندوستان کے درمیان آمد و رفت کا سلسلہ شروع نہیں ہوا ہے اور جو لوگ اُدھر سے اِدھر آتے ہیں، وہ دونوں حکومتوں کی خواہش اور رضامندی

مضمون بھی معلوم ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ روزنامہ "جنگ" نے میری تصویر پر کیا عنوان لگایا تھا۔

میرے خیال میں "بانیِ تحریکِ اسلامی" کے الفاظ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ البتہ داعیِ تحریکِ اسلامی، ہر اس شخص کو کہا جا سکتا ہے، جو اسلام کی دعوت دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص اگر ہو سکتا ہے تو "داعیِ اوّل" کا لفظ ہو سکتا ہے نہ کہ محض داعی کا لفظ۔

یہ تو صرف آپ کے سوال کا جواب عرض کر رہا ہوں۔ ورنہ بجائے خود اپنی ذات کے لیے میں کسی قسم کے خطابات کو بھی پسند نہیں کرتا اور بارہا اپنے رفقا کو بھی سمجھا چکا ہوں کہ مجھے خطابات سے نہ نوازیں، کیوں کہ یہ میرے لیے فتنہ اور دوسروں کے لیے دل آزاری ہے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

سے ہی ایسا کر سکتے ہیں۔ ان موانع کا ۸ر نومبر تک دُور ہو جانا متوقع نہیں ہے۔ لہٰذا اگر میں حاضر نہ ہو سکوں میں میری طرف سے اِجتماع کے موقع پر تمام حاضرین کو سلام پہنچا دیں۔ میں ان کے حق میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سے اپنے دین کی زیادہ سے زیادہ خِدمت لے اور وہ بھی میرے حق میں دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے زندگی کی آخری ساعت تک دین کی خِدمت کرنے کے قابل رکھے۔ والسّلام

آپ کا بھائی
ابوالاعلیٰ

۱۳۹

[لاہور]
[۱۶ نومبر ۱۹۷۴ء]

برادرِ عزیز، السّلامُ علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا ۲۵ر اکتوبر کا لکھا ہوا خط مجھے آج ۱۶ر نومبر کو مِلا ہے۔ آپ خُود اندازہ کر سکتے ہیں کہ میرے لیے ۲۷ سال بعد اب بچھڑے ہُوئے بھائیوں سے مِلنا کس قدر مسرّت کا موجب ہوتا، اور دھلی کے اِجتماع میں شرکت کا موقع تو ایسا تھا کہ میں اسے چھوڑنا کسی طرح پسند نہ کر سکتا تھا، لیکن افسوس ہے کہ میری بیماری و معذوری کے علاوہ دُوسرے عوائق اس آرزو کو پُورا کرنے میں مانع ہُوئے۔ آپ کے اِجتماع کی کامیابی کا کچھ حال "دعوت"[1] کے اِس پرچہ سے ہُوا جس میں آپ کا خطبۂ صدارت شائع ہُوا ہے اس کے بعد سے کوئی پرچہ ابھی تک نہ مِل سکا۔ جس سے پُوری تفصیلات معلوم

ہوئیں۔ آپ کا خطبہ ہر لحاظ سے بہت خوب تھا، میں دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی تائید آپ کے شامل حال ہو۔

خاکسار

ابو الاعلیٰ

نوٹ: کسی طرح اس بات کا اعلان ہو جائے تو اچھا ہے کہ ہندوستان سے جو خطوط یہاں آ رہے ہیں وہ اکثر و بیشتر بیرنگ ہوتے ہیں لہٰذا جو صاحب بھی یہاں خط بھیجیں وہ ڈاکخانہ میں اپنے سامنے ٹکٹوں پر مہریں لگوا لیا کریں۔

ابو الاعلیٰ

۱۔ مراد روزنامہ "دعوت" دہلی ہے۔

عبداللہ المسعود

سید عبداللہ المسعود، فرخ احمد مرحوم کے صاحبزادے۔۔۔۔ فرخ احمد (ف: ۱۹ اکتوبر ۱۹۷۴ء) بنگالی کے معروف شاعر تھے۔ انھوں نے اسلامی روایات کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ ان کے ہاں احیائے اسلام کی تمنا اور اسلامی تہذیبی شعور بہت نمایاں ہے۔ بہ قول یونس احمر: ان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ انھوں نے بنگلہ کی مشکل سے مشکل بحر میں بھی عربی و فارسی کے الفاظ کو بڑی خوب صورتی سے استعمال کیا ہے۔ تفصیل دیکھیے: "تاریخِ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند"، بارھویں جلد، دوم۔ ص ۲۰۱۔ ۲۰۸۔

۱۴۰

مولانا مودودی نے فرخ احمد کے انتقال پر ان کے صاحبزادے کو مندرجہ ذیل تعزیتی خط روانہ کیا:

[لاہور]

[اکتوبر ۱۹۷۴ء]

عزیزم سید عبداللہ المسعود صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مجھے آپ کے والد سید فرخ احمد صاحب کے انتقال کی خبر معلوم کر کے دلی صدمہ ہوا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مشرقی پاکستان میں مرحوم بنگلہ ادب اور شعر و شاعری کے میدان میں اسلامی نظریہ کے نہایت عمدہ اور بے باک ترجمان تھے۔ وہ تحریک پاکستان کے اَن تھک کارکن تھے اور انھوں نے اپنی ایمان افروز اور پُرجوش شاعری کے ذریعے سے مُسلم عوام میں ایک ولولہ تازہ اور عزم نو پیدا کر دیا تھا۔ ۱۹۷۱ء میں فرخ احمد صاحب نے ایک نڈر مجاہد باللسان کا کردار ادا کیا اور ڈھاکہ ریڈیو سے بھارت کے جھوٹے پراپیگنڈے کا منہ توڑ جواب دیتے رہے جس وقت مشرقی پاکستان کے اکثر دانشور ہندوؤں کے گن گا رہے تھے، اور بہت سے بھارت کی آغوش میں پناہ لے رہے

تھے، اس وقت فرخ احمد صاحب کا قلم ایک تیغ برہنہ بن کر پاکستان کی سلامتی و یکجہتی کے لیے اپنے جوہر دکھا رہا تھا، اور بکتی باہنی اور دوسرے غدار عناصر فرخ احمد صاحب کی جان کے درپے تھے۔

فرخ احمد صاحب کی ادبی تخلیقات "ست ساگر ماجھی" (سات سمندروں کا ملاح) سراجاً منیراً اور حاتم طائی وغیرہ بنگلہ اسلامی ادب کے شاہکار ہیں۔ فرخ احمد صاحب کو علامہ اقبال سے والہانہ عشق تھا اور انھوں نے اردو اور فارسی اساتذہ کی مدد سے اقبالیات کا تفصیلی مطالعہ کر کے ان سے روشنی و رہنمائی حاصل کی تھی اور بہت سی نظموں کا بنگلہ میں ترجمہ کیا تھا۔ وہ اپنے اندازِ تخاطب اور زبان و بیان میں ٹیگور[1] کے مدِمقابل تھے اگرچہ دونوں کے پیشِ نظر مقاصد یکسر مختلف تھے۔ نام نہاد ترقی پسند انھیں ہمیشہ رجعت پسند مسلمان قرار دیتے تھے لیکن مرحوم اسے اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد ان پر قاتلانہ حملے بھی ہوئے، مگر اللہ نے انھیں معجزانہ طور پر بچا لیا۔ "بنگلہ دیش" بنے تین سال گزر چکے لیکن انھوں نے اس کے حق میں آج تک ایک لفظ تک نہ کہا یا لکھا۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ مرحوم نے یہ ایام بہت عسرت میں بسر کیے اور ان کی اولاد تعلیم بلکہ علاج تک کی سہولتوں سے محروم ہو گئی مگر انھوں نے صبر و شکر کا دامن نہ چھوڑا اور سارے مصائب کا دلیرانہ وار مومنانہ جرأت سے مقابلہ کیا، حتیٰ کہ وہ اپنے خالقِ حقیقی کے جوارِ رحمت میں پناہ لے کر زندۂ جاوید ہو گئے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ آپ اور دوسرے لواحقین کو صبر و ثبات عطا فرمائے اور مرحوم کو ان کی خدمات اور قربانیوں کا بہترین اجر دے۔ آپ اپنی والدہ صاحبہ اور کنبے کے دوسرے افراد تک بھی میری تعزیت اور دعائے مغفرت پہنچا دیں۔ میں ان سب کے غم میں شریک ہوں۔

شریکِ غم

ابوالاعلیٰ

۱۔ رابندر ناتھ ٹیگور (۱۸۶۱ء۔۔۔۱۹۴۱ء) ادب کے نوبل انعام یافتہ۔ بنگالی کے معروف شاعر، ڈرامہ نگار، افسانہ نویس اور مصور۔

محمد واصل عثمانی

محمد واصل عثمانی (کراچی) "عظیم مائیں" کے نام سے ایک کتاب مرتب کر رہے تھے ۔ انھوں نے مولانا مودودی سے فرمایش کی کہ وہ بھی اپنی والدہ مرحومہ کے متعلق ، اپنے تاثرات لکھ بھیجیں ـــــ مولانا نے درجِ ذیل جواب تحریر کیا:

۱۴۱

[لاہور]

[۴ دسمبر ۱۹۷۵ء]

مکرمی و محترمی، السلام علیکم

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ آپ کی فرمائش نے میرے دِل کے اس زخم کو پھر تازہ کر دیا، جو اپنی والدہ ماجدہؒ مرحومہ کی وفات سے اس کو لگا تھا۔ اگرچہ اب اُن کو دُنیا سے رُخصت ہوئے کتنے سال ہو گئے، مگر جب کبھی ان کا ذِکر آجاتا ہے، دِل تڑپ اٹھتا ہے۔ ان کی خُوبیاں ایسی تھیں کہ ان کی اپنی اولاد تو کجا، ان کے دُور دراز کے رشتہ دار اور ان سے ملنے والی خواتین تک ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ نہایت ملنسار، ہر ایک سے محبّت کے ساتھ ملنے والی، ہر ایک کے دُکھ درد میں شریک، اپنے عزیزوں کے سوا اَن گنت خواتین ہیں جن کو انھوں نے بہن یا بیٹی بنا رکھا تھا اور ان سے رشتہ داروں ہی کا سا سلوک فرماتی تھیں۔ فیاضی کا یہ حال کہ پیسہ ان کو گویا کاٹتا تھا۔ جو کچھ بھی ان کے پاس ہوتا، حاجت مندوں کی مدد اور مہمانوں کی تواضع پر خرچ کر کے خالی ہاتھ رہ جاتی تھیں۔ زندگی بالکل فقیرانہ تھی۔ موٹا جھوٹا اور پیوند لگا ہُوا لباس رغبت سے پہنتی تھیں اور جو نیا لباس ان کے لیے بنایا جاتا اسے کسی نہ کسی کو عطا کر دیتی تھیں۔ کھانے پینے میں بھی

ان کا یہی حال تھا۔ اچھے سے اچھا دُوسروں کو کھلاتیں اور بُرے سے بُرا خود کھاتیں، اکثر ایسا ہوتا کہ گھر والوں اور باہر سے آئے ہُوئے مہمانوں کو کھانا کھلانے کے بعد خُود پتیلی پونچھ کر روٹی کھایا کرتی تھیں۔ خاکساری کا یہ حال تھا کہ غریب سے غریب لوگوں کو بہن اور بیٹی بنا کر ان ہی کے ساتھ بیٹھا کرتیں اور امیروں کی طرف زیادہ توجہ نہ کرتیں۔ محلہ کی غریب عورتیں ہر وقت ان کو گھیرے رہتیں۔ قرآن پڑھانے کا بیحد شوق تھا۔ جہاں رہتیں آس پاس کی بچیوں کو جمع کر لیتیں اور انھیں قرآن پڑھاتی رہتیں۔ نہایت زاہد و عابد، ذاکر و شاغل تھیں، لیکن کبھی انھوں نے نہ زُہد و تقویٰ کا لوگوں کے سامنے مظاہرہ کیا نہ اس پر فخر کا اَدنیٰ شائبہ تک ان کی زندگی میں کبھی پایا گیا۔ میرے ساتھ بے انتہا محبت کرتی تھیں، مگر بچپن سے انھوں نے یہ طرزِ عمل رکھا کہ کوئی بُری بات یا کوئی غلط کام کرتے دیکھتیں تو فوراً تنبیہ کرتیں اور بیجا محبت سے اولاد کو بگاڑنا ان کو اتنا ناپسند تھا کہ دوستوں کو بھی بے جا لاڈ پیار کرتے دیکھ کر اس سے منع کرتی تھیں۔ میرے بس میں نہیں ہے کہ ان کی تعریف کا حق ادا کر سکوں۔ ہمیشہ دُعا کرتا ہوں کہ جس محبت سے انھوں نے مجھے پالا اور جس تربیت سے انھوں نے میری زندگی کو سنوارا، اس پر اللہ تعالیٰ انھیں بے حد و حساب اجر عطا فرمائے۔

والسّلام

خاکسار

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ مولانا مودودیؒ اپنی والدہ محترمہ رقیہ بیگم (۱۸۷۳ء ——— ۷۔ دسمبر ۱۹۵۷ء ، لاہور) کے بارے میں لکھتے ہیں:

"والدہ صاحبہ ہمارے والد مرحوم کی دوسری بیوی تھیں ۔ پہلی بیوی کا انتقال ہوچکا تھا اور وہ تین بچے چھوڑ گئی تھیں ۔ ان کے بعد والد مرحوم کی شادی والدہ صاحبہ سے ہوئی اور انھوں نے سوتیلے بچوں کے

ساتھ ایسا مثالی برتاؤ کیا کہ انھیں مشکل ہی سے کوئی شخص سوتیلی ماں سمجھ سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دونوں بھائیوں نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے گھر میں، ہم سوتیلے رشتے کے تصور سے نا آشنا تھے ۔ بڑے بھائیوں اور بہن کے ساتھ ہمارے تعلقات کو دیکھ کر کسی کو بھی یہ گمان نہ ہو سکتا تھا کہ ان کے درمیان کوئی سوتیلا رشتہ ہے ۔

''ہمارے گھر میں ساس بہو کی کشمکش بھی کبھی نہیں پائی گئی ۔ سوتیلی اور سگی سب بہوؤں سے والدہ صاحبہ کا برتاؤ اپنی بیٹیوں کا سا رہا ۔ والد مرحوم کے بعد والدہ صاحبہ نے اپنے آپ کو گھر کے انتظام سے بالکل بے تعلق کر لیا تھا ۔ ان کی بہوئیں ہی ان کے بیٹوں کے گھر کی مختار رہیں ۔ اس وجہ سے کبھی ساس اور بہوؤں کے درمیان کشمکش پیدا نہ ہوئی ۔

''والدہ صاحبہ کی سیرت میں چند چیزیں بہت نمایاں تھیں ۔ ایک: قناعت ، جو اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ ہمیشہ وہ اپنی زندگی میں کم سے کم پر راضی رہتی تھیں ، کھانے ، لباس وغیرہ کے معاملے میں کبھی ہم ان کے لیے کوئی اچھی چیز مہیا کرتے ، تو وہ اس پر ناخوش ہی ہوتی تھیں ۔

''دوسرے: سادگی ، یہ بھی اتنی تھی کہ ہم نے کبھی ان کو زیور یا رنگین لباس پہنے نہیں دیکھا ۔ والد مرحوم کی زندگی میں بھی ان کی یہی روش تھی ۔

''تیسرے: فیاضی ، جسے دریا دلی کہنا زیادہ صحیح ہو گا۔ وہ ہمیشہ دوسروں کو کھلا کر خوش ہوتی تھیں ۔ انھوں نے کبھی کسی کی مدد کرنے میں دریغ نہیں کیا ۔ حتّٰی کہ اگر کوئی حاجت مند ان سے مدد مانگتا ، تو قرض لے کر بھی ، اس کی مدد کرنے میں تامل نہ کرتیں ۔ والد مرحوم کی زندگی میں ان کے ساتھ محلّے اور دُور و نزدیک کی عورتوں کا ایک لشکر لگا رہتا تھا اور ان کی داد و دہش کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ۔

''چوتھے: ملنساری اور خوش مزاجی ، ان کا دائرۂ تعلقات بہت وسیع تھا اور جو بھی ان سے ملتا تھا ، وہ بہت جلدی ان سے مانوس ہو جاتا تھا۔ ان کے منہ بولے بیٹوں ، بیٹیوں ، بہنوں ، بھانجیوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ خود وہ بھی ان کا شمار نہ بتا سکتی تھیں ۔ بچے ہمیشہ ان کے ساتھ لگے رہتے تھے اور وہ طرح طرح کی دلچسپ باتوں سے ان کا دل بھی خوش کرتی تھیں اور دنیا بھی ——— آخری زمانے میں ضعیفی اور بیماری کے باوجود ، ان کے مزاج میں کسی قسم کا چڑچڑاپن پیدا نہ ہوا ۔ غفلت میں پڑے پڑے جب ذرا سا ہوش آجاتا، تو کوئی نہ کوئی ہنسنے ہنسانے کی بات کر دیتی تھیں ۔ رنجیدہ ہونا اور رنجیدہ کرنا ان کے مزاج کے بالکل خلاف تھا۔'' (''قومی ڈائجسٹ''۔ مارچ ۱۹۸۰ء ، ص ۱۷۸ ۔ ۱۷۹)

بقول سیّد ابوالخیر مودودی: والدہ صاحبہ دینی رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں ۔ جب وہ نو برس کی تھیں ، تب انھوں نے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے بیعت کی ۔ قرآن کریم کے ایک پارے کی تلاوت کے بغیر گھر کے کام کو ہاتھ نہ لگاتیں (آتش فشاں ، نومبر ۱۹۷۹ء) ——— مولانا کی والدہ ۱۹۴۴ء میں،

مولانا مودودی کے ہاں دارالاسلام میں قیام پذیر ہوئیں، تعلیمِ قرآن کا مکتب جاری کیا، جس میں سرنا، جمال پور اور نواحی بستیوں کی بچیاں پڑھنے آتیں۔ لوگوں کے گھروں میں جا کر انھیں دین داری کی زندگی اختیار کرنے کی تلقین کرتیں۔ پاکستان آنے کے بعد بیشتر وقت ابوالخیر صاحب کے ہاں گزارا ("دادی اماں" از خلیل احمد حامدی، روزنامہ "تسنیم" ۱۱ دسمبر ۱۹۵۷ء)

چودھری محمد اسلم خاں

چودھری محمد اسلم خاں (پ : ۱۶ نومبر ۱۹۱۶ء) چودھری نیاز علی خاں مرحوم کے بڑے صاحبزادے ہیں ۔ ماہر زراعت ہیں ۔ مستقل قیام جوہر آباد ، ضلع خوشاب میں ہے ۔ جہاں دارالاسلام ٹرسٹ ، جوہر آباد کی نگرانی کا فریضہ بھی انجام دے رہے ہیں ۔ مکتوب الیہ نے مولانا سے درخواست کی تھی کہ وہ چودھری نیاز علی مرحوم کے بارے میں اپنے تاثرات تفصیل سے بیان کریں ۔ اس کے جواب میں مولانا مودودی نے یہ خط تحریر فرمایا: مزید دیکھیے: ضمیمہ

۱۴۲

[لاہور]

[۱۲ مارچ ۱۹۷۶ء]

مکرمی و محترمی، السلامُ علیکم

چودھری صاحب مرحوم سے میرے روابط و تعلقات چالیس برس کی مدّتِ دراز پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اِن روابط کی نوعیت اِنتہائی گہری اور مخلصانہ تھی۔ میری صحت اب اتنی کمزور اور خراب ہو چکی ہے کہ میں کسی ربط و ترتیب یا پُوری تفصیل کے ساتھ اپنے قلبی واردات کو صفحۂ قرطاس پر منتقل نہیں کر سکتا۔ تاہم ان کی یاد میں چند کلمات ادا کرنے کی کوشش کروں گا۔

چودھری صاحب اگرچہ ایک سرکاری ملازم اور محکمۂ نہر کے ایک افسر تھے لیکن خدمتِ دین کا جذبہ ان کے اندر کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہُوا تھا مشرقی پنجاب میں پٹھان کوٹ کے قریب ایک گاؤں جمال پور میں انھوں نے ملازمت کے بعد سکونت اختیار کر لی تھی اور اپنی قیام گاہ کے قریب تقریباً ساٹھ ستر ایکڑ کا ایک قطعۂ زمین راہِ خُدا میں وقف کر دیا تھا، جس میں ایک مسجد،

ایک کتب خانہ، پچیس تیس آدمیوں کے لیے ایک دارالاقامہ، ایک کنواں، اور متاہلین کے لیے چند مکانات تعمیر کر دیے گئے تھے۔ یہ تقریباً ۳۶ء یا ۳۷ء کا زمانہ تھا۔ چودھری صاحب کی یہ خواہش تھی کہ یہاں ایک معیاری و مثالی اسلامی بستی بسائی جائے۔ میں اس زمانہ میں حیدر آباد سے رسالہ "ترجمان القرآن" شائع کرتا تھا۔ جو میرے اور چودھری صاحب مرحوم کے درمیان ذریعۂ تعارف بنا تھا۔ چودھری صاحب نے اس وقف کے متعلق مجھ سے مشورہ طلب کیا کہ یہاں کیا کام کیا جائے؟ میں نے ان کو ایک مفصل اسکیم لکھ کر بھیجی اور انھیں بتایا کہ میرے نزدیک اس وقت کرنے کا اصل کام یہی ہے۔ چودھری صاحب نے یہ اسکیم علامہ اقبال مرحوم کو دکھائی اور انھوں نے اسے بہت پسند فرمایا۔ پھر چودھری صاحب نے باصرار مجھ سے فرمائش کی کہ میں خود ان کی بنا کردہ جگہ پر منتقل ہو جاؤں اور اس اسکیم کو عملی جامہ پہناؤں۔ مجھے ابتداءً اسے قبول کرنے میں تامل تھا مگر بعد میں جب میرا دہلی جانا ہوا تو چودھری صاحب وہاں آکر مجھ سے ملے اور کہا کہ آپ چل کر وہ جگہ دیکھ تو لیں۔ چنانچہ میں ان کے ساتھ پٹھانکوٹ گیا اور اس بستی کا نام دارالاسلام تجویز کیا۔ وہاں سے پھر میں اور چودھری صاحب لاہور آ کر علامہ اقبال مرحوم سے ملے۔ انھوں نے مجھے رائے دی کہ میں چودھری صاحب کی دعوت قبول کر لوں، اور مجھ سے وعدہ کیا کہ اگر میں وہاں منتقل ہو جاؤں تو وہ خود سال میں چھ مہینے وہاں قیام فرمایا کریں گے۔ میرے لیے ان کی یہ پیش کش اس قدر جاذبِ نظر تھی کہ میں نے بلا تامل اس کو قبول کر لیا اور مارچ ۱۹۳۸ء میں حیدر آباد سے دارالاسلام منتقل ہو گیا۔ لیکن افسوس کہ دوسرے ہی مہینے اپریل میں علامہ مرحوم کا انتقال ہو گیا اور تنہا مجھے ہی وہ کام کرنا پڑا جسے علامہ اقبال، چودھری صاحب مرحوم اور میرے ساتھ مل کر کرنا چاہتے تھے۔

یہ تھی میرے اور چودھری صاحب مرحوم کے تعلق کی ابتدا۔ رمضان

المبارک ۵٦ ہجری (دسمبر ۳۷ء) میں ترجمان کا آخری پرچہ حیدرآباد سے شائع ہوا۔ گیارہ محرم ۵۷ھ کو میں مع اہل و عیال دارالاسلام منتقل ہو گیا اور میری آمد سے قبل جنوری ۱۹۳۸ء کا ترجمان القرآن دارالاسلام سے شائع ہوا۔ علامہ اقبال سے میری ملاقات اگرچہ اس سے پہلے بھی ہو چکی تھی مگر یہاں میری آمد پر انھوں نے دوبارہ مجھے یاد فرمایا اور لکھا کہ میں لاہور آکر ان سے ملوں۔ میں ابھی اپنا سامان کھول کر ٹھیک ٹھاک کر رہا تھا کہ چند روز کے اندر علامہ مرحوم کے انتقال کی المناک خبر ملی۔ چودھری صاحب مرحوم کے ذہن میں بستی کی تعمیر و تشکیل اور اس میں کام کرنے کا اپنا ایک نقشہ بھی تھا جسے کچھ مدت تک انھوں نے آزمایا مگر بعد میں انھوں نے اس کی عمارات میرے اور میرے رفقاء کے تصرف میں دے دیں۔

سیاسی نقطۂ نظر سے چودھری صاحب کی ہمدردیاں مسلم لیگ سے وابستہ تھیں بلکہ وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے باقاعدہ رکن تھے۔ لیکن اس حقیقت کو وہ اچھی طرح محسوس اور تسلیم کرتے تھے کہ لیگ کے عام کارکنوں کی اخلاقی و دینی حالت اس معیار کی نہ تھی کہ وہ صحیح معنوں میں ایک اسلامی ریاست کو قائم کر کے چلا سکیں۔ وہ لیگ کے اجلاسوں اور جلسوں میں شریک ہوا کرتے، تو بسا اوقات یہ شکایت کرتے کہ لوگوں کو نماز کی اہمیت کا کوئی احساس نہیں اور نمازوں کے لیے کارروائی میں نہ التوا ہوتا ہے، اور نہ چند آدمیوں کے سوا کوئی نماز پڑھتا ہے۔ چودھری صاحب چونکہ ایک نہایت متدین اور پابندِ صوم و صلوٰۃ مسلمان تھے، اس لیے یہ خامی انھیں بُری طرح کھٹکتی تھی۔ دارالاسلام میں منتقلی کے بعد "ترجمان القرآن" میں سب سے پہلے ان مضامین کا مجموعہ شائع ہوا جس کا پرانا کتابی عنوان "مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش" حصہ اوّل تھا اور جو اَب میری کتاب "تحریک آزادیٔ ہند اور مسلمان" جلد اوّل کا ابتدائی حصہ ہے۔ اس میں متحدہ ہندوستان کے

سیاسی حالات کا تجزیہ کر کے قرآن مجید اور اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں مسلمانوں کے لیے ایک صحیح اور نیا راہِ عمل تجویز کیا گیا تھا، جو اس وقت کی مذہبی و سیاسی جماعتوں کی پالیسی سے مختلف تھا۔ چودھری صاحب نے اسے اپنی طرف سے کئی ہزار کی تعداد میں شائع کرایا اور مسلمانوں میں (بالخصوص لیگ کے کارکنوں میں) تقسیم کیا۔ "مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش" کا دُوسرا حصّہ جو بعد میں ترجمان میں چھپا اور جو کانگریس کے نظریات کی تردید و تنقید پر مشتمل تھا۔ اسے بھی چودھری صاحب نے چھپوا کر اسی طرح تقسیم کیا۔

۳۹ء کے آغاز میں بعض وجوہ سے میں دارالاسلام چھوڑ کر لاہور آ گیا۔ اور یہاں ۴۱ء میں جماعتِ اسلامی قائم ہوئی۔ جماعت کی تشکیل ہو جانے پر اگرچہ وہ جماعت میں شامل تو نہ ہوئے، لیکن جس طرح انھیں میری ذات سے مخلصانہ ربط و تعلق تھا، اسی طرح جماعت سے ہمیشہ ان کا تعلق ہمدردی و اتفاق کا رہا، حتیٰ کہ ان کی دعوت پر جماعت اسلامی کا مرکز دارالاسلام ہی میں منتقل ہو گیا۔ یہ بستی مرحوم کی قیام گاہ سے الگ تھی۔ اور بیچ میں نہرِ اپر باری دوآب رواں تھی۔ اس کے باوجود وہ روزانہ دارالاسلام آتے تھے، درسِ قرآن و حدیث میں شریک ہوتے تھے اور جمعہ ہمارے ساتھ ہی پڑھتے تھے۔ دارالاسلام کی تمام عمارات انھوں نے بلا معاوضہ جماعت کے تصرف میں دے دی تھیں۔ جماعتی مصروفیات کی بنا پر اکثر مجھے ہندوستان بھر کے دُور دراز مقامات کا سفر درپیش رہتا تھا۔ میری غیر حاضری میں خاص طور پر وہ میرے اہل و عیال کی خیر و عافیت معلوم کرتے رہتے تھے اور جو زحمت بھی انھیں دی جاتی تھی اسے نہایت خندہ پیشانی و فراخدلی سے برداشت کرتے تھے۔ دارالاسلام میں قیام کا یہ دَور بڑی پُر مسرت اور میٹھی یادوں سے لبریز ہے، جس کی تفصیل بیان کرنا آسان نہیں۔ آخر کار وہ لمحات آن پہنچے جب یہ

برصغیر تقسیم ہُوا اور پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ اس وقت چودھری صاحب اور ہم لوگ بڑی اُفراتفری اور بے سَروسامانی کے ساتھ لاہور پہنچے۔ چودھری صاحب نے اپنے بال بچوّں کو کسی دُوسرے شہر میں ٹھہرایا اور تنہا ایک ملازم کے ہمراہ ہمارے ہی ساتھ عارضی طور پر مقیم ہو گئے۔ اس وقت ان کا صبر و شکر اور عزم و استقلال قابلِ دید تھا۔ خاموشی سے صبح کو نماز اور ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد نکل جاتے اور دن بھر محکمۂ بحالیات وغیرہ کے دفاتر میں گھومتے رہتے تھے۔ آخر کار انھیں خوشاب اور جوہرآباد میں کچھ مکانات اور اراضی الاٹ ہوئیں جہاں وُہ مستقل طور پر متوطن ہو گئے۔ چونکہ وہ بڑے جفاکش اور باہمّت انسان تھے اِس لیے کچھ عرصے کے بعد انھوں نے مشرقی پنجاب کے الانقشہ اور سامان وہاں دوبارہ پیدا کر لیا اور دارالاسلام بھی از سرِنو قائم کر لیا۔ اس کے بعد انھوں نے مجھے کئی بار دعوت دی کہ میں اسی طرح دوبارہ اپنے رفقاء کے ساتھ دارالاسلام منتقل ہو جاؤں اور اپنی سرگرمیوں کا اسے محور بناؤں۔ مگر ہم لوگ چونکہ لاہور میں مرکز قائم کر چکے تھے، اِس لیے اِس پُرخلوص پیش کش سے استفادہ نہ کر سکے۔ تاہم خط وکتابت کے ذریعے برابر تعلق و رابطہ رہا۔ اور جب کبھی چودھری صاحب تشریف لاتے مجھ سے بڑی محبت اور تپاک کے ساتھ ملتے تھے۔ پھر ہر چھوٹے بڑے سے مِل کر سب کی خیریت دریافت فرماتے تھے۔ ادھر چند سال سے جس طرح میں علیل ہو کر پابندِ مسکن ہو گیا اِسی طرح مرحوم بھی سفر اور نقل و حرکت کے قابل نہ رہے تھے، تا آنکہ اچانک ان کے اِنتقال کی افسوس ناک خبر سُنی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم بلاشبہ دینِ اسلام کے سچّے خادم، ایک پاک طینت انسان تھے اور اللہ نے اپنے نیک بندوں کے لیے بڑی الفت اور للّٰہیت کا جذبہ ان میں ودیعت فرمایا تھا۔ اللہ سے دُعا ہے کہ وہ ان کے

اعمالِ حسنہ کا بھرپور اَجر انھیں عطا فرمائے اور ہمیں اور انھیں جنت میں دوبارہ جمع فرما دے۔

ابوالاعلیٰ

۱۔ مرتب کردہ پروفیسر خورشید احمد، ناشر اسلامک پبلی کیشنز، لاہور

سعید اظہر خان

محمد سعید اظہر (پ: ۱۹۴۶ء شرکاں، ضلع جالندھر) ۔ صحافت کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں ، اور مختلف اخبارات و رسائل ، خصوصاً شوبزنس ، سے وابستہ رہ چکے ہیں ۔ پندرہ روزہ "ڈیموکریٹ" کے زمانۂ ادارت میں انھوں نے مولانا سے تقاضا کیا کہ وہ باقاعدہ خود نوشت لکھیں ، مولانا نے جواب میں تحریر کیا:

۱۴۳

[لاہور]
۲۷ مئی ۷۶ء

عزیز گرامی ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا ارسال کردہ "ڈیموکریٹ" ملا جس میں آپ نے اور دوسرے اصحاب نے ازراہِ کرم مجھ سے پرزور تقاضا کیا ہے کہ میں اپنی خود نوشت سوانح لکھوں۔ اس سے پہلے بارہا متعدد اصحاب مجھ سے یہی فرمائش کر چکے ہیں۔ لیکن میں نے جب کبھی اپنے دل کو ٹٹولا، یہی محسوس کیا کہ اس کام میں مجھے اپنا وقت صرف نہیں کرنا چاہیے۔ میں تقریباً ۴۵ سال سے اپنی زندگی کا ایک نصب العین قرار دے چکا ہوں اور سب کام چھوڑ کر اپنا سارا وقت اور اپنی ساری محنتیں اسی کے لیے وقف کیے ہوئے ہوں۔ مجھے اپنے وقت کے استعمال میں اب اور بھی زیادہ کفایت شعاری برتنی پڑ رہی ہے، کیونکہ زندگی کے دن تھوڑے ہیں اور اپنے مقصدِ زندگی کے لیے ابھی کام بہت زیادہ کرنا ہے۔ اس حالت میں اپنی سوانح حیات لکھنا مجھے اپنے وقت کا کوئی صحیح

مصرف نظر نہیں آتا۔ اگر میری زندگی میں کوئی چیز آنے والی نسلوں کی نگاہ میں قابلِ قدر ہوئی تو انھی میں سے کوئی بندۂ خدا اس ضرورت کو پورا کر دے گا، اور شاید صحیح سوانح حیات آدمی کے مرنے کے بعد ہی لکھی جا سکتی ہے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فون نمبر: ۵۲۵۰۷

ابوالاعلیٰ مودودی
۵-اے، ذیلدار پارک - اچھرہ
لاہور-۱۲ (پاکستان)

حوالہ 1027/

مورخہ ۲۸ مئی ۷۶ء

عزیز گرامی   السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا ارسال کردہ "ڈیلی گزٹ" ملا جس میں آپ نے اور دوسرے احباب نے ازراہِ کرم مجھ سے یہ درخواست کی ہے کہ میں اپنی خود نوشت سوانح لکھوں۔ اس سے پہلے بارہا متعدد احباب مجھ سے یہی فرمائش کر چکے ہیں۔ لیکن میں نے جب کبھی اس سوال پر غور کیا، یہی محسوس کیا کہ اس کام میں مجھے اپنا وقت صرف نہیں کرنا چاہیے۔ میں تقریباً ۴۵ سال سے اپنی زندگی کا ایک نصب العین قرار دے چکا ہوں اور سب کچھ چھوڑ کر اپنا سارا وقت اور اپنی ساری محنتیں اسی کے لیے وقف کیے ہوئے ہوں۔ اپنے وقت کے استعمال میں اب اور بھی زیادہ کفایت شعاری برتنی پڑ رہی ہے، کیونکہ زندگی کے دن تھوڑے رہ گئے ہیں اور آگے مقصد زندگی کے لیے ابھی کام بہت کرنا ہے۔ اس حالت میں اپنی سوانح حیات لکھنا مجھے اپنے وقت کا کوئی صحیح مصرف نظر نہیں آتا۔ اگر میری زندگی میں کوئی چیز آئندہ نسلوں کی نگاہ میں قابل قدر ہوگی تو انہی میں سے کوئی بندۂ خدا اس ضرورت کو پورا کر دے گا، اور شاید صحیح سوانح حیات آدمی کے مرنے کے بعد ہی لکھی جا سکتی ہے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

بیگم چودھری نذیر احمد

چودھری نذیر احمد (۱۹۱۱ء ، جمال پور ، ضلع کرنال ––– ۱۱ ستمبر ۱۹۷۶ء ، ملتان) نے پٹیالہ کالج سے بی اے اور گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے ریاضی پاس کیا ۔ بعد ازاں نائب تحصیل دار ہوئے ۔ اسی دوران میں مولانا مودودی کی تحریروں سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ انگریز کی سرکاری ملازمت چھوڑ دی اور جماعتِ اسلامی سے باقاعدہ وابستہ ہو گئے ۔ حصولِ معاش کے لیے سرسہ میں ایک تجارتی ادارہ قائم کیا ۔ قیامِ پاکستان کے بعد پہلے جہانیاں اور پھر مستقلاً ملتان میں آباد ہو گئے ۔ یہاں ادارہ جامع العلوم کی بنیاد رکھی ۔ جماعتِ اسلامی میں مختلف اہم تنظیمی ذمہ داریوں پر فائز رہے ۔ اسلامی جمعیتِ طالبات (قیام: ستمبر ۱۹۶۹ء) کی داغ بیل آپ ہی کے گھر میں ڈالی گئی ۔ آپ کی بڑی بیٹی محترمہ شکورہ صاحبہ جمعیت طالبات کی پہلی ناظمۂ اعلیٰ منتخب ہوئیں ––– چودھری صاحب کی وفات پر مولانا نے ان کی اہلیہ کو درج ذیل تعزیتی خط لکھا:

۱۴۴

[لاہور]
۱۷ اگست ۱۹۷۶ء

محترمہ بہن، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط مورخہ ۱۳ اگست نہ معلوم مجھے دیر سے کیوں ملا۔ اس سے یہ معلوم کر کے سخت تشویش ہوئی کہ چودھری نذیر احمد صاحب پہ اسی بیماری کے بار بار حملے ہو رہے ہیں جو پچھلے ماہ جون میں ہوئے تھے۔ یہ تو اطمینان ہے کہ علاج میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی گئی ہو گی۔ آپ کے صاحبزادے خود ڈاکٹر ہیں اور یہاں اچھے سے اچھے ڈاکٹروں سے علاج کروا سکتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے دُعا بھی کرنی چاہیے کیونکہ اصل شفا دینے والا وہی ہے اور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فون نمبر: ۵۲۵۰۷

ابوالاعلیٰ مودودی
۵-اے ذیلدار پارک - اچھرہ
لاہور-۱۲ (پاکستان)

حوالہ ____________

مورخہ ۲۰ اگست ۷۶

محترمہ بہن، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا خط مورخہ ۱۲ اگست نامعلوم کچھ دیر سے مجھ کو ملا۔ اس سے یہ معلوم کر کے سخت تشویش ہوئی کہ چودھری غلام احمد صاحب پر اسی بیماری کے بار بار حملے ہو رہے ہیں جو پچھلے سال جون میں ہوئے تھے۔ یہ تو اطمینان ہے کہ علاج میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی ہوگی۔ آپ کے صاحبزادے خود ڈاکٹر ہیں اور یہاں اچھے سے اچھے ڈاکٹروں سے علاج کروا سکتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرنی چاہیے کیونکہ اصل شفا دینے والا وہی ہے اور اسی کی توفیق سے ڈاکٹر اور دوائیں نفع پہنچاتی ہیں۔ میں خود بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے نہایت قیمتی رفیق کو جلدی سے جلدی مکمل شفا عطا فرمائے تاکہ وہ اس کے دین کی خدمت کر سکیں۔ آپ بھی اکثر یہ دعا، شفا کے لیے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی ہے:

أَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ، أَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ
إِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا

اس کے علاوہ رات کو سوتے وقت قل ھو اللہ، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس تین دفعہ پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر پھونکیں اور پھر ان کو چودھری صاحب کے سارے جسم پر ملیں۔ بلکہ اگر چودھری صاحب ہوش میں ہوں تو ان کے اپنے ہاتھوں پر پھونکیں اور وہ خود اپنے ہاتھ

آپ سارے جسم پر ملیں - یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا طریقہ تھا اور آپ کی آخری بیماری میں حضرت عائشہؓ بھی اپنے ہاتھوں پر پھونک کر حضورؐ کے جسم مبارک پر انہیں ملتی تھیں، یا حضورؐ کے دونوں ہاتھوں پر پھونک کر آپ کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر جسم اطہر پر انہیں پھیرتی تھیں۔

چودھری صاحب کو میرا سلام پہنچا دیں - اللہ نے طاقت دی تو ان شاء اللہ کسی روز ان کی عیادت کے لیے حاضر ہونگا -

خاکسار

ابوالاعلیٰ

اسی کی توفیق سے ڈاکٹر اور دوائیں نفع پہنچاتی ہیں۔ میں خود بھی اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے نہایت قیمتی رفیق کو جلدی سے جلدی مکمل شفا عطا فرمائے تاکہ وہ اس کے دین کی خدمت کر سکیں۔ آپ بھی اکثر یہ دُعا مانگا کریں جو حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی ہے:

اَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ، اَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا۔[2]

اِس کے علاوہ رات کو سوتے وقت قُل ھو اللہ، قُل اعوذ برب الفلق اور قُل اعوذ برب الناس تین دفعہ پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر پھونکیں اور پھر ان کو چودھری صاحب کے سارے جسم پر ملیں، بلکہ اگر چودھری صاحب ہوش میں ہوں تو ان کے ہاتھوں پر پھونکیں اور وُہ خود اپنے ہاتھ اپنے سارے جسم پر ملیں۔ یہ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا طریقہ تھا اور آپ کی آخری بیماری میں حضرت عائشہؓ کبھی اپنے ہاتھوں پر پھونکتی اور حضورؐ کے جسمِ مبارک پر انھیں ملتی تھیں، یا حضور کے دونوں ہاتھوں پر پھونک کر آپ کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر جسمِ اطہر پر انھیں پھیرتی تھیں۔

چودھری صاحب کو میرا سلام پہنچا دیں۔ اللہ نے طاقت دی تو اِن شاءاللہ کسی روز ان کی عیادت کے لیے حاضر ہوں گا۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۱۔ مراد ہیں: ڈاکٹر مقبول شاہد (پ: ۱۲ جولائی ۱۹۳۶ء) چودھری صاحب کے بڑے صاحبزادے۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے ایم بی بی ایس کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے بلجیم اور سوئٹزرلینڈ گئے۔ ریڈیو تھراپی میں تخصص حاصل کیا۔ امراض سرطان کے ماہر معالج ہیں۔ اِن دنوں سرطانی امراض کے معالجاتی مرکز "انمول" لاہور کے ڈائریکٹر ہیں۔

۲۔ ترجمہ: خدایا، اس تکلیف کو دور فرما، اے انسانوں کے رب، اس کو شفا عطا فرما، تو ہی شفا دینے والا ہے۔ تیرے سوا کسی سے شفا کی توقع نہیں، ایسی شفا بخش کہ بیماری کا نام و نشان نہ رہے۔

ڈاکٹر صابر کلوروی

پروفیسر صابر حسین کلوروی (پ: ۳۱ اگست ۱۹۵۰ء ، کلور ، بانڈہ پیرخاں ، ضلع مانسہرہ) میٹرک کے بعد گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد سے بی ایس سی اور ایم اے اردو کیا ۔ آج کل گورنمنٹ کالج بالاکوٹ میں اردو کے استاد ہیں ۔ تصانیف * یاد اقبال * اقبال کے ہم نشین * تاریخ تصوف از اقبال * اشاریہ مکاتیب اقبال * عروض و بدیع ۔ وغیرہ ۔۔۔ "باقیاتِ شعرِ اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ" کے موضوع پر پنجاب یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی کے لیے مقالہ تحریر کیا ۔ مزید دیکھیے: ضمیمہ

۱۴۵

صابر کلوری نے اس خط کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا: جب میں "یادِ اقبال" لکھ رہا تھا، تو دارالاسلام ، علامہ اقبال اور مولانا مودودی کے ضمن میں بعض الجھنوں کا سامنا کرنا پڑا ۔ ایک سوال تو یہ تھا کہ دارالاسلام کا خیال سب سے پہلے کس کو سوجھا؟ اقبال کو یا چودھری نیاز علی کو؟ پھر یہ کہ ، یہ نام کس کا تجویز کردہ تھا؟ اس طرح یہ پتا نہیں چل رہا تھا کہ حیدر آباد سے روانہ ہو کر مولانا پہلے اقبال سے ملنے کے لیے لاہور آئے تھے یا سیدھے پٹھان کوٹ چلے گئے تھے؟ یہ سوالات مولانا کی خدمت میں بھیجے گئے تو انھوں نے حسب ذیل جواب عطا کیا:

[لاہور]

[۱۶ فروری ۱۹۷۷ء]

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آپ کا خط ملا جب مَیں حیدر آباد دکن میں تھا، اُس زمانے میں چودھری نیاز علی صاحب اور علامہ اقبال سے میری جُدا جُدا مراسلت ہوتی تھی اور مجھے کچھ علم نہ تھا کہ دونوں صاحبوں کے درمیان کوئی ربط ہے یا نہیں چودھری نیاز علی صاحب نے مجھے لکھا کہ مَیں نے کچھ زمین وقف کی ہے اور کچھ عمارتیں بنالی ہیں۔ اور چاہتا ہُوں کہ یہاں کوئی ایسا کام ہو جو دین ؛

کے لیے زیادہ سے زیادہ ضروری اور مفید ہو۔ مَیں نے جواب میں ان کو دارالاسلام کی تجویز کا مختصر خاکہ لکھ کر بھیج دیا۔ انھوں نے لکھا کہ یہ تخیل تو بہت ہی عمدہ ہے مگر اسے آپ ہی آکر عملی جامہ پہنائیں۔ مَیں نے معذرت کر دی اور انھیں بتایا کہ مَیں خود حیدرآباد میں اس تجویز کے مطابق ایک ادارہ قائم کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ چودھری صاحب نے میری وہ اسکیم علامہ اقبال مرحوم کو دکھائی تھی اور انھوں نے بھی اُسے پسند کیا تھا۔ اس کے بعد مَیں اپنے ایک ذاتی کام سے اگست ۱۹۳۷ء میں دہلی گیا تو چودھری صاحب مجھ سے ملنے کے لیے وہاں پہنچ گئے اور اصرار کیا کہ مَیں چل کر اُس جگہ اور ان عمارات کو دیکھ لوں۔ اس طرح مَیں ان کے ساتھ پہلے لاہور آیا اور علامہ مرحوم سے ملاقات کی پھر چودھری صاحب کے ساتھ ان کی جگہ دیکھنے کے لیے گیا اور وہاں سے واپسی پر دوبارہ لاہور آکر علامہ مرحوم سے ملا۔ انھوں نے مجھے ترغیب دی کہ مَیں چودھری صاحب کے وقف میں آنا قبول کر لوں اور وعدہ فرمایا کہ اگر تم وہاں منتقل ہو جاؤ تو مَیں بھی سال میں چھ مہینے وہاں رہا کروں گا۔ یہی چیز میرے وہاں منتقل ہونے کا موجب ہوئی اور مَیں مارچ ۳۸ء میں حیدرآباد سے ہجرت کر کے وہاں پہنچ گیا۔ اس بستی کا نام دارالاسلام بھی میرا ہی تجویز کیا ہوا تھا اور ادارہ کا نام بھی دارالاسلام مَیں نے رکھا تھا۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

بیگم پروفیسر عبدالحمید صدیقی

پروفیسر عبدالحمید صدیقی (۲۱ مئی ۱۹۲۳ء فیروزوالہ، گوجرانوالہ ـــــــ ۱۸ اپریل ۱۹۷۸ء، گوجرانوالہ) دینی تعلیم شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں سے حاصل کی۔ میٹرک اسلامیہ ہائی اسکول راولپنڈی، اور بی اے، ڈی اے وی کالج راولپنڈی سے کیا۔ والد صاحب فوت ہوگئے تو معاش کی فکر دامن گیر ہوئی۔ اسلامیہ ہائی اسکول گوجرانوالہ میں انگریزی کے استاد مقرر ہوئے۔ اسی اثناء میں پنجاب یونی ورسٹی لاہور سے بطور پرائیویٹ امیدوار ایم اے معاشیات کیا۔ کچھ عرصہ اسلامیہ کالج گوجرانوالہ میں پڑھایا، پھر اسلامیہ کالج لاہور آ گئے۔ قیامِ پاکستان سے قبل ہی مولانا مودودی کی تحریروں کا گہرا اثر لے کر تحریکِ اسلامی کے مؤید و معاون بن گئے تھے۔ ۱۹۵۸ء میں ماہنامہ "ترجمان القرآن" سے باقاعدہ وابستہ ہوئے، اور حینِ حیات اسے مرتب کرتے رہے۔ پروفیسر صدیقی صاحب بہترین استاد، اعلیٰ درجے کے مصنّف، محقّق، مترجم اور انتہائی پُرخلوص اور درویش منش انسان تھے۔ قرآن پاک کا انگریزی ترجمہ و تفسیر ان کی سب سے بڑی خواہش تھی، لیکن دس پاروں سے زیادہ کی مہلت نہ مل سکی۔ ان کی وفات مولانا مودودی کے لیے ایک عظیم صدمہ تھا، کیوں کہ مرحوم ان کے لیے دست و بازو کا درجہ رکھتے تھے۔

مولانا نے صدیقی صاحب کی وفات پر ترجمان القرآن، مئی ۱۹۷۸ء میں لکھا:

"اس مجسمۂ خیر انسان نے وفات پائی، جو ایک سچے مسلمان کی زندگی کا نمونہ تھی۔ اس روز اس خادمِ دین نے وفات پائی، جس نے اپنی زندگی کے پورے ۳۵ سال اسلام کی خدمت میں بسر کر دیے۔ اس روز وہ شخص دنیا سے اٹھ گیا، جو دین و دنیا کے علوم کا جامع تھا، اور جس کے قلم سے اردو اور انگریزی میں وہ تحریریں نکلیں، جو اِن شاءاللہ رہتی دنیا تک طالبینِ حق کو نفع پہنچاتی رہیں گی۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔ میں نے جو کچھ بھی تھوڑی بہت دین کی خدمت کی ہے، اس کے اجر میں بھی وہ میرے ساتھ شریک ہیں اور اپنی دینی خدمات کا اجر تو وہ پورا پورا خود ہی پائیں گے اِن شاءاللہ۔

"میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ان کو اپنے صالح بندوں میں شامل کرے اور انھیں آخرت میں وہ اجر عطا فرمائے، جو اس نے متقین اور مجاہدینِ فی سبیل اللہ کے لیے مہیا کر رکھا ہے"۔

تصانیف و تراجم * اسلام کا فلسفۂ تاریخ * ایمان اور اخلاق * اسلام اور تھیاکریسی * مذہب اور تجدید مذہب * عقیدۂ ختم نبوت کے چند عمرانی پہلو * انسانیت کی تعمیرِ نو اور اسلام * پس چہ باید کرد * انگریزی نظام تعلیم کا اساسی تخیل * اسلام کا روشن مستقبل * ایمان اور زندگی * اسلام اور معاشی تحفظ،

* The Life of Muhammad * Main Springs of Western Civilization * Islam and The Remaking of Humanity * A Philosophical Interpretation of History * Theory And The Islamic State * What Islam Gave to Humanity * Jehad in Islam * Translation And Notes On Muslim 4 vol * Mishkat-Al-Masbih, 2 vol.

پروفیسر عبدالحمید صدیقی کے انتقال پر مولانا مودودی نے مندرجہ ذیل تعزیت نامہ ان کی اہلیہ محترمہ کے نام ارسال کیا:

۱۴۶

[لاہور]

[۱۸ اپریل ۱۹۷۸ء]

عزیزہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کے قابلِ قدر شوہر اور ہمارے محترم رفیق کے انتقال کی خبر سُن کر مجھے ناقابلِ بیان صدمہ ہُوا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ وہ میرے بہترین رفیقوں میں سے تھے۔ سالہا سال وہ ترجمان القرآن کے لیے مضمون لکھتے رہے۔ ان کی وجہ سے مَیں ایک طرح سے ترجمان القرآن کے بارے میں مطمئن ہوگیا تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے اتنا علمی کام کیا ہے کہ کم لوگ ہی ان کے برابر ہوسکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کو فردوسِ بریں میں جگہ دے، آپ سب لوگوں کو صبرِ جمیل کی توفیق دے اور اُن کے سب رُفقاء کو بھی صبر عطا فرمائے۔

جماعت اسلامی کے ارکان و متفقین کے علاوہ بکثرت دیندار لوگ ان کی بے حد قدر کرتے تھے اور ان سے دِلی محبت رکھتے تھے۔

شریکِ غم

ابوالاعلیٰ

بغوچی محاذ

"بغوچی محاذ" کا قیام ۲۹ اپریل ۱۹۷۸ء کو عمل میں آیا ،اس سے قبل یہ محاذ زیر زمین تحریک کے طور پر 'تحریکِ آزادی کالاباغ' اور 'کالاباغ فرنٹ' کے نام سے برسرِ عمل رہا ۔ رات کی تاریکیوں میں چھپ چھپ کر کالاباغ اور میانوالی شہر کے گلی کوچوں میں ، عوام پر نواب زادگان کالاباغ کے مبیّنہ مظالم اور ان کے تشدد واستحصال کے خلاف پوسٹر لگانا ،یا آواز اٹھانا اس کی حکمتِ عملی تھی ۔جماعتِ اسلامی سمیت ضلع میانوالی کی بیشتر سیاسی جماعتوں نے "بغوچی محاذ" کے مطالبات کی حمایت کی ، لیکن پیپلز پارٹی نے حمایت سے گریز کیا ۔ جماعتِ اسلامی نے محاذ اور نواب زادگان کے درمیان مسئلے کے آبرومندانہ حل کی کوشش کی، لیکن بریلوی حضرات اور سوشلسٹوں نے اسے بے اثر بنا دیا ۔ کچھ عرصے بعد یہ بات طشت ازبام ہو گئی اور یہ محاذ آہستہ آہستہ بے اثر ہو گیا ۔ ۱۹۷۹ء میں بغوچی محاذ کے صدر محمد یوسف اور جنرل سیکرٹری مہر محمد مسافر تھے ۔ (روایت: جمیل احمد رانا)

۱۴۷

حصولِ حمایت کے لیے محاذ نے مولانا مودودی کو خط لکھا ، مولانا نے تحریر فرمایا:

[لاہور]

[۹ر ستمبر ۱۹۷۸ء]

محترمی ومکرمی ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کے خط سے کالاباغ میں ہونے والے مظالم کا حال معلوم کر کے سخت افسوس ہوا ۔ میں خود تو بیمار ہوں اور عملاً کچھ نہیں کر سکتا، البتہ آپ کا خط امیر جماعت اسلامی پاکستان کو بھیج رہا ہوں، تاکہ انصاف حاصل کرنے کے لیے جو تدبیر بھی ممکن ہو، وہ کی جائے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

آیت اللہ روح اللہ خمینی

آیت اللہ روح اللہ موسوی الخمینی (۲۴ ستمبر ۱۹۰۲ء خمین ــــــــ ۴ جون ۱۹۸۹ء تہران) شیعہ عالمِ دین اور ایران کے انقلابی رہنما ۔ ۱۹۶۴ء میں انھیں شاہِ ایران ، رضا شاہ پہلوی نے ملک بدر کر دیا ۔ پہلے ترکی، پھر عراق اور بعد ازاں ۱۹۷۸ء میں فرانس چلے گئے ۔ رضا شاہ پہلوی کے ایران سے فرار کے بعد یکم فروری ۱۹۷۹ء کو واپس ایران آئے۔ شہنشاہیت کے خاتمے میں انھوں نے بہت کلیدی کردار ادا کیا ۔ تقریباً چالیس کتابوں کے مصنف ۔

۱۴۸

جس زمانے میں ایران میں رضا شاہ کے خلاف زبردست تحریک چل رہی تھی ، جناب خمینی کے دو نمایندے ڈاکٹر محمد کمال اور انجینیر محمد ، ۲۰ جنوری ۱۹۷۹ء کو لاہور میں مولانا مودودی سے ملے، اور اُن کا ایک مکتوب مولانا تک پہنچایا (دیکھیے: گفتار و افکار ص ۳۰۵) ۔ اس کے جواب میں، مولانا نے حسب ذیل خط تحریر کیا:

مکتوب الیہ کو اردو خط کا عربی ترجمہ بھیجا گیا تھا ۔

لاہور

۲۱ جنوری ۱۹۷۹ء

آدابِ مخاطبت اور سلام و محبت کے بعد

ایران سے روز نت نئے تغیرات کی خبریں آ رہی ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ طوفان کا ایک حصہ ابھی گزرا ہے، مزید طوفان اُٹھتے چلے جا رہے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں اور یہاں کے سب اہلِ دین بھی دست بدعا ہوں کہ یہ سارے طوفان آخر دب جائیں اور ایران میں اسلامی انقلاب پایدار بنیادوں پر پایۂ تکمیل کو پہنچے ۔

آپ سے بھی دُعا کی استدعا ہے کہ پاکستان میں جس اسلامی انقلاب کے

آثار رُونما ہو رہے ہیں وہ بھی مکمل ہو جاتے اور ایران و پاکستان ایک ساتھ ہی دارالاسلام بن جائیں۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

چودھری نذر محمد

چودھری نذر محمد (پ: ۵ اپریل ۱۹۱۳ء موضع جو کالیاں، تحصیل پھالیہ) ، پنجاب یونی ورسٹی سے بی اے اور پشاور سے ایل ایل بی کیا ۔ کچھ عرصہ وکالت کی ۔ بعد ازاں اپنے بعض دوستوں کے اشتراک سے جفت سازی شروع کی اور "سروس" گروپ آف انڈسٹریز کے نام سے ایک صنعتی ادارہ قائم کیا ، جو ملک کے صفِ اول کے صنعتی اداروں میں شمار ہوتا ہے ۔

۱۴۹

"مجموعہ احکام القرآن" نذر محمد صاحب کے علمی اور دینی ذوق کا عمدہ نمونہ ہے۔ جس میں معاشرتی زندگی کے حوالے سے قرآنی احکامات کو اردو میں مدوّن کیا گیا ہے، اور یہ ترجمہ ، مولانا مودودی کی تفسیر "تفہیم القرآن" سے ماخوذ ہے ۔ اس مجموعے کی ترتیب میں شفیق الاسلام فاروقی نے ان کی معاونت کی تھی۔

[لاہور]

[۲۶ مئی ۱۹۷۹ء]

محترمی و مکرمی ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۶ مئی ملا ۔ بیماری کے باعث جلدی جواب نہ دے سکا۔

احکامِ قرآن کی نزولی ترتیب کوئی گناہ کی بات تو نہیں ، لیکن تمام احکام کو نزول کی ترتیب کے لحاظ سے مرتب کرنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ بعض احکام کے وقتِ نزول کا تعین تو ہو سکتا ہے ، لیکن اکثر احکام کے ٹھیک ٹھیک زمانۂ نزول کا تعین نہیں کیا جا سکتا ۔ اس لیے احکام کو بہ لحاظ مضامین مرتب کرنا بہتر ہے ۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

سید حسین فاروق مودودی

حسین فاروق مودودی (پ: ۱۵ فروری ۱۹۴۵ء) پنجاب یونی ورسٹی سے بی اے کیا۔ چند سال 'ادارہ ترجمان القرآن' کے تحت اشاعتی کاروبار کرتے رہے۔ مولانا مودودی کے چوتھے بیٹے ہیں۔ ان دنوں بہ سلسلۂ ملازمت ہوسٹن، امریکا میں مقیم ہیں۔

۱۵۰

باسمہٖ سبحانہٗ

بفیلو

۱۲ جون ۷۹ء

پیارے بیٹے حسین، السلام علیکم

مجھے یہاں آتے ہوئے تین ہفتے ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یاسین صاحب کو اجر دے۔ ان کی وجہ سے یہاں تک پہنچنے میں بڑی سہولت ہوئی، ورنہ سخت مشکلات پیش آتیں۔ میری صحت میں ابھی تک کچھ خاص فرق نہیں ہوا۔ قبض کی تکلیف میں کچھ کمی ہوئی ہے۔ لیکن جوڑوں کی تکلیف جوں کی توں ہے۔ واکر کی مدد سے روزانہ کچھ نہ کچھ چل لیتا ہوں۔ دو تین مرتبہ کٹہرے پکڑ کر سیڑھیاں بھی تقریباً اسی طرح چڑھا اترا ہوں، جس طرح فوکر فرینڈشپ پر چڑھا اور اترا تھا۔ امّی روزانہ موٹر پر سیر کے لیے لے جاتے ہیں۔ اس سے طبیعت کی وہ افسردگی دور ہو جاتی ہے جو ڈیڑھ سال تک ایک ہی جگہ بند رہنے سے طاری ہو گئی تھی۔

میں لاہور سے چلتے وقت ریڈیو لائسنس تجدید کے لیے دینا بھول گیا۔

باسمہ سبحانہ

بفیلو
۱۲ جون ۶۹ء

پیارے بیٹے حسین — السلام علیکم

مجھے یہاں آئے ہوئے تین ہفتے ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یاسین صاحب کو اجر دے۔ ان کی وجہ سے یہاں تک پہنچنے میں بڑی سہولت ہوئی، ورنہ سخت مشکلات پیش آتیں۔ میری صحت میں ابھی تک کچھ خاص فرق نہیں ہوا۔ قبض کی تکلیف میں کچھ کمی ہوئی ہے۔ لیکن جوڑوں کی تکلیف جوں کی توں ہے۔ ڈاکٹر کی مدد سے روزانہ کچھ نہ کچھ چل لیتا ہوں۔ دو تین مرتبہ کٹہرے پکڑ کر سیڑھیاں بھی تقریباً اسی طرح چڑھا اترا ہوں جس طرح فوکر فرینڈشپ پر چڑھا اترا تھا۔ ابھی روزانہ موٹر پر سیر کے لیے لے جاتے ہیں۔ اس سے طبیعت کی وہ افسردگی دور ہو جاتی ہے جو ڈیڑھ سال تک ایک ہی جگہ بند رہنے سے طاری ہو گئی تھی۔

میں لاہور سے چلتے وقت ریڈیو لائسنس تجدید کے لیے دینا بھول گیا۔ اب یاد آیا کہ اسی مہینے کو اس کی مدت ختم ہو رہی ہے اور نئے سال کے لیے فیس داخل کرنی ہے۔ یہ لائسنس عمر فاروق کے نام ہے۔ [illegible] صاحب سے کہہ کر نئے سال کی فیس داخل کر کے رسید لے لیں اور ڈاک خانے والوں سے کہہ دیں کہ میں امریکہ سے واپس ہونے کے بعد پچھلے سال کی رسید انہیں واپس کر دوں گا۔

گھر میں سب کو دعا سلام کہہ دیں۔

ابوالاعلیٰ

اب یاد آیا کہ اِس مہینے کو اُس کی مُدّت ختم ہو رہی ہے اور نئے سال کے لیے فیس داخل کرنی ہے۔ یہ لائسنس عمر فاروق کے نام ہے۔ بٹ صاحب[3] سے کہو کہ نئے سال کی فیس داخل کر کے رسید لے لیں اور ڈاک خانے والوں سے کہیں کہ میں امریکہ سے واپس ہونے کے بعد پچھلے سال کی رسید انھیں واپس کر دوں گا۔

گھر میں سب کو دُعا سلام کہہ دیں۔

ابوالاعلیٰ

---

۱ ۔ محمد یاسین (ڈان ٹریولز، لندن) مولانا مودودی کے ایک مدّاح اور عقیدت مند ۔۔۔ مولانا کے آخری سفرِ امریکا کی تیاری کے لیے لندن سے پاکستان آئے، اور مولانا کے ہم سفر ہوئے ۔ لندن میں مولانا تین روز تک ان کے ہاں ٹھیرے، پھر وہ مولانا کو بفیلو تک پہنچا کر آئے ۔ (قومی ڈائجسٹ ۔ جنوری ۱۹۸۰ء، ص ۳۰۵ ۔ ۳۰۸)

۲ ۔ مولانا کے صاحبزادے ڈاکٹر احمد فاروق مودودی (دیکھیے: خط ۲۸ حاشیہ ۲)

۳۔ بشیر احمد بٹ (پ ۱۵ دسمبر ۱۹۳۱ء) ابتدائی دور میں نیشنل عوامی پارٹی سے وابستہ رہے۔ ۱۹۵۲ء میں مولانا مودودی کی تحریروں سے متاثر ہوئے۔ ۱۹۷۳ء میں جماعت اسلامی کی رکنیت اختیار کی، اور اسی برس ادارہ "ترجمان القرآن" سے وابستہ ہو گئے۔ ان دنوں مکتبہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور کے شعبہ حسابات کے ناظم ہیں۔

ضمیمہ

بعض خطوط سے متعلق ضروری تصریحات' اپنے محل پر شامل نہیں ہو سکیں' انھیں خطوط کے شمار کے حوالے سے یہاں دیا جا رہا ہے:

خط ۲۷: ان دنوں ہیم پٹن یونی ورسٹی امریکا کے شعبہ سیاسیات سے 'بطور ایسوسی ایٹ پروفیسر' وابستہ ہیں۔

خط ۳۸: تعارفی نوٹ کا پہلا جملہ پڑھا جائے:
"علامہ اقبال معاصر علمائے دین میں ' سید انور شاہ کاشمیری کے بعد' سب سے زیادہ سید سلیمان ندوی کے قائل تھے۔"

خط ۳۹: سید محمد نواز بخاری جماعت اسلامی کے تاسیسی اجلاس میں بطور مبصر شریک تھے (تاریخ جماعت اسلامی ۱۹۴۱ تا ۱۹۴۷ء اسعد گیلانی) مگر انھوں نے جماعت میں باقاعدہ شمولیت اختیار نہیں کی۔

خط ۴۲: چودھری محمد اسلم خاں ۶ر جون ۱۹۹۳ء کو جوہر آباد میں وفات پا گئے۔

خط ۴۶: یہ دونوں مقالے جامعہ پنجاب کی مرکزی لائبریری نیو کیمپس لاہور میں موجود ہیں۔ فریدہ خانم کے مقالے کا ایک نسخہ اورینٹل کالج لاہور کے کتب خانے میں بھی موجود ہے۔ ملک صاحب کی یادداشتوں پر مشتمل مجموعہ مضامین "زندگی کی گزرگاہوں میں" (مرتبہ اختر حجازی) ۱۹۹۴ء میں لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

خط ۶۲: ایک روایت کے مطابق محمد یونس صاحب نے دسمبر ۱۹۴۰ء میں لاہور آکر مولانا مودودی سے تفصیلی ملاقات کی اور انھیں ریاست حیدر آباد کے مخدوش حالات سے آگاہ کیا۔ مولانا نے یونس صاحب کو یہ خط املا کرایا (اس لیے اس کے اختتام پر "بقلم محمد یونس" کے الفاظ درج ہیں۔ یادوں کے خطوط: ص ۶۹) وہ یہ مکتوب لے کر' واپس دکن چلے گئے۔ ہمیں اس کا قلمی متن ملا ہے' جو غالباً "مولانا کے املا کرائے ہوئے' متذکرہ بالا خط کی عکسی نقل ہے۔ اس کے آخر میں مولانا کے دستخط موجود ہیں' اس نقل کے شروع میں القاب و آداب موجود نہیں۔

خط ۶۳: مولانا ظفر احمد انصاری ۲۰ دسمبر ۱۹۹۱ء کو اسلام آباد میں انتقال کر گئے۔

خط ۸۹: دانش صاحب' صوبہ سرحد کے کالجوں میں ایک لمبے عرصے تک معلم اور پرنسپل کے فرائض انجام دینے کے بعد اب ملازمت سے سبک دوش ہو چکے ہیں۔

خط ۱۰۳: مسلم سجاد سرکاری ملازمت سے سبک دوشی کے بعد' لاہور منتقل ہو چکے ہیں۔ ان دنوں ماہنامہ "ترجمان القرآن" سے وابستہ ہیں۔

خط ۱۳۲: پنجاب یونی ورسٹی نے ان کے تحقیقی مقالے "جماعت اسلامی ۱۹۴۱ء" تا ء ۱۹۴۷ء (فیروز سنز لاہور، ۱۹۹۲ء) پر انھیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا کی تھی۔ وہ ۳ر اپریل ۱۹۹۲ء (۲۹ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ) کو اسلام آباد میں انتقال کر گئے۔

خط ۱۳۴: مزید تصانیف: اقبالیاتی جائزے۔ اقبالیات کے تین سال۔ علامہ اقبال منتخب کتابیات۔ علامہ اقبال اور میر حجازؒ۔ تفہیم اردو (شریک مرتب)۔ کتابیات مودودی (زیر ترتیب) آپ بیتی مولانا مودودی (زیر ترتیب، بہ اشتراک: سلیم منصور خالد)۔

خط ۱۳۵: نعیم صاحب "ترجمان القرآن" اور جماعت سے الگ ہو چکے ہیں۔ ان دنوں ۱۰۵۶، راوی بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور میں مقیم ہیں۔

خط ۱۴۵: صابر کلوروی صاحب کو ۱۹۸۹ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی۔ ان دنوں وہ شعبہ اردو پشاور یونی ورسٹی سے 'بطور ایسوسی ایٹ پروفیسر' وابستہ ہیں۔

کوائف نامہ خطوط

ذیل میں، ہر خط کے شمار کے حوالے سے، اس کی نوعیت و کیفیت اور اس کے ماخذ کی صراحت کی جا رہی ہے:

۱۔ "نقوش" لاہور کے خطوط نمبر، جلد دوم (ص ۲۳۸) میں مطبوعہ۔

۲، ۳۔ ماہ نامہ "چراغ راہ" کراچی، مارچ ۱۹۶۰ء میں مطبوعہ۔

۴۔ ہفت روزہ "سچ" لکھنؤ، ۱۴ اپریل ۱۹۳۲ء میں مطبوعہ۔

۵۔ ہفت روزہ "سچ" لکھنؤ، ۲۲ ستمبر ۱۹۴۵ء میں مطبوعہ۔

۶۔ ہفت روزہ "صدق" لکھنؤ، ۶ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں مطبوعہ۔

۷ تا ۲۴۔ "اقبال، دارالاسلام اور مودودی" میں شامل ہیں مگر ان کا متن ناقص ہے۔ لفظی حذف و ترمیم کے علاوہ، کئی جگہ پورے پیراگراف چھوڑ دیے گئے ہیں خصوصاً دیکھیے: خط ۱۱، ۱۵، ۱۸، ۲۰۔ یہ سب مولانا نے اپنے قلم سے تحریر کیے ہیں اور ان کے عکس دیے جا رہے ہیں۔ مکتوب الیہ کے صاحبزادے چودھری محمد اسلم خاں مرحوم سے، اصل خطوط مستعار لے کر عکس بنوائے گئے ہیں۔

۲۵ تا ۳۲۔ "تذکرہ سید مودودی" جلد اول (ص ۶۶۳ تا ۷۰۰) میں شامل ہیں مگر ان میں سے بھی بعض خطوں کا متن ناقص ہے۔ ہم نے اصل خطوط چودھری محمد اسلم خاں مرحوم سے حاصل کر کے صحیح متن دینے کی کوشش کی ہے۔ ۲۵، ۲۹ اور ۳۲ ٹائپ میں ہیں اور باقی مولانا کے اپنے سواد خط میں۔ خطوں کے عکس دیے جا رہے ہیں۔

۳۳۔ "وثائق مودودی" (ص ۹۵) میں مطبوعہ۔ اصل خط سید نذیر نیازی مرحوم کے پاس تھا، محمد یوسف بھٹہ مرحوم (وفات: نومبر ۱۹۹۰ء۔ مدفون: نظام آباد، وزیر آباد) نے اصل خط سے نقل تیار کی تھی۔ ترجمان کا پیڈ۔

۳۴۔ "وثائق مودودی" (ص ۹۵) میں مطبوعہ۔ قلمی، ترجمان کا پیڈ۔

۳۵۔ "وثائق مودودی" (ص ۹۶) میں مطبوعہ۔ اصل خط سید نذیر نیازی مرحوم کے پاس تھا' محمد یوسف بھٹہ مرحوم نے اس سے نقل تیار کی تھی۔

۳۶۔ مجلّہ "طلوع اسلام"" مئی ۱۹۳۸ء میں مطبوعہ۔

۳۷۔ عکسی متن مجلّہ "المعارف" لاہور' اپریل' مئی ۱۹۸۵ء میں چھپا۔ بعد ازاں یہی عکسی متن "سیارہ" لاہور میں بھی شائع ہوا۔

۳۸۔ ماہ نامہ "فاران" کراچی' اپریل ۱۹۵۳ء میں مطبوعہ۔

۳۹ تا ۴۰۔ دونوں خط مولانا کے سواد خط میں اور غیر مطبوعہ ہیں۔ اصل خط' مکتوب الیہ سے مستعار لے کر عکس بنوائے گئے تھے۔

۴۱۔ "ایشیا" لاہور' ۱۵ جولائی ۱۹۶۲ء میں مطبوعہ۔

۴۲۔ "ایشیا" لاہور' ۲۷ جون ۱۹۶۲ء میں مطبوعہ۔

۴۳۔ "ایشیا" لاہور' ۶ جون ۱۹۶۲ء میں مطبوعہ۔

۴۴۔ "ایشیا" لاہور' ۷ اگست ۱۹۶۲ء میں مطبوعہ۔

۴۵۔ "ایشیا" لاہور' ۱۴ اگست ۱۹۶۲ء میں مطبوعہ۔

۴۶۔ "ایشیا" لاہور' ۳۰ جون ۱۹۶۲ء میں مطبوعہ۔

۴۷۔ "ایشیا" لاہور' ۱۴ جون ۱۹۶۲ء میں مطبوعہ۔

۴۸۔ "ایشیا" لاہور' ۲۱ جون ۱۹۶۲ء میں مطبوعہ۔

۴۹۔ "مولانا مودودی سے ملیے" (ص ۲۶۳ تا ۲۷۰) میں مطبوعہ۔ کتاب مذکور کے مولف جناب اسعد گیلانی نے بتایا تھا کہ انھوں نے یہ خط کسی رسالے سے اخذ کیا تھا۔ خط کے شروع میں سنہ تحریر ۱۹۳۸ء' درج ہے' مگر خط کے آخر میں "۱۸ شعبان ۵۸ ھ" کے الفاظ درج ہیں۔ اس کے مطابق شمسی تاریخ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۹ء بنتی ہے۔

۵۰۔ ماہ نامہ "الفرقان" بریلی' صفر' ربیع الاول ۱۳۵۹ ھ میں مطبوعہ۔ "الفرقان" نے اسے مجلّہ "المحمود" رنگون سے اخذ کیا۔

۵۱ تا ۵۴۔ "پرانے چراغ" دوم سے اخذ کیے گئے ہیں۔ روزنامہ "جسارت" کراچی کے سید مودودی نمبر ۱۹۸۰ء میں بھی چھپ چکے ہیں۔

۵۵ تا ۵۶۔ ماہ نامہ "ذکریٰ" رام پور' احیاے اسلام نمبر' مارچ ۱۹۸۱ء سے اخذ کیے گئے۔

۵۷۔ ماہ نامہ "ترجمان القرآن" لاہور، جلد ۱۹، شمارہ ۱ تا ۳، ستمبر تا نومبر ۱۹۴۱ء، میں مطبوعہ، مگر مکتوب الیہ کا نام درج نہیں۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ خط مولانا سید مناظر احسن گیلانی صاحب کے نام لکھا گیا تھا۔

۵۸۔ مجلّہ "سیارہ" لاہور شمارہ ۲۵، سالنامہ ۱۹۸۷ء، ص ۱۷۷) میں عکسی متن چھپا تھا۔

۵۹۔ غیر مطبوعہ۔ محمد عاصم الحداد مرحوم کے بھائی جناب محمد کفایت اللہ (مالیر کوٹلہ، بھارت) کی توجہ سے حاصل ہوا۔

۶۰۔ ماہ نامہ "حیات نو" بلیریا گنج (مجدد مودودی نمبر) میں مطبوعہ، لیکن اس میں عکس نہیں دیا گیا۔ جماعت کے ریکارڈ سے مولانا رشید الدین فراہی مرحوم کا اصل خط بھی دستیاب ہوا جو یہاں دیا جا رہا ہے۔

۶۱۔ عکسی متن، پروفیسر خالد ہمایوں کی وساطت سے، محمد اشرف مرحوم کے ورثا سے حاصل ہوا۔ یہ معروف معنوں میں "خط" نہیں بلکہ تقریظ ہے۔

۶۲۔ "مولانا مودودی سے ملیے" (ص ۲۷۱) میں شامل ہے، جہاں یہ الفاظ درج ہیں: "فراہم کردہ مولانا ابو منظور شیخ احمد بنگلور" (ص ۲۷۱) مگر سلیم منصور خالد کے نام ایک خط میں جناب اسعد گیلانی نے اس کے ماخذ کے بارے میں یہ صراحت کی ہے: "میں نے انجمن اتحاد المسلمین کے نام مولانا کا خط "ماہنامہ انوار" حیدر آباد دکن کے کسی شمارے سے حاصل کیا تھا، جو اس وقت میرے فائل میں تھا اور اب وہ گم ہو چکا ہے۔" دوسرا بہتر متن "یادوں کے خطوط" (ص ۶۹ تا ۸۱) میں شامل ہے۔ (اس سلسلے میں مزید صراحت، ضمیمے میں دیکھیے۔)

۶۳ تا ۶۵۔ "نشان راہ" کراچی، ۲۴ ستمبر ۱۹۴۸ء، میں شائع ہوئے۔ یہ خطوط "خطبات عثمانی" میں بھی شامل ہیں۔

۶۶۔ ماہنامہ "طلوع اسلام" کراچی، نومبر ۱۹۴۸ء میں مطبوعہ۔

۶۷۔ جزوی طور پر "مکاتیب زنداں" (ص ۷۴-۷۵) میں شامل ہے۔

۶۸۔ عکسی متن روزنامہ "تسنیم" لاہور، ۱۱ جون ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا۔ "مکاتیب زنداں" (ص ۷۶، ۷۷) میں بھی شامل ہے۔

۶۹ تا ۷۰۔ عکسی متن "آئین" لاہور، تفہیم القرآن نمبر (۱۵ دسمبر ۱۹۷۲ء ص ۱۴۱) میں شائع ہوا۔

۷۱۔ ہفت روزہ "چٹان لاہور ۲۲ مئی ۱۹۵۰ء میں مطبوعہ۔ "مکاتیب زنداں" (ص ۱۲۳'۱۲۴) اور "مولانا مودودی سے ملیے" (ص ۲۹۶'۲۹۷) میں بھی شامل ہے' لیکن شورش کاشمیری کے خط کا عکس پہلی مرتبہ دیا جا رہا ہے۔

۷۲۔ ہفت روزہ "چٹان" میں عکسی متن چھپا۔

۷۳۔ ہفت روزہ "چٹان" ۳ نومبر۱۹۷۵ء میں مطبوعہ۔

۷۴۔ مجلہ "نقوش" کے خطوط نمبر جلد دوم میں مطبوعہ۔

۷۵۔ ماہ نامہ "چراغ راہ" کراچی' جون ۱۹۵۵ء میں مطبوعہ۔ یہ خط "مولانا مودودی سے ملیے" (ص ۳۱۷'۳۱۸) اور "اقبال اور مودودی" (ص ۶۶'۶۷) میں بھی شامل ہے۔ موخرالذکر میں اس کا مکتوب الیہ "ایک نیاز مند (صوبہ سرحد)" بتایا گیا ہے۔

۷۶۔ "مولانا مودودی سے ملیے" (ص ۳۱۹'۳۲۰) اور "اقبال اور مودودی" (ص ۶۸ تا ۷۰) میں شامل ہے۔

۷۷۔ غیر مطبوعہ۔ جوابی پوسٹ کارڈ پر لکھا گیا۔ مکتوب الیہ سے حاصل ہوا۔

۷۸۔ مطبوعہ۔

۷۹۔ غیر مطبوعہ۔

۸۰۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے زمانے میں جماعت اسلامی کے شائع کردہ ایک وضاحتی پمفلٹ میں شائع ہوا۔

۸۱۔ ماہ نامہ "فاران" کراچی' نومبر۱۹۵۵ء میں مطبوعہ۔

۸۲۔ ماہ نامہ "فاران" کراچی' فروری ۱۹۵۷ء میں مطبوعہ۔

۸۳۔ ہفت روزہ "ایشیا" لاہور میں مطبوعہ۔

۸۴۔ ماہ نامہ "چراغ راہ" کراچی' مارچ ۱۹۶۰ء میں مطبوعہ۔

۸۵۔ غیر مطبوعہ۔ ٹائپ میں ہے۔

۸۶۔ ماہ نامہ "چراغ راہ" کراچی' اپریل ۱۹۶۸ء میں مطبوعہ' مگر متن پورا نہیں ہے۔

۸۷۔ روزنامہ "تسنیم" لاہور' ۶ جنوری ۱۹۵۶ء میں عکسی شائع ہوا۔

۸۸۔ غیر مطبوعہ۔ مکتوب الیہ سے حاصل کیا گیا۔

۸۹۔ غیر مطبوعہ۔ مکتوب الیہ سے حاصل کیا گیا۔ یحیٰ صاحب کے قلم سے۔

۹۰۔ غیر مطبوعہ۔ مکتوب الیہ سے سے حاصل کیا گیا۔ پوسٹ کارڈ۔ ٹائپ۔

۹۱۔ "ایشیا" لاہور ۳۰ ستمبر ۱۹۵۷ء میں مطبوعہ۔ محمد حسین شمیم کی کتاب "سید مودودی، پرعزم زندگی، گم نام گوشے" میں بھی شامل ہے (ص ۱۰۴، ۱۰۵)۔

۹۲۔ غیر مطبوعہ۔ مولانا کے اپنے قلم سے۔ آخر میں ملک غلام علی صاحب کا نوٹ ہے۔

۹۳۔ غیر مطبوعہ۔

۹۴۔ غیر مطبوعہ۔

۹۵۔ ماہنامہ "بتول" لاہور، ستمبر ۱۹۸۰ء میں مطبوعہ۔

۹۶۔ عکسی متن ہفت روزہ "زندگی" لاہور، ۳۱ جولائی ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا۔

۹۷۔ عکسی متن ماہنامہ "قومی ڈائجسٹ" مارچ ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا۔

۹۸۔ عکسی متن ماہنامہ "قومی ڈائجسٹ" مارچ ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا۔

۹۹۔ "ایشیا" ۱۴ جون ۱۹۶۲ء میں مطبوعہ۔

۱۰۰۔ روزنامہ "ندائے ملت" لاہور، ۱۹ اگست ۱۹۷۰ء میں مطبوعہ، متن ناقص۔

۱۰۱۔ روزنامہ "نوائے وقت" لاہور، اگست ۱۹۷۶ء میں مطبوعہ۔

۱۰۲۔ روزنامہ "نوائے وقت" لاہور، ۳۱ مئی ۱۹۷۸ء اور "ایشیا" جون ۱۹۷۸ء میں مطبوعہ، متن ناقص۔

۱۰۳۔ غیر مطبوعہ۔ ادارہ معارف اسلامی، کراچی کے ریکارڈ سے حاصل ہوا۔

۱۰۴ تا ۱۰۸۔ "ذکریٰ" رام پور، احیاے اسلام نمبر میں مطبوعہ۔

۱۰۹۔ عکسی متن مکتوب الیہ کے شعری مجموعے "زخمہ دل" میں شامل ہے۔

۱۱۰ تا ۱۲۱۔ غیر مطبوعہ۔ مکتوب الیہ سے، بتوسط محمد یوسف صاحب حاصل ہوئے۔ ٹائپ۔ ذاتی پیڈ پر۔

۱۲۲۔ غیر مطبوعہ۔ ایروگرام۔ مولانا کے سواد خط میں۔ محمد ابرار صاحب (امیر جماعت کے ذاتی معاون) کے توسط سے حاصل ہوا۔

۱۲۳۔ "ایشیا" ۱۹ اپریل ۱۹۷۰ء میں مطبوعہ۔ ٹائپ۔

۱۲۴۔ روزنامہ "پاکستان ٹائمز" میں مطبوعہ، مگر متن ناقص اور نامکمل ہے۔

۱۲۵۔ غیر مطبوعہ۔

۱۲۶۔ غیر مطبوعہ۔ ٹائپ۔ ذاتی پیڈ۔ مکتوب الیہ سے بتوسط صابر کلوروی صاحب

حاصل ہوا۔

۱۲۷۔ غیر مطبوعہ۔ مکتوب الیہ سے حاصل ہوا۔ ٹائپ۔ ذاتی پیڈ۔

۱۲۸۔ غیر مطبوعہ۔ مکتوب الیہ سے حاصل ہوا۔ مکتوب الیہ کا خط بھی شامل ہے۔

۱۲۹ تا ۱۳۰۔ ہفت روزہ "آئین" میں مطبوعہ۔

۱۳۱۔ غیر مطبوعہ' ٹائپ۔ ذاتی پیڈ۔

۱۳۲۔ "قومی ڈائجسٹ" مارچ ۱۹۸۰ء میں مطبوعہ۔ خط کے ساتھ تقریظ بھی دی گئی ہے۔

۱۳۳۔ عکسی متن کراچی یونی ورسٹی کے مجلّے" الجامعہ" ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا۔ ٹائپ۔ ذاتی پیڈ پر۔

۱۳۴۔ ماہ نامہ "مہر نیم روز" کراچی نومبر ۱۹۳۷ء میں مطبوعہ۔ "اقبال اور مودودیؒ" (ص ۷۶) میں بھی شامل ہے۔ ٹائپ۔

۱۳۵۔ عکسی متن "سیارہ" مولانا مودودی نمبر' اپریل ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا۔

۱۳۶۔ مجلّہ "سیارہ" اقبال نمبر' فروری ۱۹۷۸ء میں مطبوعہ۔ ٹائپ۔

۱۳۷۔ ہفت روزہ "ایشیا" ۱۵ ستمبر ۱۹۷۴ء میں مطبوعہ۔

۱۳۸ تا ۱۳۹۔ سہ روزہ "دعوت" دہلی کے خاص نمبر میں مطبوعہ۔

۱۴۰۔ مکتوب الیہ سے بہ توسط اشرف حسین حاصل ہوا۔ ہفت روزہ "آئین" ۱۷ فروری ۱۹۷۵ء میں مطبوعہ۔

۱۴۱۔ مکتوب الیہ کی مرتب کردہ کتاب "عظیم مائیں" میں شامل ہے۔

۱۴۲۔ "اقبال' دارالاسلام اور مودودی" (ص ۲۷۶ تا ۲۸۴) میں شامل ہے مگر متن ناقص ہے۔ ہمیں اس کی عکسی نقل' مکتوب الیہ سے حاصل ہوئی۔ ٹائپ۔ مولانا کا پیڈ۔

۱۴۳۔ پندرہ روزہ "ڈیموکریٹ" میں شائع ہوا۔ بعد ازاں ہفت روزہ "آئین" میں بھی چھپا۔

۱۴۴۔ "ایشیا" ۱۶ دسمبر ۱۹۷۹ء میں چھپا۔

۱۴۵۔ ماہنامہ "سیارہ ڈائجسٹ" دسمبر ۱۹۷۹ء میں مطبوعہ۔ ٹائپ۔

۱۴۶۔ "عبدالحمید صدیقی اپنی تحریروں کے آئینے میں" میں شامل ہے۔

۱۴۷۔ غیر مطبوعہ۔ ٹائپ۔ ذاتی پیڈ۔

۱۴۸- "گفتار و افکار" مرتبہ عاصم نعمانی (ص ۳۰۷) میں شامل ہے۔
۱۴۹- عکسی متن "احکام القرآن" (ص ۳۴) میں شامل ہے۔ ٹائپ۔ ذاتی پیڈ۔
۱۵۰- عکسی متن "ایشیا" ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا۔

کتابیات

احکام القرآن	چودھری نذر محمد	سروس انڈسٹریز لمیٹڈ لاہور، ۱۹۸۵ء
اردو ادب، ۱۸۵۷ تا ۱۹۶۶ء	ڈاکٹر سید عبداللہ	مکتبہ خیابان ادب لاہور، ۱۹۶۷ء
اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد اول		پنجاب یونی ورسٹی لاہور، ۱۹۶۴ء
اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۳		پنجاب یونی ورسٹی لاہور، ۱۹۷۶ء
اقبال اور مودودی	ابو راشد فاروقی	مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ۱۹۷۷ء
اقبال، دارالاسلام اور مودودی	سید اسعد گیلانی	لاہور ۱۹۷۸ء
اقبال کے ہم نشین	مرتبہ: صابر کلوروی	مکتبہ خلیل لاہور، ۱۹۸۵ء
الجہاد فی الاسلام	سید ابوالاعلیٰ مودودی	اسلامک پبلی کیشنز لاہور ۱۹۷۱ء
اوراق گم گشتہ	مرتبہ: رحیم بخش شاہین	اسلامک پبلی کیشنز لاہور ۱۹۷۵ء
بدلتے نصب العین	خواجہ اقبال احمد ندوی	حرا پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۶ء
پاکستان ناگزیر تھا	سید حسن ریاض	کراچی، ۱۹۷۰ء
پرانے چراغ (دوم)	ابوالحسن علی ندوی	مکتبہ نشریات اسلام کراچی، ۱۹۸۱ء
پنجاب کی سیاسی تحریکیں	عبداللہ ملک	نگارشات لاہور، ۱۹۷۰ء
تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند، جلد دوم		پنجاب یونیورسٹی لاہور،
تجدید و احیائے دین	سید ابوالاعلیٰ مودودی	اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۷۱ء
تحریک آزادی ہند اور مسلمان (اول)	سید ابوالاعلیٰ مودودی	اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۷۰ء

تحریک آزادی ہند اور مسلمان (دوم)	سید ابوالاعلیٰ مودودی	اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۷۳ء
تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر تبصرہ	مرتبہ: نعیم صدیقی سعید احمد ملک	مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی پاکستان لاہور، ۱۹۵۵ء
تذکرہ سید مودودی (اول)	مرتبین: جمیل احمد رانا سلیم منصور خالد	ادارہ معارف اسلامی لاہور، ۱۹۸۶ء
ترکستان میں مسلم مزاحمت	آباد شاہ پوری	اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۳ء
تفہیمات (اول)	سید ابوالاعلیٰ مودودی	اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۲ء
تفہیمات (دوم)	سید ابوالاعلیٰ مودودی	اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۷۰ء
تفہیمات، (سوم)	سید ابوالاعلیٰ مودودی	اسلامک پبلی کیشنز لاہور ۱۹۴۹ء
تفہیم القرآن (پنجم)	سید ابوالاعلیٰ مودودی	ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۱۹۸۵ء
جب وہ ناظم اعلیٰ تھے (اول)	متقین الرحمٰن سلیم منصور خالد	ادارہ مطبوعات طلبا لاہور، ۱۹۸۱ء
جماعت اسلامی کے ۲۹ سال	سید ابوالاعلیٰ مودودی	شعبہ نشرواشاعت جماعت اسلامی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۰ء
خطوط مودودی،	مرتبہ: رفیع الدین ہاشمی سلیم منصور خالد	البدر پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۳ء
دیار عرب میں چند ماہ	مسعود عالم ندوی	مکتبہ چراغ راہ کراچی، ۱۹۵۰ء
رجال اقبال	عبدالرؤف عروج	نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۸ء
رسائل و مسائل (اول)	سید ابوالاعلیٰ مودودی	اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۶۸ء
روداد جماعت اسلامی (اول)		مکتبہ جماعت اسلامی دارالاسلام، جمال پور پٹھان کوٹ، س ن
سمرقند و بخارا کی خونیں سرگذشت	اعظم ہاشمی	مکتبہ اردو ڈائجسٹ لاہور، ۱۹۷۰ء

عبدالحمید صدیقی، اپنی تحریروں کے آئینے میں		قاضی پبلی کیشنز لاہور
عبدالکریم کی کہانی خود ان کی زبانی	عبدالکریم عابد	حیدر آباد دکن، بھارت
دیدہ و شنیدہ	ڈاکٹر شیر بہادر خان	دارالشفاء ایبٹ آباد
عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح پر ایک نظر	سید احمد عروج قادری	مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ۱۹۷۹ء
عظیم مائیں	محمد واصل عثمانی	احباب پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۰ء
علی برادران	رئیس احمد جعفری	محمد علی اکیڈمی لاہور، ۱۹۶۳ء
فتنہ مودودیت پر ایک بے لاگ تبصرہ	ابو اطہر آفاقی	ادارہ ادبستان جوہر آباد، ۱۹۷۷ء
کلیات مکاتیب اقبال (اول)	مرتبہ: سید مظفر حسین برنی	اردو اکادمی دہلی، ۱۹۸۹ء
گفتار و افکار	مرتبہ: عاصم نعمانی	ادارہ معارف اسلامی لاہور، ۱۹۸۸ء
مسلم امہ، سوویت روس میں	آباد شاہ پوری	انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء
مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش (اول)	سید ابوالاعلیٰ مودودی	دارالاسلام، پٹھان کوٹ
مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش (دوم)	سید ابوالاعلیٰ مودودی	دارالاسلام، پٹھان کوٹ
مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش (سوم)	سید ابوالاعلیٰ مودودی	مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی لاہور، ۱۹۵۵ء
مسئلہ کشمیر	سید ابوالاعلیٰ مودودی	ادارہ مطبوعات طلبہ لاہور، ۱۹۸۰ء
معاشیات اسلام	سید ابوالاعلیٰ مودودی	اسلامک پبلی کیشنز لاہور
مکاتیب زنداں	مرتبہ: حکیم محمد شریف مسلم	مکتبہ چراغ راہ کراچی، ۱۹۵۲ء
مکاتیب سید ابوالاعلیٰ مودودی (اول)	مرتبہ: عاصم نعمانی	ایوان ادب لاہور، ۱۹۷۱ء
مکاتیب سید ابوالاعلیٰ مودودی (دوم)	مرتبہ: عاصم نعمانی	اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۷۲ء
مکتوبات مودودی	مرتبہ: اشرف بخاری	منظور عام پریس، پشاور، ۱۹۸۳ء
مکتوبات	مرتبہ: حکیم محمد شریف	البدر پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۶ء
مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں	محمد یوسف	مکتبہ الحبیب لاہور، ۱۹۹۵ء
مولانا مودودی سے ملیے	سید اسعد گیلانی	آزاد بک ڈپو سرگودھا، ۱۹۶۲ء

ناموران ص:۳	مرتبہ: شہریار (جلد ۲۴)	شعبہ اردو، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ، جنوری ۱۹۸۷ء تا جولائی ۱۹۸۸ء
وثائق مودودی	مرتبہ: سلیم منصور خالد	ادارہ معارف اسلامی لاہور
یاد رفتگاں (اول)	ماہر القادری مرتبہ: طالب ہاشمی	البدر پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۴ء
یاد رفتگاں (دوم)	ماہر القادری مرتبہ: طالب ہاشمی	البدر پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۶ء
یادوں کے خطوط	مرتبہ: محمد یونس	اسلامی مکتبہ حیدر آباد دکن ۱۹۸۳ء
یہ گرفتاریاں کیوں؟		جماعت اسلامی پاکستان، لاہور

سید ابوالاعلیٰ مودودی (۱۹۰۳ء-۱۹۷۹ء)

دور حاضر میں تحریکِ احیائے اسلام کے علم بردار اور قافلہ سالار۔ بلند پایہ مفکر اور مصنف، جنھوں نے اسلامی نظریات کی تشریح و توضیح کو موثر اور دل نشیں اسلوب میں پیش کیا۔ ان کی تصانیف کی تعداد اسی سے زیادہ ہے، جبکہ ان کی تفسیر "تفہیم القرآن" نے نئی زمانہ ذہنوں کو قرآنی حکمت و شعور سے منور کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ بیسویں صدی میں دینِ اسلام کو ایک جامع نظامِ حیات کی حیثیت سے پیش کرنے میں سید مودودی کی تحریروں نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ ان کی مختلف تصانیف کے دنیا کی تقریباً چالیس زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔



ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی اورنٹل کالج، لاہور۔

تالیفات: ☆ خطوطِ اقبال ☆ علامہ اقبال اور میر حجاز ☆ خطوطِ مودودی ☆ تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ ☆ کتابیاتِ اقبال ☆ 5 اے ذیلدار پارک (مولانا مودودی کی گفتگوئیں) ☆ اقبالیاتی جائزے ☆ اقبال کی طویل نظمیں ☆ اصنافِ ادب ☆ کتابیاتِ مودودی (زیرِ طبع) وغیرہ۔

سلیم منصور خالد، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ پنجابی، گورنمنٹ ایف سی کالج، لاہور۔

تالیفات: البدر ☆ تصریحات ☆ خطوطِ مودودی ☆ مسئلہ کشمیر: کل آج اور کل ☆ وثائقِ مودودی ☆ تذکرہ سید مودودی ☆ یکساں نظام تعلیم ☆ مشرح کتابیاتِ تعلیم ☆ جرمِ ☆ طلبہ تحریکیں ☆ جب وہ ناظم اعلیٰ تھے، وغیرہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی کے بیش بہا خطوط کا یہ سرمایہ ان کے گراں قدر قلمی فیوض میں ایک قیمتی اضافہ ہے۔ بلاشبہ ہر خط کاتب خط کی پوری شخصیت کا ترجمان ہوتا ہے' اس لحاظ سے یہ مجموعہ خطوط ایک بڑا دلاویز مرقع ہے۔ کیونکہ سید مودودی کی تحریروں میں خطوط' ان کی شخصیت کی بہترین ترجمانی کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ ان کے علمی افکار کا مخزن ہیں۔ یہ ان مقاصد' امنگوں اور آرزوؤں کے بھی آئینہ دار ہیں' جن کے لئے وہ زندگی بھر جدوجہد کرتے رہے۔ یہ راہِ عزیمت کی ان منازل کی نشاندہی کرتے ہیں' جن سے وہ گزرتے رہے۔ مولانا اپنے خطوں میں کبھی کبھی ان جذبات و احساسات کی جھلک بھی دکھا دیتے ہیں' جو ان کے قلب و روح میں موجزن رہے۔ یہ خطوط ابتدائی دور میں ان افکار و نظریات کی بہترین ترجمانی بھی کرتے ہیں۔ ان کی روشنی میں نہ صرف اس دور کی دینی' علمی اور سیاسی و سماجی تاریخ مرتب کرنے میں مدد مل سکتی ہے' بلکہ ان کی سوانح اور کردار نگاری کا کام تو ان کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ مرتبین نے بڑی محنت' سلیقے اور عرق ریزی سے خطوط کے پس منظر اور حواشی کا اضافہ کر کے مجموعہ کی افادیت میں بیش قیمت اضافہ کر دیا ہے۔

خرم مراد

مدیر ماہنامہ "ترجمان القرآن" لاہور



مولانا مودودی کے خطوط سرسید اور اقبال کے خطوں کی یاد دلاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی ذاتی زندگی کو خدا حافظ کہہ کر اجتماعی زندگی کے دھارے میں اپنے آپ کو یوں شامل کیا کہ اپنے عہد کے فکری اور ذہنی قائد ٹھہرے۔ مولانا مودودی کی جو شخصیت ان کے خطوط میں نظر آتی ہے' وہ ایک ایسے انسان کی سیرت ہے جو قول حق کی ادائیگی پر اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے۔ اپنے عمل کی جزا کسی سے طلب نہیں کرتا اور اپنی غلطیوں کو ماننے پر آمادہ رہتا ہے۔ اپنے باب میں بھی مبالغہ کو پسند نہیں کرتا اور اپنے دشمنوں کے بارے میں بھی حدِ اعتدال و انصاف سے نہیں گزرتا۔

ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی

سابق صدر' شعبہ اردو' کراچی یونیورسٹی